مکتوبات

دو صدی (اردو)

مصنف

حضرت شیخ شرف الدین احمد
یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی

ایم اے جناح روڈ کراچی

مکتوباتؒ

دوصدیؒ (اردو)

مُصنّف

حضرت شیخ شرف الدین احمد
یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

مُترجم

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد نعیم ندوی فردوسی القادریؒ

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی

ایم اے جناح روڈ کراچی

مکتوبات

دو صدی (اردو)

مُصنّف

حضرت شیخ شرف الدین احمد
یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی

ایم اے جناح روڈ کراچی

فہرست

ترجمہ دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے مشائخ کرام کو جائز اسرار کے کھولنے کی توفیق بخشی اور مریدین کو کوشش اور اختیار کے ذریعہ ان اسرار کے قبول کرنے کی صلاحیت بخشی۔ اور ان کی، ان کی ذات کی برکات کے ذریعہ نفس اور دیگر اشرار کے شرور سے حفاظت کی۔ اور قسم قسم کے کشف کے ذریعہ ان کے قلوب سے حجابات دور کئے۔ انوار اور صلوٰۃ وسلام ہو اس کے نبی، رسول، محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے آل واصحاب اور امتِ ابرار پر۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو سعادت واسعہ بخشے اور تحصیل علم وعمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

اس سے قبل سو مکتوبات کی تالیف وترتیب کا کام مکمل ہوا تھا۔ جو قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام تھے۔ الحمدللہ کہ وہ کتاب عوام وخواص میں بہت مقبول ہوئی۔ اور اس کے نسخے مشہور ہو کر مشرق ومغرب میں پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ دو اور چند مکتوب اور بھی ہیں جن کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ تمام مکتوبات مقصود ومطلوب تک پہنچ جائیں گے۔

مولانا ومخدومنا، شیخ زماں، سببِ امن واماں، مدققِ دقایقِ شریعت، محققِ حقایقِ حقیقت، خلق سے ظاہر میں احکام بیان کرنے والے، اہل حق کے لیے اسرار باطن کھولنے والے، سننِ نبویہ کے زندہ کرنے والے، آثار مصطفوی کے ظاہر کرنے والے، اہل بدع کے دین کو مٹانے والے، اہل ورع کے دین کے محافظ، بلند درجات تک جانے والے، نعمت فاخرہ کے پانے والے، گناہ کی تاریکیوں سے تاریک ہوتے والے دلوں کو منوّر کرتے والے، حشر میں قصورواروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے، مریدین کو مراد تک پہنچانے والے، یوم حشر میں خلق کی مدد کرنے والے بقیۃ السلف، مقتدائے خلق شرف الملۃ والدین احمد بن یحییٰ منیری، جنھوں نے دارین میں ماسوی اللہ سے منھ پھیر لیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے طول بقا سے فائدہ پہنچائے اور تمام مومنوں پر ان کے لقا کی نعمت کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

قطعہ

شکرہا می کنم بدرگہ حق ٭ گرچہ شکرش نہ کار آسانست
(میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ اس کا شکر ادا کرنا آسان کام نہیں ہے)

درمیانِ مشائخ و علماء ٭ ذاتِ پاکش جو مہر تابانست
(مشائخ و علماء کے درمیان ان کی ذات پاک چاند کی طرح روشن ہے)

کاندریں عصر پُر ز کفر و جہل ٭ گفتۂ او محض ایمانست
(کفر و جہل سے بھرے ہوئے اس زمانے میں ان کا فرمایا ہوا عینِ ایمان ہے)

ہرچہ در راہِ دیں شود مشکل ٭ صد عبارت زبانِ گویانست
(دین کی راہ میں جو بھی مشکل پیش آتی ہے۔ ان کی زبان اس کو سو سو طرح سے حل کرتی ہے)

وصفِ او در زباں نہ می گنجد ٭ ہرچہ گویم ہزار چندانست
(ان کی تعریف زبان سے نہیں کی جا سکتی۔ جو کچھ بھی ان کے اوصاف بیان کروں وہ اس سے ہزار گونہ بڑھ کر ہیں)

خواستم تا ز صد یکے گویم ! ٭ گفتنِ صدق کار مردانست
(میں نے چاہا کہ ان سینکڑوں میں سے ایک تو بیان کروں۔ اس لیے کہ سچی بات کہنا مردوں کا کام ہے)

ہاتفِ غیب در سخن آمد ٭ کار تو نیست کار خاصانست
(ہاتف غیبی نے آواز دی کہ یہ تیرا کام نہیں ہے۔ یہ تو خاص لوگوں کا کام ہے۔)

با وجودِ ملوثے بہ گناہ ٭ یادِ پاکاں بکن کہ یاد آنست
(گناہ میں ملوث ہونے کے باوجود پاک لوگوں کی یاد کرتا رہ کہ اصل یاد یہی ہے)

صفتِ اولیاء خدا کردہ است ٭ ذکر شاں در قرآں فراوانست
(اولیاء کی صفت تو خود اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔ ان کا ذکر قرآن میں بہت زیادہ ہے)

مردماں[1] راز خجلت وصفش ٭ لب گزیدہ بزیرِ دندانست
(ان کے وصف کی شرمندگی سے لوگوں کے لب زیرِ دنداں ہیں)

با فنون و علوم کاندریں عصر ٭ پیشِ فضلش نہادہ دندانست[2]
(ہر قسم کے علوم و فنون کے حامل اس دور میں ان کے فضل کے سامنے متحیر ہیں)

۱؎ قلمی نسخہ میں حسان ؓ ہے۔ ۲؎ مادحاں۔ قلمی نسخہ۔ ۳؎ و بہ دانست قلمی نسخہ۔

دوستانش مدام در خندہ ÷ زاں حسودش ہمیشہ گریانست

(ان کے دوست ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں۔ اور ان کے حاسد ہمیشہ رونے والے ہیں)

اشرفِ رکن مدح او چہ کند ÷ وصفِ آں ذات کار پاکانست

(اشرف ابن رکن الدین ان کی مدح کیا کر سکتا ہے۔ ان کے اوصاف کو بیان کرنا تو پاک لوگوں کا کام ہے)

اے خداوند خاک پایش کن ÷ برسرم، کاں نہ لایقِ آنست

(اے خدا میرے سر پر ان کے قدموں کی خاک ڈال دے۔ اس لیے کہ یہ تو اس کے لائق بھی نہیں ہے)

عذرِ تقصیر بندگی ہر دم[۱] ÷ می نخواہد چو زاں پشیمانست

(یہ بندہ بندگی میں ہر وقت کوتاہی کی وجہ سے معذرت چاہتا ہے کیونکہ اس سے شرمندہ ہے)

گر قبول افتدش عجب نبود ÷ صفتِ لازمیش احسانست

(اگر قبول ہو جائے تو تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ احسان کرنا ان کی لازمی صفت ہے)

بر امیدِ قبولِ حضرت او ÷ روز و شب زیر پائے دربانست

(ان کے دربار میں قبولیت کی امید میں رات دن ان کے دربان کے قدموں میں پڑا ہوں)

گشت آزاد ہر کہ شد بندہ ÷ بر درش گرچہ شاہِ شاہانست[۲]

(جو شخص ان کے در کا غلام ہوا، وہی آزاد ہوا۔ خواہ کوئی شاہنشاہ ہی کیوں نہ ہو)

جرأتے رفت اندریں گفتن ÷ زیں سبب جاں چو بید لرزانست

(اس گفتگو میں بڑی جرأت سے میں نے کام لیا ہے۔ اسی لیے جان بید کی طرح لرزاں ہے)

دِہ تو توفیق بر نبشتہِ شیخ ÷ اے خداوند ہر چہ شایانست

(اے خدا! تو شیخ کی تحریر کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرما، جو مناسب ہو)

مخدوم جہاں مختلف اوقات اور متفرق لمحات میں، اپنے علم کے مطابق نہیں بلکہ سائل کے فہم و ادراک کے مطابق ان خطوط کو زیرِ قلم لائے۔ اور طالبوں اور راغبوں کے پاس ان کے بھیجنے کا حکم فرمایا۔ ان میں سے بعض تو مریدوں کے نام ہے اور بعض معتقدین دولت کے نام ہے۔ جو شیخ کی خدمت، ان کی مجلس کی حاضری اور ان کے کلام لطیف کے سننے سے بوجہ دوری محروم تھے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کسی نہ کسی شہر یا قصبہ میں تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے خطوط لکھے جس میں اپنی درماندگی، بیچارگی اور دور افتادگی کا بار بار اظہار

۱؎ کردم قلمی نسخہ۔ ۲؎ شاہ خاقانست۔ قلمی نسخہ

کیا۔ اور لکھا کہ ہم دور افتادہ لوگ کثرتِ تعلقاتِ دنیوی اور دیگر اسباب کی کمی کی وجہ سے آستانۂ عالی تک نہیں پہنچ سکتے ہیں اور جو لوگ تنگی میں ہیں وہ تو بالکل ہی مجبور ہیں۔ اس لیے اگر غیبی علوم اور دقیق معانی کو حل فرما کر ہم دور افتادوں تک بھیجنے کا حکم فرمایا جائے، جو مبتلائے روزگار اور نفس مکار کے مکر میں گرفتار ہیں اور اپنی بدنصیبی کی وجہ سے آستانۂ معظم اور بارگاہ مکرم تک پہنچنے سے محروم ہو گئے ہیں جسے اپنی بدنصیبی اور بدبختی کی علامت سمجھتے ہیں، تو بمصداق مَنْ مَنَعَ عَنِ النَّظَرِ تَسَلّٰی بِالْاَثَرِ (یعنی جو شخص دیدار کی دولت سے محروم ہوتا ہے وہ نشانات ہی سے تسلی حاصل کر لیتا ہے) ان کے لیے مونس ہو۔ اور اس کے مطالعہ سے رشد و ہدایت، دولت و نعمت، قربت و وصولت، دین کی راہ میں اور یقین کے کام میں رخ دکھائے۔ نفس مجاہدہ اور ریاضت کی طرف مائل ہو۔ اور دین کی راہ پر چلنے کے علم میں جو مشکلات پیش آئیں وہ سب ان تحریروں سے حل ہو جائیں۔

اس بنا پر کہ بزرگان دین لوگوں پر دنیا میں سب سے زیادہ شفیق اور آخرت میں سب سے زیادہ مہربان ہوتے ہیں، ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور ہر ایک کے وقت اور حالات کے لحاظ سے چند سطریں اپنے دستِ مبارک سے لکھیں اور ان لوگوں کے پاس بھیجنے کا حکم صادر فرمایا۔ بعض ایسے لوگوں کو بھی ان کی درخواست کے بغیر یہ دولت بخشی جو حق خدمت رکھتے تھے۔ اور کچھ واقعات و حوادث ان کو پیش آئے تھے۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ حد شرع سے نہ گزرنے پائیں۔ اور آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی اور حکایات اولیاء اللہ کو سن کر قوت حاصل کریں۔ چنانچہ ہر طرف جانے والوں کی معرفت ان سب کے نام تحریریں ارسال فرمائیں۔

اس خادم بلکہ اس آستانۂ عالیہ کی خاک نے بعض عزیزوں کی تحریریں اور بعض خود آں جناب کا تحریر کردہ نقل کے لیے مانگ لیا۔ اور تھوڑا بہت جو کچھ بھی میسر آیا اگرچہ وہ رقعہ کی مقدار کو نہ پہنچا ہو، اس کے لکھنے کا التزام کیا۔ کیونکہ اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں۔ لہٰذا اس کے ضائع کرنے کو جائز نہیں سمجھا۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے کلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ضائع کرنا درست ہوتا تو مشائخ رحمہم اللہ کے کلمات کا ضائع کرنا بھی درست ہوتا۔

اسی بنا پر ماہ جمادی الاول کی ابتدا سے آخر ماہِ رمضان ۷۶۹ھ تک اس فقیر نے جو کچھ بھی حاصل کیا سب کو اس مجموعہ میں یک جا کر دیا۔ اس کے بعد اگر کوئی اور چیز کسی اور کے نام تحریر فرمائی گئی اور وہ نسخہ اس خاکسار کے ہاتھ لگ گیا اور اس کے لکھنے کی توفیق بھی عطا ہوئی تو ان کا ایک اور الگ مجموعہ تیار کر دیا جائے گا۔ تاکہ جب کسی مومن کو یہ دولت سرمدی اور سعادت ابدی اس دنیا اور اُس دنیا میں حاصل

ہوا اور توفیق اس کے شامل حال ہو تو وہ ان تحریروں سے فیض یاب ہو اور بقدرِ امکان ان سب پر عمل کرے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان بزرگوں کے طفیل اور صدقہ میں اسے ضرور حصّہ ملے گا۔ ذَالِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے)

ع وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ

(زمین کو شرفا کے پیالہ سے حصّہ ملتا ہے)

سید محمد نعیم ندوی

۹۔ جمادی الاوّل ۱۴۰۰ھ روز پنجشنبہ
۲۷۔ مارچ ۱۹۸۰ء وقت ۱۲ بجے شب
کوارٹر نمبر بی۔۵، لطیف آباد نمبر ۶
حیدرآباد۔ سندھ۔ پاکستان

مکتوب — ①

دین کا راستہ

برادرِ عزیز، شیخ عمر ساکن قصبہ انگلی کاتبِ حروف شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا مطالعہ کریں واضح ہو کہ پیغمبروں کی مثال طبیبوں کی سی ہے اور خلق کی مثال بیماروں کی سی اور قرآن کی مثال دواؤں کے خزانے کی سی ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (ہم قرآن سے وہ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے) جو خلق کی مختلف بیماریوں کے لیے شربت اور معجونوں کی طرح ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) یعنی خلق کے لیے جو کچھ دین و دنیا میں چاہیئے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے، جس کا ہم نے قرآن میں ذکر نہ کیا ہو، لیکن جب تک کوئی شخص دین کی راہ نہ چلا ہو اور حقیقت کی تہہ تک نہ پہنچا ہو، اس کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آسکتیں۔ مصرع خورشید نہ مجرم لا کسے نابیناست (آفتاب مجرم نہیں اگر کوئی شخص نابینا ہے)

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس راہ پر دل ہی سے چلا جا سکتا ہے۔ اور دل کے لیے سعادت و شقاوت، مرض و صحت اور علاج و معالجہ ہے۔ جس کو دل کے اطبار ہی جانتے ہیں۔ وہ اطبار انبیار علیہم السلام ہیں۔ ان کے بعد علمائے آخرت ہیں جو پیغمبروں کے علم کے وارث ہیں۔ پیغمبری تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ لہٰذا میرے اور تمہارے لیے اور ہم جیسے دوسروں کے لیے ناچار سب سے زیادہ اہم مہم یہ ہے کہ کسی ایسے دوست کی کفش برداری کریں جو خدا کے دین کی راہ پر چلا ہو اور حقیقت کار کا بینا اور دل کی بیماریوں کا طبیب بھی ہو۔ اسی بات کو کسی نے کہا ہے۔ **مثنوی**

(۱) راہ دور است و پر آفت اے پسر ❊ راہ رو رامی بباید راہ بر!

(۲) کور ہر گز کے تواند رفت راست ❊ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

(۳) گر ترا دردست پیر آید پدید! ❊ قفلِ دردت را کلید آید پدید

(۴) گر تو بے رہبر فرا آئی براہ ❊ گر ہمہ کوہی فرو رفتی بہ چاہ

(۱) اے لڑکے! راستہ دور ہے اور آفتوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں راہ رو کے لیے ایک راہبر چاہیئے۔
(۲) اندھا کب سیدھا چل سکتا ہے۔ کسی عصا پکڑنے والے کے بغیر اس کا چلنا غلط ہے۔
(۳) تجھ کو اگر کوئی پیر میسّر آجائے تو یہ سمجھ لے کہ تیرے درد کے تالے کی کنجی تجھے مل گئی۔
(۴) ہاں! اگر کسی راہ بر کے بغیر تو راستہ چلا تو یاد رکھ کہ تو کنوئیں ہی میں گرے گا خواہ تو مجسم پہاڑ ہی کیوں نہ ہو)۔

حقیقت میں عالم یہی لوگ ہیں نہ کہ وہ جنھیں لوگ عالم کہیں یا عالم جانیں۔ روایتوں کے حافظ اور اقوال کے ناقل اور اہل جدال دوسرے لوگ ہیں۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہیں) اور علمائے آخرت تو اور ہی لوگ ہیں۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْاَنْبِيَآءِ عُلَمَآءِ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (ان کی مثال انبیاء کی سی ہے۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) آخر یہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث ہے۔ اور خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَلَهٗ نَظِيْرٌ فِيْ اُمَّتِهٖ (کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کی مثال اس کی امت میں موجود نہ ہو) صحیح کہا ہے جس نے بھی کہا ہے۔ مثنوی

پیر رہ کبریت احمر آمدہ است ❊ سینۂ او بحر اخضر آمدہ است
پیر ہم ہست ایں زماں پنہاں شدہ ❊ ننگ خلقاں دیدہ از خلقاں شدہ

(راستہ کا پیر اکسیر اعظم ہے۔ اس کا سینہ بے پایاں سمندر ہے۔
اس زمانہ میں پیر بھی پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ لوگوں کو باعث ننگ دیکھ کر ان سے رخصت ہو گئے ہیں)

ہمارے تمہارے لیے اور ہم جیسے تمام دوسرے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ کوئی حرکت و سکنت خالص اللہ کے لیے وجود میں آئے۔ مگر یہ کسی صاحبِ روزگار کے حکم ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہی طاعت مقبول ہوتی ہے جو کسی صاحبِ روزگار کے حکم سے عمل میں آئے۔ ہماری وجہ سے نہیں۔ جب مہمان عزیز ہوتا ہے تو بلاشبہ اس کا طفیلی بھی عزیز ہوتا ہے۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (تم اگر نہیں جانتے تو صاحبِ ذکر لوگوں سے پوچھو) شریعت کا حکم عوام کے لیے ہے تاکہ جو کچھ کریں صاحب روزگار کے حکم سے کریں۔ اس لیے کہ جب کسی صاحب روزگار کے حکم کے مطابق کریں گے، تو خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو ماخوذ نہ ہوں گے۔ بلکہ اس پر ان کو ثواب ملے گا۔ اور اگر اپنی مرضی سے کریں گے تو خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو گنہگار ہوں گے۔ اور سزا پائیں گے۔ یہ اس اصل کی بنا پر ہے کہ خواص کو اس بات کا حکم دیا

گیا ہے کہ وہ اپنے علم اور اجتہاد کے مطابق عمل کریں۔ اور عوام کو حکم ہے کہ خواص کے علم و اجتہاد پر عمل کریں۔ اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہ کریں۔ اس لیے کہ جو عمل اپنی مرضی کے مطابق ہوتا ہے وہ نفس پرستی ہے دین نہیں ہے۔ نفس پرستی اور چیز ہے اور خدا پرستی کچھ اور ہی چیز ہے۔

کیا تم نے غور نہیں کیا؟ کہ کسی عامی نے اپنی منکوحہ کو دخول سے پہلے طلاق دیا۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ اس عامی پر یہ واجب ہے کہ وہ کسی ایسے عالم کی طرف رجوع کرے جس کے متعلق اس کو یقین ہو کہ وہ عالم ہے۔ پس وہ عالم اگر یہ فتویٰ دے کہ قبل دخول کی صورت میں رجوع کر سکتا ہے۔ اور وہ شخص رجوع کرلے تو یہ تمام علماء کو معلوم ہے کہ یہ فتویٰ غلط ہے۔ چنانچہ دریافت کر لینے کی وجہ سے اس عامی کو اپنے اس عمل پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ ہاں! اگر کسی عالم سے دریافت نہیں کیا اور اپنی مرضی سے رجوع کر لیا تو یقیناً وہ گنہگار ہوگا۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔

۵ کور ہرگز کے تو اندر فت راست ٭ بے عصاکش کور رارفتن خطاست

(اندھا سیدھا کب چل سکتا ہے۔ عصا کھینچنے والے کے بغیر اندھے کے لیے چلنا غلط ہے۔)

ایسے موقع پر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ طاعت ہے اسے تو بہر حال کرنا ہی چاہیے۔ اس میں کسی صاحب امر سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے بجالانا چاہیئے۔

اے بھائی! حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں بھی اسی طرح کا خیال آیا تھا۔ چنانچہ ان کے دل میں ایک بار یہ بات آئی کہ جو کچھ ان کی ملکیت میں ہے سب کو صدقہ میں دے دیں۔ مگر انہوں نے صدقہ نہیں کیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ یہ تو طاعت ہے اور طاعت میں اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ ایک دن اپنے اس خیال کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ رہنے دو تاکہ تمہاری ملکیت میں رہے۔ اس کی مثالیں اس گروہ کی کتابوں میں بہت ہیں۔ یہ ایسے دقیق نکتے ہیں جو اہل صورت اور ظاہر بین حضرات کی فہم و ادراک سے دور ہیں۔ اس لیے کہ شریعت کے اسرار اور دین کے حقائق کا جاننا، اہل بصیرت اور علمائے آخرت کا کام ہے۔ ان کا ذوق و فہم اور ہی ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

(۱) اہل دل را ذوق و فہمے دیگر است ٭ کاں ز فہم ہر دو عالم برتر است

(۲) ہر کرا آں فہم در کار افگند ٭ خویش را در بحر اسرار افگند

(۳) تابداں فہمے کہ ہمچوں وحی خواست ٭ در کلام او سخن گو بندراست

(۱) اہل دل کے لیے ذوق و فہم دوسرا ہے۔ جو دونوں عالم کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

(۲) جس شخص کو اس فہم نے کام پر لگا دیا۔ تو اس شخص نے اپنے آپ کو اسرار کے سمندر میں ڈال دیا۔
(۳) جب فہم، وحی کے سمجھنے کے لائق ہو جائے۔ تو اس کے کلام میں بھی صحیح بات کہنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

صوفیائے کرام نے جو کہا ہے وہ اسی وجہ سے کہا ہے کہ مرید جو کچھ کرے وہ پیر کے حکم سے کرے۔ خواہ وہ ماہ رمضان کے روزے یا پانچوں وقت کی نماز ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ اس کو وہ علم حاصل نہیں ہے جو دین کے راز اور شریعت کے حقایق کو جان سکے۔ کیوں کہ شریعت میں بعض وقت واجب حرام ہو جاتا ہے۔ اور بعض وقت حرام واجب ہو جاتا ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ مردار حرام ہے لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس کا کھانا واجب ہو جاتا ہے۔ اور ماہِ رمضان کا روزہ جو کہ فرض ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا رکھنا حرام ہے۔ اگر یقین، یعنی گمان غالب کے ساتھ معلوم ہو کہ روزہ رکھنے اور دوا نہ کھانے سے مریض ہلاک ہو جائے گا تو ایسی حالت میں اس کے لیے کچھ کھا لینا واجب اور روزہ رکھنا حرام ہوتا ہے۔ یا اگر کوئی ایسا بیمار ہو کہ طبیب متفق ہو کر یہ کہیں کہ اس بیماری کا علاج شراب پینا ہے اگر شراب نہیں پیئے گا تو یقیناً مر جائے گا۔ ایسی حالت میں بہ اتفاق علماء شراب پینا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر نہ پیئے اور مر جائے تو گنہگار مرے گا۔ اسی طرح مراد و احوال بھی وقت کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ مرید بے چارے کو اس کی کیا خبر کہ اسرار دین اور حقایق شریعت کا جاننا اس کا کام نہیں ہے۔ یہ علم تو بصیرت والوں اور اصحاب قلوب کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ـــ

طعمۂ کاں پاک بازاں را دہند ٭ ہر گز آں کے تو نیازاں را دہند

(جو خوراک پاک بازوں کو دیتے ہیں، وہ نئے نیازمندوں کو کبھی نہیں دیتے)

ہوشیار! ارباب روزگار اور اصحاب قلوب سے جو مختلف قسم کے حرکات و سکنات سرزد ہوتے ہیں، تم اگر انھیں دیکھو تو تمہیں چاہیئے کہ انکار نہ کرو۔ بلکہ سمجھو کہ یہ سب صحیح و درست ہیں۔ اگر نفس سامنے آئے اور شیطان وسوسہ ڈالے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خواجہ خضر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو یاد کرو۔ عجیب بات ہے کہ ایک شخص سیر ہو کر کھاتا ہے اور رات بھر سوتا ہے تو دوسرا روزے رکھتا ہے اور رات بھر عبادت کرتا ہے۔ ایک شخص سبھوں سے تعلق رکھتا ہے تو دوسرا لوگوں سے بھاگتا ہے۔ ایک پھٹے پرانے لباس پہنتا ہے اور دوسرا ایسا لباس پہنتا ہے جو چند لوگوں کے لیے کافی ہو۔ ایک خاموش رہتا ہے تو دوسرا رات دن گفتگو میں مشغول رہتا ہے۔ ایک اپنا حال لوگوں سے چھپاتا ہے تو دوسرا ظاہر کرتا ہے۔ ایک عوام کی خدمت میں دن رات لگا رہتا ہے خواہ وہ لوگ صالح ہوں یا فاسق۔ تو دوسرا فاسق کے سلام کا جواب بھی نہیں دیتا۔ ایک مخلوق سے کچھ مانگتا ہے تو دوسرا کچھ نہیں مانگتا۔ ایک اگر بے مانگے کچھ پاتا ہے تو لے لیتا ہے،

خواہ کسی سے ہو لیکن دوسرا انہیں قبول کرتا۔ اسی طرح تمام دیگر مختلف اعمال میں یہاں تک بھی ہو، صاحب دلوں سے جو کچھ بھی سرزد ہو، سب صحیح اور درست ہے۔ اور سب بصیرت پر مبنی ہے۔ اہل ظاہر اور اہل صورت اس موقع پر شور مچاتے ہیں۔ اور ان سب کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ ان ہی لوگوں کا جواب ہے جو کسی نے کہا ہے۔ ؎

تو چہ دانی زبانِ مرغاں را ✽ چوں نہ دیدی گہے سلیماں را

(تو پرندوں کی زبان کیا جانے۔ جب کہ تو نے سلیمان علیہ السلام کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔)

جب کوئی مرید کسی صاحب دل پیر کے حکم سے یہ تمام مختلف حرکات کرتا ہے تو یہ سب درست اور صحیح ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے طور پر کرے تو سب غلط اور مصیبت ہی مصیبت ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اس راہ میں پیر کا ہونا شرط اولیں ہے۔ اسی وجہ سے کہا ہے ؎

ہر کہ او کحلے گرفت از خاکِ پیر خواہ پاک و خواہ گو ناپاک میر۔

(جس نے پیر کے قدموں کی خاک کا سرمہ لگایا، تو وہ پاک مرے یا ناپاک کوئی فرق نہیں پڑتا)

یہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بلندی کو کیا معلوم کہ اس کا صاحب امر (مرشد) صاحب دل ہے یا جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہے۔ یہاں اپنے آپ کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جس کے مقدر میں سعادت رکھ دی گئی ہے تو یقیناً کسی صاحب دل اور صاحب روزگار کو اس کے پاس لے آئیں گے، یا خود اس کو کسی صاحب دل کے دروازہ پر لے جائیں گے تاکہ اس دولت تک پہنچ جائے۔ یہی بات ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ دولت، صلاحیت رکھنے والے کو بھی ملتی۔ اور جب اللہ دیتا ہے تو سینکڑوں بندشوں کے باوجود بھی مل جاتی ہے۔ اور جس شخص کے لیے بدبختی مقدر ہو چکی ہے اس کے پاؤں میں بدبختی کی سینکڑوں بیڑیاں ڈال دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دونوں بدبختی کے کنویں میں گر جاتے ہیں۔ کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ ۔ (ہر شخص کے لیے اس چیز کے حصول کی آسانی پیدا کر دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) اس میں دونوں طرح کے لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جب فیض منقطع نہیں ہے تو پھر یہ ایک کی محرومی کہاں سے آئی ہے؟

اے بھائی! یہ تو سب کو معلوم ہے کہ آفتاب بذات خود روشنی بخشنے والا اور فیض رساں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی بدبختی کی دیوار کے پیچھے سے حجاب میں رہے تو محرومی خود اس کی طرف سے ہے نہ کہ آفتاب کی طرف سے۔ اس موقع پر اپنی بدبختی کا ماتم کرنا چاہیئے نہ کہ آفتاب کی شکایت۔ جیسا کہ کہا ہے۔

؎ وصل خاصاں راست من زیشاں نیم اے بخت بد ✽ بہر من اندازۂ ادبار کارِ من ببیں

(وصل تو خاص لوگوں کے لیے۔ اے نصیبِ بد میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ ذرا میری بدبختی کی حالت تو دیکھ)

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ بندہ ہونے میں دونوں برابر ہیں پھر یہ فرق کہاں سے آیا؟ تو تم یہ جواب دو کہ زمین و آسمان میں یہ بہت پہلے ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ چون و چرا کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (اس مختار کل کے کسی فعل پر کوئی سوال جائز نہیں) پھر کس کی مجال ہے کہ دم مار سکے۔ بیت

کرا زہرہ آں کہ از بیم تو! ❊ کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(کس کی مجال ہے کہ کوئی شخص تجھے تسلیم کرنے کے سوا تیرے خوف سے زباں بھی کھول سکے)

جب کاتب کاغذ پر جیم دال لکھے تو ہرگز وہ قاف کاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر تقدیر کسی کو ابوجہل پیدا کرے تو ابو یزید نہیں ہوگا۔ رباعی

بدبختی را گرہ کشودن نتواں ❊ احوال بہ ہر کسے نمودن نتواں

گر چرخ فلک زہر مائم کارد ❊ شادی بر ہمہ حال درودن نتواں

(بدبختی کی گرہ کھولی نہیں جا سکتی۔ احوال کسی کو دکھائے نہیں جا سکتے۔
اگر آسمان میرے لیے غم بوتا ہے تو کسی حال میں بھی خوشی نہیں کاٹ سکتے۔)

یہ مسئلہ تقدیر ہے یہاں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ یہ ایک عمیق دریا ہے۔ اس کے لاکھوں گھڑیال تاک میں ہیں۔ جو لاکھوں طالبوں اور سالکوں کو اس دریا میں ڈبو چکے ہیں۔ اپنے آقا کی وصیت یاد رکھو اور کان میں ڈالو پھر سلامتی کے ساتھ گزر جاؤ۔ اِذَا ذُکِرَ الْقَدَرُ فَامْسِکُوْا۔ (جب تقدیر کا ذکر آئے تو رک جاؤ) نیز علماء کو چاہیئے کہ ہر وہ چیز جو جائز ہے اس کو بیان نہ کریں۔ کیوں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِمْ (لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق باتیں کرو) شیر خوار بچے کو روٹی اور گوشت کھلاؤ گے تو ہلاک ہو جائے گا۔ اسی کو کہا ہے۔ ؎

طعمے کاں پاک بازاں را دہند ❊ ہرگز آں کے نو نیازاں را دہند

(جو خوراک پاک بازوں کو دیتے ہیں۔ وہ نئے نیاز مندوں کو کب دیتے ہیں)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

یکم جنوری ۱۹۷۷ء بوقت ایک بجے شب

مطابق ۱۰ المحرم الحرام ۱۳۹۷ھ روز شنبہ

لطیف آباد حیدر آباد سندھ (پاکستان)

مکتوب ــــ ۲

طلبِ علم کے بیان میں

بھائی شیخ عمر! دعا مخصوص کاتب حروف کی جانب سے معلوم ہو کہ فرمان یہ ہے اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ (علم طلب کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو) اور آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ گویا یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُطْلُبُوا الدُّنْيَا وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ (دنیا طلب کرو خواہ وہ چین میں ہو)

اگر کل ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کو طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ (علم کا طلب کرنا فرض ہے) کا حکم پہنچا تھا، تو پھر تم نے کیوں نہ طلب کیا۔ تو معلوم نہیں اس موقع پر وہ کیا جواب دیں گے۔ بجز اس کے کہ وہ کہیں گے کہ بیوی بچوں کے غم اور کھانے پینے کی فکر نے ہمیں نہیں چھوڑا۔ اگر یہ عذر قبول ہو جائے تو سبھوں کی نجات ہے۔ مبارک ہو یہ مال و اسباب جو موجود ہے۔ جس نے کہا ہے ٹھیک ہی کہا ہے۔ ؎

سگ چو مردار یافت جان شمرد ٭ خر چو جَو یافت زعفران شمرد

(کتے کو مردار ملا تو سمجھا کہ جان مل گئی۔ گدھے کو جَو ملا تو جانا کہ زعفران مل گیا)

اے بھائی! جب شریعت میں عمل بغیر علم کے ہرگز ممکن نہیں ہے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا ہے اور مقصود تک پہنچنا عمل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا فریضہ یعنی علم کے طلب کرنے کی ضرورت ہے۔

؎ تا نہ بینی رہِ سعادت را ٭ نفی بینی رسوم و عادت را

اصل بینی قرینِ فرع شدہ ٭ طبع بینی غلام شرع شدہ

(رسوم و عادات کی نفی کے بغیر تم سعادت کی راہ نہیں پا سکتے۔

اصل کے ساتھ فرع کو بھی دیکھنا ہے۔ طبع کو دیکھنا شرع کا غلام ہونا ہے)

لیکن وہ علم نہیں جو تم کو بادشاہوں اور سلاطین کے دروازے پر لے جائے یا تم کو قاضی اور مفتی بنائے میری مراد اس علم سے ہے جو آخرت کا علم ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے۔ اس موقع پر کسی غلطی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ بلکہ اپنے کو علماء دنیا سے اس طرح محفوظ رکھو جس طرح شیطان سے۔ ایک عزیز نے کہا ہے۔

ایں ہمہ علم جسم مختصر است ؛ علم رفتن بہ راہِ حق دگر است
حرف کو کاغذے سیاہ کند ؛ دل چو تیرہ است کے چو ماہ کند

(یہ سب تو مختصر جسم کا علم ہے۔ حق کی راہ پر چلنے کا علم ہی دوسرا ہے۔
حرف جو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے۔ تاریک دل کو چاند کی طرح کب بنا سکتا ہے۔)

ایک فقیر نے شیطان کو بے کار بیٹھا ہوا دیکھا۔ پوچھا، اسے ملعون بے کار کیوں بیٹھا ہے؟ شیطان نے جواب دیا کہ علمائے دنیا ظاہر ہو گئے ہیں اس لیے میرا کوئی کام نہ رہا۔

واضح ہو کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو تم کو خدا تک پہنچا دے جیسا کہ تمام طاعات وعبادات ہیں۔ اور دوسرا وہ جو تم کو خدائے بزرگ و برتر سے دور کر دے جیسا کہ تمام معاصی ہیں۔ ان دونوں قسموں کا علم تمام آدمیوں پر فرض عین ہے۔ اور تمام مہمات میں اہم ہے۔ اس علم کے ساتھ اگرچہ عمل قلیل ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثیر ہے۔ اور اس علم کے بغیر اگر کوئی شخص اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر عمل کثیر کرے تو وہ اللہ کے نزدیک قلیل ہے۔ بلکہ ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا (روئی کے گالے کی طرح یعنی کچھ بھی نہیں۔ اسی بات کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

علم تخم آمد و عمل مادہ ؛ دین و دولت بدو شد آمادہ
کار بے علم بار رہ ہرنہ دہد ؛ تخم بے مغز ہم ثمر نہ دہد

(علم تخم ہے اور عمل مادہ۔ دین و دولت اسی سے حاصل ہوتی ہے۔
بغیر علم کے عمل پھل نہیں دیتا۔ وہ بیج جس کے اندر مغز نہ ہو نہیں اُگتا۔)

یہ تو اعضاء و جوارح کے عمل کا علم تھا جس کا ذکر کیا گیا۔

اور وہ علم جس سے دل متصف ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہیں اور تمام محمود صفات ہیں۔ مثلاً توبہ، زہد، توکل اور رضا و تسلیم وغیرہ۔ دوسری صفات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہیں اور وہ تمام مذموم صفات ہیں مثلاً حب دنیا، مال و جاہ، کینہ، حسد، کبر، بخل اور جو اس طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔ ان دونوں قسموں کا علم بھی فرض عین ہے۔ اس لیے کہ اس علم کے بغیر کوئی کبھی عامل نہیں بن سکتا۔ اور عمل کے بغیر مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح پیش کیا ہے۔ قطعہ

بر بند زباں کہ عاشقانت ؛ در عشق نمی خرند گفتار
در بتکدہ در آو بہ نشیں ؛ بر بند بروے خرقہ زنار

(زبان بند کر کہ تیرے عشاق عشق میں گفتار نہیں خریدتے۔)

بتخانے میں داخل ہو اور بیٹھ جا۔ اور خرقہ پر زنار باندھ لے)

آخرتم نے پڑھا ہے۔ فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (پس جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل کرے۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) عملِ صالح عدم شرک کے ساتھ مشروط ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ مشروط کا وجود شرط کے بغیر محال ہے۔ پس بغیر عمل کے مقصود تک پہنچنا بھی محال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سالک سر پر خاک ڈالتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر جان و مال اور زن و فرزند کے چھوڑنے کی شرط ہوتی تو کام آسان ہوتا۔ ؎

عاشقاں بر سرہمی ریزند خاک ؛ من بجائے خاک آتش ریختم

(عشاق سر پر خاک ڈالتے ہیں۔ میں نے خاک کی بجائے آگ ڈالا ہے)

مجھ کو اور تم کو یہ فکر ہے کہ کھائیں گے کیا؟ اور پہنیں گے کیا؟ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْحُرُوبِ رِجَالًا وَّ لِلْقَصْعَةِ وَالثَّرِيْدِ رِجَالًا۔

(کچھ لوگ میدان جنگ کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور کچھ لوگ حلوہ مانڈھے اور پیالے کے لیے) سچ ہے مردوں کی راہ کچھ اور ہے اور مخنثوں کی راہ کچھ اور۔ اسی مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے۔ مثنوی

مردِ دُرجوے را بہ دریا باز ؛ جانِ مرداں ہمہ بہ پائے فراز

سیر کشتی ز آرزو داں پُر ؛ پائے دریاست جائے طالبِ دُر

(موتی تلاش کرنے والا سمندر کی لہروں سے کھیلتا ہے۔ مردوں کی جان بلندی کی چوٹی پر ہوتی ہے۔ کشتی کی سیر کو آرزو سے بھرا ہوا جان۔ موتی تلاش کرنے والے کی جگہ سمندر کی تہ ہے)

اب تمہیں معلوم ہو کہ یہ علمِ آخرت، مشائخ طریقت اور علمائے آخرت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہمیشہ خدمت ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ حضرات خود ہم بدنصیبوں کے زمانہ ہی میں کبریت احمر (نایاب) ہو گئے ہیں۔ کیا کرو گے؟ سردست یہی کرو کہ ان تمام مکتوبات کو جو شیخ کا کاظفر آبادی کے داماد زین الدین کی معرفت بھیجی گئی ہیں تم عزیز کو مل گئی ہوں گی۔ ان کو کسی سے لکھوا کر روزانہ ایک دو مکتوب پورے غور و فکر کے ساتھ پڑھا کرو۔ اگر تنہائی میں ہو تو بہتر ہے۔ اور یہ بیت پڑھو ؎

گر تنگِ شکر خریدمے نہ توانم ؛ بارے مگس از تنگ شکر می رانم

(اگر شکر کی بوری میں نہیں خرید سکتا۔ تو کم سے کم شکر کی بوری پر سے مکھی ہی اڑانے پر اکتفا کرتا ہوں)

فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (اگر زور کی بارش نہ ہو تو پھوار ہی کافی ہے) اگر بارش کا دروازہ بند ہوا تو شبنم ہی سہی۔ جس کا آفتاب غروب ہو گیا وہ چراغ سے کام نہ چلائے تو کیا کرے۔ **بیت**

از بخت بدم اگر فرو شد خورشید ❊ از نور رخت مہا چراغے گیرم

(میری بدنصیبی سے اگر آفتاب غروب ہو گیا تو کیا ہوا۔ اے ماہتاب میں تیرے رخ کے نور سے اپنا چراغ روشن کرتا ہوں)

لیکن خود کو مہمل اور بے کار چھوڑ دینا اور کھانے پینے میں چوپایوں کے ساتھ ہم پیالہ ہونا عقلمند اور ہوشیار آدمی کا کام نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ **مثنوی**

ہر کرا ایں درد نیست اور مرد نیست ❊ نیست درماں گر ترا ایں درد نیست

کفر کافر را و دیں دیندار را ❊ ذرۂ دردت دلِ عطار را

(جس کو یہ درد نہیں ہے وہ مرد نہیں ہے۔ اگر تجھ کو یہ درد نہیں ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ کفر کافر کو اور دین دیندار کو مبارک ہو۔ عطار کو تو بس دردِ دل کا ایک ذرہ چاہیئے۔)

اے بھائی! اس راہ میں اصل کام یہی ہے۔ اس کو تھوڑا نہ سمجھو اور ہوش کے ساتھ سنو، اگر سن سکتے ہو۔ کہ پہلے ظاہر کو آلودگی اور معصیت سے پاک کرنا۔ دوسرے دل کو مذموم صفات کی آلودگی سے پاک کرنا۔ جب ظاہر و باطن کی پاکیزگی تم کو حاصل ہو گئی تو ملک و ملکوت کے اسرار بھی تم پر کھل گئے اور كَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی طرح ہم دکھلانے لگے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات) کا جام شیریں نوش کرنے لگو گے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبٌ (بیشک اللہ پاک ہے اور پاکیزہ ہی کو قبول کرتا ہے) کی خلعت اور انعام پاؤ گے سچ کہا ہے جس نے بھی کہا ہے۔ ؎

تشنہ از دریا جدائی می کنی ❊ بر سرِ گنجے گدائی می کنی

(دریا سے پیاسا جدا ہو رہا ہے۔ خزانے پر بیٹھا ہے اور گدائی کر رہا ہے)

یہی سبب ہے جو کسی نے کہا ہے۔ ؎

جہاں پُر ز آفتاب و دیدہا کور ❊ جہاں پُر از حدیث و گوشہا کر

(دنیا آفتاب سے بھری ہوئی ہے اور آنکھیں اندھی ہیں، دنیا باتوں سے بھری ہوئی ہے اور کان بہرے ہیں) جب تم کام میں لگے رہو گے تو یقیناً ایک نہ ایک دن خوش نصیبی سے وہاں پہنچ بھی جاؤ گے، جہاں دوسرے لوگ پہنچے ہیں۔ اور تم بھی وہی دیکھو گے جو دوسروں نے دیکھا ہے۔ اور تم بھی وہی کہو گے جو

دوسروں نے کہا ہے۔ رباعی

معشوق عیاں بود نہ می دانستم ⁂ بامن بہ میاں بود نہ می دانستم
گفتم بہ طلب اگر بجاے برسم ⁂ خود تفرقہ آں بود نہ می دانستم

(معشوق ظاہر تھا، مگر مجھے معلوم نہ تھا۔ وہ میرے اندر ہی تھا مگر مجھے اس کا علم نہ تھا۔ میں نے کہا تھا کہ طلب کے ذریعہ شاید اس جگہ پہنچ جاؤں گا۔ یہ بات خود تفرقہ کی تھی، مجھے معلوم نہ تھا)

لیکن کمال ہمت کی نشانی یہ ہے کہ ہر وہ کمال جو کہ حاصل ہے، متغیر نہ ہو۔ اگر یہ بات حاصل نہیں ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ابھی تک بشریت کے تنگ کوچہ سے باہر نہیں نکلا ہے۔ اور صحرائے دل تک نہیں پہنچا ہے۔ ؎

اگر بہ ساغر دریا ہزار بادہ کشم ⁂ ہنوز ہمت من بادۂ دگر بکشد
درِ نشاطِ من کشادہ تر باشد ⁂ کہ مست باشم و ساقی مرا ببر بکشد

(اگر میں دریا کے ساغر سے ہزاروں بار شراب پیوں تو پھر بھی میری ہمت کچھ اور شراب کا تقاضا کرے گی۔ میری خوشی کا دروازہ اور زیادہ کھل جائے گا جب کہ میں مست ہوں اور میرا ساقی مجھے بغل میں کھینچ لے)

اے بھائی! اگر کسی وقت دعا مانگو تو ہمت کی مانگو۔ اس لیے کہ جو کچھ پاؤ گے ہمت ہی سے پاؤ گے۔ قِیْمَۃُ الْمَرْءِ ھِمَّتُہٗ (آدمی کی قیمت اس کی ہمت ہوتی ہے) اور ہمت وہ ہے جو تم کو بت پرستی سے خدا پرستی تک پہنچائے۔ اور جب چلنے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ کچھ رکھتا ہے، تو وہ اب تک خود بیں اور خود پرست ہے۔ حق پرست نہیں ہے۔ اور خود بیں، حق بیں نہیں ہو سکتا۔ وہ اب تک بت پرست ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا سرمایہ لٹا دیا تو انہوں نے آواز بلند کی کہ یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے۔ ؎

انچہ نزدِ تو بیش ازاں رہ نیست ⁂ غایت وہم تست اللہ نیست

(جو چیز تیرے سامنے ہے وہ صحیح راہ نہیں ہے۔ وہ تیرے وہم کی انتہا ہے۔ اللہ نہیں ہے)

دیگر ؎ ایں چہ درگاہ است قفلش بے کلید ⁂ ویں چہ دریائیست قعرش ناپدید

(یہ کیسا دربار ہے جس کا تالا بغیر کنجی کے ہے۔ اور یہ کیسا دریا ہے جس کی گہرائی انتہا ہے)

دیگر ؎ ہر دلے راکیں طلب آساں بود ⁂ تاقیامت مست ولا یعقل بود

(جس دل کے لیے یہ طلب آسان ہو جائے وہ قیامت تک مست ولا یعقل رہے گا)

کیا خوب ہمت ہے کہ ایک شخص ایک دن میں ستر بار طلب کی کمند عرش پر ڈالتا ہے، تو دوسرا

دو روٹی پر خوش۔ اسی کے حق میں یہ مثنوی آئی ہے۔ **مثنوی**

سگ چو مردار یافت جان شمرد ٭ خر چو جَو یافت زعفران شمرد
سگ دوں ہمت استخواں جوید ٭ پنجۂ شیر مغز جاں جوید

(کتّے نے جب مردار پایا تو اسے جان سمجھا۔ گدھے کو جَو ملا تو اسے زعفران سمجھا۔
پست ہمت کتا ہڈی کی تلاش میں رہتا ہے۔ شیر کا پنجہ مغز جان ڈھونڈتا ہے)

لوگوں نے کہا ہے کہ جب مردان راہ کو معرفت کا کمال، جو بشریت کے حق میں ممکن ہے، حاصل ہو جاتا ہے اور صدیقیت کا بلند مرتبہ مل جاتا ہے۔ تب وہ اس حقیقت سے واقف ہوتا ہے کہ جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ اندازہ سے باہر ہے۔ اور جو انھیں حاصل ہوا ہے وہ بے وقعت ہے۔ اس لیے نقد وقت کا وجود و عدم برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نے کہا ہے دِیْنُنَا دِین العجائزِ وصِبْیَانُ الْمُکَاتِبْ (یعنی ہمارا دین بوڑھی عورتوں اور بچوں کا دین ہے) چنانچہ اس مثنوی کا یہی مفہوم ہے **مثنوی**

ہر زماں این راہ بے پایاں تراست ٭ خلق ہر ساعت در د حیراں تراست
گر فلک گر مہر و ماہ و اختراست ٭ ہر شب و ہر روز سرگرداں تراست

(ہر زمانے میں یہ راہ غیر محدود رہی ہے۔ خلق کو ہر گھڑی اس میں حیرانی ہی رہی ہے۔
آسمان، آفتاب و ماہتاب اور تمام ستارے ہر دن اور ہر رات بہت زیادہ سرگرداں ہیں)

اگر کوئی شخص کہے کہ عارف کامل کا دین مقلد کے دین کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ دو کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ سَو کا عدد ایک سے یقیناً زیادہ ہے۔ لیکن جب لامتناہی عدد کی طرف نظر کرو گے تو وہ سَو بھی ویسا ہی نظر آئے گا جیسا کہ ایک۔

آخر تم نے سنا ہے کہ خواجہ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کسی وقت سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ (کتنی ہے میری پاکی اور کتنی بڑی ہے میری شان) کہا کرتے تھے۔ لیکن جب موت کے وقت ان کا کام کمال تک پہنچا تو انھوں نے کہا اِنْ قُلْتُ یَوْمًا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ فَاَنَا الْیَوْمُ مَجُوْسِیٌّ اَقْطَعُ زُنَّارِیْ وَاَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (اگر میں نے کسی دن یہ کہا تھا کہ میرے لیے پاکی ہے اور کس قدر عظیم ہے میری شان تو آج میں یہ کہتا ہوں کہ میں مجوسی ہوں اپنے زنار کو توڑتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں)۔ **مثنوی**

گہ باکفِ پُرسیم وگہے درویشم ٭ گہ بادلِ پُر نشاط وگہ دل ریشم
گہ درپسِ جملہ خلق وَلَہ درپیشم ٭ من بوقلمون روزگار خویشم

(کبھی ہاتھ میں دولت رکھتا ہوں اور کبھی مفلس و قلاش۔ کبھی پُر نشاط دل والا ہوں اور کبھی مجروح دل والا۔ کبھی تمام لوگوں کے پیچھے اور کبھی سب کے آگے ہوں۔ یعنی میں بوقلمون روزگار ہوں۔

والسلام
مترجم سیّد محمد نعیم ندوی
۵۔ جنوری ۱۹۷۷ء مطابق ۱۴ محرم الحرام
بروز چہار شنبہ بوقت ایک بجے شب

مکتوب ——(۳)

نیت کے بارے میں

برادر شیخ عمر! کاتب حروف احمد یحییٰ منیری کی طرف سے سلام و دعا،
سمجھ لو کہ شریعت کا فتویٰ یہ ہے یَحۡشُرُ النَّاسُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی نِیَّاتِہِمۡ (یعنی کل قیامت کے دن ہر آدمی کا معاملہ اس کی نیتوں کے مطابق کیا جائے گا۔) اگر تمہارے دل میں حق کی طلب اور اس کی ارادت کا غلبہ ہے تو تم کو اللہ کے عاشقوں اور اس کے طلب گاروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ان کا ثواب یہ ہے کہ یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا۔ (ہمارا پروردگار اس روز مسکراتے ہوئے جلوہ افروز ہوگا) یہاں بہشت و دوزخ کی کہاں گنجائش ہے؟

ع ایں جا نہ بود قدرے مر دوزخ و جنت را ؛ باشد حجاب مارا آنہا کہ تو می دانی

(یہاں جنت و دوزخ کی قدر نہیں ہے۔ جو کچھ تم جانتے ہو وہ سب میرے لیے حجاب ہیں)

اور اگر تمہارے دل میں بہشت کی تمنا اور طلب کا غلبہ ہے تو کل قیامت میں تم کو عمل صالح کرنے والوں کے گروہ کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور ان کو یہ ثواب ملے گا لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا۔ (فردوس کے باغات ان کی مہمانی کے لیے ہیں) عین القضات رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر فرماتے ہیں "یہاں بھی کھانا پینا اور وہاں بھی کھانا پینا۔ استغفر اللہ محض کھانا پینا تو بہائم کا کام ہے۔ کیا ہی خوب ہے مردوں کی ہمت۔ بیت

سگِ دوں ہمت استخواں جوید ؛ پنجۂ شیر مغز جاں جوید

(پست ہمت کتا ہڈی کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور شیر کا پنجہ مغز جاں ڈھونڈتا ہے)

اگر تمہاری نیت اور ارادے میں دنیا کی طلب غالب ہے تو تم کو دنیا والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور ان کا بدلہ یہ ہے۔ وَحِیۡلَ بَیۡنَہُمۡ وَبَیۡنَ مَا یَشۡتَہُوۡنَ (ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان جہنم حائل ہوگا) اس حال میں تو سر پیٹ لینا چاہیئے اور اپنے پر ماتم کرنا چاہیئے۔ اور وہی کہنا چاہیئے جو

اس بیچارے نے کہا ہے۔ **مثنوی**

دردرا دارو کجا خواہیم کرد ؎ عمر شد ماتم کجا خواہیم کرد

(آہ! درد کا علاج ہم کہاں جا کر کریں۔ عمر تو ساری لہو ولعب میں بسر ہو گئی اب ہم ماتم کہاں جا کر کریں)

برد غفلت روزگارم چوں کنم ؎ بر نیاید ہیچ کارم چوں کنم

(غفلت نے میرے زمانے کو برباد کر دیا۔ کیا کروں۔ اب تو کوئی کام نہیں بنتا کیا کروں)

اب تم اپنے دل کا جائزہ لو۔ دیکھو، اس میں کیا ہے، خدا کی طلب ہے کہ بہشت کی یا ذلیل دنیا کی جس کی محبت غالب ہو سمجھ لو کہ تم اسی میں سے ہو۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت۔ ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ؎ تا ابد راہ وصالت آں بود

(دنیا میں تجھے جس چیز کا خیال ہوگا۔ ابد میں تیرے ساتھ معاملہ اسی کے مطابق ہوگا)

یہی مطلب ہے اس حدیث کا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا۔ اللہ کی نظر تو تمہارے قلوب اور نیتوں پر ہوتی ہے۔)

اعمال کی مقبولیت کی یہ ایسی کڑی شرط ہے کہ اس خبر کی سیاست سے صدیقوں کے دل بیتاب ہیں، جل رہے ہیں۔ اس طرح کفار جہنم میں۔ لیکن جن کے دل غافل ہیں وہ تو دنیاوی لذتوں میں کھو چکے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ **مثنوی**

تا چنیں کارے نیفتد مرد را ؎ او چہ داند عشق را و درد را

(جب تک کسی شخص کو اس طرح کے کاموں سے سابقہ نہ پڑے۔ وہ بیچارہ عشق اور درد عشق کو کیا جانے۔)

تو نہ کار افتادۂ نے عاشقی ؎ مردۂ تو عشق را کے لائقی

(تجھے اس طرح کے کاموں سے واسطہ نہیں پڑا لہذا تو عاشق نہیں ہے۔ بلکہ تو مردہ ہے۔ عشق کے لائق کب ہے؟)

اے بھائی! ہمارے اور تمہارے اعمال کا حال اچھی طرح معلوم ہے کہ کیا ہے۔ کوئی رنگ چھپا ہوا نہیں ہے۔ اب اگر ہو سکے تو اپنے ارادے اور نیت کو درست کر لو۔ کیوں کہ مومن کا عمل نیکی کے علاوہ دوسرا نہیں ہوتا۔ اور اس کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا۔ مثلاً کوئی حج کو گیا تو اس کو ثواب ملے گا۔ مگر ماں کی رضامندی کے بغیر گیا ہے تو اس کی نگہداشت کا حق ادا نہ کر سکا۔ اور اگر ماں کی رضامندی اور نگہداشت کا خیال کرتا ہے تو پھر حج کو نہیں جا سکتا۔ اسی طرح دوسرے اعمال کا حال ہے۔ لیکن اس کی نیت تمام نیکیوں اور طاعتوں کو محیط ہے۔ جس طرح اعمال محدود ہیں ویسے ہی اس کے ثواب بھی محدود ہیں۔ لیکن نیت کا معاملہ کچھ اور ہی

ہے۔ مومن کی نیت کا ثواب بے حد ہوتا ہے۔ کیوں کہ طاعت اور خیرات کی نیت کی کوئی حد نہیں۔ نِیَّتُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ۔ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کی نیت واردات صحیح ہو مگر کسی عذر کے سبب سے اس کام کو انجام نہ دے سکے مثلاً بیماری حج سے روک دے کمزوری جہاد سے باز رکھے، مفلسی صدقہ کی راہ میں مانع ہو، تو وہ اجر و ثواب میں اس شخص کے برابر ہوگا جس نے یہ سب کام کیئے ہوں۔

حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ سختی اور مشقت برداشت کرنی پڑی تھی۔ جو لوگ شریک سفر تھے آپؐ نے ان سے فرمایا۔ ہم اس سفر میں جن وادیوں سے گذرے ہیں اور جو بھی محنت و مشقت برداشت کی ہے، ان سب کے ثواب میں مدینہ کے وہ لوگ بھی شریک ہیں جو آنے کی نیت کر چکے تھے۔ لیکن کسی عذر کی وجہ سے نہ آسکے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیوں کر ممکن ہے وہ لوگ تو مدینہ میں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا حَبَسَہُمُ الْعُذْرُ فَشَرَکُوْنَا بِحُسْنِ النِّیَّۃِ (ان کو ان کے عذر نے روک رکھا ہے۔ وہ پوری نیت اور پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ اس لیے حسن نیت کی وجہ سے ان کو پورا پورا ثواب ملے گا)

چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ عمل کے ثواب کا معاملہ دل سے ہے گِل (مٹی) سے نہیں۔ دل اور گِل کے درمیان فاصلہ ہزاروں میل کا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نیت کا محل دل ہے، گِل نہیں ہے۔ ایسے موقع پر بہت ہوشیار رہنا چاہیئے تاکہ غفلت دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہی بات ہے جو کہی ہے۔

از درِ چشم تا بہ کعبۂ دل ٭ عاشقاں را ہزار یک منزل

(آنکھ کے دریچہ سے کعبۂ دل تک عاشقوں کے لیے ایک ہزار ایک منزلیں ہیں)

اندریں رہ رفیق کن دل را ٭ توشہ کن صد ہزار منزل را

(اس راہ میں دل کو رفیق بنا۔ اور لاکھوں منزل کے لیے توشہ تیار کر۔)

لیکن بھائی! نیتوں کا علم بہت ہی لطیف اور باریک ہے۔ عام آدمی کی پہنچ وہاں تک مشکل ہے صاحب دل کا عمل ان کی اپنی نیت کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص کی نیت اس کے ایمان کے مطابق ہوتی ہے۔ ایک مقلد کی نیت اس کے ایمانِ تقلیدی کے اندازہ سے ہوگی، دلائل و حکمت رکھنے والے کی نیت ایمانِ استدلالی کے مطابق ہوگی۔ اور عارف کی نیت اس کے مشاہداتی ایمان کے اندازہ کے مطابق ہوگی۔ عجیب بات ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو زن و فرزند کو مکہ میں چھوڑ کر رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کریں اور خواجہ اویس قرنی اپنی والدہ کو نہ

چھوڑیں۔ ان حضرات کی نیتوں کی طرف دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ دونوں صحیح ہیں۔ سلف میں بعض ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انھوں نے عبادت چھوڑ دی ہے۔ اس لیے کہ اس میں ان کی نیت نہیں تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ابن سیرینؒ نے خواجہ حسن بصریؒ کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی۔ اور کہا کہ میری نیت نہیں ہے۔ ایسے ہی موقع پر بزرگوں نے کہا ہے کہ ان لوگوں کا نہ کرنا دوسروں کے کرنے سے ثواب میں بہتر ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ لوگ کیوں نماز پڑھتے ہیں اور بعض لوگ کیوں نہیں پڑھتے۔ تم کیا جانو کہ لوگ کیوں روزہ رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کیوں روزہ نہیں رکھتے۔ اور تمہیں کیا علم کہ لوگ حج کیوں کرتے ہیں اور کیوں نہیں کرتے۔ ظاہر بیں یہ حال دیکھ کر متحیر اور پریشان ہیں۔ یقیناً رسم و عادت دوسری چیز ہے اور انبیاء و اولیاء کی راہ کچھ اور ہی ہے۔ جیساکہ کہا ہے۔ ؎

بیت :۔ کے توانند شد دریں رہ اے خلیل ؎ عنکبوتے مبتلا ہم سیر پیل

(اے دوست! اس راہ میں ایک مکڑی رفتار میں ایک ہاتھی کا ساتھ کیوں کر دے سکتی ہے)

آج ہر شخص اپنے فاسد خیالات پر قناعت کئے ہوئے ہے اور جھوٹے گمان پر مطمئن ہے۔ اگر دین اتنا آسان ہوتا جیساکہ لوگ سمجھتے ہیں تو انبیاء و اولیاء کا جگر پانی نہ ہوتا اور مردانِ راہ کے دل کباب نہ ہوتے اے بھائی! تم کو ان مردوں کے دین کی کیا خبر؟ اگر تم سے ہو سکے تو شب و روز ان کی حسرت میں اپنی جان جلایا کرو۔ اور اگر ہو سکے تو ان لوگوں کی جوتیوں تک پہنچ کر خدمت کرو اس لیے کہ یہ بھی ایک بڑا کام ہے کیوں کہ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا حُشِرَ مَعَهُمْ (جس قوم کو جو پیار کرتا ہے حشر میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا) یہ کوئی کم دولت نہیں ہے۔

اے عزیز! اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ الْمُسْتَقِيْمِ (بیشک آپ لوگوں کو صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں) تو پیران طریقت کے حق میں مِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتی ہے) فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا یا تو انبیاء علیہم السلام کی جوتیوں کے سایہ تلے رہو یا پیروں کی جوتیوں کی خدمت کرو تاکہ خدا تک پہنچو۔ اس لیے کہ جو کچھ ہے یہی ہے۔

؎ گر ترا در دست پیر آید پدید ؎ قفل دردت را کلید آید پدید

(اگر تجھے کوئی پیر میسر آ جائے تو سمجھ لے کہ تیرے درد کے تالے کی کنجی تجھے مل گئی)

ہوشیار ہو جاؤ۔ جس شخص کی ہمت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ اور کی ہے، اگرچہ وہ جنت الفردوس ہی کیوں نہ ہو تو وہ مردانِ حق کی راہ کے علاوہ ایک دوسری راہ ہے جو مردانِ حق کی راہ سے دور ہے۔ مردانِ

حق کی راہ کیا ہے ؟ شاعر کی زبانی سنو۔

جز وصل تو ام حرام بادا ❊ حاجت کہ بخواہم از خدا من

(تیرے وصل کے سوا اگر کوئی حاجت میں خدا سے چاہوں تو وہ مجھ پر حرام ہو)

گرم با صالحاں بے دوست فردا در بہشت آرند ❊ ہماں بہتر کہ در دوزخ کنندم با گنہگاراں

(اگر مجھ کو نیکو کاروں کے ساتھ کل بہشت میں دوست کے بغیر داخل کریں گے۔ تو اس سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ مجھے گنہگاروں کے ساتھ دوزخ میں داخل کریں)۔

بہشت میں پانی، روٹی اور حور و قصور سب موجود ہیں اور ساری دنیا ان کی طلب میں ہے۔ قطعہ

زاہداں را جنت و فردوس باید نزل گاہ ❊ صادقاں را لذتِ ایں فقر زنداں ست وبس

لطفِ او را خاص و عام و نیک و بد یابندہ اند ❊ قہر او را پیش رفتن کار خاصاں ست وبس

(زاہدوں کے لیے مہمان سرائے جنت اور فردوس چاہیے۔ صادقوں کے لیے فقر کے زنداں کی لذت کافی ہے۔ اس کے لطف و کرم کو خاص و عام اور نیک و بد سب نے پایا ہے۔ مگر اس کے قہر کے سامنے جانا یہ تو خاص لوگوں کا کام ہے)

مگر تمہیں معلوم ہے کہ مردانِ خدا کی جنت کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَنَّۃً لَّیْسَ فِیْھَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ۔ (بیشک ان کی جنت اللہ کا جلوہ ہے۔ جس میں نہ تو حوریں ہیں اور نہ جنت کے محل) اور اگر تم یہ کہو کہ یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا (ہمارا رب مسکراتے ہوئے جلوہ فرماتا ہے) کیا ہے ؟ تو وہ یہی ہے جو کہا ہے ؎

دیگراں را وعدہ گر فردا بود ❊ لیک ما را نقد ہم ایں جا بود

(دوسروں کے لیے اگر کل کا وعدہ ہے تو ہمارے لیے نقد اسی جگہ ہے)

اور سنو! اہل محبت سے کاروبار دوسری طرح کیا جاتا ہے۔ اہل محبت کا گروہ ہی دوسرا ہے۔ ان میں انتظار کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ موعود کو موجود سمجھ کر طلب کرتے ہیں۔ یعنی وہ نقد سودا کرتے ہیں۔ اور عشق کے شکر میں پکار اٹھتے ہیں ؎

یا مرادِ من بدہ یا فارغم کن از مراد ❊ وعدۂ فردا رہا کن یا چناں کن یا چنیں

(یا میری مراد عطا کر یا مجھے مراد سے فارغ کر۔ کل کا وعدہ ختم کر۔ یا یہ کر یا وہ کر)

حضرت رابعہ بصریؒ سے لوگوں نے پوچھا آپ بہشت کیوں نہیں چاہتی ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا۔ اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّار (پہلے پڑوسی پھر گھر) سبحان اللہ۔ ذرا پاک دامن عورت کی ہمت کی

بلندی دیکھو۔ اور اپنے جبہ ودستار پر ماتم کرو۔ غور کرو تو حقیقت معلوم ہو گی کہ تم مرد ہو نہ عورت۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ تم ہو کیا؟

ایک وقت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ غائب ہو گئے۔ مریدوں نے ان کی تلاش شروع کی۔ دیکھا کہ فحاشوں کا لباس پہن کر ان کے درمیان بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ فریاد کرنے لگے۔ اے ہم لوگوں کے مقتدا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ صورت کے لحاظ سے میں عورت نہیں ہوں اور معنی کے لحاظ سے میں مرد نہیں۔ تو یقیناً میں مخنث ہوں اور مخنث کے لیے یہی بہتر ہے کہ مخنثوں کے درمیان رہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

؎ چوں زند دیوانۂ زیں شیوہ لاف ❊ تو ز سر کوری مکن با او مصاف

(جب کوئی دیوانہ اس طرح کی شیخی بگھارے تو تو اندھے پن سے اس کے ساتھ جھگڑا مت کر)

تو زباں از شیوۂ او دور دار ❊ عاشقِ دیوانہ را معذور دار

(تو اس کے شیوہ سے اپنی زباں کو دور رکھ۔ اور عاشقِ دیوانہ کو معذور سمجھ)

عاقلاں را شرع تکلیف آمدہ ست ❊ بے دلاں را عشق تشریف آمدہ است

(عاقلوں کے لیے شریعت کی قید و بند ہے۔ اور بے دلوں کے لیے عشق خلعت ہے)

لاجرم دیوانہ را گرچہ خطاست ❊ ہرچہ می گوید بہ گستاخی رواست

(اگرچہ دیوانوں کا فضول بکنا غلطی ہے۔ لیکن وہ جو کچھ بدمستی میں گستاخی کے ساتھ کہتے ہیں جائز ہے)

اے بھائی! خلاصہ یہ کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ کسی نیت اور سبب سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر دل میں دنیا کی محبت ہے تو اس کی وجہ سے کاموں میں اس کی نیت بھی وہی ہو گی۔ اس لیے جس قدر نماز، روزہ، حج اور صدقہ ہے سب کے سب دنیاوی ہی شمار ہوں گے۔ اور اگر اس کے دل میں آخرت کی محبت ہے۔ اس کی وجہ سے ہر کام میں وہی نیت رہے گی۔ کھانا، پینا، سونا سب آخرت ہی کے لیے ہو گا۔ كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ۔ (ہر برتن سے وہی ٹپکے گا جو اس میں ہے۔) یہ ایک مثل ہے جو مشہور ہے۔

ایک دوسری قوم بھی ہے جس کو ہمت میں سلطان کہتے ہیں۔ یہ قوم جو کچھ کرتی ہے اللہ کی رضا کے لیے کرتی ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (کہئے بیشک میری نماز، اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے جو سارے جہان کا پروردگار ہے) یہ ان ہی لوگوں کی صفت ہے۔ ان کا جلوہ یہ ہے کہ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (یہ لوگ صرف اس کے وصال کی تمنا رکھتے ہیں) ان کا پاؤں دنیا میں اور سر آخرت میں ہوتا ہے۔ یہ لوگ دنیا کی طرف اس وقت تک توجہ نہیں کرتے جب تک اپنے دوست کی یہ آواز نہ سن لیں۔ اَنْتُمُ الْاَوْلِيَاءُ حَقًّا (سچ میں تم ہمارے دوست ہو) خدا

کی قسم اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے۔

سہ مارا بجز ایں جہاں جہانے دگراست ؛ جز دوزخ و فردوس مکانے دگرست

(ہمارے لیے اس جہاں کے علاوہ ایک دوسرا جہان ہے۔ جنت و دوزخ کے علاوہ ایک اور جگہ بھی ہے)

سبحان اللہ! یہ کیسے لوگ ہیں۔ ان کی حالت کے متعلق جو کچھ بھی کوئی لکھے، اس کی مثال دریا کے ایک قطرہ کی ہے۔ ہمارے لیے اور تمہارے لیے اور ہم جیسوں کے لیے اس قوم سے کیا حصہ ملا ہے۔ سوائے اس کے کچھ لکھیں یا کچھ پڑھیں۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ کرنا کیا ہے؟

ع عشق آمدنی بود نہ آموختنی

(عشق آمد کی چیز ہے سیکھنے کی نہیں)

لوگوں نے کہا ہے لَیْسَتِ الْمَحَبَّۃُ مِنْ تَعْلِیْمِ الْخَلْقِ وَاِنَّمَا الْمَحَبَّۃُ مِنْ تَعْلِیْمِ الْخَالِقِ (محبت مخلوق کی تعلیم سے نہیں بلکہ خالق کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے) اس کا راز یہی ہے جو کہا ہے۔

دوست داری تو آزارے بود ؛ دوستی او ترا کارے بود

(تیری دوست داری ایک آزار ہے۔ مگر تیرا کام اس کی دوستی ہے)

لیک عشقے کاں ز سوے تو بود ؛ وآنکہ اندر خورد روئے تو بود

(لیکن جو عشق تیری طرف سے ہو وہ ایسا ہے جیسا کہ تیری صورت آئینہ میں ہو)

مکتوب میں اس سے زیادہ نہیں لکھا جا سکتا۔ اَلْعِلْمُ یُوْخَذُ مِنْ اَفْوَاہِ الرِّجَالِ (علم تو لوگوں کے منہ سے حاصل کیا جاتا ہے)۔

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۶۔ جنوری ۷۶ء مطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ

روز پنجشنبہ بوقت ایک بجے شب

مکتوب ——— ۴

نزولِ بلا اور مصیبت برداشت کرنا

برادر عزیز شیخ عمر! بسلام ودعا شرف منیری مخصوص است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُجَرِّبُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلَاءِ کَمَا یُجَرِّبُ اَحَدُکُمُ الذَّھَبَ بِالنَّارِ (اللہ تعالیٰ مومن کو بلا کے ذریعہ آزماتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص سونا کو آگ کے ذریعہ آزماتا ہے) سنتِ الٰہی اسی طور پر جاری ہے کہ مومن کو بلاؤں کے ذریعے آزمایا جائے۔ تاکہ مخلوق میں سے جھوٹے اور سچے لوگوں کی تمیز ہو جائے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح سونا کو آگ کے ذریعہ آزماتے ہیں تاکہ کھرے کھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیا ہے؟ سنو! ایک شخص نے جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اعلان کیا۔ اور یہ ایک دعویٰ ہے۔ لہٰذا اس کی دلیل چاہیئے۔ دعویٰ کی بغیر دلیل شنوائی نہیں۔ چنانچہ تم نے سنا ہوگا کہ اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْاَنْبِیَآءِ ثُمَّ بِالْاَوْلِیَآءِ (بلا مقرر کی گئی ہے پہلے انبیاء پر پھر اولیا پر) تو وہ یہی ہے۔ آفتاب کا عاشق کرنوں کی تپش سے کب محفوظ رہ سکتا ہے۔ ؎

گر دوست مرا بلا فرستد شاید ؛ کیں دوست خود از بہر بلا می باید

(اگر دوست میرے لیے بلا بھیجے تو وہ میرے حق میں بہتر ہے اس لیے کہ یہ دوست بلاؤں کے ذریعہ خود بھی مجھے درکار ہے)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا اِسْتَعِدَّ لِلْبَلَاءِ (بلا جھیلنے کے لیے تیار ہو جاؤ) اس میں اشارہ ہے کہ دعویٰ بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں۔ اور دلیل یہی ہے کہ آزمائش میں پورے اترو۔

ع از تو زدِ سخت و زمن آہ خوش

(تیری طرف سے سخت مار اور میری طرف سے لذت بھری آہ)

اے بھائی! ہر چیز آرام سے نشو ونما پاتی ہے اور بلاؤ مصیبت سے ختم ہو جاتی ہے۔ سوائے محبت کے، محبت کی غذا ہی بلا ہے۔ ع

حلوہ بہ کسے دہ کہ محبت نہ چشیدہ است

(حلوہ اسے کھلاؤ جس نے محبت کا مزہ نہیں چکھا ہے)

حلوہ کھانے کی بات دوسری ہے اور عشق و محبت کی لذت کی بات کچھ اور ہے۔ ؎

بر درگہِ او ز کشتۂ عشق ✻ قصہ چہ کنم دو صد ہزار است

(اس کی درگاہ پر عشق کے مقتول کا قصہ کیا بیان کروں۔ ایک دو ہوں تو خیر یہ تو لاکھوں ہیں)

دہ در رہِ او ہزار عاشق ✻ آویختہ از طناب دار است

(اس کی راہ میں ہزاروں عشاق۔ دار کی طناب سے لٹکے ہوئے ہیں)

بھلا ایسے میں حلوے مانڈے کی بات کہاں سے ہو سکتی ہے۔

ایک دن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو پوچھا اے حارثہ تم نے صبح کس طرح کی؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے مومن صادق کی طرح صبح کی۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل و برہان بھی ہے؟ اس لیے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہے۔ پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دلیل پیش کی۔ عَرَفْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا وَ اَسْحَرْتُ لَیْلِیْ وَ اَظْمَاتُ نَھَارِیْ وَ اسْتَوٰی عِنْدِیْ ذَھَبُھَا وَ فِضَّتُھَا وَ مَدَرُھَا وَ حَجَرُھَا فَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ بَارِزًا۔ (میں نے اپنے نفس کو دنیا سے الگ کر دیا۔ راتوں کو بیداری میں بسر کرتا ہوں اور دن کو روزہ دار رہتا ہوں۔ میری نظر میں چاندی اور سونا مٹی اور پتھر سب برابر ہو گئے۔ گویا میں اپنے پروردگار کے عرش کو ظاہر دیکھ رہا ہوں) حضرت حارثہؓ نے جب اپنے دعویٰ پر یہ دلیل پیش کی تو آپ سمجھ گئے کہ یہ سچے ہیں۔ اور فرمایا کہ تم نے صحیح کہا۔ اب اپنے ایمان کو لازم پکڑو۔ ثابت ہوا کہ برہان و دلیل کے بغیر کوئی دعویٰ قابل قبول نہیں ہوتا۔ بلکہ آزمائش میں ڈال کر دلیل طلب کی جاتی ہے۔ تاکہ جھوٹے سچے کا فرق ظاہر ہو جائے۔

جب پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود ملعون نے بغیر دباغت کئے ہوئے چمڑے میں لپیٹ کر منجنیق میں رکھا تاکہ آگ میں پھینک دے تو آپ کی زبان سے حَسْبِیَ اللّٰهُ (اللہ میرے لیے کافی ہے) کے الفاظ نکلے۔ جب منجنیق کو آگ کی طرف پھینکا تو ابھی آپ فضا ہی میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچے اور پوچھا ھَلْ لَكَ حَاجَةٌ (کیا آپ کو کوئی ضرورت ہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا

اِنَّمَا اِلَیْکَ (کیا تم سے؟) مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا تو پھر اپنے پروردگار سے کچھ درخواست کیجئے تو آپ نے فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ (میرے لیے اللہ کافی ہے) وہ میرے سوال سے مستغنی ہے اور میرے حال سے واقف ہے۔ یہ جو آپ نے حسبی اللہ فرمایا تو یہی ان کے دعوے کی دلیل تھی۔ اسی لیے لوگ کہتے ہیں کہ کسی امر کا دعویٰ کرنا تو بڑا آسان ہے۔ مشکل تو اس وقت ہوتی جب دلیل طلب کی جاتی ہے۔

زاد الارواح میں وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے گذشتہ کتابوں میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا تو اس سے کہا کہ تجھ پر کون سی مصیبت آجاتی اگر تو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لیتا۔ اس نے جواب دیا۔ کیا میں آپ کی طرح اپنے دعوے میں جھوٹا بنتا جس طرح آپ دعویٰ محبت کے باوجود جب آپ سے کہا گیا اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ (پہاڑ کی طرف دیکھو) تو آپ پہاڑ کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے غیر کے سجدہ کے مقابلہ میں عقوبت اور لعنت کو قبول کیا۔ تاکہ میں اپنے دعوے میں جھوٹا نہ بنوں۔ اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

سعدی بہ جفا ترک محبت نتواں کرد ؛ بر در بنشینم گر از خانہ برانند

(اے سعدی! جفا کی وجہ سے ترکِ محبت نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر وہ گھر سے نکال دیں گے تو دروازے پر دھرنا دے کر بیٹھ جاؤں گا)

اور وہ مہجور مصیبت (شیطان) خود رکھتا ہے اور کہتا ہے۔

گفتم کہ مگر محرمِ اسرار آیم ؛ با دولتِ وصل بر درِ یار آیم

(میں نے کہا کہ شاید راز سے واقف ہو جاؤں۔ اور یار کے دروازے پر دولت وصل کے ساتھ آؤں)

کے دانستم کہ باکمالِ دانش ؛ در بت کدہ قابلِ زنار آیم!

(مجھے کب معلوم تھا کہ کمال دانش کے باوجود میں زنار کے قابل بنا کر بت کدے میں رکھا جاؤں گا۔)

اور وہ بیچارہ اپنی لعنت پر پھر اس طرح ناز کرتا ہے۔

رباعی

ہم جور کشم بتا و ہم بستیزم ؛ با مہر تو، مہر دیگراں نامیزم

جانے دارم کہ بار عشق تو کشد ؛ تا در سر کارت نہ شود نہ گریزم

(اے محبوب! میں ظلم برداشت کرتا ہوں اور لڑتا بھی ہوں تاکہ تیری محبت کے ساتھ کسی اور کی محبت کی آمیزش نہ ہو میں وہ جان رکھتا ہوں جو تیرے عشق کا بار کھینچتی ہے۔ تاکہ تیرے کام کے سلسلہ میں گریز نہ کروں)

بلا اور آزمائش میں یہ راز ہے کہ نعمتوں سے آدمی کو آرام ملتا ہے۔ اس لیے نعمتوں میں طبیعت مشغول ہو جاتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ غیر کی تلاش میں محبوب سے دور ہو گیا۔ اور بلا سے بھاگنا گویا دوست سے بھاگنا ہے۔ اور جس نے بلا کو اپنایا وہ دوست تک پہنچا۔ اس لیے کہ نعمت در سے دور کرتی ہے اور آزمائش در پر رکھتی ہے۔ بلا کوئی لذیذ چیز نہیں ہے۔ اس میں جو کچھ لذت ہے وہ محبوب کی جانب سے ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے ہے کہ آدمی اگر بلا میں سنبھلا رہا تو دوست سے قریب ہو گیا۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ "منع از عطا بہتر است" (نہ دینا دینے سے بہتر ہے) اسی مفہوم کو اس مثنوی میں ادا کیا گیا ہے۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ؎ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

(اللہ تعالیٰ نے ہر وہ بلا جو اس قوم کو دی ہے اس کے نیچے بخشش کا ایک بے پایاں خزانہ پوشیدہ رکھا ہے)

گر شراب لطف او خواہی مدام ؎ قطع کن وادیِ قہرِ او تمام

(اگر تو اس کے لطف کی شراب پینا چاہتا ہے تو اس کے قہر کی وادی کو پورے طور پر طے کر)

زاں کہ تا ایں نہ بودت آں نہ بودت ؎ بے بلا و درد درماں نہ بودت

(اس سبب سے کہ جب تک یہ نہ ہو گا وہ بھی نہ ہو گا۔ بلا و تکلیف کے بغیر تیرا علاج نہیں ہو گا)

بے مانگے فرعون ملعون کو چار سو سال تک ملک اور دنیاوی آرام دیا گیا۔ لیکن اگر وہ موسیٰ علیہ السلام کی فاقہ کشی، درد و سوز اور خلش مانگتا تو ہرگز نہ ملتا۔

بیت

فرعون را نہ دادیم اے دوست دردِ سر ؎ زیرا کہ او نہ داشت سرِ دردہائے ما

(اے دوست! میں نے فرعون کو کسی دردِ سر میں مبتلا نہیں کیا اس لیے کہ وہ درد کے لائق سر ہی نہیں رکھتا تھا)

ایک دن امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناجات میں کہا۔ اے اللہ! تو اپنے دوستوں کو کب تک قتل کرتا رہے گا؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا جب تک وہ دیت نہ پالیں۔ پھر عرض کیا۔ اے اللہ! ان کی دیت کیا ہے؟ جواب ملا۔ میرا جمال اور میری ملاقات۔ مَنْ قَتَلْتُهٗ فَأَنَا دِيَتُهٗ (جس کو میں نے قتل کیا اس کا خوں بہا میں خود ہوں۔)

جس نے کہا ہے خوب کہا ہے۔

بے جرم و گناہ عاشقاں را می کش ؎ پس سرِ گورِ شاں زیارت می کن

(عاشقوں کو جرم و گناہ کے بغیر قتل کرتا رہ۔ پھر ان کی قبر کی زیارت کرتا رہ)

بلاؤں کا جھیلنا بندہ اور خدا دونوں کی دوستی کی دلیل ہے۔

ع نازش بکشم چوں صبر نہ توانم کرد
(جب ان کے بغیر صبر نہیں کرسکتا تو ان کی ناز برداری نہ کروں تو کیا کروں)
جب محب کے لیے محبوب کے بغیر قرار حرام ہے تو ناز برداشت کرنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

غزل

دردِ تو دوا شد است مارا ❊ خاکِ تو بہا شد است مارا
(تیرا درد ہمارے لیے دوا بن گئی ہے۔ تیری خاک ہمارے لیے قیمت ہو گئی ہے)
دشنامِ ترا اے نگارِ مہ وش ❊ حقا کہ دعا شد است مارا
(اے چاند جیسے محبوب! خدا کی قسم تیری گالی بھی ہمارے حق میں دعا بن گئی ہے)
از بہر تو خود بہ دادنِ جاں ❊ از دیدہ رضا شد است مارا
(جان تیری خاطر دینے ہی کے لیے ملی ہے۔ جان و دل سے میری رضا یہی ہے۔)

ایک مرتبہ ایک درویش نے کہا۔ لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي حُبِّهٖ مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلٰى ضَرْبِهٖ (دعوۂ محبت میں وہ شخص سچا نہیں ہے جو محبوب کی مار پر صبر نہ کرے) ایک عارف نے آواز دی اور کہا: اَخْطَئْتَ يَا فَقِيْرُ بَلْ لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي حُبِّهٖ لَمْ يَتَلَذَّذْ بِضَرْبِهٖ (اے فقیر! تو نے غلط کہا۔ بلکہ وہ شخص اپنی محبت میں سچا نہیں ہے جو محبوب کی مار میں لذت محسوس نہ کرے) ؎

او بر سرِ قتل و من در و حیرانم ❊ کاں راندنِ تیغش چہ نکو می آید
(وہ قتل کے درپے ہے اور میں اس میں حیران ہوں کہ اس کا تلوار چلانا کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے)
محب، محبوب کے حسن و جمال میں مست ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنی ہستی کو مٹا کر محبوب کی ذات میں گم کر دیتا ہے یہاں درد کا کیا سوال ہے۔ جب کہ بلا تو محبوب کا جلوہ ہے۔ کسی نے اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

در صومعہ از آن ست عابد ❊ کو راز جمالِ تو خبر نیست
(عبادت خانہ میں عابد اس وجہ سے ہے کہ اس کو تیرے جمال کی خبر نہیں ہے)
لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جس دن رابعہ بصریؒ پر بلا نازل نہیں ہوتی تو وہ مناجات میں عرض کرتیں۔ الٰہی! تو نے مجھے روٹی تو دی مگر سالن کہاں ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کچھ مصیبت بھی ملے۔

؎ جانے دارم کہ بارِ عشق تو کشد ❊ تا در سر کارت نہ شود نہ گریزم
(میں وہ جان رکھتا ہوں جو تیرے عشق کا بوجھ کھینچ سکے۔ تاکہ تیرے کام کے سلسلہ میں گریز نہ کروں)
اے جبہ و دستار والو! ذرا اس عورت کی ہمت کو دیکھو اور اپنے حال پر غور کرو۔ یاد رکھو! اس

دربار میں معاملہ عمل کا ہے۔ صورت اور ظاہری بناوٹ کا نہیں۔

رباعی

جوئندۂ ما بہ شہر و در بسیار است ؎ ہر کس کہ مرا جوید کارش زار است
بر درگہ ما زدہ ہزاراں دار است روزان و شباں طالب ما خوں خوار است

(ہمارے ڈھونڈنے والے شہر و دیار میں بہت ہیں۔ مگر جو شخص مجھے ڈھونڈتا ہے اس کا حال زار ہے۔ ہماری درگاہ پر ہزاروں دار نصیب کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے طالب رات دن خون پینے والے ہیں)

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک اور فقر میں سے کسی ایک چیز کو قبول کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپؐ نے فقر کو قبول کیا۔ اس لیے کہ فقر بلاؤں کا گھر ہے۔ اور بلا میں محبوب کی توجہ محب پر زیادہ ہوتی ہے۔

قطعہ

ما را خواہی تن بہ غماں اندر دہ ؎ چو شیفتگاں سر بہ جہاں اندر دہ
دل پُر خوں کن بہ دیدگاں اندر دہ ؎ وانگہ زپے دو یدہ، جاں بر سر دہ

(اگر ہم کو چاہتا ہے تو جان کو غموں کے حوالے کر۔ اور عاشقوں کی طرح سر اسی دنیا میں دے۔ دل کو خون سے لبریز کر اور آنکھیں موند لے، پھر پیچھے دوڑ کر جان دیدے)

اور یہ دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ (اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین ہی مجھے دنیا سے اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر فرما) مطلب یہ ہے کہ بھوکا ننگا رہوں پر تیرے ساتھ رہوں۔ تیرے بغیر ملک و بادشاہی نہیں چاہیئے۔ اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔

قطعہ

عزت چو ورا شاید نے ہیچ شک اے سالک ؎ در کون و مکاں ما را جز خوار نہ باید بود

(اے سالک چوں کہ عزت بلاشبہ اسی کے لائق ہے اس لیے کون و مکان میں ہم کو خوار ہی رہنا چاہیئے۔)

بر دار چو می بینی پیوستہ جمال او ؎ در چار سوئے عشقش بے دار نہ باید بود

(جب دار پر تو ہمیشہ اسی کا جمال دیکھتا ہے۔ تو اس کے عشق کے چاروں طرف دار ہی دار ہونا چاہیئے)

چونکہ عالم محبت کا ایک ذرہ بھی فرعون و نمرود کے نصیب میں نہ تھا اس لیے ان سبھوں کو صاحب ملک اور صاحبِ مال و جاہ بنایا تاکہ معلوم ہو کہ دوستوں اور محبوبوں کے ساتھ اس کا معاملہ دوسرا ہے اور دشمنوں کے ساتھ دوسرا۔ ۵

اے آشنائے کوے محبت صبور باش ❊ بیداد نیکوان ہمہ بر آشنا رود!

(اے آشنائے کوے محبت تو صبر کرنے والا بن۔ اس لیے کہ اس کا ڈنڈا ہمیشہ آشنا ہی پر چلتا ہے)

منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آزمائش وہ نہ تھی جو خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ بیٹے کی قربانی دیجیئے۔ اور وہ بھی آزمائش نہ تھی جو پیغمبر زکریا علیہ السلام کے سر پر آرا چلوایا گیا۔ بلکہ امتحان و آزمائش تو وہ ہے جو میرے سر ڈالی گئی۔ کبھی تو یہ فرمایا گیا کہ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا) سب کچھ آپ ہی کے لیے ہے۔ اور کبھی یہ فرمایا کہ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (یعنی تیرے ہاتھ میں کچھ نہیں) کبھی تو لَعَمْرُكَ (تیری عمر کی قسم) کہہ کر میری عمر کی قسم کھائی، تو کبھی یہ کہہ کر تازیانہ لگایا کہ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (کیا تجھے یتیم پا کر پناہ نہیں دی؟) کبھی عرش کو ہمارا فرش بنایا۔ کبھی مٹھی بھر جو کے لیے ایک یہودی کے دروازے کا چکر لگوایا۔ اور یہودی نے طعنہ دیا کہ آپ کے پاس نہ مویشی ہے نہ کھیت کس برتے پر قرض دوں۔ کبھی یہ خوش خبری دی کہ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا) پھر کبھی اونٹ کی اوجھ گردن میں ڈلوائی۔ آپ نے فرمایا۔ مَا اُوْذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِيْتُ (کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جتنی مجھے پہنچائی گئی) یہی ساری باتیں اس رباعی میں کہی گئی ہیں۔

گہ با کفِ پُر سیم و گہے درویشم ❊ گہ با دلِ پُر نشاط و گہ دل ریشم

گہ در پسِ جملہ و گہ در پیشم ❊ من بو قلمونِ روزگارِ خویشم

(کبھی چاندی سے مٹھی گرم رہتی ہے۔ اور کبھی مفلس و قلاش رہتا ہوں۔ کبھی مسرتوں سے بھرا دل رکھتا ہوں اور کبھی دل زخمی رکھتا ہوں۔ کبھی تمام مخلوق کے پیچھے اور کبھی سب سے آگے رہتا ہوں۔ گویا میں اپنے زمانے کا عجوبہ ہوں)

بیان کرتے ہیں کہ پہلا لفظ جو عرش پر لکھا گیا وہ "محبت" تھا۔ پھر "ب" کا لفظ اوپر کا "ن" نقطہ بن گیا۔ اس طرح لفظ "محبت" میں "محنت" میں تبدیل ہو گیا۔ لفظا کی بناوٹ ایک ہی طرح کی ہے صرف نقطہ کا فرق ہے اب غور کرو۔ دونوں لفظوں میں کتنا قریبی تعلق ہے۔ لہٰذا جہاں محبت ہوتی ہے وہیں محنت بھی ہوتی ہے۔

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ محبت کے ہر نقطہ میں لاکھوں قہر اور اس کے ہر حرف میں ہزاروں زہر کے پیالے ہیں جنہیں پینا ہی پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے دوست ہر وقت یہی چاہتے ہیں کہ ہم نیست و نابود ہو جائیں۔ ان سب کے باوجود ان کو یہ خطاب ہوتا ہے کہ اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ط (صبر کرو مقابلہ میں صابر اور مستعد رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے طور پر کامیاب ہو جاؤ) اس کی جان پر رحمت ہو جس نے یہ کہا ہے۔

رباعی

جاناں دلِ من بہ زلفِ خود آویختہ ۔۔۔ ویں جاں بہ غمِ عشق برآمیختہ
تا در دلم ایں شور برانگیختہ ۔۔۔ خونِ جگرم ز دیدگاں ریختہ

(محبوب نے میرے دل کو اپنی زلف میں الجھا دیا ہے۔ اور اس جان کے ساتھ غمِ عشق کو ملا دیا ہے۔ یہاں تک کہ میرے دل میں ایسا شور اٹھا کہ میرے جگر کا خون بھی آنکھوں سے بہہ گیا۔)

والسلام

۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۱ر جنوری ۱۹۷۷ء
روز سہ شنبہ وقت ایک بجے شب
محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ ⑤

ترکِ دُنیا اور رغبتِ عقبیٰ میں

برادر عمرا! کاتب حروف شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا مخصوص ہے۔

اں برادر کو معلوم ہو کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَمَا فِیْھَا (دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے) معلوم ہوا کہ دنیا میں جو کچھ ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جو صورت اور معنی کے لحاظ سے دنیا ہے۔ اس کے حصول میں نیت کبھی خدا کے طرف نہیں ہوتی۔ یہ ہر جہت سے گناہ ہی گناہ ہے۔ اور مباحات کے ساتھ خوش عیشی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ اسی قسم میں داخل ہے۔ اس لیے کہ مباح میں اگر رضائے الٰہی کا کوئی شائبہ نہ ہو تو وہ محض نفس پرستی ہے۔ اور نفس پرستی گناہ ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صورت کے لحاظ سے تو خدا کے لیے ہو۔ لیکن اس کے عمل میں نیت دنیا داری کو ہو مثلاً شہوات کا ترک کرنا تاکہ لوگ عابد و زاہد کہیں۔ اسی طرح علم سیکھنا اس غرض سے کہ لوگوں کی نظروں میں عزت و مرتبہ حاصل ہو اور مجھے عالم کہیں۔ یہ بھی دنیا داری ہے۔ جو لعنت کی چیز ہے۔ گرچہ صورت کے لحاظ سے دین داری ہے۔ لہٰذا اس کے ترک کرنے ہی میں سلامتی ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

خرچ کردی برائے ناں جاں را ٭ در پئے تن بہ دادی ایماں را

(روٹی کے لیے تو نے جان خرچ کر دی۔ اور تن پروری کے لیے ایمان دے دیا)

ترک دنیا گیر تا سلطاں شوی ٭ ورنہ ہم چوں چرخ سرگرداں شوی

(دنیا ترک کر دے تاکہ تو بادشاہ ہو جائے۔ ورنہ آسمان کی طرح سرگرداں رہے گا)

ہر چہ با تو در نیاید زیرِ خاک ٭ آں ہمہ دنیا بود نے دینِ پاک

(تمام وہ چیزیں جو تیرے ساتھ قبر میں نہیں جائیں گی وہ سب کی سب دنیا ہیں۔ پاک دین نہیں ہے)

تیسری قسم وہ ہے کہ صورۃً تو دنیا داری ہے۔ لیکن بندے کی نیت اور ارادہ رضائے الٰہی ہے

تو وہ ملعون نہیں ہے۔ مثلاً کوئی اس نیت سے کھاتا پیتا ہے کہ قوت و طاقت رہے گی تو عبادت کریں گے بیوی سے اس لیے ملتا ہے کہ حرام سے بچنے میں مدد ملے گی۔ اور اولاد ہوگی تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھے گی۔ اور اس کی مساجد کو سجدوں سے آباد رکھے گی۔ لہٰذا وہ اسباب زندگی مختصر طور پر مہیا کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ عبادت الٰہی میں مشغول ہو سکے اور غیر اللہ کا محتاج نہ ہو سکے۔

سے چوں ترا نانے و خرقانے بود ؎ ہر سر موئے تو سلطانے بود

(جب تجھے روٹی اور کپڑا میسر آجائے تو سمجھ لے کہ تیرا بال بال بادشاہ ہے)

خلاصہ یہ کہ جب تک نفس کا معاملہ ہے اور آخرت کے کام میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو وہ سب دنیا ہے۔ جس میں دین کی خرابی ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

سے خرچ کردی برائے ناں جاں را ؎ در پے تن بدادی ایماں را

(روٹی کے لیے جان کو خرچ کر دیا۔ اور تن آسانی کے لیے ایمان کو داؤ پر لگا دیا)

اس کے علاوہ تمام وہ کام جس کی آخرت کے لیے کام میں ضرورت پڑتی ہے۔ اور نیت بھی حصول آخرت ہی کی ہے تو یہ دنیا داری نہ ہوگی۔ خواہ صورۃً دنیا داری ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے راستے کا سامان، سواری، اور اس کا چارہ کوئی حج میں جانے کے لیے حاصل کرے۔

علماء نے دنیا داری کے تین درجے متعین کئے ہیں۔ اول کھانا، لباس اور مکان۔ اس حد تک کہ اس کے بغیر کام چل سکے۔ دوسرا درجہ یہ کہ ضرورت و حاجت سے زیادہ محض حسن و تجمل، تفاخر و تکاثر، زیب و زینت اور سرمایہ داری کے لیے حاصل کیا جائے۔ اور اس کی کوئی حد نہیں۔ جس طرح جہنم کی گہرائی اور اس کے شعلوں کی وسعت کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دینے ہی میں نجات اور سلامتی ہے۔ اسی مفہوم کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

مثنوی

ترکِ دنیا گیر تا دینت بود ؎ آں بدہ از دست تا اینت بود

(دنیا کو چھوڑ دے تاکہ تجھے دین حاصل ہو۔ اسے ہاتھ سے دیدے تاکہ یہ حاصل ہو)

گر دلت آگہ ز معنی آمدست ؎ کارِ دینت ترک دنیا آمدست

(اگر تیرا دل معنی سے آگاہ ہے۔ تو تیرے دین کا کام ترکِ دنیا ہے)

جس نے مقدار ضرورت پر اکتفا کیا تو اس نے رہائی پائی۔ کیوں کہ ایسی ضرورت جس پر انسان مجبور ہو۔ معاف ہے۔ اور جس نے مقدار حاجت پر اکتفا کیا تو وہ خطرے سے خالی نہیں۔ اور جو شخص زیب و زینت تفاخر و تکاثر اور شان و شوکت کے حصول کی فکر میں لگا تو اس کے لیے جہنم کے شعلہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی

وجہ سے بزرگوں نے حصولِ دنیا کو اسی حد تک محدود رکھا ہے جس کے بغیر کام نہ چل سکے۔

مثنوی

ہر کراہست اندہِ بیشی ❊ ہمرہِ اوست کفر و درویشی

(جس شخص کو زیادتی کی فکر ہے۔ کفر و درویشی اسی کے ساتھ ہے)

اوّلیں سدِّ در رہِ آدم ❊ بود نائے گلو و طبل شکم

(آدمی کے راستے میں سب سے پہلی رکاوٹ یہی نائے و نوش اور طبل شکم ہے)

دین کے امام و مقتدی حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنہوں نے دنیا کے کام کو اپنے اوپر اس قدر تنگ کر لیا تھا کہ لوگ انھیں دیوانہ سمجھنے لگے تھے۔ وہ دو سال گذر جاتے لوگوں کی نظران پر نہیں پڑتی۔ ان کی غذا خراب و خستہ گری پڑی کھجوریں تھیں جسے راستے سے چن کر کھا لیتے۔ ان کا لباس چند چیتھڑے تھے، جسے کوڑے سے اٹھا کر دھو لیتے پھر سی کر پہن لیتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کو اچھی طرح پہچانا ہے۔ اور اس کی آفتوں کو جھیلا ہے۔ ان کی روش اور ان کی سیرت یہی رہی ہے۔ اور اولیاء و انبیاء کا بھی راستہ یہی ہے۔ اسی سبب سے کہا ہے۔

مثنوی

گرچہ چندانی سلیماں کار داشت ❊ کو زمین تا عرش گیر و دار داشت

(اگرچہ سلیمان علیہ السلام اس قدر کام رکھتے تھے کہ زمین سے آسمان تک ان کی حکمرانی تھی)

مسکنت را قدر چوں بشناخت او ❊ قوت از زنبیل بافی ساخت او

(اس حکمرانی کے باوجود جب انھوں نے مسکینی کی قدر پہچان لی تو زنبیل بافی کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا)

پس اگر آدمی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس سے کمتر درجہ اختیار کرے۔ یعنی بقدر حاجت۔

۵ چیست دنیا و خلق ؟ استظہار ❊ خاکدانے پر از سگ و مردار

(دنیا اور خلق کیا ہے ؟ گویا استظہار ہے۔ یعنی کتے اور مردار سے بھرا ہوا ایک خاکدان ہے)

مشائخین طریقت کا ارشاد ہے۔ اِشْتَغِلْ قَلْبُكَ بِاللّٰهِ بِالْكُلِّيَّةِ وَلَوْلَا اِشْتَغِلُ بِاللّٰهِ يَشْتَغِلُ بِالْغُمُوْمِ وَالْهُمُوْمِ (اپنے دل کو خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ مشغول رکھو اور اگر اپنے دل کو خدائے عزوجل کے ساتھ مشغول نہیں رکھو گے تو تمہارا دل دنیا کے غم و اندوہ کے ساتھ مشغول ہو جائے گا) اور وہ دل جو غیر اللہ کے ساتھ مشغول ہوا وہ حق سے دور ہوا۔

مثنوی

ہر چہ از عادت رود در روزگار ٭ نیست آں را با حقیقت ہیچ کار

(جو کچھ عادت کی بنا پر ہوتا ہے اس کو حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا)

لیک تا در خود سفر نہ بود ترا ٭ در حقیقت ایں نظر نہ بود ترا

(لیکن جب تک تو اپنے اندر سفر نہ کرے گا اس وقت تک تجھے یہ نظر حاصل نہیں ہو سکتی)

جس شخص کو بیوی، اولاد اور کھانے پینے کے غم سے فرصت نہ ہو، اس کے دل میں باطنی کیفیتیں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ دل تو خراب ہو چکا۔ ویران ہو چکا۔ لہٰذا ویران دل میں باطنی دولت کہاں سے آ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ (جو شخص میری یاد سے کتراتا ہے اس کو زندگی کی تنگی سے واسطہ پڑے گا) زندگی کی تنگی کیا ہے؟ یہی کہ آدمی ہمیشہ دنیا کے غم میں مبتلا رہے۔ دل جب ہمیشہ دنیا کے غم و اندوہ میں مشغول رہا تو وہ دیو (شیطان) کا گھر ہو گیا۔ اسی مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے۔

؎ دل یک منظر یست ربانی ٭ خانۂ دیو را چہ دل خوانی

(دل تو ایک ربانی منظر ہے۔ شیطان کے گھر کو دل کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟)

ذکر الٰہی سے اعراض کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کا درود وظیفہ چھوٹ جائے۔ دوسرا یہ کہ زباں سے تو ادا ہو، لیکن اس کا دل حاضر نہ ہو۔ یعنی جب حضورِ قلب نہ ہوا تو یہ بھی ترک ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔

زیرکاں را چو روز معلوم است ٭ کہ شب و روز غافلاں شوم است

(عقلمندوں کو روزِ روشن کی طرح معلوم ہے کہ غافلوں کے شب و روز منحوس ہیں)

اے بھائی! یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ آدمی کو محض کھانے پینے، دنیاوی عزت و حشمت اور شہوت رانی کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ٥ (میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں) عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

مثنوی

آدمی بہرِ بے غمی را نیست ٭ پا بے در گِل جز آدمی را نیست

(آدمی کو بے غمی کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ آدمی کے سوا کوئی بھی پا بہ گِل نہیں ہے)

شادی ز اہلِ عصر بیگانہ است ٭ آدمی را خود اندوہ از خانہ است

(اہلِ زمانہ سے خوشی بیگانہ ہے۔ آدمی کے لیے غم خود گھر سے ہے)

ایک فقیر کے پاس جو کچھ ہے، کھاتا ہے۔ نہیں ہوتا ہے تو قرض لے کر کھاتا ہے۔ پھر فقیری کہاں رہی؟

؎ باش کم خوار تا بمانی دیر ؛ کہ اجل گرسنہ است خوردن سیر

(تو کم کھا تاکہ دیر تک زندہ رہ سکے۔ کیونکہ موت آسودہ ہو کر کھانے والوں کی بھوکی ہے)

لوگوں نے کہا ہے کہ جس رات کسی درویش کو فاقہ ہو تو وہ رات اس کی معراج کی رات ہوتی ہے۔ درویش کا منتہائے کار فقر و فاقہ ہے۔ کوئی پیٹ بھرا دین کی راہ میں نہیں چل سکتا۔ کہتے ہیں کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو کبھی خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ لہذا یہ بلا آسودگی سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کوئی آسودہ آدمی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اس کو گود میں لے لیتا ہے۔ اور بھوکا جب سو یا رہتا ہے تو شیطان اس سے بھاگتا ہے۔ مسلمان اور غیر مسلموں کے تمام فرقوں نے بھوک کی تعریف کی ہے۔ اور آسودگی کو ناپسند کیا ہے۔ شہوت لکڑی ہے اور بھوک آگ۔ تمام شہوتیں بھوک سے جل جاتی ہیں۔ اور کہتے ہیں بھوک ایک ایسا ابر ہے جس سے صرف حکمت ہی برستی ہے۔ اور سیری وہ آفت و بلا ہے جو معصیت اور کفر کی راہ کے سوا کچھ نہیں دکھاتی۔

مثنوی

نفس قانع گر گدائی می کند ؛ در حقیقت پادشاہی می کند

(نفس قانع اگر گدائی کرتا ہے تو حقیقت میں وہ بادشاہی کرتا ہے)

دوست را زاں گرسنہ دارد مدام ؛ تا ز جانِ خویش سیر آید تمام

(دوست کو ہمیشہ اس لیے بھوکا رکھتا ہے تاکہ وہ اپنی جان سے اچھی طرح سیر ہو جائے)

یہی وجہ ہے کہ ایک ایک مہینہ کی مدت گذر جاتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں چولہا نہیں سلگتا تھا۔ اور سال گذر جاتا مگر وہ چودھویں رات کے چاند (صلی اللہ علیہ وسلم) چراغ کی روشنی نہ پاتے۔ اور زبانِ حال سے یہ فرماتے۔

غزل

ہر رنج کہ آید از تو اے جان بر دل ؛ حقا کہ عزیز ست چو احساں بر دل

تقصیر مکن در غمِ من خوش می نہ ؛ ہر درد کہ آں کشید نہ تواں بر دل

(اے جان! ہر وہ تکلیف جو تیری جانب سے دل پر آئے۔ خدا کی قسم وہ احسان کی طرح عزیز ہے۔

میرے غم میں ہرگز کمی نہ کر۔ بلکہ میرے دل پر ہر اس درد کو اچھی طــرح رکھ جس کو وہ برداشت نہ کرسکے ۔

والسلام

سیّد محمد نعیم ندوی

۲۰ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۰ ؍ فروری ۱۹۷۷ء

روز پنجشنبہ ۔ وقت ایک بجے شب

لطیف آباد ۔ حیدر آباد ۔ (پاکستان)

مکتوب — ⑥

مریدی اور مجاہدہ کرنا

برادرِ عزیز شیخ عمر! بہ سلام و دُعا مخصوص است

اے بھائی! مرید کی مریدی یہ ہے کہ خود کو پیر کی ذات میں گم کر دے۔ یعنی اپنی خواہش اور ارادے کو پیر کی خواہش اور ارادے کے تابع کر دے۔ اَلْاِرَادَۃُ تَرْکُ الْاِرَادَۃِ (مریدی اپنے ارادے کا ترک کرنا ہے) مرید کو اپنی خواہش اور ارادے سے اس طرح باہر نکل آنا چاہیئے جس طرح سانپ اپنی کینچلی چھوڑ کر نکل آتا ہے۔ اور مرید خود کو اس طرح پیر کے حوالہ کر دے جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر مرید کے دل میں پیر کے متعلق ذرہ برابر بھی کوئی شبہہ پیدا ہوا یا اس کی کسی بات پر چون وچرا کی گنجائش باقی رہی تو وہ اپنے نفس کی اطاعت کرنے والا سمجھا جائے گا۔ پیر کی اطاعت کرنے والا نہیں۔ بلکہ وہ خود پرست ہے، مرید نہیں۔ لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ مرید کو پیر پرست ہونا چاہیئے تاکہ خدا پرست بن سکے۔ تو اس کے یہی معنی ہیں۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) کا مقصد بھی یہی ہے۔ اور اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے راہ پا جاؤ گے) اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ پیر پرستی کی نشانی یہ ہے کہ مرید اپنے دین کو ہار دے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ دین کا ہارنا کیا چیز ہے؟ وہ یہ ہے کہ اگر پیر دین کے خلاف کسی کام کا حکم دے تو یہ نہ کہے کہ یہ تو دین کے خلاف ہے میں اسے کس طرح انجام دوں۔ بلکہ اس حال میں بھی اس کا اعتقاد اس طرح مستحکم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری ہوئی وحی پر۔ ورنہ وہ مرید اپنی مراد کا مرید ہو گا پیر کا نہیں۔ اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

مثنویات

او دلیلِ تو بس تو راہ مجوے ٭ او زبانِ تو بس تو یاوہ مگوے

(وہ تیرے لیے اچھا راہ نما ہے، اس لیے خود سے راہ مت ڈھونڈ۔ اس کی زبان ترے لیے کافی ہے۔ اس لیے فضول مت بول)

ہر چہ او گفت رازِ مطلق داں ٭ ہر چہ[1] او گفت گفتۂ حق داں

(جو کچھ اس نے کہا اس کو رازِ مطلق جان۔ اور جو کچھ اس نے کہا اس کو حق کا کہا ہوا مان)

خاکِ او باش بادشاہی کن ٭ آنِ او باش ہر چہ خواہی کن

(اس کے راہ کی خاک ہو جا اور بادشاہی کر۔ اس کی مِلک ہو جا پھر جو چاہے کر)

اس کو یوں بھی سمجھو کہ شیر خوار بچہ کو مردوں کے کام سے کیا تعلق؟ کیا نابالغ بچہ کو دین کے اسرار و رموز اور شرع کے حقائق سے آگاہی ہو سکتی ہے؟

مثنویات

آفتابے بباید انجم سوز ٭ بر چراغِ تو شب نہ گردد روز

(ایسا آفتاب چاہیئے جو ستاروں کو جلا دے۔ تیرے چراغ سے رات، دن میں تبدیل نہیں ہو سکتی)

درد مندی بگرد عیسیٰ گرد ٭ داروے رہ نشیں چہ خواہی کرد

(تو دکھی ہے کسی عیسیٰ نفس کے گرد چکر لگا۔ راہ میں بیٹھنے والوں سے کیا علاج کرائے گا)

اس کو یوں سمجھو کہ شیر خوار بچہ کو مردوں کے کام میں دخل دینے کا جس طرح کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مرید کو جو دین کے بھیدوں سے ناواقف ہے مشورہ دینے کا کس طرح حق پہنچتا ہے؟ کیا مریض کے لیے یہ مناسب ہے کہ طبیب سے وہ کہے کہ میں یہ دوا نہیں وہ دوا پیوں گا؟ یا جب ایک مقتدی امام کے پیچھے ہاتھ باندھ لیتا ہے تو معلوم ہے کہ کس طرح کی پابندی اس پر عاید ہوتی ہے؟ اقتدا سے باہر کی تمام چیزیں اس پر حرام ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سب جانتے ہیں کہ زہر مہلک چیز ہے۔ لیکن جب ایک مریض اپنے کو علاج کے لیے کسی طبیب کے حوالہ کرتا ہے تو طبیب اسے سنکھیا کھلاتا ہے۔ اور وہ بیماری سے نجات بھی پا جاتا ہے۔ بہت سی دوائیں حرام ہیں۔ مگر طبیب کے حکم سے مباح ہو جاتی ہیں۔ شدید بھوک کی حالت میں جب کوئی دوسری چیز کھانے کو میسر نہ ہو، ایسی حالت میں اس بھوک کا علاج مردار کھانا ہے۔ جو حرام ہے۔ بلکہ صحیح معنوں میں وہی طبیب ہے جسے مریض کی صحت کا خیال ہو۔ اس غرض سے وہ کسی کو کڑوی دوا دیتا ہے اور کسی کو میٹھی۔ اگر مریض دوا کی تلخی کی شکایت کرے اور طبیب محض اس شکایت کی بنا پر

---

[1] ہر چہ ادا کرد کردۂ حق داں۔ قلمی نسخہ

میٹھی دوا دیدے تو یقیناً وہ نقصان کرے گی۔ ایسی صورت میں وہ طبیب نہیں بلکہ جاہل کہلائے گا۔ اسی مفہوم کو اس بیت میں ادا کیا ہے۔

؎ روشن تراز آفتاب باید رائی ❊ تا بشناسد مزاجِ ہر سودائی

(دیکھنے والے کو (طبیب) آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہونا چاہیئے تاکہ ہر سودائی کے مزاج کو پہچان سکے)

پیغمبروں کی مثال طبیبوں کی ہے۔ اور مخلوق کی مثال بیماروں کی ہے۔ اور علاج کا خزانہ قرآن کریم ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفاء اور رحمت ہوں) ہر مرض کے اندازے سے دوا تجویز کرتے ہیں۔ اور ہر بیماری کے لیے مختلف معجون تیار کرتے ہیں۔ تاکہ مریض صحت مند ہو جائے ہلاکت سے نجات پائے اور دین کے جمال سے اس کا چہرہ منوّر ہو جائے۔ جیسا کہ اس بیت میں کہا ہے۔

؎ آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ❊ رسم وعادت بود نہ دیں باشد

(وہ خواہش جو اس سے زیادہ ہو۔ وہ رسم وعادت ہے، دین نہیں ہے۔)

اسی طرح جن لوگوں نے پیغمبروں کی میراث پائی ہے (یعنی پیرانِ طریقت اور علمائے حق) تو ان کو كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو) کا حکم ہے۔ اسی لیے یہ لوگ ہر شخص کی عقل کے مطابق بات کہتے ہیں۔ اور بیماری کے مطابق دوا دیتے اور علاج کرتے ہیں۔ اسی لیے کہا ہے۔

؎ پیر رہ کبریت احمر آمدہ است ❊ سینۂ او بحر اخضر آمدہ است

(پیرانِ راہ کبریت احمر (نایاب) ہیں اور ان کا سینہ بحر اخضر ہے)

خبردار! جو تصرف کہ یہ حضرات کرتے ہیں اس کے متعلق اس طرح یقین رکھو کہ گویا وحی منزل ہے اگر بال برابر بھی تمہارے دل میں چون وچرا کی گنجائش باقی رہی تو تم منکر ہو گے مرید نہیں ہو سکتے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز ایک مرید نے اپنے پیر سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ حضور نے کچھ فرمایا تو میں نے اس پر سوال کیا کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ پیر نے جب یہ بات سنی تو مرید کی جانب سے منہ پھیر لیا۔ اور کہا کہ اگر بیداری کی حالت میں تمہارے دل میں چون وچرا کی گنجائش نہ ہوتی تو خواب میں بھی تم سے ایسی بات سرزد نہ ہوتی۔ جاؤ میرے یہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اسی مفہوم کو ان اشعار میں بیان کیا ہے۔

مثنویات

یوسفِ تو ہنوز در چاہ است ❊ کش نہ ہنگام افسر وجاہ است

(نیز یوسف تو ابھی تک کوئیں میں ہے۔ اس لیے کہ ابھی تاج اور مرتبے کا وقت نہیں آیا ہے)

مہرِ نادیدہ ماہ کے شود او ❊ بندہ نابودہ شاہ کے شود او

(جس نے سورج کو نہیں دیکھا وہ چاند کیسے بن سکتا ہے۔ جو بندہ نہ بنا وہ شاہ کیونکر بن سکتا ہے)

اے بھائی! سر تا پا تسلیم و رضا بن جاؤ۔ بچوں کو مردوں کے تصرف سے کیا کام۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ اگر دن کو کہیں کہ یہ رات ہے تو باوجود اس کے کہ تم آفتاب کو فروزاں دیکھ رہے ہو، یوں سمجھو کہ یہ تو میری آنکھوں کا قصور ہے۔ بھائی! مریدی اور ارادت آسان کام نہیں۔ یوں تو حق کی طرف جانے کے بہت سے راستے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ عجیب اور اس سے زیادہ عزیز راہ کوئی دوسری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں میں سے کسی ایک کو بڑی تمناؤں کے بعد یہ گوہر گراں مایہ نصیب ہوتا ہے۔ حالانکہ تمام دنیا والوں کی تمنا یہی ہوتی ہے۔ اسی مفہوم کو اس رباعی میں ادا کیا ہے۔

رباعی

آں را کہ چناں جمال باشد ❊ گر ناز کند حلال باشد

در عالم خویش عاشقاں را ❊ گر بار دہد محال باشد

(جو ایسا جمال والا ہو وہ جتنا بھی ناز کرے جائز ہے۔ لیکن اپنے دربار میں عاشقوں کو آنے کی اجازت دیدیں یہ محال ہے)

نقل ہے کہ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ جو جنّ و انس کے پیر تھے۔ اور ہزاروں صاحب روزگاران کے مرید تھے۔ اس کے باوجود وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ساری دنیا میں سے ایک ایسا مرید چاہتا ہوں جس کی کھال میں بھُس بھر کر آفتاب عالم تاب سے لٹکا دوں تاکہ دنیا والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ بلاشبہ یہی لوگ مرید کرنے کا حق رکھتے تھے اس لیے کہ جب وہ خود مرید ہوئے تھے تو وہ جانتے تھے کہ مریدی کیا ہے؟ اور مراد کون ہے؟

بیت

ﮯ ہر کہ از ہمت دریں رہ آمدہ است ❊ گر گدائی می کند شہ آمدہ است

(جس شخص نے ہمت سے اس راہ میں قدم رکھا ہے۔ اگرچہ اس نے گدائی اختیار کی ہے مگر حقیقت میں وہ بادشاہ ہے)

اے بھائی! اس راہ کے سواروں کی نظر میں تمام دنیا والے شیر خوار بچہ کی طرح ہیں۔ بلکہ اس بچہ کی طرح ہیں جو ابھی شکم مادر میں ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم اس بچہ کی طرح جو ابھی صلب پدر میں ہے۔ بلکہ اس سے بھی

کم اس بچہ کی طرح جو ابھی عالم عدم میں ہے۔ اس کے باوجود ہمارا تمہارا یہ حال ہے کہ اپنے اپنے خیال میں مگن اور خود پرستی میں مشغول ہیں۔ پھر بھی پیری اور مریدی کا نام زبان پر جاری ہے۔ کتنے گھاٹے اور حسرت کی وہ گھڑی ہو گی جب موت آنکھوں سے پردہ ہٹائے گی۔ اور یہ ندا آئے گی فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (اب ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا۔ سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے) اس روز معلوم ہو جائے گا ہم اور تم کافر تھے یا موحد۔ توحید رکھتے تھے یا شرک۔ ہمارے سروں پر فضیلت کی دستار تھی یا مشرک کا زنار۔ ہم بت خانہ میں تھے یا مسجد میں۔ اس حقیقت کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

سَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْجَلَى الْغُبَارُ ۞ أَتَحْتَكَ فَرَسٌ أَمْ حِمَارٌ

(جب غبار چھٹ جائے گا تو تم دیکھ لو گے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر)

فکر کا یہی وہ مقام ہے جہاں سر پر خاک ڈالنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ماتم کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس بیت کو وردِ زبان بنانا چاہیئے۔

بیت

۵ نہ می دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم ۞ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(مجھے نہیں معلوم میں کیا ہوں، البتہ اپنی سیرت یہ ہے کہ نہ تو میں ہندو نہ مسلمان، نہ مرتد ہوں نہ بدکار)

مشیئت کے اصل حکم کی خبر کسی کو نہیں کہ کیا رہی ہے۔ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے وہ حال کے حکم کے مطابق ہو رہا ہے۔ اعتقاد کے حکم کے مطابق نہیں۔ اعتقاد کا درجہ کیا ہے؟ یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ اس میں کسی کو بیہودہ گوئی کرنے کا موقع نہیں۔ بیہودہ بکنے والوں کا جواب ایک عزیز نے دیا ہے تم بھی سنو!۔

مثنویات

گر ترا روزے دریں میداں کشند ۞ ایں رقم بینی کہ برمرداں کشند

(اگر کسی دن تجھ کو اس میدان میں کھینچ کر لائیں تو تو دیکھے گا کہ تجھے مردوں کی طرح وہاں لائے ہیں)

وانگہی زیں شیوہ معنی صد ہزار ۞ بینی و دانی و داری استوار

(پھر اس وقت اس طرح تو لاکھوں معنی دیکھے گا، پھر جان لے گا اور مستحکم رکھے گا)

البتہ وہ لوگ جو اس جماعت کی دولت سے بے بہرہ ہیں اور عقیدت نہیں رکھتے وہ بے نصیب ہیں۔ ان کی بیہودہ گوئی اپنی جگہ قائم ہے۔

والسلام

محمد نعیم ندوی

۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۷۷ء

روز سہ شنبہ وقت ۱۲½ بجے شب

مکتوب ——— ۷

ہمّت کی بلندی

یعنی دونوں عالم کے مل جانے کے بعد بھی اپنے کو مفلس سمجھنے کے بیان میں

برادر عزیز شیخ عمر! بسلام ودعا از شرف منیری مخصوص است

اے بھائی! حدیث شریف کے حکم کے مطابق تمام لوگ تین قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو بہائم کے مشابہ ہیں۔ ان کی ہمت، کھانا، پینا سونا اور مباشرت سے محظوظ ہونے تک محدود ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۵ (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں) بس یہی ان کی صفت ہے۔ دوسری قسم کے لوگ فرشتوں سے مشابہ ہیں۔ ان کی ہمت تسبیح وتہلیل اور طاعت وعبادت ہے۔ اور یہ صفت فرشتوں کی ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں کے مشابہ ہیں۔ ان کی ہمت مولیٰ کی محبت وعشق ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اس رباعی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

رباعی

صاحب خبراں کہ عالم دل دارند ؎ در نکتۂ غیب محرم اسرار اند

در آئینۂ صفائے شاں زنگے نیست ؎ زاں روے ز نقش دوں بیزار اند

(باخبر لوگ جو دل کی دنیا رکھتے ہیں، نکتۂ غیب کے واقف اسرار وہی ہیں۔

ان کے صاف آئینہ میں کوئی زنگ نہیں ہے۔ اسی لیے حق کے سوا تمام نقوش سے وہ بے زار ہیں)۔

ان کی صفت انبیاء کی صفت ہے قِیْمَتُ الْمَرْءِ هِمَّتُهٗ (آدمی کی قیمت اس کی ہمت سے ہے) یعنی ہر آدمی کی قیمت اس کی ہمت کے مطابق لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ خداوندانِ ہمت کہتے ہیں کہ صفوۂ آدم ہو، یا ابراہیم علیہ السلام کی خلّت ہو، موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ ہو یا عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت ہو، یہ سب تجھے دے دیں اور تیرا سر اس طرف جھک جائے تو تو صوفی نہیں ہے۔ بیت

۵ گل آمد و صد گونہ خوبانِ چمن با اُو ؎ با جملہ جہاں بے تو فریاد ز تنہائی

(پھول پیدا ہوئے اور سینکڑوں قسم کے حسینانِ چمن بھی اس کے ساتھ پیدا ہوئے۔ لیکن ترے بغیر ساری دنیا کی موجودگی کے باوجود تنہائی ہے۔ اور اس تنہائی سے فریاد ہے ایسی وجہ ہے کہ اس گروہ کو سلطان ہمت کہتے ہیں۔

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے ہاتھ میں ایک کمان دے رکھی ہے جسے جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام بھی جھکا نہیں سکتے۔ جانتے ہو وہ کمان کون سی ہے؟ وہ کمان یہی ہمت ہے۔

بیت

حقا کہ یزہ نیاوری کرد ؛ چرخِ فلک اے پسر، کمانم

(اے بیٹے! خدا کی قسم آسمان میری کمان کو نہیں جھکا سکا)

اور ہمت کی یہ دولت بندے کو نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اپنی روح اس میں پھونکی) کی بدولت ملی ہے۔ اور یہ ایک بڑا راز ہے۔ کسی کو اجازت نہیں کہ اس کو تحریر میں لائے۔ اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

بیت

دانی کہ چرا اہل صفا خاموشند ؛ در نقطۂ دل بہ محو خود می کوشند

(تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش ہیں؟ نقطۂ دل میں اپنے کو محو کرنے کی کوشش کرنے میں لگے ہوئے ہیں)

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ؛ سر می بازند و سرِ حق می پوشند

(ہر لمحہ دوست کے ہاتھوں سے شراب پیتے ہیں۔ سر دے دیتے ہیں مگر حق کے راز کو فاش نہیں کرتے)

اس گروہ میں ایک وہ بھی تھا جو عشق کے نشے میں اس راز کو فاش کر گیا۔ مگر جو کچھ اس نے کیا اس کے عوض میں محبوب کی غیرت کی سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جیسا کہ کہا ہے۔

قطعہ

زنہار مگوے بر سرِ جمع ؛ گر عاشقِ صادقی تو اسرار

دیدی کہ بہ سکرِ عشق رمزے ؛ حلاج بگفت ورفت بردار

(خبردار! خبردار! اگر تو عاشقِ صادق ہے تو مجمع کے سامنے اسرارِ الٰہی کو کبھی بیان نہ کر۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عشق کی مستی کے عالم میں منصور حلاجؒ نے ایک راز بیان کر دیا تو دار پر چڑھا دیئے گئے)

اس گروہ کی پونجی بس یہی دو چیزیں ہیں — ہمت اور افلاس۔ افلاس یہ ہے کہ دونوں عالم مل جانے کے باوجود بھی اپنے کو بے نوا اور مفلس تصور کرتے ہیں۔ اور ہمت یہ کہ دونوں جہان کی نعمتوں پر نظر نہ ڈال کر محبوب کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔

بیت

بے لبت مے ذوق نہ دہد بے رخت باند بہشت

بے حضورِ دوستاں بستاں چہ باشد گلخنے

(بہشت میں تیرے لب ورخسار کے بغیر کوئی لذت نہیں۔ دوستوں کی عدم موجودگی میں باغ ایک بھٹی سے زیادہ کچھ نہیں)

تمہیں معلوم ہے، یہ کن لوگوں کی کیفیت ہے؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کو حقیقت کا راز معلوم ہے۔ ان کی نظر میں ہر طرح کی فقیری، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، دولت مندی ہے۔ اور تمام دولت جو بغیر حق کے ہو، وہ فقیری ہے۔ ان کے لیے سب سے بڑی دولت مندی یہ ہے کہ وہ منعم یعنی نعمت دینے والے کو حاصل کریں۔ محض نعمت پر خوش ہو جانا کم ہمتی ہے۔ یعنی ہر وہ غنا جو حق کے بغیر ہو فقر ہے۔ اور ہر وہ فقر جو حق کے ساتھ ہو غنا ہے۔ غنا کو جو فقر پر فضیلت حاصل ہے تو وہ منعم کے پائے جانے کی وجہ سے ہے، نہ کہ نعمت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ ان میں سے ایک نے کہا ہے۔

بیت

کعبہ کجا روم چہ کشم رنج بادیہ   کعبہ است کوے دلبر و کعبہ است روئے دوست

(کعبہ کہاں جاؤں اور وادی طے کرنے کی زحمت کیوں اٹھاؤں۔ کعبہ تو محبوب کی گلی ہے۔ اور کعبہ تو دوست کا چہرہ ہے)

حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ میں تیس[۳] سال تک یہی کہتا رہا کہ پروردگار! مجھے ایسا کر دے اور ایسا بنا دے۔ مگر جب میں نے معرفت کے کوچہ میں پہلا قدم رکھا تو پکار اٹھا کہ اے میرے اللہ! تو میرا ہو جا اور جو تو چاہے کر۔ جس شخص کو دوست سے کسی چیز کے طلب کرنے کی حاجت ہوتی ہے، وہ اس سے مانگتا ہے۔ لیکن جس شخص کی غایت و غرض صرف دوست ہے وہ اس سے کیا مانگے؟

پاکیزگی اور طہارت میں فرشتوں کی ہمت کیا خوب ہے کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا۔ بَلْ ھُمْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ہ (بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں) لیکن یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (ایمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ایمان والوں سے) کا منصب اعلیٰ تو اسی پانی اور مٹی کے پتلے کو دیا گیا، تاکہ دنیا جان لے کہ جو کچھ حاصل ہے اسی مٹی اور پانی کی خمیر کو حاصل ہے۔ اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

بیت

خاک را چوں کار با پاک اوفتاد ✧ پیشِ آدم عرش در خاک اوفتاد

(خاک کا معاملہ جب پاک کے ساتھ ہوا۔ تو عرش آدم کے سامنے خاک پر گر پڑا)

عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ کسی وقت اگر تجھے خدا سے کچھ مانگنا ہو تو ہمت طلب کر۔ اسی میں تیرا سب کام ہو جائے گا۔ کوئی شخص کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ اتنا ہوں، اتنا اور ہو جانا تو یہ حوصلہ کی تنگی ہے۔ اس کا شمار صاحب ہمت لوگوں میں نہیں ہوگا۔ ہمت والے تو وہ لوگ ہیں جو سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود یہ کہتے رہے۔

رباعی

زہدے نہ کہ در کنجِ مناجات نشینیم ✧ وجدے نہ کہ در گردِ خرابات برآئیم

نہ اہلِ صلاحیم و نہ مستانِ خرابات ✧ ایں جانہ من آں جانہ چہ قومیم کجائیم

(نہ تو زہد ہی ایسا ہے کہ کسی گوشہ میں بیٹھ کر مناجات کریں۔ نہ وجد ہی ایسا ہے کہ کسی میخانہ کے گرد چکر لگائیں۔ نہ تو صالحین میں سے ہیں اور شراب خانہ کے مستوں میں سے۔ نہ یہاں کے ہیں نہ وہاں کے ہمیں خود خبر نہیں کس قوم میں سے ہیں اور کہاں ہیں)

صاحب ہمت کی پہچان یہ ہے کہ جو کچھ اسے حاصل ہے اس پر نظر نہ کرے۔ بلکہ اس کی نظر اس پر ہو۔ کہ وہ کچھ نہیں رکھتا حالانکہ عقلاً یہ ممکن تھا کہ وہ کچھ ہوتا۔ کم ہمت لوگ جو کچھ حاصل ہو اس پر قناعت کر لیتے ہیں۔ ہمت مردانوں کی نظر میں قناعت اس راہ میں حرام ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر نگاہ حاصل پر رہے تو ابھی تک وہ بت پرست ہے۔

بیت

زاں کہ گر موے بماند از خودیت ✧ ہفت دوزخ پُر برآید از بدیت

(اگر بال برابر بھی تیری خودی تجھ میں باقی ہے۔ تو سمجھ لے کہ سات دوزخ تیری برائیوں سے بھر جائیں گے)

جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اعلیٰ ہمت نے ان کے نقد وقت کو لوٹ لیا۔ تو انھوں نے پوچھا۔ مَا الْاِیْمَانُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (ایمان کیا ہے یا رسول اللہ؟) سبحان اللہ یہ درجہ ان کو حاصل ہے جو نبیوں کے بعد تمام مخلوقات میں افضل سمجھے جاتے ہیں اَفْضَلُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ اَبُوْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ (تمام مخلوق میں انبیاء کے بعد افضل ابوبکر صدیق ہیں)۔ اللہ اللہ ایمان کا یہ درجہ ہے کہ لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبُوْبَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِہٖ لَرَجَحَ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کا ایمان تمام امت کے ایمان کے مقابلے میں زیادہ وزن دار ہو گا اگر وزن کیا جائے۔ اس نعمت کے باوجود ان کا یہ حال ہے کہ پوچھتے ہیں "یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟" کیا ہی خوب ہمت ہے۔

بیت

ما را نہ علم پرس نہ زہد و نہ معرفت ❊ راہے ہمی رویم بہ امید وارئے

(مجھ سے نہ تو علم کی اور نہ زہد و معرفت کی بات پوچھ۔ میں تو ایک امید کے سہارے ایک راہ پر چل رہا ہوں)

اسی سبب سے لوگ کہتے ہیں کہ جب سے دنیا قائم ہے کسی نے آج تک نہ تو ایسا مرید دیکھا ہو گا نہ پیر۔ مرید ایسا کہ کمال ایمان کے باوجود پکار اٹھتا ہے مَا الْاِیْمَانُ (ایمان کیا ہے؟) اور پیر ایسا جس کی شان میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ (نگاہ نہ تو بہکی اور نہ حد سے بڑھی) کی آیت نازل ہوئی۔

اے بھائی! صاحبان ہمت کو دنیا اور آخرت کہاں آسودہ کر سکتی ہے؟ زہے ہمت پیر اور زہے ہمت مرید۔ ع مرا لبانِ تو باید شکر چہ سود کند

(مجھے تو تمہارے لبوں کی طلب ہے میں شکر لے کر کیا کروں گا؟)

ایک عزیز نے کہا ہے۔

مثنوی

در بہشتِ فلک ہمہ ساماں ❊ در بہشتِ تو دوزخ آشاماں

(آسمان کے بہشت میں ہر طرح کی نعمتیں موجود ہیں۔ لیکن تیری بہشت میں دوزخ کو پی جانے والے لوگ ہیں)

بر درت خوب و زشت راچہ کنم ❊ چوں تو ہستی بہشت راچہ کنم

(تیرے در پر اچھائی اور برائی کا کیا ذکر۔ جب تو مل گیا تو پھر بہشت کو لے کر میں کیا کروں گا؟)

مگر جس کا دماغ ہمت کی اس فکر سے خالی ہے اس بیچارے کے لیے دو روٹی ہی کافی ہے۔

ے سگِ دوں ہمت استخواں جوید ❊ پنجۂ شیر مغز جاں جوید

مگس و گربہ سوے خواں پویند ❊ سگ و زاغند کہ استخواں جویند

(کم ہمت کتا ہڈی کی تلاش میں رہتا ہے۔ شیر کے پنجہ کو مغز جان کی طلب ہوتی ہے۔ مکھی اور بلی دسترخوان کی طرف لپکتی ہے۔ کتے اور کوے ہڈی کی جستجو میں رہتے ہیں)

بلاشبہ جو غذا کہ ہاتھی کے پیٹ کے لیے مناسب ہے وہ چیونٹی کے پیٹ میں کہاں آ سکتی ہے ظاہر بیں نگاہیں تو صرف ظاہر پر نظر رکھتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان معاملات کی حقیقت سے کیا خبر؟ وہ شخص جو لیلیٰ کا عاشق نہیں ہے، مجنوں کے عشق کی دیوانگی کی راہ میں جو فرائض ہیں، ظاہر ہے وہ اس کے لیے

نہیں ہیں۔ بات مردوں کی ہورہی ہے مخنثوں کی نہیں ۔ وہ لوگ جو تلوار چلاتے ہیں اور زخم کھاتے ہیں وہ اور ہی لوگ ہیں۔ اور جو پیالہ چاٹتے اور حلوہ کھاتے ہیں وہ دوسرے لوگ ہیں۔

خبردار! اس راہ کے شہسواروں کو اپنی محدود عقل کے ترازو ہیں نہ تولو۔ یہ لوگ تمہاری عقل سے بالاتر ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ہمّت ہی فہم انسانی سے باہر ہے۔ جب انسان کی قیمت اس کی ہمت کے مقابلہ میں ٹھہرائی جاتی ہے تو ایسی صورت میں انسان کے درجہ میں بھی فرق ہوگا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَلِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً (تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تجلی عام طور پر ہوگی اور حضرت صدیق اکبر کو تجلی خاص نصیب ہوگی۔)

معلوم ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خاص تجلی کیوں ملی۔ یہ ان کے پیر کی مخصوص نظر تھی جو صرف ان ہی کو ملی تھی۔ اور وہ نظر وہ تھی کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی۔ سبحان اللہ! کیا ہمت ہے خاکی ذرہ کی کہ اسفل السافلین سے اعلیٰ علیین پر قدم رکھتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْاُمُوْرِ وَمَا یُبْغِضُ سَفْسَافِہَا (اللہ تعالیٰ بلند امور کو پسند کرتا ہے حقیر امور کو ناپسند فرماتا ہے۔)

جو شخص جس قدر زیادہ بلند ہمت ہے، اسی قدر اس کا کام بھی بلند ہے۔ تم بشر کی اس مختصر سی صورت کو کیوں دیکھتے ہو، جو کچھ اس میں ہے اس کو دیکھو۔ اگر دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، ان سبھوں کا عکس بشر کی صورت میں موجود ہے۔ لوح و قلم، بہشت و دوزخ اور تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں انسان کے باطن میں اس کا عکس موجود ہے۔ بلکہ جو کچھ بھی عالم الوہیت میں ہے، اس کا عکس بھی انسان کی روح میں رکھ دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ - (خود تمہاری ذات میں ہے۔ پھر تم کیوں نہیں دیکھتے) اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ - (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اسی کی طرف کسی نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

بیت

بہ بینی نقشہا در خود خلافِ رومی و چینی ؛ اگر از دل تو وقتے یک دم یا دوست بہ نشینی

(رومی اور چینی کا ذکر ہی کیا؟ تو اپنے اندر تمام نقوش دیکھے گا اگر تھوڑی دیر بھی محبوب حقیقی کی فکر میں بیٹھے گا)

اور دوسرے نے ہم جیبوں کے حال پر اس طرح ماتم کیا ہے۔

وز نہادِ تو ہمیں محجوب ماند ایں ہمہ ؛ خاک بادہ بر سرت کیں کارِ تو مشکل تر است

(تیری اپنی طبیعت کی کمتری کی بنا پر یہ سب حقیقتیں تجھ سے پوشیدہ ہیں۔ تیرے سر پر خاک ہو تیرا کام بڑا

مشکل ہے)

اہل بصیرت لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ کی راہ نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں، نہ عرش پر ہے، نہ بہشت میں ہے بلکہ تیرے قلب میں ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے۔

رباعی

اے آں کہ ہمیشہ در جہاں می پوئی ؎ ایں سعی ترا چہ سود داری گوئی!
چیزے کہ تو جویاں نشانِ اوئی ؎ با تو ست ہمیں تو جائے دیگر جوئی

(اے شخص تو اسے دنیا بھر میں تلاش کرتا پھرتا ہے۔ ذرا بتا تو سہی کہ تیری اس بے سود کوشش کا حاصل کیا ہے؟ جس چیز کے تم متلاشی ہو وہ خود تمہارے اندر موجود ہے۔ تعجب ہے کہ جو چیز تمہارے اندر موجود ہے تم اس کو جابجا ڈھونڈتے پھرتے ہو)

اے بھائی! جس نے دل کے گرد چکر لگایا، اس نے گوہر مقصود پالیا۔ اور جس نے دل کی راہ غلط کی وہ گم ہو گیا۔ اور مقصود سے دور ہو گیا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

رباعی

گفتم ملکا ترا کجا جویم من ؎ وز خلعت تو وصف کجا گویم من
گفتا کہ مرا مجوے در عرش و بہشت ؎ نزدِ دلِ خود بجو کہ دلِ تو یم من

(میں نے پوچھا کہ اے بادشاہ میں تجھے کہاں تلاش کروں۔ اور تیری خلعت کا وصف کیونکر بیان کروں۔ اس نے کہا کہ مجھ کو عرش اور بہشت میں نہ ڈھونڈ۔ بلکہ اپنے دل کے پاس تلاش کر اس لیے کہ میں ہی تو تیرا دل ہوں)

اہلِ ہمت کہتے ہیں کہ

رباعی

آں لقمہ کہ در دہاں نہ گنجد بطلب ؎ واں سر کہ در و نشاں نہ گنجد بطلب
سر لیست میانِ دلِ درویش خدا ؎ جبریلِ امیں دراں نہ گنجد بطلب

(وہ لقمہ ڈھونڈ جو منہ میں نہ آسکے۔ اور وہ راز طلب کر جس کا نشان نہ مل سکے۔ درویش میں خدا ایک ایسا راز ہے جہاں جبرئیل امین کی بھی گنجائش نہیں)

کیا ہی عجیب مٹی ہے اور کیا ہی خوب پانی۔

بیت

؎ خاکِ تو آمیختۂ رنجہاست ؎ بر سرِ ایں خاک بسے گنجہاست

(تیری خاک میں رنج و بلا کی آمیزش ہے۔ مگر اس خاک کے سر پر بہت سے خزانے ہیں)

لیکن ہوشیار! فکر سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتے رہنا چاہیئے :—
لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے اجیسا کہ کہا ہے۔ ؎

در سرای مرا گاہ گاہ حلقہ بزن ✤ صواب نیست کہ بیگانہ وار برگذری

(میری سرائے کے دروازہ پر کبھی کبھی حلقہ بنا کر بیٹھ جایا کر۔ یہ درست نہیں ہے کہ بیگانوں کی طرح تو وہاں سے گذر جائے)

مَنْ اَوْ مَنْ قَرَعَ الْبَابَ يُوْشَكُ اَنْ يَتَفَتَّحَ لَهٗ ۔ (جو شخص برابر دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا، تو ایک نہ ایک دن اس کے لیے دروازہ ضرور کھلے گا) یہ کہہ کر بہت بڑی تسلی دی گئی ہے۔ اگر اقبال مقدر میں ہے تو کسی نہ کسی وقت دروازہ کھل جائے گا۔ ورنہ پیدائشی بدبختی کا کیا علاج۔

بیت

سر لیست در آں زلف تو بر بستہ نگارا ✤ اما چہ تواں کرد کہ با ما نہ کشائی

(اے ماہ رو! اصل راز تو تیری زلفوں سے بندھا ہوا ہے۔ لیکن جب تو مجھ پر ظاہر نہیں کرتا، تو میں کیا کروں)

بہر حال تمہارا کام یہی ہے کہ اس غم کو حاصل کرو۔ اور اس کی طلب میں خون جگر پیتے رہو۔ اس کی حسرت کی آگ میں جلتے رہو اور یہ شعر پڑھو۔

بیت

؎ در کوے تو مردہ بہ نہ از روے تو دور ✤ دل را چہ خطر باشد و جاں را چہ محل

(تیرا سامنا اگر نہ ہو، اس سے تو تیری گلی میں مر جانا بہتر ہے۔ اس طرح نہ تو جان کی بربادی ہے اور نہ دل کو کوئی خطرہ)

خلاصہ یہ کہ طلب کا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر مخلوق کے مقتول کی دیت درہم و دینار ہے تو اس کے مقتول کی دیت اس کا دیدار ہے۔ مَنْ قَتَلْتُهٗ فَاَنَا دِيَتُهٗ (جس کو میں نے قتل کیا، اس کا تاوان بھی میں ہی ہوں) جب ایسا ہے تو ہزار جاں بھی تاوان کے شکرانے میں دے دو۔ تو کم ہے۔ سنو! کیا کہا ہے۔

رباعی

روزے کہ دلت بر درِ جانانت بدرد ؛ شکرانہ ہزار جاں فدا بتواں کرد

کاندر سرِ کوے عاشقانش اے مرد ؛ بے شکر قفاے نیکواں نتواں خورد

(جس دن کہ تیرا دل محبوب کے در پر درد کے ساتھ نکلنے لگے۔ تو اس درد کے شکرانے میں ہزاروں جان فدا کر دینا چاہیئے کیوں کہ اس کے عاشقوں کی گلی میں سجدۂ شکر کے بغیر نیکوں کا ساتھ نہیں ہو سکتا)

والسلام

۳۰ مارچ ۱۹۷۷ء مطابق ۹ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ

وقت ۶ بجے شام۔ روز چہار شنبہ

لطیف آباد۔ حیدر آباد

محمد نعیم ندوی

مکتوب — ۸

توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے بیان میں

درویش عزیز شیخ عمر! بسلام و دعاء مخصوص است

اے بھائی! گناہ سے پاک ہونا، ابتدائے آفرینش سے اخیر تک فرشتوں کا کام ہے۔ اور ابتدائے آفرینش سے قیامت تک گناہ میں آلودہ رہنا شیاطین کا کام ہے۔ گناہ کرکے توبہ کرنا یہ کام آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کا ہے۔ ایک عزیز نے ایک رباعی کہی ہے۔

اے پیر گنہگار در توبہ کشاد است ۞ انواع نعم بہر تو آمادہ نہاد است!

بشتاب سوے توبہ کہ از مادر گیتی ۞ از کردن تاخیر بسے واقعہ زاد است

ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ مفہوم تو نص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، یَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهٗ (اللہ کے حضور میں توبہ کرتے ہیں اور اس سے مغفرت چاہتے ہیں) آدمی کی گرفت محض گناہ پر نہیں ہوتی بلکہ توبہ نہ کرنے پر باز پرس ہوتی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ کہ ایک شخص نے گناہ کیا پھر توبہ کرلی تو اس پر اجماع کا اتفاق ہے کہ وہ ماخوذ نہیں ہوگا۔ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں) آدمی گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ وہ شہوات و خواہشات سے مرکب ہے۔ اس کے علاوہ شیطان اس کے درپے ہے۔ اور کافر نفس خود اس کے جسم کے اندر ہے۔ ایسی حالت میں توبہ کرنا ہی بڑی بات ہے۔ کسی کا شعر ہے:

کاشکے ہرگز نزادے مادرم ۞ تا نہ گردی کشتہ نفس کافرم

(کاش! میری ماں مجھے کبھی نہ جنتی تاکہ میں نفس کے ہاتھوں مارا نہ جاتا)

بنی آدم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ لیکن بہترین گنہگار وہ ہے جو گناہ کے بعد توبہ کرے۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔ شعر

قطرۂ چند از گناہ گر شد پدید ۞ در چناں دریا کجا آید پدید

(اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر ہو گئے۔ تو اس بحرِ بے کراں میں ان چند قطروں کی کیا حیثیت ہو گی)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ عصمت کی پناہ میں ہوتے ہیں لیکن زَلّت (لغزش) سے وہ بھی خالی نہیں ہوتے۔ ان کے لیے لغزش کی یہی مقدارِ گناہ ہے۔ اور اولیاء اللہ کو خاص حمایت اور حفاظت حاصل ہے اس کے باوجود کبیرہ کے امکان کے ساتھ ساتھ گناہ صغیرہ سے وہ بھی محفوظ نہیں۔ کسی نے ان اشعار میں جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ **ابیات**

آدمی بہر بے غمی رانیست ❊ پائے در گل جز آدمی رانیست

(آدمی بے غمی کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ آدمی کے علاوہ کوئی بھی پا بہ گل نہیں ہے۔)

شادی از اہل عصر بیگانہ است ❊ آدمی را خود اندوہ از خانہ است

(خوشی اہل زمانہ کے لیے ایک اجنبی چیز ہے۔ آدمی کے لیے غم خود اس کے گھر کے اندر ہے)

اے بھائی! حضرت آدم (علیہ السلام) کو بہشت میں رہنے کے لیے جگہ دی گئی۔ صفی اللہ کا تاج سر پر اور خلافت کی قبا پہنا کر مہمان بنایا گیا۔ مگر ان ہزاروں عظمتوں اور نوازشوں کے باوجود وہ صرف ایک حکم فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے) پر ثابت قدم نہ رہ سکے اور پھسل گئے۔ آج دنیا جیسے مقام میں جہاں ہزاروں آفتیں ہیں۔ ہزاروں ہزار امر و نواہی کے احکام ہیں۔ جسم کے اندر نفس اور شیطان تاک لگائے بیٹھا ہے۔ آدمی گناہ نہ کرے اور اس سے لغزش نہ ہو تو یہی تعجب کی بات ہے۔

ع آدم آں جا بلغزید ست و مسکیں آدمی

(حضرت آدم اس مقام پر ڈگمگا گئے۔ آدمی بیچارہ تو بے بس ہے)

قطعہ

از فتنہ و بلا نہ توانی گریختن! ❊ گر فی المثل چو مرغ بر آری ہزار پر

فرزند آدم ست کہ ہر جا کہ فتنہ ایست ❊ در ہر دو کون ہست بسویش نہادہ سر

(انسان فتنہ و بلا سے بچ کر نکل نہیں سکتا۔ اگرچہ وہ مرغ کی طرح ہزاروں پر ہی کیوں نہ نکال لے۔ یہ اولادِ آدم ہی ہے کہ دونوں جہان میں جہاں کہیں بھی فتنہ ہے وہ سر جھکائے ہوئے ہے)

آدمی کی دو حالتیں ہیں ایک داشت کی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی) دوسرے گذاشت کی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل) جب اللہ تعالیٰ آدمی کو عصمت کی نگرانی میں رکھتا ہے تو موافقت اور طاعت کے سوا کوئی دوسری چیز اس سے سرزد نہیں ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور جب گذاشت یعنی اس کو خود اسی پر چھوڑ دیتے ہیں، تو نافرمانی اور گناہ کا سرزد ہونا لازمی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ اسی مفہوم

کو کسی نے شعر میں یوں ادا کیا ہے۔

شعر گہ در پسِ جملہ خلق گہ در پیشم ٭ من بو قلمونِ روزگارِ خویشم

(کبھی تمام مخلوق سے پیچھے اور کبھی سب سے آگے رہتا ہوں۔ میں تو اپنے زمانے کا عجوبہ ہوں)

ایسے موقع پر آدمی بے چارہ کیا کیے؟ یہی نا۔ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ (اے پروردگار! تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں) جیسا کہ اس شعر میں کہا ہے۔

شعر چوں از تو فرو مانم و عاجز گردم ٭ از دستِ تو قصہ ہم بدستِ تو دہم

(جب میں تجھ سے درماندہ اور عاجز ہو جاؤں تو تیرے ہاتھ کا معاملہ تیرے ہی سپرد کر دوں)

شعر اَلْقَاهُ فِی الْبَحْرِ مَشْدُوْدًا وَّقَالَ لَهٗ اِیَّاكَ اِیَّاكَ اَنْ تَبْتَلَّ بِالْمَآءِ

(دوست نے اسے باندھ کر سمندر میں ڈال دیا۔ پھر کہا خبردار! خبردار!! پانی سے جسم کو تر نہ ہونے دینا)

ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں ڈال دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں خبردار جسم کو تر مت ہونے دینا۔ عجب مشکل ہے اللہ کی رحمت ہو عراقی پر کہ انھوں نے کہا۔ ؎

اے کاش نہ بودی اے عراقی ٭ کز نست ہمہ فساد باقی

(اے عراقی! اے کاش تو پیدا ہی نہ ہوتا۔ اس لیے کہ تیرے ہی وجہ سے تمام فساد باقی ہے)

یہ بڑا مشکل کام ہے۔ بصیرت رکھنے والے لوگ ایسے مقام پر عدم کی تمنا کرتے ہیں۔ مگر نہیں پاتے۔ ایک عارف سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی تمنا کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایسا عدم جس میں وجود نہ ہو۔

بیت آں رہ کہ من آمدم کدام است اے دل ٭ تا باز روم کہ کار خام است اے دل

(اے دل! وہ راہ کون سی ہے جس سے میں یہاں آیا ہوں۔ تاکہ میں واپس ہو جاؤں کیونکہ یہاں کا کھوٹا ہے)

ایک دن آدم علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا۔ کہا۔ اے ملعون! تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا؟ ابلیس نے جواب دیا۔ اے آدم! جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا، کاش میرے ساتھ کوئی کرتا۔ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا وہ تو ہونا ہی تھا۔ خواہ مخواہ ملزم میں بنا۔ جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے۔

رباعی صیادِ ازل کہ دانہ در دام نہاد ٭ صیدے بگرفت و آدمش نام نہاد

ہر نیک و بدی کہ در جہاں می گذرد ٭ خود می کند و بہانہ بر عام نہاد

(صیادِ ازل نے دانہ دام میں ڈالا اور شکار پکڑ لیا۔ پھر اس کا نام آدمی رکھ دیا۔

دنیا میں اچھا یا برا جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ خود کرتا ہے۔ لیکن عام لوگوں کو اس کا بہانہ بنا دیا)

شیطان کیا چیز ہے اور نفس کس کا نام ہے؟ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ

جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ الغرض انسان اس گیند کی مانند ہے جس کو کھیلنے والا اپنی لکڑی سے جدھر چاہتا ہے پھینکتا ہے۔ ایسی صورت میں کون سی تدبیر کارگر ہوگی۔ ایک ایک دردمند دل نے کہا ہے ؎

بیت برمن ز دلم نہ ماند جز نام دلم ٭ تا خود بہ کجا رسد سرانجام دلم

(میرے دل کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔ اب دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟)

اگرچہ بات تو یہی ہے۔ مگر ہوشیار رہو کہ اختیار کی تہمت بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھو۔

اے بھائی! جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جلالت وعظمت کے باوجود خوف و ہیبتِ الٰہی سے نڈھال ہو کر فرماتے ہیں یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ (اے دلوں کو پلٹ دینے والے! میرے قلب کو اپنے دین پر قائم رکھ)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا تمہارا کیا حال ہے۔ اگر وہ زنار باندھ دے تو تم کیا کرو گے زنار نہیں باندھو گے، اگر وہ مسجد سے بتخانے لے جائے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم نہ جاؤ۔ ابلیس جو معلم الملکوت تھا اس کو دیکھو۔

شعر صد ہزاراں سال طاعت کردنے ٭ طوقِ لعنت می کند در گردنے

(لاکھوں سال طاعت کرنے کے باوجود لعنت کا طوق گردن میں ڈال دیا جاتا ہے)

اور بلعم باعور جو عالم و زاہد تھا اور سینکڑوں کرامت کا مالک تھا اس کو دیکھو کہ اس نے کیا پایا۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

بیت ہیبتِ ایں راہ کارے مشکل است ٭ صد جہاں زیں سہم پُر خوں دل است

(اس راہ کی ہیبت سے نجات پانا نہایت مشکل کام ہے سینکڑوں جہان ہیں جن کے دل اس راہ کی ہیبت سے پرخون ہیں۔)

عجیب سرگردانی اور حیرانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دل جلے نے کہا ہے۔ رباعی

چوں موے شدم ز رنج ہر بیدادے ٭ در دہر کہ دیدست چوں من ناشادے

برخیزد اگر جہد چو ناگہ بادے ٭ چوں چنگ ز ہر رگے ز من فریادے

(ہر ظلم کی تکلیف سے سوکھ کر میں بال کی طرح باریک ہو گیا ہوں۔ زمانہ میں مجھ سے زیادہ کس نے رنج سہا ہے۔ اگر اچانک کوئی ہوا اٹھتی ہے تو چنگ کی طرح میری ہر رگ سے فریاد بلند ہوتی ہے)

یہ خود ایک دوسری قسم ہے۔ جیساکہ کہا ہے۔ **ابیات**

گرچہ رہ جستند ہر سوے ازیں ٭ پے نہ بردند اے عجب موے ازیں

(اگرچہ ہر طرح اس سے فرار کا راستہ ڈھونڈا۔ لیکن بال برابر بھی کہیں سے راستہ نہ مل سکا)

خونِ صدیقاں ازیں حسرت بریخت ٭ وآسماں برفرقِ ایشاں خاک ریخت

(اسی حسرت میں صدیقوں کا خون بہا۔ اور آسمان نے ان کے سروں پر خاک ڈالی)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آخر تک پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے۔ آدمی کا کام تو گرنا اور گر کر اٹھنا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ آدمی دونوں جہان کی مصیبت جھیل سکتا ہے۔ لیکن لیکن ایک گھڑی مسلمان ہونے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ کسی نے اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

بیت دور دور است در بلا خوردن ٭ بندہ بودن و بندگی کردن

(بلا میں گرفتار رہ کر بندہ بننا اور بندگی کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے)

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ سلطان الانبیاء و اولیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ستّر بار استغفار کرتے تھے۔ جب یہ آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ ۔ (اپنے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے) نازل ہوئی تو غایت فرماں برداری کی بنا پر ستّر سے تعداد بڑھا کر سو کر دی۔ اور وہ جو انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں، اس دولت کے باوجود کہ "اگر ابوبکر کے ایمان کو میری تمام امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کے ایمان کا پلڑا جھک جائے گا"ایک دن عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ کو کوئی ایسی دعا بتا دیجئے جسے میں فرض نماز کے بعد پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا یہ پڑھا کرو۔ رَبِّ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا فَاغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔ (اے میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے۔ پس تو میرے گناہ بخش دے۔ کیونکہ گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا ہے) اسی مفہوم کو کسی نے کہا ہے۔ **بیت**

بر درِ حق بگرد، زور مگرد ٭ کہ بہ زاری شوی دریں رہ مرد

(حق کے دروازے کے چکر لگا مگر زور نہ کر۔ اس لیے کہ اس راہ میں زاری کے ذریعہ تو مرد ہو سکتا ہے)

جب امت کی فقیہہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں شبِ قدر دیکھوں تو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ ۔ (اے میرے اللہ! معاف کرنا تیری صفت ہے۔ تو معافی کو پسند کرتا ہے۔ تو مجھے معاف کر دے اے معاف کرنے والے، اے معاف کرنے والے)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی مطیع و فرماں بردار اور پاک و طاہر کیوں نہ ہو توبہ و استغفار سے کسی لمحہ خالی نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ آدمی کی ہلاکت توبہ و استغفار کے ترک کی وجہ سے ہے، صرف گناہ کی وجہ سے نہیں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس ملعون کا قصہ تو تم نے سنا ہی ہے کہ آدم علیہ السلام گرنے کے بعد اٹھے اور کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا) اور وہ ابلیس ملعون اپنے حال پر پڑا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیشانی داغ دی گئی اور اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ (بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت کے دن تک) کا طوق گردن میں ڈال دیا گیا۔

اے بھائی! اول تو آدمی کو گناہ سے بچنا چاہیئے۔ اور اگر گناہ میں ملوث ہو ہی گیا تو اسے فوراً اٹھ جانا چاہیئے۔ جیسا کہ ابا جان آدم علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہی کہنا چاہیئے جو انھوں نے کہا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اپنی افتادگی پر اصرار نہ کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ کفر کا پیش خیمہ ہے۔ جیسا کہ آدمؑ کے بیٹے قابیل نے کیا اور کافر ہو گیا۔ آدمیوں میں سے وہ پہلا شخص تھا (جو کافر ہوا) اللہ پناہ میں رکھے۔

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی جباری اور قہاری سے جب ایسے ایسے پاک لوگوں کو قرار نہیں ہے تو پھر ہم کو تم کو کہاں سے سکون میسّر آسکتا ہے۔ جب کہ نفس کافر کے فریب میں گرفتار ہیں۔ شیطان کے ہاتھ میں قید ہیں۔ ایسی حالت میں سکون و قرار کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔

بیت ازیں کافر کہ مارا در نہاد ست ❊ مسلماں در جہاں کمتر فتاد ست

(اس کافر کی وجہ سے جو ہماری ذات میں موجود ہے۔ مسلمان دنیا میں بہت کم رہ گئے ہیں)

نہ ہندو ہوں نہ مسلمان جو بھی پوچھے یہی کہو۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔ **مثنوی**

نہ می دانم کرا مانم بدیں سیرت گرفتارم ❊ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد چہ[1] بدکارم

(میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں۔ البتہ اس سیرت میں گرفتار ہوں کہ نہ ہندو ہوں نہ مسلم۔ نہ مرتد ہوں میں کیا بدکار)

اے بھائی! اللہ کی مرضی کیا ہے اس سے تو جبرئیلؑ اور میکائیلؑ بھی واقف نہیں ہیں۔ ہم اور تم کس شمار میں آتے ہیں۔ ایک عزیز نے کہا ہے۔

---

[1] چہ بدکارم۔ قلمی نسخہ

ہا ہیچ کس از سرِ او آگاہ نیست ؛ زاں کہ ایں جا ہیچ کس را راہ نیست

(کوئی شخص اُس کے راز سے واقف نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہاں تک کسی کی پہنچ نہیں ہے)

نیست کس را از حقیقت آگہی ؛ جملہ می میرند با دستِ تہی

(کسی شخص کو حقیقت سے واقفیت نہیں ہے۔ سب کے سب خالی ہاتھ مر جاتے ہیں)

کہتے ہیں کہ جب ابلیس کا وہ حال ہوا جو ہونا تھا تو جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام ایک مدت تک روتے رہے۔ فرمان خداوندی ہوا کہ تم لوگ اس قدر کیوں رو رہے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم تھا۔ ان دونوں نے جواب دیا۔ یَا رَبِّ لَا نَاْمَنَ مِنْ مَکْرِکَ (اے میرے پروردگار! ہمیں تیرے پوشیدہ فیصلوں سے ڈر لگتا ہے) حکم پہنچا۔ ھٰکَذَا کُوْنَا وَلَا تَاْمَنَا مِنْ مَکْرِیْ (اسی حال میں رہو۔ اور میری پوشیدہ کارروائیوں سے مطمئن نہ رہو) کیا ہی بے نیازی کا دربار ہے۔ اس کی ذات نے جس کو قبول کیا، بغیر دلیل کے کیا۔ اور جس کو رد کیا بغیر علت کے کیا۔ ایسی صورت میں اطمینان کیسے ہو؛ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔ **مثنوی**

راندۂ سابقت نہ دانم چیست ؛ خواندۂ خاتمت نہ دانم کیست

(تقدیر نے کیا لکھ کر چلایا ہے کچھ نہیں معلوم۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ خاتمہ کس طرح ہوگا)

کہ بداند کارسازیِ تو ؛ کہ نہ ترسد ز بے نیازیِ تو

(کون ہے جو تیری کارسازی کو جان سکتا ہے۔ کون ہے جو تیری بے نیازی سے خائف نہیں ہے)

اے بھائی! کسی کے ایمان اور کسی کی اطاعت و بندگی سے نہ تو اس کے دربارِ کمال و جمال میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کسی کے کفر و معصیت سے اس کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ساری دنیا خانۂ کعبہ ہو جائے، اور تمام جن و انس ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ بن خطاب ہو جائیں تو اس کے کمال و جمال میں کیا اضافہ ہوگا؛ اسی طرح اگر تمام عالم بت خانہ میں تبدیل ہو جائے اور تمام جن و انس نمرود و فرعون ہو جائیں تو اس کا کیا بگڑ جائے گا؛ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

بے نیاز بِش را چہ کفر و چہ دیں ؛ بے زبانیش را چہ شک چہ یقیں

(اس کی شانِ بے نیازی کے آگے کفر و دین کی کیا حقیقت ہے۔ اس کے سکوت کے سامنے شک و یقین برابر ہیں)

چہ مسلماں چہ گبر بر درِ او ؛ چہ کنشت و چہ صومعہ در برِ او

(اس کے دروازے پر گبر و مسلماں کی کوئی حیثیت نہیں۔ مندر ہو یا گرجا اس کی بے نیازی کے سامنے

سب برابر ہیں)

بیت نہ از عیسیٰؑ رسد سودیت و موسیٰؑ ❊ نہ از فرعون زیاں بودیت و نمرود

(نہ عیسیٰؑ اور موسیٰؑ سے تجھ کو کوئی فائدہ۔ نہ فرعون و نمرود سے تجھے کوئی نقصان)

لیکن یہاں تو بات گناہ کے متعلق ہو رہی تھی۔

اے بھائی! یہ تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو بلند کیا ہے، بندگی کے ذریعہ بلند کیا ہے اور جس کسی کو گرایا ہے نافرمانی اور گناہ کی وجہ سے گرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگ لوگ کسی طاعت کو نہیں چھوڑتے خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ ممکن ہے رضائے الٰہی وہیں ہو۔ اور کسی گناہ کے نزدیک بھی نہیں بھٹکتے خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ناراضگی کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے اسی کو کسی نے کہا ہے۔ **مثنوی**

بر درِ حق بگرد زور مگرد ❊ کہ بزاری شوی دریں رہ مرد

(حق کے دروازے پر طاقت کے گرد نہ پھر۔ اس لیے کہ اس راہ میں زاری کے ذریعہ تو مرد بنے گا۔)

از تو زاری نکو و زور بد است ❊ شورِ زنبور خانہ شور بد ست

(تمہارے لیے زاری بہتر اور زور برا ہے۔ شہد کی مکھی کے چھتے میں بھنبھناہٹ نمک کو دعوت دیتی ہے)

حاصل کلام یہ ہے کہ گناہ نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر سرزد ہو جائے تو فوراً سنبھل کر رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہنا چاہیئے۔ گناہ پر اصرار سے اسی طرح بھاگنا چاہیئے جس طرح کفر سے بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ساری ہلاکت اصرار میں ہے۔ اصرار کے بعد صغیرہ، صغیرہ نہیں رہتا۔ اور استغفار کے بعد گناہ کبیرہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لَا صَغِیْرَۃَ مَعَ الْاِصْرَارِ وَلَا کَبِیْرَۃَ مَعَ الْاِسْتِغْفَارِ شریعت کا یہی فتویٰ ہے۔

مجھے امید ہے کہ خط کے مضمون سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد کرامات اور حال و مقامات کے تذکرے سے ہٹ کر اور سودا و صفرا سے پیدا ہونے والے فاسد خیالات سے یکسو ہو کر رات دن گنہگاروں کی طرح گریہ و زاری اور تضرع کے ساتھ کہو گے کہ رَبِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے تو میرے گناہ بخش دے۔ کیوں کہ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا)

بیت چوں بسے توبۂ بے فائدہ کردی بہوس ❊ توبہ کن توبہ اگر یک نفسے ما حضر است

(چونکہ تو نے ہوس کے ساتھ بے فائدہ توبہ کی ہے۔ اس لیے اس توبہ سے توبہ کر اگر ایک سانس بھی باقی ہے)

اور درمیانی رات میں روتی ہوئی آنکھ اور بھنے ہوئے دل کے ساتھ گنہگاروں کی طرح خشوع و خضوع

کے ساتھ آہ وزاری میں مشغول ہو جاؤ۔ اور سوز کے ساتھ یہ مناجات پڑھو۔

بود عینِ عفو تو عاصی طلب ❊ عرصۂ عصیاں گرفتم زیں سبب

(تیرا عفو عاصی طلب ہے۔ اس سبب سے عصیان کا میدان میں نے اختیار کیا)

چوں بہ ستّاریت دیدم کارساز ❊ ہم بدست خود دریدم پردہ باز

(چونکہ تیری ستاریت (پردہ پوشی) کو میں نے کارساز دیکھا اس لیے اپنے ہاتھ سے خود ہی پردہ پھاڑ ڈالا)

رہ نمائم باش و دیوانم بشوی ❊ وز دو عالم تختۂ جانم بشوی

(میری رہنمائی فرما اور میرے دفتر کو دھو ڈال۔ اور دونوں عالم سے میرے تختۂ جاں کو صاف کر دے)

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۱۱ جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ مطابق ۳۰۔ اپریل ۱۹۷۷ء

روز شنبہ۔ وقت ایک بجے دن

مکتوب — ۹

اپنے حق میں بدگمان رہنا اور دوسروں کے حق میں نیک گمان رکھنا

شیخ عمر! سلام ودعا۔

اے بھائی! اس گروہ کی روش یہی ہے کہ وہ دوسروں کے حق میں نیک گمان رکھتے ہیں اور اپنے حق میں ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں۔ اپنے کو کسی لائق نہیں سمجھتے۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہ لوگ جب قرآن وحدیث میں نعمتوں کا وعدہ سنتے ہیں، تو سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ دوسرے خوش نصیبوں کے لیے ہے۔ اور جب عذاب کی دھمکی سامنے آتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ میں ہی تو وہ سیہ کار ہوں جسے یہ سب کچھ سنایا جارہا ہے۔ یہ کیفیت ان پر اتنی ہوتی ہے کہ اگر تم ان لوگوں کو دیکھو تو سمجھو گے کہ یہ لوگ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے۔ بیت

ہر کہ شد لحظۂ ز خود خوشنود ❊ سالہا بند شد بہ دوزخ بود

(جو شخص ایک لمحہ بھی اپنے حال پر خوش ہوا، اس نے برسوں کے لیے جہنم کا سامان کر لیا)

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ ہر روز کئی بار اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا کرتے تھے اس خیال سے کہ میرا چہرہ پہلے جیسا ہے یا بے عملی کے نتیجہ میں سیاہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ عبرت کے طور پر یہ لوگ کہتے ہیں

مثنوی

در شہر مرد نیست ز من نابکار تر ❊ مادر پسر نہ زاد ز من خاکسار تر

(اس شہر میں ہم سے زیادہ ناکارہ کوئی نہیں ہے۔ مجھ سے زیادہ ذلیل بچہ کسی ماں نے پیدا نہیں کیا ہوگا)

دعویٰ کنم کہ نیست در آفاق چوں منے ❊ واز کافران رومی زنار دار تر

(میرا دعویٰ ہے کہ روم کے کافر زنار دار ہم سے بڑھ کر زنار دار نہ ہوں گے)

ایک عارف باللہ ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے۔ کہ خدایا! میں ایسی جگہ مروں جہاں مجھے کوئی نہ پہچانے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے بزرگوار یہ کیسی دعا ہے۔ کہنے لگے یہ اس لیے ہے کہ جب میں مروں اور لوگ

مجھے قبر میں رکھیں تو خطرہ ہے کہ زمین میری بداعمالیوں کی وجہ سے مجھے قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر نہ کرے تو بڑی فضیحت ہوگی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ **مثنوی**

خسرواں در رہش کلہ بازاں ✤ سروراں بر درش سر اندازاں

(بادشاہ لوگ اس کی راہ میں تخت و تاج ہارتے ہیں۔ اور سردار لوگ اس کے دروازے پر سر رکھے ہوئے ہیں)

چہ سوئے ناکساں چہ سوئے کساں ✤ قہر و لطفش بہر کہ ہست رساں

(ہر کس و ناکس کی طرف جو کہ موجود ہے اس کا لطف اور قہر پہنچنے والا ہے۔)

بھائی! راہ حق کے خطرات سے حقیقت میں وہی لوگ آگاہ ہیں، جو اس راہ پر چل چکے ہیں۔ کیونکہ جس نے نام تک نہ سنا ہو وہ کیا جانے۔ **بیت**

شرم بادت کہ نہ می دانی و آگاہ نہ ✤ کہ ترا در رہ ایں بادیہ چندیں خطر است

(تمہیں شرم آنی چاہیئے اس لیے کہ تم اس بات سے آگاہ نہیں ہو کہ اس راہ میں کتنے خطرات ہیں۔)

لوگوں کا بیان ہے کہ ایک بزرگ سے ان کے مریدوں نے پوچھا کہ حضور کل قیامت کے میدان میں آپ کو کس جگہ تلاش کروں گا۔ جواب دیا۔ پل صراط پر دیکھنا۔ مرید نے کہا حضور! اگر وہاں نہ پاؤں کہا جہنم میں تلاش کرنا۔ مرید نے پھر سوال کیا حضور! اگر وہاں بھی نہ پاؤں۔ تو حسرت سے جواب دیا پھر تو بہشت ہی ہے شاید وہیں ملوں۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے اور خوب بیان کیا ہے۔

مثنوی ہر سرے کز تو رست ہم دردم ✤ بزنش چوں سر چراغ و قلم

(اے میرے ہمدرد! ہر وہ سر جو تجھ سے آزاد ہو، اس کو چراغ و قلم کے سر کی طرح اڑا دے)

زاں کہ سر ہر کہ دیدنی باشد ✤ در طریقت بریدنی باشد

(اس لیے کہ ہر وہ سر جو صرف دیکھنے کے لائق ہو، طریقت میں کاٹے جانے کے لائق ہے)

ایک اور عارف نے اسی مضمون کو کیا خوب بیان کیا ہے۔ **بیت**

در بیابانے کہ نہ پا و سر دار و پدید ✤ ہر زماں سرگشتہ ہر ساعتے حیراں تر م

(اس لق و دق بیابان میں جس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ میں ہر وقت پریشان اور ہر گھڑی حیران رہتا ہوں)

حضرت خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا جب کہ وہ ایام حج میں مقام عرفات میں تھے۔ کہ حضور! آج کے دن میدان عرفات میں وقت گذارنے والوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا یہ وہ مقام ہے جس میں کا ہر شخص بخشا جائے گا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کی بخشش نہ ہوئی تو وہ میری نحوست کی وجہ سے ہوگی۔ اس لیے کہ میں ان کے درمیان ہوں۔ کسی نے اس مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی چند گوئی رسیدگی چہ بود ❊ در رہِ دیں گزیدگی چہ بود

(کب تک پوچھتے رہو گے کہ پہنچنا کیا ہوتا ہے؟ اور دین کی راہ میں مقبولیت کیا ہوتی ہے)

بند بر تن نہی گزیدہ شوی ❊ پائے بر خود نہی گزیدہ شوی

(بدن کو بیڑی سے جکڑ لے، مقبول ہو جائے گا۔ اپنے آپ پر پاؤں رکھ کر برگزیدہ ہو جائے گا)

بزرگانِ دین کا قول ہے کہ آدمی کا ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے، کہ اگر مخلوق پر آسمان سے کوئی بلا نازل ہو، تو اس کو اپنی نحوست کی وجہ سے سمجھے۔ اور اگر اس کو کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پہنچے تو اس کو دوسروں کی برکت اور طفیل میں سمجھے۔ شعر

خویشتن را فگن کہ برگیرند ❊ خوار خود را نگر کہ بپذیرند

(اپنے کو گرا دو تاکہ تمہیں اٹھا لیا جائے۔ اپنے کو ذلیل سمجھو گے تو تمہیں قبول کر لیں گے)

عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے دریافت کہ برسوں آپ نے سیاحت کا مشغلہ جاری رکھا اس میں کیا مصلحت تھی؟ جواب دیا۔ اس امید پر کہ وہ جگہ پالوں جہاں صدیق اکبرؓ قدم رکھیں گے پھر وہاں سجدہ کروں تاکہ ان کے قدم کے نیچے کی خاک میری شفیع بن جائے۔ یقیناً الْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ (اخلاص والے بڑے خطرے میں ہیں) فضول بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنی قربت حاصل ہے، اس کو اتنی ہی حیرانی بھی ہے۔ غفلت میں دن گذارنے والے ان حالات کو کیا سمجھیں؟ یہ تو عارفین ہی جانتے ہیں کہ یہ کیا مقام ہے۔

ابیات

گرچہ غافل بریں عمل خندد ❊ لیک عاقل جز این نہ پسندد

(اگرچہ غافل اس عمل پر ہنستا ہے۔ لیکن عقلمند لوگ اس کے سوا کسی دوسری چیز کو پسند نہیں کرتے)

راہ دیں صنعت و عبارت نیست ❊ جز خرابی درو عمارت نیست

(دین کی راہ صنعت و عبارت نہیں ہے۔ ویرانی کے سوا اس میں آبادی نہیں ہے)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آدمی برا کب ہو جاتا ہے؟ فرمایا۔ جب اپنے کو اچھا سمجھنے لگے۔ ایک بار حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ حدیث میں ذکر ہے کہ سب سے آخری شخص کو دوزخ سے ستر ہزار سال کے بعد نکالا جائے گا۔ آخر وہ کون ہوگا؟ فرمایا۔ کاش وہ شخص میں ہی ہوں۔ قطعہ

در عشقِ تو عاجزے سر استادیست ❊ در کوے تو بندگی در آزادیست!

ویراں شدن اندر رہِ تو آبادیست ❊ اندوہِ تو جان عاشقاں را شادیست

(تیرے عشق میں عاجزی سربلندی ہے۔ تیری گلی میں غلامی آزادی ہے۔
تیری راہ میں ویران ہونا ہی آبادی ہے۔ تیرا غم عاشقوں کی جان کے لیے شادی ہے)

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی غلطی کو یاد کرتے تو بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ غم واندوہ کے اس عالم میں ان کے دل کی دھڑکن دور سے سنائی دیتی تھی۔ اسی حال میں ایک دن جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ آپ نے کہاں دیکھا ہے کہ دوست، دوست سے خوف کھاتا ہے؟ فرمایا۔ بھائی جبرئیل! سچ فرمایا میرے اللہ نے۔ لیکن جب اپنی غلطی یاد کرتا ہوں تو دوستی کو بھول جاتا ہوں۔ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ۔ (خدا کی گرفت سے وہی لوگ بے پروا ہوتے ہیں جن کی شامت آگئی ہو) کا راز یہی ہے۔ بیت

ہست با قہر و علم یزدانی ٭ ناتوانی نگر، کہ نادانی

(اللہ کو جانو تو اس کا خوف بھی رکھو۔ اپنی کمزوری کو سمجھو کیوں کہ تم نادان ہو)

نقل ہے کہ جب سید لولاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کبھی مغیرہ کے غلام تھے) کو دیکھتے تو آگے بڑھتے اور فرماتے کہ اے بلال! میرے حق میں دعا کرو۔ وہ دعا کرتے اور آپ آمین کہتے۔ بیت

یقیں می داں کہ شیرانِ شکاری ٭ دریں راہ خواستند از مور یاری

(یقین کرو کہ شکاری شیروں نے بھی اس راہ میں چیونٹی سے مدد چاہی ہے)

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ نے دس حج سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے کیا۔ اور دس حج صحابہ کرام کی نیت سے کیے۔ لوگوں نے سوال کیا یا شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا۔ اس امید میں کہ طفیلی ہو جاؤں۔ کیونکہ جب مہمان عزیز ہوتا ہے تو طفیلی بھی عزیز ہوتا ہے سبحان اللہ!

عارفوں کا قول ہے کہ مخلوق کی نظر سے اپنے کو گرا دینا آسان ہے۔ مردانگی تو یہ ہے کہ خود کو اپنی نظر سے گرادے۔ چنانچہ اسی معنی میں یہ بیت ہے۔

چند پرسی کہ بندگی چہ بود ٭ بندگی جز فگندگی نہ بود

(کب تک پوچھتے رہوگے کہ بندگی کس کو کہتے ہیں۔ بندگی خود کو رسوا اور ذلیل کرنے کے سوا کچھ نہیں۔)

اے بھائی! اہل طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص خود کو فرعون سے بھی ذرہ برابر بہتر جانے تو اس گروہ کی نظر میں وہ شخص متکبر اور خود پرست ہے۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے

کہ تمام وہ درخت جو بلند ہوتا ہے، اس کا پھل چھوٹا ہوتا ہے۔ اور جو درخت پست ہوتا ہے اس کا پھل بڑا ہوتا ہے۔ یہی رمز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑوں سے کہا کہ میں تم میں سے کسی ایک پر اپنے ایک پیغمبر سے گفتگو کروں گا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی گردنیں بلند کیں، اس امید میں کہ یہ دولت ہم کو نصیب ہو۔ مگر کوہ طور چھوٹا تھا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ سعادت مجھے کہاں نصیب ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی تو اس کام کے لیے اسی کو منتخب کیا۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے نیازمندی سے زیادہ، اس راہ کو نزدیک تر کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور دعویٰ سے محکم کوئی حجاب نہیں ہے۔ ابلیس و آدم کے فرق کو سامنے رکھو۔

خواجہ بایزید قدس اللہ سرہٗ العزیز سے لوگوں نے پوچھا کہ سالک کمالِ تواضع تک کب پہنچتا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جب اپنے آپ کو کسی لائق نہ سمجھے اور دنیا میں اپنے سے بدتر کسی کو نہ جانے۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ہمیشہ اپنے سے سب کو بہتر سمجھا۔ مگر ایک دن میں نے دھوکا کھایا۔ اور وہ اس طرح ہوا کہ دجلہ کے کنارے ایک حبشی بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت اس کے پہلو میں اور ایک مٹکا اس کے سامنے تھا۔ بار بار اس مٹکے سے کوئی چیز نکالتا اور پیتا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں بدگمانی ہوئی۔ اور میرے دل میں اس کی جانب سے حقارت پیدا ہوئی۔ اسی دوران میں تین آدمی دجلہ میں ڈوبتے نظر آئے۔ وہ حبشی کودا اور ان میں سے دو کو نکال لایا۔ پھر مجھ سے کہا۔ اے حسن! تم اس کو نکال لاؤ۔ میں عاجز رہا۔ تو اس نے میری طرف دیکھا اور کہا ابھی تک تم مردِ ظاہر دار ہو۔ میں تو تمہارے امتحان کے لیے یہاں بیٹھا تھا۔ یہ عورت میری ماں ہے اور اس مٹکے میں پانی ہے۔ سبحان اللہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک دوستوں کی کس طرح آزمائش کرتا ہے۔

اے بھائی! عارفوں نے نورِ معرفت سے نفس کی آفت اور اس کے شر کو پہچانا ہے۔ اور اس حقیقت کو بھی جان چکے ہیں کہ جب تک بال برابر بھی نفس کا حصہ باقی ہے، ہلاکتِ نفس اور شرک کا فتنہ باقی ہے۔ مثال کے طور پر اسے اس طرح سمجھو کہ جنابت کی حالت میں تمام جسم کو چاہے جتنی بار دھویا جائے، اگر بال برابر بھی جسم خشک رہ گیا تو سارا جسم نجس ہی رہے گا۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے۔

درمیانِ دوزخ از من دور گردد نفسِ شوم ❊ درمیان آتش سوزاں درآب کوثرم

(دوزخ میں اگر یہ نفس بدبخت مجھ سے دور ہو جائے۔ تو اس جلانے والی آگ میں گویا حوضِ کوثر میں ہی ہوں)

تاکہ با نفسم فرودِ ہفت دوزخ ماندہ ام ❊ چوں نہ ماندم نفس شوم از ہشت جنت برترام

(جب فلک میں نفس کے ساتھ ہوں میں ساتوں دوزخ کے نیچے ہوں۔ جب یہ کم بخت نفس ساتھ نہ ہو تو میں آٹھوں جنت سے بھی بہتر ہوں)

ایک دن خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز مناجات میں کہہ رہے تھے۔ اِلٰهِیْ کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَیْكَ۔ (اے اللہ تجھ تک پہنچنے کا کونسا طریقہ ہے) ہاتف نے آواز دی۔ دَعْ نَفْسَكَ وَ تَعَالَ۔ (اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ) اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

بیت بتِ نفس و قبولِ خلق زنار ؎ شریعت با حقیقت گفتہ یکبار

(شریعت نے حقیقت سے کہا کہ نفس بت ہے اور قبولِ خلق زنار ہے)

اے بھائی! مردانِ راہ نے جو اس قدر خونِ جگر پیا ہے اسی بتِ نفس کے توڑنے کے لیے پیا ہے۔ اور ہمارا تمہارا یہ حال ہے کہ نفس کو خدا بنا لیا ہے۔ کہاں ہم تم اور کہاں مسلمانی! آہ۔ تم آہ۔ قرآن کا فتویٰ سنو۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ (کیا تم نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا ہے جنھوں نے خواہشات نفسانی کو اپنا خدا بنا لیا ہے) ہمیں اور تمہیں تو اپنے اپنے حال پر ماتم کرنا چاہیئے جیسا کہ اس بیچارے نے بیچارگی کے عالم میں کہا ہے۔

درد را دارو کجا خواہیم کرد ؎ عمر شد ماتم کجا خواہیم کرد

(ہم اپنے درد کا علاج کہاں سے کریں۔ عمر تو گذر گئی ماتم کہاں کریں)

نہ دارو درد من درماں دریغا ؎ بماندم بے سرو ساماں دریغا

(میرے درد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ہائے افسوس! میں تو بے سرو سامان رہ گیا)

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۱۲۔ جمادی الآخر سنہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۳۰ مئی سنہ ۱۹۷۷

روز دوشنبہ۔ وقت ۱۲½ بجے شب

مکتوب — ۱۰

محبّتِ دنیا اور اس کی مذمّت

بشیخ عمر مذکور کے نام

عالَم آں قدر نہ دارد کہ بروِ رشک برند ✤ یا وجود و عدمش را غم بیہودہ خورند

(دنیا اس قابل نہیں ہے کہ اس پر رشک کیا جائے ۔ یا اس کے عدم اور وجود کا فضول غم کھایا جائے)

اس عزیز کا یادگار مکتوب موصول ہوا ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا (اللہ جزائے خیر دے) خط کے مضامین سے آگاہی ہوئی ۔ بہت ہی پسندیدہ، اچھے اور سنجیدہ تھے ۔ اللہ تعالیٰ اس عزیز کو اپنے فضل اور احسان سے ان مضامین پر پختہ اور ثابت قدم رکھے ۔ اور اپنے لطف و کرم سے دنیا کے شر اور نفس کے فتنہ سے محفوظ اور معصوم رکھے ۔

اے بھائی! جس دل میں دنیا کی محبت ہے، اہل دل اسے خانۂ ویراں تصور کرتے ہیں ۔ ویران گھر میں رہنا جب ہم اور تم پسند نہیں کرتے، تو پھر ویران دل اللہ تعالیٰ کے لائق کس طرح ہو سکتا ہے ۔ دل تو ایک سے زیادہ نہیں ہے ۔ اور وہی دل جب دنیا کی محبت سے لبریز ہو گیا تو آخرت کی گنجائش کہاں باقی رہی ؟ ع یا خانہ جائے رخت بود یا خیالِ دوست

(یا اس گھر میں سامان دنیا مہیا کرو یا محبوب حقیقی کے خیال کو جگہ دو)

دین دل سے اٹھتا ہے اور حق تعالیٰ کی راہ بھی دل ہی سے نکلتی ہے ۔ مگر جب دل میں دنیا سما جائے تو اس حال میں دین کے خیال کا دل سے رخصت ہو جانا لازمی ہے ۔ اسی سبب سے کسی نے کہا ہے ۔

مثنوی

از تن و جان و عقل و دیں بگذر ✤ در رہِ دیں دلے بہ دست آور

آں چناں دل کہ وقت پیچاپیچ ✤ اندر و جز خدائے نہ بود ہیچ

(جان و تن، دین و عقل کے ذکر کو بالائے طاق رکھو ۔ دین کی راہ کے لیے پہلے دل کو قابل بناؤ ۔ ایسا دل بناؤ جو سخت الجھنوں میں بھی اللہ کے خیال کے سوا اس میں کسی اور کا خیال نہ ہو)

اے بھائی! اچھی طرح اندازہ کر لو کہ تمہارے دل میں غلبہ کس کا ہے؟ اگر دنیا کی طلب اور دنیا کی محبت غالب ہے، تو تم کو دنیا والوں کے ساتھ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور طلب غالب ہے، تو اللہ والوں میں تمہیں شمار کریں گے۔ اور اگر آخرت کی طلب اور محبت غالب ہے تو آخرت والوں کے ساتھ تمہیں اٹھائیں گے۔ حدیث شریف اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کا یہی مطلب ہے۔ یعنی جس چیز کے ساتھ تمہیں یہاں محبت ہے اسی کے ساتھ تمہارا حشر کریں گے۔

جب ایسی بات ہے کہ دل لگاؤ اور محبت ہی پر نتیجہ کار موقوف ہے، تو ہوشیار رہنا چاہیئے کیونکہ اس کا ثمرہ موت ہی کے وقت سے سامنے آنا شروع ہو جاتا ہے۔ جو لوگ عاشق دنیا ہیں موت کے وقت دنیا اپنی ہولناکی اور تباہ کاری کا بھیانک چہرہ لے کر سامنے کھڑی ہوگی۔ اور دنیا دار اسے دیکھ کر انتہائی اذیت اور کرب کے عالم میں تڑپ تڑپ کر جان دے گا۔ اور آخرت کے طلب گار کے سامنے آخرت اپنے بناؤ سنگار اور زیب وزینت کے ساتھ سامنے کر دی جائے گی۔ جسے دیکھ کر طالب عقبیٰ مسکراتا ہوا اس جہان سے کوچ کرے گا۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔ مثنوی

زاں کہ ہر چیزے کہ سودائے تو آنست ؎ چوں بمردی نقد فردائے تو آنست

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ؎ تا ابد راہِ وصالت آں بود!

(اس سبب سے کہ ہر وہ چیز جس کا تجھ کو خبط ہے، جب تو مرے گا تو کل وہی تیری پونجی ہوگی۔ دنیا میں جس چیز کا تجھے خیال رہتا ہے۔ قیامت تک تیرے وصال کا راستہ وہی ہوگا۔)

اور جب تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور طلب غالب ہے تو اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت درمیان سے حجاب کے پردے اٹھالیں گے تاکہ دوست کی دیدار کی خوشی میں ایک جان کیا چیز ہے ہزاروں جانیں ہوں تو بلا واسطہ ملک الموت، دوست کے حوالہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے، اور یہ وہ حال ہے جس کی ملک الموت کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

در شوق تو عاشقاں چناں جاں بدہند ؎ کانجا کہ ملک الموت نہ گنجد ہرگز

(تیرے شوق میں عشاق اس طرح جان دیتے ہیں کہ وہاں ملک الموت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی) ایسی صورت میں ساتوں آسمانوں سے یہ ندا بلند ہوتی ہے وَصَلَ الْحَبِیْبُ اِلَی الْحَبِیْبِ (دوست دوست تک پہنچ گیا) اور طالب مطلوب سے مل گیا۔ واسطہ اٹھ گیا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

؎ چوں در آمد وصال را حالہ ؎ سرو شد گفتگوے دلالہ

(جب وصال اور خلوت میسر آجاتی ہے تو ایسی حالت میں دلالہ کی گفتگو سرد پڑ جاتی ہے)

ایک فقیر کا قصہ ہے کہ وہ سکرات کے عالم میں مسکرا رہے تھے۔ کسی نے حیرت کے ساتھ ان سے پوچھا کہ حضرت! یہ مرتے وقت ہنسنا کیسا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ؎

خوبرویاں چو پردہ برگیرند ٭ عاشقاں پیش شان چنیں میرند

(معشوق جب رخ سے نقاب اٹھاتا ہے۔ تو عشاق اسی طرح اس پر اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں)

جس نے بھی کہا ہے صحیح کہا ہے ؎

رہبرت اول ارچہ یار بود ٭ رسد آں جا کہ یار بار بود

(تیرا رہبر شروع میں خواہ تیرا دوست ہی رہا ہو۔ مگر یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دوست بھی بار بن جاتا ہے) سچ ہے مَنْ لَهُ الْمَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ (جس کو مولیٰ مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا) تخت و تاج سب کچھ اسی کا ہے۔

اے بھائی! جب یہ مقدمہ ثابت ہو گیا۔ اور یہ تمہید سامنے آگئی تو ایک بات قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کے تمام مومن اور کافر، مخلص اور منافق اس رائے پر اتفاق رکھتے ہیں کہ تمام فتنوں اور بلاؤں کا سرچشمہ دنیا کی ہوس ہے۔ لہٰذا دنیا ایک بری جگہ ہے۔ فرعون اور نمرود نے خدائی کا دعویٰ دنیا کی ہوس میں کیا۔ ہلاک ہوا۔ بلعم باعور اور برصیصا زاہد کی عبادت دنیا داری ہی میں پھنس کر برباد ہوئی۔ غرض کہ ابن آدم کی تمام بربادی کی جڑ دنیا ہے۔

تا تو چوں خر دریں سرائے خراب ٭ شکم از نان پُرست و لپشت از آب

پائے کے برنہی بہ بام فلک ٭ بادہ کے در کشی ز جام ملک

(جب تک گدھے کی طرح اس خراب سرائے میں تیرا پیٹ روٹی سے اور تیری پیٹھ پانی سے بھری ہو۔ تو بام فلک پر تو کس طرح قدم رکھ سکے گا اور فرشتوں کے جام سے کس طرح شراب پی سکے گا)

فکر کا یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ایک بزرگ نے کہا۔ اگر مجھ سے کہا جائے کہ تو دنیا قبول کر اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو تیری جگہ دوزخ ہے۔ تو میں اس حال میں بھی دنیا کو قبول نہیں کروں گا۔ تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کس قدر بری جگہ ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اہل تجرید میں سے ایک فقیر کسی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو جو کپڑے ان کے جسم پر تھے ان کو تار تار کر کے پھینک دیا۔ لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا؟ جواب دیا۔ یہ میں نے اس لیے کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح میں یہاں آیا ہوں آج اسی طرح یہاں سے

واپس جاؤں۔ اسی حقیقت کو کسی نے اس بیت میں بیان کیا ہے۔ ؎

جملہ درباز و فرو کن پائے راست ٭ گر کفن را ہیچ نہ گذاری رواست

(سب کچھ دے ڈال پھر اپنا پیر لمبا کر (یعنی مرجا) اور اگر تو کفن کے لیے بھی کچھ نہ چھوڑے تو جائز ہے)

نقل ہے کہ جب پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام نے بہشت میں گیہوں کے درخت سے کچھ کھا لیا۔ جس سے انھیں منع کیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفع حاجت کی فوری طور پر ضرورت محسوس ہوئی۔ گرد و پیش پر نظر ڈالی تاکہ رفع حاجت کریں مگر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی۔ ارشاد ہوا اے آدم! اس کام کے لیے بہشت میں کوئی جگہ نہیں۔ لہٰذا جلد دنیا میں جانا چاہیئے۔ اور وہیں فراغت حاصل کرنی چاہیئے۔ اسی موقعہ کے لیے بزرگوں نے کہا ہے۔ اَلدُّنْیَا کَنِیْفُ اٰدَمَ (دنیا آدم علیہ السلام کا پائخانہ ہے، کنیف پائے خانہ کو کہتے ہیں۔

اے بھائی! جب دنیا کی یہ حقیقت ہے تو کیا پائے خانہ کوئی نعمت و لذّت کی جگہ ہوگی؟ یا وہاں آرام نصیب ہوگا؟ مطلب یہ ہے کہ مومن کو دنیا سے بس اتنا ہی بھر تعلق رکھنا چاہیئے، جتنا آدمی کو پائے خانہ سے ہوتا ہے۔ جس میں آدمی بضرورت مجبوراً قیام کرتا ہے۔ اور جتنی دیر رہتا ہے، جبر و اکراہ سے وقت گذارتا ہے نہ کہ رغبت اور خوشی کے ساتھ۔ مگر اہل دنیا کا یہ حال ہے کہ اس کے پیچھے دیوانے ہو رہے ہیں۔ لیکن جو لوگ دین کی سمجھ رکھتے ہیں وہ دین کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔ دین و دنیا دونوں یک جا نہیں ہو سکتے۔ ان کا جمع ہونا محال ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں کہا گیا ہے ؎

تا بود ایں جہاں نہ باشد آں ٭ تا تو باشی نہ باشدت یزداں

(جب تک اس دنیا کا خیال باقی ہے وہ نہیں ملے گا۔ اور جب تک تو ہے خدا تیرا نہیں ہوگا)

بزرگانِ دین کا قول ہے کہ ساری دنیا ایک دانگ کے برابر ہے۔ جس میں سے نصف دانگ تو قارون کے ساتھ دھنس گیا۔ اور آدھا دانگ سبھوں پر تقسیم ہو گیا۔ اب حساب کر لو کسی شخص کو زیادہ سے زیادہ دولت ملی بھی تو وہ کیا ہوگی؟

اے بھائی! مشکل واقعہ اور عجیب فتنہ جو آج کل ہمارے درمیان واقع ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مومن کو کوئی کافر ڈاکٹر کسی حلال غذا کے متعلق یہ بتلائے کہ وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ مت کھاؤ۔ کھانے سے مرض بڑھ جائے گا۔ تو وہ فوراً اس سے ہاتھ روک لیتا ہے۔ اور نہیں کھاتا ہے۔ لیکن اس وقت تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر صلوات اللہ اجمعین تشریف لائے اور سبھوں نے یہی تعلیم دی کہ حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ (دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) اس کے باوجود ہم میں سے کوئی شخص دنیا سے دست بردار نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ہم کافر کی بات پر یقین کرنے کو تیار ہیں مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں

کے کہنے پر یقین نہیں رکھتے۔ جب ایسا ہے تو ایمان کہاں رہا؟ یہ تو صرف پندار ہے۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

بیت

خواجہ پندارد کہ مسرورِ حاصلم ❊ حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(بڑا آدمی سمجھتا ہے کہ میں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے وہ سب دھوکا ہے)

معاذ اللہ! یہ کیسی بدبختی کا زمانہ ہے جس کا ابھی تم نے حال سُنا۔ شاید یہی وہ زمانہ ہے جس کے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے خبر دی ہے سَیَأتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُصَلُّوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ وَلَیْسَ بَیْنَہُمْ مُسْلِمٌ (لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجدوں میں نماز ادا کریں گے لیکن ان میں کوئی مسلم نہ ہوگا) سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ایسی صورت میں اپنے سر پر خاک ڈالنا چاہیئے اور اپنی مُصیبت پر ماتم کرنا چاہیئے۔ اور وہی کہنا چاہیئے جو بیچارے خسرو نے کہا ہے۔

خلق گوید دم بروز تار بندای بت پرست ❊ در تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

(لوگ کہتے ہیں کہ اے بت پرست خسرو جا اور زنار باندھ۔ خسرو کے جسم میں کون سی رگ ایسی ہے جو زنار نہیں ہے)

اس مقام میں دست و قلم، کاغذ و کاتب سب درماندہ ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ مکتوب کو ختم کرنے سے پہلے امید کی کوئی راہ نکالی جائے۔ کیوں کہ ایمان کی راہ میں کسی طرح کی مایوسی جائز نہیں۔ اب حدیث کے الفاظ پر غور کرو حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (دُنیا کی محبت ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے) یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کا مالک ہونا ہی گناہوں کی بنیاد ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ محبت کی جگہ دل ہے نہ کہ ہاتھ۔ لہٰذا اگر کسی شخص کی ملکیت میں ساری دنیا ہو مگر اس کی محبت اس کے دل میں نہ ہو، اپنے رب کی اطاعت و عبادت، صدقات و خیرات میں شرع کے موافق خرچ کرتا ہو، شہوات و لذات اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل پر صرف نہ کرتا ہو، تو کوئی ڈر نہیں۔

اے بھائی! کیا تم نے نہیں دیکھا! حضرت سلیمان علیہ السلام کو مشرق و مغرب کی حکومت حاصل تھی۔ لیکن اس کی محبت ان کے دل میں ذرہ برابر بھی نہ تھی۔ اس لیے اس دنیا نے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ دنیا میں رہ کر دل کو دنیا سے خالی رکھنا بڑی بات ہے۔ اس حالت کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نزدیک دُنیا کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو۔ ہونے اور رہنے میں نہ اس کو کوئی خوشی اور مسرت ہو اور نہ اس کے چلے جانے میں کوئی رنج و غم

ہو۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔ ہر شخص کے بس کا نہیں۔ یہ بہت ہی نازک معیار ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کتنے دولت مندوں کو اس میں سے حصہ ملا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

محرمِ دولت نہ بود ہر سرے ✿ بارِ مسیحا نہ کشد ہر خرے

(ہر سر دولت کا رازداں نہیں ہوتا۔ ہر گدھا عیسیٰ علیہ السلام کا بار نہیں اٹھا سکتا)

اے بھائی! اپنے ہاتھ اور زبان، کاغذ اور قلم، پختہ اور خام سے روح کی راحت کا سامان پیدا کرو۔ پھر امیدوار ہو۔ کہ دولت کی صبح اچانک طلوع ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

ملک در دست شبانے می دہند ✿ منتِ او بر جہانے می نہند

(ایک چرواہے کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور دے دیتے ہیں۔ اور اس کا احسان ساری دنیا پر رکھتے ہیں)

والسلام

یکم رجب المرجب ۱۳۹۷ھ

مطابق ۱۸۔ جون ۱۹۷۷ء۔ روز شنبہ

مکتوب — ۱۱

عشق اور محبّت کے متعلق

برادر شیخ عمر! جو دعا کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اے بھائی! جس طرح ظاہر میں نماز روزہ فرض ہے، اسی طرح باطن میں محبّت و عشق فرض ہے اور اس کی خمیر اور اس کا حاصل درد و غم ہے۔ ؎

دم در نہ کشم جملہ غمت نوش کنم   تا از پسِ من بکس نہ ماند غم

(میں اُف نہ کروں اور تیرے تمام غموں کو پی جاؤں۔ تاکہ میرے بعد کسی کے لیے کوئی غم باقی نہ رہے)۔

تم نے تو سُنا ہوگا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ وَدَآئِمِ الْفِكْرِ۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمناک اور گہری فکر میں رہا کرتے تھے۔) وہ یہی ہے۔ ؎

گدائے بادشاہے را بہ شوخی دوست می دارد ؛ نہ با او می تواں گفتن نہ بے او می تواں بودن

(درویش بادشاہ کو شوخی کے ساتھ دوست رکھتا ہے۔ نہ اس سے بات کر سکتا ہے اور نہ اس کے بغیر جی سکتا ہے)

اے بھائی! عشق بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اس بنا پر عشق فرض قرار دیا گیا ہے۔ زندگی عشق سے ہے۔ یہ نہیں تو موت ہے۔ ؎

مجنونِ عشق را دگر امروز حالت است ؛ کز اسلام دینِ لیلیٰ و دیگر ضلالت است

(عشق کے مجنوں کا آج حال ہی کچھ اور ہے۔ کہ لیلیٰ کا دین اس کی نظر میں اسلام ہے۔ اس کے علاوہ گمراہی ہے)

کہا جاتا ہے کہ عاشقانِ خدا کا دل ہی دوزخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو دل جتنا سوختہ ہے اتنا ہی عزیز ہے۔

؎ خاکے از مردم بماند در جہاں ؛ از وجودِ عاشقاں خاکسترے

(لوگ مرتے ہیں تو مٹی ہو جاتے ہیں۔ لیکن عاشق جل کر راکھ ہو جاتا ہے)

اسی بات کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔ اَلْعِشْقُ هُوَ الطَّرِيْقُ۔ وَرُؤْيَتُهٗ هُوَ الْجَنَّةُ۔ وَالْفِرَاقُ هُوَ النَّارُ وَالْعَذَابُ (عشق راستہ ہے۔ دیدارِ الٰہی جنّت ہے۔ اور اس کی جدائی جہنم اور عذاب

جہنّم ہے ۔ غور کرو ! پیغمبروں کی میراث سونا چاندی نہیں ہے ۔ بلکہ عشق الٰہی کی آگ ہے ۔ جو دل جلوں کو میراث میں ملی ہے ۔ اور اسی پر یہ لوگ نازاں ہیں ۔

رباعی

گر عشق ہمہ مونس و ہم خانۂ ماست ٭ غمہا ہمہ یک جرعۂ پیمانۂ ماست

از عقل و خرد گذر کہ در عالمِ عشق ٭ او نیز غلامِ دلِ دیوانۂ ماست

(اگر عشق میرا مونس اور میرے نہاں خانۂ دل میں سکونت پذیر ہے تو سارے جہاں کا غم ہمارے پیمانہ کے لیے ایک جرعہ کے برابر ہے ۔

عقل و خرد کی حد سے گذر جا اس لیے کہ عالم عشق میں وہ بھی ہمارے دلِ دیوانہ کا غلام ہے)

کہتے ہیں کہ عشق آگ ہے ۔ یہ آگ جہاں پہنچے گی جلا ڈالے گی ۔ عاشقانِ الٰہی کا دل ٹھہرا ہوا آتش کدہ ہے ۔ اگر اس کی ایک چنگاری بھی باہر آجائے تو کون و مکان کو جلا کر خاک کر ڈالے ۔ اسی حقیقت کو کسی نے بیان کیا ہے ۔

ہیچ عاشق را ملامت روئے نیست ٭ سوختن او را قیامت روئے نیست ؎

(کسی عاشق کے لیے ملامت کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ اس کے جلنے کے لیے قیامت کی ضرورت نہیں ہے)

ہر کہ او یک بار نہ صد بار سوخت ٭ چوں تواں از بہر او آتش فروخت

(جو شخص ایک بار نہیں سو بار جل چکا ہو ۔ اس کے لیے آگ بھڑکانے سے کیا فائدہ)

لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ سارے جہان کے عذاب کا سامان تو دوزخ کی آگ ہے ، مگر دوزخ کی آگ کو محبان خدا کی آگ سے عذاب دیا جاتا ہے ۔

ایک بزرگ عالم سکر میں اپنی مناجات میں یہ دعا کر رہے تھے کہ خدایا تو اپنے کرم سے مجھے اجازت دے کہ میں جہنّم میں اپنا ٹھکانا بناؤں تاکہ تمام بیگانوں کو رہائی حاصل ہو اور تیرا جہنّم تیرے چاہنے والوں ہی سے آباد رہو ۔

ایک عزیز نے کہا ہے ۔ ؎

لاجرم دیوانہ را گرچہ خطا ست ٭ ہر چہ می گوید بہ گستاخی رواست

(دیوانہ اگرچہ غلطی کرتا ہے ۔ لیکن گستاخی کے ساتھ جو کچھ کہتا ہے ، جائز ہے)

خیر و شر چوں جملہ زاں جا می رود ٭ گفتۂ دیوانہ زیبا می رود

(جب خیر و شر سب کچھ وہیں سے ہوتا ہے تو پھر ایسی حالت میں دیوانہ جو کچھ بھی کہتا ہے زیبا ہے)

اے بھائی! یہ لوگ وہ عزم وہمت والے ہیں کہ دنیا کے تمام دریاؤں کو ان کے باطن کی آگ پر بہایا جائے تو تمام پانی آگ ہو جائے۔ اور دنیا کی تمام آگ ان کے عشق کی آگ پر ایسے جلے جیسے سوکھی لکڑی جلتی ہے۔ اسی لیے کہا ہے ؎

ہر کہ او در عشق چوں آتش نہ شد ❊ عیشِ او در عشق ہرگز خوش نہ شد

(جو شخص اس کے عشق میں آگ نہ ہوا۔ اس کو عشق میں عیش نصیب نہیں ہوگا)

اسی طرح ایک بزرگ عالمِ سکر میں کہنے لگے۔ کل قیامت کے دن میں دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہو جاؤں گا اور سب کو بہشت میں بھیج دوں گا۔

مثنوی

(۱) اے الٰہی چوں شود حشر آشکار ❊ بر لبِ دوزخ خوشی گیرم قرار

(۲) پس بدست آرم یکے خنجر ز نور ❊ خلق را می رانم از دوزخ بدور

(۳) تا ز دوزخ سر بسر ایمن شوند ❊ در بہشت جاوداں ساکن شوند

(اے اللہ جب یوم حشر آئے گا تو میں اپنی خوشی سے دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہو جاؤں گا۔(۲) تیرے نور کی ایک تلوار ہاتھ میں لے کر مخلوق کو دوزخ سے دور بھگاؤں گا۔ اس لیے تاکہ دوزخ سے بالکل محفوظ ہو جائیں اور ہمیشہ جنّت ہی میں اطمینان سے رہیں۔)

اے بھائی! کچھ عشق و محبّت کی چنگاری آج ہی حاصل کر لو تاکہ یہی صفت تمہارے ساتھ قبر میں جائے اور وہاں کام آئے۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۙ (جس دن مال اور اولاد کوئی نفع نہ پہنچائیں گے اس دن کامیاب و کامراں وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے پاس پاک دل لے کر حاضر ہوگا) ؎

در گور برم از سر گیسوے تو تارے ❊ تا سایہ کنند بر سر من روزِ قیامت

(قبر میں تیری زلف کا ایک تار ساتھ لے جاؤں گا، تاکہ قیامت کے دن اسی کا سایہ میرے سر پر ہو)

لیکن یہ بات تو اسی وقت حاصل ہوگی جب غیر حق سے یکسر اپنے دل کو تم خالی کر لو۔

ع یا خانہ جاے رخت بود یا خیالِ دوست

(گھر یا تو سامان کی جگہ ہے یا خیالِ دوست کی جگہ ہے)

کیا تم نے وہ نہیں سنا؟ کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا دل تھوڑا سا اپنے بیٹے کی طرف مائل ہوا تھا۔

چنانچہ انہوں نے خواب دیکھا کہ بیٹے کو قربان کردو۔ پھر جب بیٹے کی محبت سے دل کو خالی کیا اور قربان کرنے کے لیے تیار ہوگئے تو فرمان آیا کہ مجھے معصوم بچہ کی جان لینے سے کوئی غرض نہ تھی البتہ تمہارے دل کو غیر کی محبت سے پاک کرنا مقصود تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہوگیا تو بچّہ کو چھوڑ دو۔ ؎

روزان و شباں نشستہ ام در کارت ❊ باہر کہ بازی شکنم بازارت

(رات دن میں تیرے کام میں لگا ہوا ہوں۔ اگر تو میرے سوا کسی دوسرے سے تعلق رکھے گا تو میں تیری دھاک اکھاڑ دوں گا)

ظاہر ہے کہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز نے جگہ بنائی وہ دل خراب ہوا۔ اور جب خانۂ خراب میں ہم تم جانا پسند نہیں کرتے تو پھر ایسا گھر خدا کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ ناپاک قدموں سے ہم بادشاہوں کے فرش پر نہیں چل سکتے تو ناپاک دل کے ساتھ خدا کا قرب ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ

(اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے) صورت اور ظاہری اعمال دربار میں نہیں دیکھے جاتے دربار میں وہ لطیفہ دیکھا جاتا ہے جس کو دل کہتے ہیں۔ اسی حقیقت کو کسی نے یوں بیان کیا ہے۔ ؎

نیست کن ہر چہ راہ ورائے بود ❊ تا دلت خانۂ خدائے بود

مراد اہلِ طریقت لباسِ ظاہر نیست ❊ کمر بہ خدمتِ سلطاں بلند و صوفی باش

(جو کچھ راہ ورائے ہو سب کو فنا کردے تاکہ تیرا دل خدا کا گھر ہوجائے۔

اہل طریقت کی مراد ظاہری لباس نہیں ہے۔ سلطان کی خدمت میں کمر باندھ اور صوفی ہوجا)

یقین کرو۔ اس دنیا میں آدمی کا دل لگاؤ جس کے ساتھ جیسا رہا ہے، مرنے کے بعد اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی جس کا لگاؤ اسباب دنیا سے رہا ہے، یہ دنیا مرنے کے بعد اپنی ہیبت ناک شکل سے کر اس کے سامنے کردی جائے گی اور یہ مستقل اذیت اس کو دے گی۔ اور جس کا دل حور و قصور اور شراب طہور کے ساتھ وابستہ رہا ہو تو موت کے بعد بہشت کو آراستہ کریں گے اور خوب سجا کر اس کے سامنے پیش کردی جائے گی۔ اور اگر کسی کا دل آج خدا کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کا مقصود و مطلوب حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات ہے تو موت کے بعد اللہ رب العزت اپنے جمال سے پردہ اٹھائے گا اور اپنی تجلی سے اس کو نوازے گا اس وقت اس کے حال کا کیا پوچھنا؟ اسی کو کسی نے اس نظم میں پیش کیا ہے۔

نظم

دینِ ماروے جمالِ آں بتِ جانانہ است ٭ کفرِ ما از ابرو وزلفِ سیہ ترکانہ است

(ہمارا دین اس بت جانانہ کا جمال ہے۔ اور ہمارا کفر اس کے ابرو اور زلف سیہ سے ہے)

از جمالِ خدوخالش عقلِ ما دیوانہ است ٭ وز شرابِ عشقش ایں ہر دو یکے پیمانہ است

(اس کے خدوخال کے جمال سے ہماری عقل دیوانہ ہے۔ اور یہ دونوں اس کے عشق کی شراب کا پیمانہ ہیں)

روحِ ما چوں آں بت است وقلبِ ما بتخانہ است ٭ ہر کرا ملت نہ این است او زما بیگانہ است

(ہماری روح اس بت کی طرح ہے اور میرا دل بتخانہ ہے، جس شخص کی ملت یہ نہیں ہے وہ ہم سے بیگانہ ہے)۔

لیکن اے بھائی! یہ اور اس قسم کے دوسرے اشعار عقل کے بندوں کی نظر میں تو ہزلیات ہی ہیں اور ان ناآشناؤں کو دیوانوں کی بڑ جیسی معلوم ہوں گی۔ اس کی حقیقت تو بس ان دیوانوں سے پوچھو جن کو عشق کی دیوانگی میں سے کچھ حصہ ملا ہے۔ اسی کو کسی نے یوں کہا ہے۔

مثنوی

ہر کرا یک ذرہ آتش باشدش ٭ نوحۂ دیوانگاں خوش باشدش

(جس شخص کو عشق کی آگ کی ایک چنگاری بھی ملی ہو گی۔ اس کو ان دیوانوں کا نوحہ بھلا معلوم ہوگا)

زانکہ کار جملہ شاں دل دادگیست ٭ سرنگوں سازی وکار افتادگیست

(اس لیے کہ ان کا تمام کام دل دے دینا ہے ـــــ سر جھکائے رہنا اور تمام دوسرے کاموں سے ہاتھ اٹھالینا ہے)

اے بھائی! قرآن حکیم میں تین جماعتوں کی تفصیل اس طرح آئی ہے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۃ (بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور بعض وہ ہیں جو درجہ میں سب سے بڑے اور آگے ہیں) مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی تین قسمیں ہیں۔ کچھ تو وہ لوگ ہیں جو عبادت خدا کی کرتے ہیں لیکن مقصود دنیا ہے۔ یہ اپنے نفس کے ظالم ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو خدا کی عبادت کرتے ہیں اور مقصود حور و قصور اور جنت ہے۔ یہ لوگ مقتصد یعنی درمیانی درجہ کے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ان کا مقصود بھی اللہ

رب العزت ہی ہے ۔ یہ آخری قسم کے لوگ ہیں ۔ یہی سابق الخیرات ہیں ۔ یعنی درجہ میں سب سے اعلیٰ سب سے افضل ہیں ۔

والسلام
سیّد محمد نعیم ندوی
۱۴۔ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ ہجری
مطابق یکم جولائی ۱۹۷۷ء روز جمعہ

مکتوب ——— (۱۲)

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے بارے میں

درویش شیخ عمر! شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا مطالعہ کریں

اے بھائی! بزرگ کہتے ہیں کہ بندہ کے لیے حق تعالیٰ تک پہنچنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ جس شخص نے دنیا کی محبت کو دل سے نکال دیا، اور اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کے غم سے دل کو آزاد کر لیا، خلوص دل اور طلب کامل کے ساتھ راہِ حق پر چل پڑا تو بلاشبہ حق کی راہ اس کے لیے بہت آسان ہو جائے گی۔ اور خدائے تعالیٰ تک وہ بہت آسانی سے پہنچ جائے گا۔ اسی بات کو کسی نے اس طرح کہی ہے۔

مثنوی

عاشق جاں سوز خواہد سوزِ عشق! ؛ روز محشر شب بود در روزِ عشق!

عشق بر معشوق چشم افتادن است ؛ بعد ازاں از بندگی جاں دادن است

(عاشق جاں سوز عشق کا سوز چاہتا ہے۔ ایسا سوز جس سے عشق کے دن، روز محشر بھی رات ہو)

معشوق پر نظر پڑنا عشق ہے۔ یہ ہو گیا تو پھر بندگی کے باعث جان دے دینا عشق ہے)

اور جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت ہے۔ ہر وقت اپنے اہل و عیال کے کھانے کپڑے کے غم میں لگا ہوا ہے، اور طلبِ حق میں کامل صدق و اخلاص نہیں ہے تو ایسے شخص کا خدا تک پہنچنا دشوار بلکہ بہت دشوار ہے۔

مثنوی

مصلحت اندیش نہ بود مردِ عشق ؛ بے قراری خواہد از تو دردِ عشق

عاشقاں را نیست با اندیشہ کار ؛ مصلحت اندیش باشد پیش کار

(مردِ عشق مصلحت اندیش نہیں ہوتا ہے۔ دردِ عشق تجھ سے بے قراری چاہتا ہے)

(عاشقوں کو غور و فکر سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جو شخص مصلحت اندیش ہوتا ہے وہ اس راہ میں کامیاب نہیں ہوتا)

ایک بزرگ سے شیطان ہر صبح آکر یہ پوچھتا تھا کہ آج تم کیا کھاؤ گے؟ وہ بزرگ کہتے موت کا شربت۔ پھر وہ ملعون کہتا کیا پہنو گے؟ جواب دیتے کفن کا لباس۔ اور جب وہ کہتا کہاں رہو گے؟ تو جواب دیتے قبر میں۔ شیطان نا امید ہو کر چلا جاتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

اندیش ازیں حدیث و در پوش کفن ❊ مردانہ دو دستِ خویش آں گاہ بزن

(اس بات کو سمجھ اور کفن پہن لے۔ اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ مردانہ وار مار)

لہٰذا طالب حق کو چاہیئے کہ موت کو اپنی خوراک بنائے، اور کفن کو اپنا لباس بنائے اور اپنے رہنے کی جگہ قبر کو سمجھے۔ تاکہ اپنے کام کا غم کھا سکے اور ہمیشہ حق کے ساتھ مشغول رہ سکے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا غم اس کے دل کو خراب نہ کر سکے۔ ورنہ جیسے ہی دل میں دنیا کا غم آیا، دل خراب ہوا۔ اور ظاہر ہے۔ لَیْسَ عَلَی الْخَرَابِ خِرَاجٌ (بنجر زمین پر خراج نہیں ہے) اور جب دل خراب اور ویران ہوا تو اس خرابے اور ویرانے میں اللہ تعالیٰ کا تصور کیسے رہ سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر توبہ کیا۔ گھر آئے تو پہلے ہی دن دنیا ترک کر دی، اور دوسرے دن عقبیٰ سے دست بردار ہوئے۔ اور تیسرے دن خدا تک پہنچ گئے۔ چوتھے دن ان سے کسی نے دریافت کیا۔ حضرت آپ کتنے دنوں میں خدا تک پہنچے؟ جواب دیا کُل تین دن میں۔ اور وہ اس طرح کہ پہلے دن جب میں نے توبہ کی، دنیا کا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ دوسرے دن شریعت کے خیال سے گزرا۔ اس کے بعد میرے دل پر کوئی حجاب باقی نہ رہا تیسرے دن خدا تک رسائی ہو گئی۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

تا بود یک ذرہ ہستی در میاں ❊ بر کنارے از صفاتِ صوفیاں

تا بود یک ذرہ از ہستی بجائے ❊ کفر باشد گر نہم در عشق پائے

(جب تک ہستی کا ایک ذرہ بھی درمیان میں موجود ہے وہ صوفیوں کی صفات سے باہر ہے)

(جب تک وجود کا ایک ذرہ باقی ہے۔ ایسی صورت میں اگر میں عشق کے میدان میں قدم رکھوں تو کفر ہو گا)

اے بھائی! جس کے دل میں عشقِ الٰہی کی جگہ بن گئی، پھر کسی درد و غم کی اس میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہی یہ لازمی امر ہے کہ قلبِ مومن بیت اللہ ہے اور بیت اللہ میں شرک کی گنجائش کہاں؟

؏ آں جا کہ سلطاں خیمہ زد غوغا نہ ماند عام را

(جہاں بادشاہ کا خیمہ لگتا ہے وہاں عوام کا شور و ہنگامہ نہیں ہوتا)

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ

اَهْلِهَا اَذِلَّةً ط

(بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتا ہے تو اس کو تہ و بالا کر دیتا ہے اور ہر عزت والے کو حقیر و ذلیل بنا دیتا ہے) چنانچہ ان عشق کے باروں کو یہ حق ہے کہ وہ کہیں ؎

محراب جہاں جمال رخسارۂ ماست ٭ سلطانِ جہاں دردلِ بیچارۂ ماست

(دنیا کا محراب ہمارے رخسار کا جمال ہے۔ دنیا کا بادشاہ میرے مجبور دل میں جلوہ فگن ہے)

لیکن کس نیک بخت کے دل میں یہ درد اترے اور یہ طلب داخل ہو۔ خواجہ عطار نے کہا ہے ؎

ذرۂ دردِ خدا در دل ترا !! ٭ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

کفر کافر را و دیں دیندار را ! ٭ ذرۂ دردت دلِ عطار را

(اگر خدا کے درد کا ایک ذرہ بھی تیرے دل میں ہو تو دونوں جہان کی نعمتوں سے وہ بہتر ہے)

(کفر کافر کو اور دین دیندار کو مبارک ہو۔ عطار کے دل کو تو تیرے درد کا ایک ذرہ کافی ہے)

اسی مضمون کو کسی نے اس طرح بھی بیان کیا ہے۔ ؎

رباعی

صوفی شوم و خرقہ کنم فیروزہ ٭ در دے سازم درد ترا ہر روزہ

زنبیل بدستِ دل دیوانہ دہم ٭ تا از در تو درد کنم در یوزہ

(صوفی ہو جاؤں اور فیروزی رنگ کا خرقہ بناؤں۔ پھر تیرے درد کا میں ہر روز ورد کروں)

(اپنے دلِ دیوانہ کو زنبیل بناؤں۔ تاکہ تیرے در سے درد کی بھیک مانگ سکوں)

اے بھائی! جس طرح اقبال مند کے لیے سعادت کے تمام اسباب و شرائط موجود ہوتے ہیں اسی طرح بدبخت کے لیے بھی بدبختی کے تمام اسباب و شرائط موجود ہوتے ہیں۔ اقبال والا اپنی راہ طے کرتا جاتا ہے اور ایک تنکا بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ لیکن ایک بدنصیب !! اس کے لیے راہ میں سینکڑوں پہاڑ حائل ہوتے ہیں۔ کیا کیا جائے۔ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (ہر انسان جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہی اس کے لیے آسان ہے) اگر کوئی کہے کہ دونوں بندے ہیں اور بندگی میں برابر ہیں پھر یہ فرق کہاں سے آیا؟ تو اس سے کہو کہ جب یہاں علما کا علم اور عقلا کی عقل در ماندہ ہے تو جواب کون دے۔ ؎

بیرون ز تحیر اے پسر چیست بگو ٭ واقف شدہ در کارِ جہاں کیست بگو

(اے بیٹے! بتاؤ اس دنیا میں عالمِ تحیر کے سوا کیا ہے۔ اور بتاؤ کہ دنیا کے کام سے واقف کون ہے)

لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ سعادت کس کی تقدیر میں ہے اور شقاوت و بدبختی کے لائق کون ہے
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۔ (اللہ تعالیٰ اس موقع سے خوب واقف ہے کہ کہاں پیغام بھیجے)

؎ بادم نہ کند غلط شماری کہ کنند ❊ جورے نہ کند در اختیاری کنند

(میرے سانس کی کوئی غلط شماری نہیں کی جاتی۔ اور کوئی ظلم نہیں کیا جاتا بلکہ اختیار بھی دیا جاتا ہے)

یہی حضرت خواجہ فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو راہ زنی میں مشغول رہتے تھے۔ انھیں حکم ہوتا ہے کہ آجاؤ تم میرے بلائے ہوئے ہو، میرے مہمان ہو۔ بلعم باعور کو جس نے چار سو سال تک تسبیح و تہلیل میں زندگی گذاری، دور کر دیتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے میں نے تجھے راندۂ درگاہ کر دیا۔ دور ہو جا۔ حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ جو بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، اپنا بنا کر ہزاروں نعمتیں ان کے قدموں پر نچھاور کر دیں۔ معلم الملکوت جو سات لاکھ برس تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہا، اس کی گردن میں لعنت کی طوق ڈال کر نکال دیا۔ فرمایا اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ (جا، تجھ پر ہمیشہ کی لعنت ہو) جب یہ حال ہو تو کس کی ہمت ہے کہ اس مالک حقیقی سے سوال کرے کہ ایسا کیوں؟ اور ویسا کیوں نہیں؟ ہمیشہ سے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے)، کا مہر سکوت تمام عالموں کے ذہن پر لگا ہوا ہے۔ ؎

این شہر من است من دراں خود میرم ❊ تا خود زنم و خود کشم و خود گیرم

(یہ میرا شہر ہے۔ میں خود اس کا مالک ہوں۔ لہٰذا میں خود مارتا ہوں، خود قتل کرتا ہوں اور خود پکڑتا ہوں)
یہ اس لیے ہے کہ وہ خالق مطلق ہے۔ اس کو اپنی تخلیق میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ جب مالک مطلق ہو تو تصرف بھی مطلق ہوتا ہے۔

مثنوی.

مزن دم چوں نہ در خورایں راز ❊ تن اندر دہ تو ہم با وقت می ساز

(جب تو اس راز کے لائق نہیں ہے تو ہرگز دم نہ مار۔ سر تسلیم خم کر دے اور وقت کے ساتھ نباہ کر)

قبائے راز بر بالائے جاں نیست ❊ کہ جاں را از چنیں رازے نشاں نیست

(راز کی قبا جان کے قد پر موزوں نہیں ہے۔ کیونکہ اس راز کا جان کو پتا ہی نہیں ہے)

دریں دریاست دُرہائے نہانی ❊ کہ می داند بگو تا تو بدانی

(اس دریا میں بہت زیادہ موتی پوشیدہ ہیں۔ انھیں کس نے جانا ہے، جو تم جان لوگے۔ بتاؤ۔)
اے بھائی! ہم تو بندہ ہیں۔ لہٰذا بندے کو جو کچھ کرنا چاہیئے اس میں لگ جاؤ۔ بندے کا مالک

بنا محال ہے تم اسی پر اعتقاد رکھو۔ اسی حقیقت کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

مثنوی

بندۂ آں بہتر کہ بر فرماں رود ❊ کز خداوند آنچہ خواہد آں رود

(بندہ وہی بہتر ہے جو حکم بجالائے۔ تاکہ خدا سے جو کچھ چاہے وہی ہو جائے)

حضرت خواجہ مغربی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کا اگر یہ خیال ہو کہ اس راہ کی کوئی چیز فلاں مجاہدہ کے اختیار کرنے سے حاصل ہو جائے گی۔ یا فلاں عبادت کے کرنے سے یہ بات منکشف ہو جائے گی تو وہ غلطی پر ہے۔

رباعی

جاں باز کہ وصل او بدستاں ندہند ❊ شیراز قدح شرع بہ ستاں نہ دہند

آں جا کہ بہم بادہ بنوشند مرداں ❊ یک جرعہ ازاں بہ خود پرستاں نہ دہند

(جان پر کھیل جا کہ اس کے بغیر اس کا وصل دوستوں کو نہیں دیتے ہیں۔ شرع کے پیالہ سے دودھ مستوں کو نہیں دیتے ہیں جہاں مرد مل کر شراب پیتے ہیں۔ وہاں خود پرستوں کو ایک گھونٹ بھی نہیں دیتے)

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مردوں کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے جب تک کہ اس راہ کی چھے گھاٹیاں طے نہ کرے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ تن آسانی اور آساں طلبی کا دروازہ اپنے اوپر بند کرے۔ اور سختی کا دروازہ کھول دے۔ دوسری بات یہ کہ عزت کا دروازہ اپنے لیے بند کر دے اور ذلت کے دروازے کو کھول دے۔ تیسری بات یہ کہ آرام و آسایش کی راہ چھوڑ دے۔ اور غم و درد کا اپنے کو عادی بنالے۔ چوتھی بات یہ کہ نیند کو اپنے اوپر حرام کرے اور ہمیشہ بیدار رہے۔ پانچویں بات یہ کہ دولت مندی سے علیحدگی اختیار کرے اور فقر و فاقہ کو اپنا لے۔ چھٹی بات یہ کہ آئندہ زندگی دراز کی تمنا نہ کرے اور ہمیشہ موت کے لیے تیار رہے۔ اس حقیقت کو کسی نے یوں بیان کیا ہے۔ ؎

جانے دارم کہ بارِ عشق تو کشد ❊ تا در سر کارت نہ شود، نہ گریزم

(میں ایسی جان رکھتا ہوں جو تیرے عشق کے بوجھ کو اٹھا سکے۔ تاکہ تیرے کام کے سلسلہ میں گریز نہ کروں)

اے بھائی! جانتے ہو کہ دنیا کا غم کیوں ہوتا ہے۔ یہ صرف آخرت کی بے غمی کی وجہ سے ہوتا ہے مَنْ اَحَبَّ الدَّرَاهِمَ لَا يُحِبُّ الْاٰخِرَةَ ۔ (جس نے دولت کو محبوب رکھا آخرت کی محبت اس کو نہیں

ہوگی)۔ اور یہ جو کہا گیا ہے اَلدُّنْیَا دَارُ الْمَرْضَاءِ وَ النَّاسُ فِیْهَا مَجَانِیْنُ وَلِلْمَجَانِیْنِ فِیْ دَارِ الْمَرْضَاءِ الْذُلُّ وَالْقَیْدُ۔ (دُنیا بیماریوں کا گھر ہے۔ دنیا والے دیوانے ہیں۔ دیوانے کو شفاخانے میں ہتھکڑی پہناتے اور قید میں رکھتے ہیں) یہ بالکل صحیح ہے۔ ہماری خواہشات نفسانی ہمارے لیے بیڑی ہے اور ہمارا گناہ ہمارے لیے قید خانہ ہے۔

اہل بصیرت کہتے ہیں کہ دنیا کی محبت دیدۂ دل کی کجی ہے۔ اور جاہ و مرتبہ کی محبت دیدۂ سر کی کجی ہے جب دل نابینا ہوگیا تو آخرت کے احوال پوشیدہ ہوگئے اور جب سر اندھا ہوگیا تو حق کی حقیقت پوشیدہ ہوگئی۔ اس بدنصیبی کا کیا علاج ؟

رباعی

بدبختی را گرہ کشودن نہ تواں ✻ احوال بہ ہر کسے نمودن نہ تواں

گر چرخ فلک زبہر ماغم کارد ✻ شادی بہ ہمہ حال دروون نتواں

(بدبخت کے لیے گرہ کشائی ممکن نہیں۔ ہر شخص پر حالات ظاہر نہیں کئے جا سکتے۔
اگر آسمان ہمارے لیے غم بوئے۔ تو کسی حال میں بھی ہم خوشی نہیں کاٹ سکتے)

برادر عزیز! جو کچھ میں تمہیں لکھتا رہا ہوں اسے حضور دل کے ساتھ پڑھتے رہو۔ عادۃً نہیں۔ اس لیے کہ وہ قصہ اور افسانہ نہیں ہے۔ تنہائی میں مطالعہ کرو تو اور بہتر ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جب وہ زمانہ آئے جس میں مردان راہ کا طائفہ نہ ملے، تو ہم کیا کریں ؟ انھوں نے جواب دیا روزانہ ان کے لکھے ہوئے سے ایک جزو پڑھا کرو۔ ظاہر ہے جب آفتاب نظر سے اوجھل ہوتا ہے تو چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

از بخت بدم ار فروشد خورشید ✻ از نورِ رخت مہا چراغے گیرم

(میری بدنصیبی سے اگر آفتاب غروب ہوگیا تو کیا ہوا۔ اے چاند میں تیرے رخ انور سے روشنی حاصل کروں گا)

لوگوں نے کہا ہے "قلم بھی دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے" چنانچہ جو کچھ ہم کسی کے قلم سے سنتے ہیں گویا اس کی زبان ہی سے سنتے ہیں۔ اور جو کچھ زبان سے سنا گویا اس کے دل سے سُنا۔ لہٰذا قلم کا فرمان، زبان کا فرمان ہے۔ اور زبان کا فرمان دل کا فرمان ہے۔ اس کا دل جو کچھ سنتا ہے حق سے سنتا ہے۔ اس لیے اس کے دل کا فرمان حق کا فرمان ہوتا ہے۔ چنانچہ جو شخص قلم کا مطیع ہوتا ہے وہ یقیناً زبان کا مطیع ہوتا ہے اور جو شخص زبان کا مطیع ہوتا ہے وہ دل کا مطیع ہوتا ہے۔ اور جو دل کا مطیع ہے وہ حق کا مطیع ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ

فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی) غور کرو۔ کسی نے جو اس مثنوی میں کہا ہے وہ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی

واسطہ ایں قوم را برخاست است ❊ قولِ ایشاں لاجرم بس راست است
چوں نمی بینند غیرے جز مجاز ❊ جملہ زد شنوند و زو گویند باز

(اس قوم کے لیے واسطہ اٹھ گیا ہے۔ ان کا یہ قول بالکل درست ہے
جب وہ لوگ مجاز کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ تو پھر سب باتیں اسی سے سنتے اور اسی سے کہتے ہیں)

اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ پیر کے آئینے میں خدا کو دیکھو۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ جس طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک میں دیکھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے امر و نواہی کی معرفت رسول اللہ کے قلب اطہر سے ان کے قلب میں پہنچی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے آئینہ تھی۔ جس میں انھوں نے اللہ کو دیکھا۔ اسی طرح پیر کا قلب بھی مرید کے لیے رویت باری تعالیٰ کا آئینہ ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خطرہ لاحق ہو کہ ایسی صورت میں تو یہ بات معلوم ہوئی کہ پیر کے دل میں اللہ اتر آیا۔ تَعَالَى اللّٰہُ عَنۡ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا۔ (اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے) یہ مطلب ہرگز نہیں۔

اے بھائی! غور کرو۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا ہے تو اس سے یہ یہ کہاں لازم آتا ہے کہ تم آئینے میں حلول کر گئے ہو۔ اسی طرح یہاں بھی صانع مطلق اپنی مصنوعات میں حلول نہیں کرتا۔ لیکن چونکہ مصنوع صانع کے بغیر محال ہے۔ جس شخص نے کسی مصنوع کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس کا کوئی صانع ضرور ہے۔ اس کا بھی جاننا صانع کو مصنوع میں دیکھنا ہے۔ جیسا کہ اس مصرع میں کہا ہے۔

ع در ہر چہ نگہ کنم ترا می بینم
(جس چیز پر بھی نظر کرتا ہوں، تجھی کو دیکھتا ہوں)

مرید کا خدا کو پیر کی جان میں دیکھنا بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ اَلۡمُؤۡمِنُ مِرۡاٰۃُ الۡمُؤۡمِنِ (ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے) اس حدیث شریف میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ وہ مومن ہے یا کافر، منافق ہے یا مخلص تو اسے چاہیئے کہ وہ خود کو مردانِ خدا کے کمال

کے آئینہ کے سامنے لائے۔ پھر وہ غور کرے کہ وہ کس حال میں ہے۔ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی دیدۂ بینا چاہیئے۔ اندھے کے لیے ممکن نہیں کہ آئینہ میں وہ اپنا اندھاپن دیکھے۔ جس طرح حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آئینہ میں جب اپنے کو دیکھا تو اپنے اندر کچھ کمی محسوس کی۔ لیکن ابوجہل جو نپٹ اندھا تھا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آئینہ میں اپنا کوئی جائزہ نہ لے سکا۔ آج یہ غم کس کو ہے۔ دریا میں مچھلی اور ہوا میں مرغ گریہ کناں ہیں۔ یہ سب ہمارے حال پر نوحہ کناں ہیں۔

آج مجھ کو اور تم کو اپنے حال پر نوحہ اور گریہ کرنا چاہیئے۔ کل میری اور تمہاری موت پر کس کو غم ہوگا؟ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَّ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (یہ دیکھنے میں زندہ نظر آتے ہیں در حقیقت یہ مردہ ہیں اور وہ اس بات کو نہیں جانتے) ایسی ہم لوگوں کی صفت ہو گئی ہے۔ اس لیے ہم لوگوں سے یہ سب کچھ ہونا محال نظر آتا ہے۔ ؎

من جملہ کتاب شاں زبر می خوانم ؛ خواہم کہ بدیشاں رسم و نہ توانم
(میں ان بزرگوں کی تمام کتابیں زبانی پڑھتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ کس طرح ان تک پہنچوں۔ لیکن نہیں پہنچ سکتا)

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۲۵۔ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ ہجری

مطابق ۱۲۔ جولائی ۱۹۷۷ء روز سہ شنبہ

بوقت ایک بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ (پاکستان)

مکتوب ــــــ ۱۳

صحبت کا اثر ــــــ اور ولادت صوری و معنوی

شیخ عمر! جو شرف منیری کی دعاؤں کے ساتھ مخصوص ہیں

اے بھائی! آج سے بہت پہلے لوگوں نے کہا ہے ؂

صحبت نیکاں زجہاں دور گشت ٭ شانِ عسل خانہ زنبور گشت

(نیکوں کی صحبت دنیا سے دور ہوگئی۔ شہد کی مکھی کا چھتا زنبور کا گھر ہوگیا۔)

اگرچہ ہم مفلسوں کا زمانہ ایسا ہی ہے۔ لیکن ان اللہ والوں کے اخلاق حَسَن اور اوصافِ حَسَن سے اثر قبول کرنا، جو در حقیقت ولادت معنوی ہے، بہت مشکل کام ہے۔ مردانِ راہ کی صحبت اختیار کئے بغیر یہ معنوی ولادت ممکن نہیں۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ آج کل ان کی صحبت سے محرومی ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ مرید پیر کا بیٹا ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہی ولادت معنوی ہے۔ یعنی صحبت میں رہ کر اس کی نئی پیدائش ہوتی ہے یہ پیدائش صورت کے لحاظ سے نہیں، وہ تو ہو چکی، بلکہ سیرت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور یہ مردان راہ کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اور جب ولادت معنوی اپنا مقصود و مطلوب ہے تو ان صفات کی نسبت کی طلب بقدر امکان ضروری ہے۔ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ۔ (آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے) اسی بنا پر ان محبوبانِ الٰہی کی صحبت کی تلاش وقت کا اہم مسئلہ ہے۔ دوست کے دین پر ہونے کا مطلب، ان کے صفات اور مشرب کو اختیار کرنا ہے۔ اور یہ تو صحبت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ نیکوں کی صحبت میں بُرے لوگ بھی اچھے ہو جاتے ہیں۔ نیک آدمی بھی بری صحبت میں برے ہو جاتے ہیں۔ برائی اپنا اثر ضرور کرتی ہے۔ اَلصُّحْبَۃُ تُؤَثِّرُ (صحبت اثر کرتی ہے)۔ اس کا مطلب یہی ہے۔

مثنوی

با بداں کم نشیں کہ درمانی ٭ خو پذیر است نفس انسانی

(بُروں کے ساتھ مت بیٹھ کہ تو تھک جائے گا۔ نفس انسانی خصلت پذیر ہے)

صحبتِ نیک را ز دست مدہ ٭ کہ مہ در شوی ز صحبت مہ

(نیکوں کی صحبت کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ تاکہ چاند کی صحبت میں رہ کر تو بھی چاند ہو جائے)

صحبتِ باغہا بہ فصلِ بہار ٭ باد را ہر زماں کند عطار

(موسم بہار میں باغوں کی صحبت ہوا کو ہر وقت عطر فروش بنائے رکھتی ہے)

روغنِ کنجدی کہ بود ش عام ٭ شد ز گلہا عزیز نیکو نام

(تل کا تیل جو کہ عام ہوتا ہے۔ پھولوں کی صحبت کی وجہ سے نیک نام اور عزیز ہو جاتا ہے)

اور خواجہ سعدی علیہ الرحمہ کے اشعار یہ ہیں۔

قطعہ

گِلے خوشبوے در حمام روزے ٭ رسید از دست محبوبے بدستم

(ایک دن حمام میں کچھ خوشبو دار مٹی ایک دوست کے ہاتھ سے مجھے ملی)

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ٭ کہ از بوے دل آویزے تو مستم

(میں نے اس مٹی سے پوچھا کہ بتا تو مشک ہے یا عبیر ہے کیا ہے؟ کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہو رہا ہوں)

بگفتا۔ من گلے ناچیز بودم ٭ و لے مدتے با گل نشستم

(اس نے جواب دیا کہ میں تو ایک ناچیز مٹی تھی۔ لیکن ایک مدت تک پھولوں کی ہم نشینی اختیار کی ہے)

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد ٭ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم!

(ہم نشیں کے جمال نے مجھ میں اثر کیا۔ ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں، جو پہلے تھی)

اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ طلب کرنے والے میں اگر صلاحیت ہے تو ایک دن کی صحبت اسے کامل بنا سکتی ہے اور وہ کمال بخشتی ہے کہ چالیس پچاس سال کے مجاہدہ اور ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

محجوب شدی ز صحبتِ خود ٭ اے دوست برو قلندرے شو

(اپنی صحبت کی وجہ سے تو محجوب ہوا ہے۔ اے دوست جا اور قلندر ہو جا)

لامحالہ اس گروہ کی صحبت کے بغیر مرید اور طالب کے لیے ہلاکت ضروری ہے کہ اَلشَّیطَانُ مَعَ الوَاحِدِ (یعنی شیطان اکیلے رہنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے) یعنی شیطان تنہا رہنے والوں کو زیادہ پکڑتا ہے۔ جب

دُور ہوئے تو دور بھاگتا ہے۔ مشائخین طریقت نے اسی وجہ سے مریدوں کو صحبت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے صحبت کا اثر کسی باشعور انسان سے پوشیدہ نہیں۔ باز کو دیکھو آدمی کی صحبت کی وجہ سے عالم ہو جاتا ہے۔ طوطا آدمی کی صحبت میں رہ کر بولنے لگتا ہے۔ گھوڑا آدمی کی تربیت کی وجہ سے بہیمی صفات چھوڑ کر انسانی عادات اختیار کر لیتا ہے، جو چوپایہ سدھا ہوا نہیں ہوتا ہے، اس کو کسی سدھے ہوئے چوپایہ کے ساتھ چند روز ملا کر باندھ دیتے ہیں تو وہ ٹھیک ٹھیک چلنے لگتا ہے اور اس کی شورپشتی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سب صحبت کے اثر سے ہوتا ہے۔ صحبت میں بہت زیادہ اثر اور قوت ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

اسپ توسن زاسپ پاکن رگ ✿ گشت ہم خو اگر نہ شد ہم تگ

(سرکش گھوڑا سدھے ہوئے گھوڑے کی عادت اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا ہم قدم نہ ہو) یہ سب صحبت ہی کا اثر ہے۔

کہتے ہیں کہ اگر کوئی مردار نمک کے انبار میں گر جائے تو کچھ مدت گذرنے کے بعد وہ نمک ہو جاتا ہے اس کا حکم بھی نمک ہی کے حکم کی طرح ہے۔ تو پھر ان بلند ہستیوں کے متعلق کیا کہو گے جن کی نظر دوا اور جن کی بات مرض کے لیے شفا ہو۔ جو بولتے ہیں تو خدا کے ارادے سے بولتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں تو اسی کی مرضی کے مطابق خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اور تمام صفات میں تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اپنے اخلاق کو اللہ کے اخلاق کے سانچے میں ڈھال دو) کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ نفس اور شیطان کے ہاتھوں سے رہائی پائے ہوئے ہوتے ہیں، اور ان کا باطن اسرار الٰہی کا مرکز ہوتا ہے۔ وہ سلطان الانبیاء علیہ السلام کی نیابت میں عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔) مخلوق کو حق کی دعوت دینے میں بنی اسرائیل کے انبیاء کے منصب پر ہوتے ہیں۔ تم اندازہ کرو کہ ان کی صحبت تم کو کیا سے کیا بنا دے گی۔ اگر تم مردہ ہو تو زندہ کر دیں گے، شیطان ہو تو فرشتہ بنا دیں گے، لوہا اور تانبا ہو تو سونا بنا دیں گے، زندہ آدمی ہو تو اکسیر جہاں بنا دیں گے اور اسفل السافلین میں گرے ہوئے ہو تو اعلیٰ علیین میں پہنچا دیں گے۔ ؎

گرد توحید گرد باتفرید ✿ چہ کنی صحبتے بہ بے تقلید

(توحید کے گرد تفرید کے ساتھ گھوم۔ صحبت اگر تقلید کے بغیر ہے تو بیکار ہے)

صحابہ کرام کا حال دیکھو۔ پہلے کیا تھے؟ بت خانے میں بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھے، گمراہی کے میدان میں دور تک پہنچے ہوئے تھے کہ اچانک سلطان الانبیاء علیہ السلام کی صحبت کا آفتاب طلوع ہوا۔ ان کی صحبت میں ان میں کا ہر ایک دین اسلام کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکا۔ اب قیامت تک ان ہی کے پیچھے چلنا، انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اسی میں انسانیت کی نجات ہے۔ ان کی اقتدا کا ڈنکا رہتی دنیا تک

پٹا جاتا رہے گا۔ اَلصَّحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے جن کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے (فرمان نبوی ہے۔ سبحان اللہ! کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ صحبت کی کیسی عجیب کیمیاگری ہے۔ اب تم سمجھو کہ ساری نعمت و دولت اسی گروہ کی صحبت میں ہے۔

ے سایۂ خورشید سواراں طلب ❊ رنج خود و راحتِ یاراں طلب

(آفتاب پر سوار ہونے والوں کا سایہ طلب کر۔ اپنی تکلیف اور دوستوں کی راحت طلب کر)

یہی حضرات خورشید سوار ہیں، جن کے پاؤں کون و مکاں تک پہنچتے ہیں، آفتاب دنیا کی ان کے سامنے کیا حقیقت ہے؟ سعادت اس میں ہے کہ ان کے حضور میں کمر خدمت باندھو۔ جان و دل، مال و جاہ، زن و فرزند، مال و متاع سب کچھ ان پر قربان کر دو۔ اس غرض سے کہ ان کی خدمت میں جوتیوں کی جگہ بیٹھنے کو مل جائے تو غنیمت سمجھو۔ کسی نے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ے

تا یکے بایزید بینی فرد ❊ خدمتِ صد بایزید باید کرد

(ایک بایزید کو دیکھنے کے لیے سینکڑوں بایزید کی خدمت کرنی چاہیئے۔)

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا۔ آپ کتنے سال ابوبکر عثمان مغربی کی صحبت میں رہے؟ انھوں نے تیکھی نظروں سے سائل کی طرف گھور کر دیکھا۔ اور کہا۔ میں صحبت میں نہیں رہا ہوں بلکہ خدمت کی ہے حقیقت یہی ہے کہ یہ خدمت ہے صحبت نہیں ہے۔ البتہ بولنے میں اس کو صحبت ہی کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب طالب صادق ان مردان خدا کے سایہ میں آتا ہے تو ان ہی جیسے آداب و اخلاق اس کو میسر آتے ہیں۔ اچھے احوال اور لطیف کیفیات صحبت کی وجہ سے سرایت کرنے لگتے ہیں۔ جس طرح بجھا ہوا چراغ روشن چراغ سے جب لگتا ہے تو روشن ہو جاتا ہے۔ پیری اور مریدی کا راز اب غور و فکر کے بعد اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ پیر کی اثراندازی اس طرح ہوتی ہے کہ مرید اپنے صفات اور احوال میں پیر کا جزو روح ہو جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح بیٹا صورت کی پیدائش میں باپ کے اجزا میں سے ایک جزو ہوتا ہے لہٰذا دو ولادت ہوتی ہے۔ ایک صورت کے اعتبار سے دوسرے صفات کے اعتبار سے۔ صورت کے لحاظ سے تو فرزند اپنے باپ کا ہے۔ اور صفات کے لحاظ سے فرزند اپنے پیر کا ہے۔

اور یہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ لَنْ يَلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَنْ لَّمْ يُلَدْ مَرَّتَيْنِ۔ (جو شخص دو بار پیدا نہ ہوا آسمان و زمین کے ملکوتی نظام میں نہیں داخل ہو سکتا) یعنی جس طرح دنیا کے ظاہری نظام میں جب تک بچہ پیدا نہیں ہو لیتا اسے دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح کائنات کے ملکوتی نظام کا، جب تک ولادت معنوی نہ ہو مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر مادی

نظام کا خزانہ پاتا ہے۔ اور پیر کی روح سے پیدا ہو کر جو کچھ اسرار و خزائنِ الٰہی ملکوت میں ہیں ان سب کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اسی کو کشف کہتے ہیں۔

اے بھائی! اس دنیا کے دو رخ ہیں۔ ایک ظاہر جسے مُلک کہتے ہیں۔ اور دوسرا باطن جسے ملکوت کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمینوں کے عجائبات دکھلانے لگے تاکہ ان کو یقین آ جائے) یقین اور اس کے کمال کے مدارج تو دوسری ولادت کے بعد ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اور اسی ولادت ثانیہ سے انسان کو كَشَفَ الْغِطَاءَ لَمَا ازْدَدْتُ۔ (اگر پردہ ہٹ جائے تو یقین میں اضافہ ہو گا) کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (علما انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں) کے حقدار حقیقت میں یہی لوگ ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ جو آج خیالی پلاؤ پکا رہے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ اس گروہ کے نزدیک اب تک وہ لوگ شکمِ مادر میں ہیں بلکہ صلبِ پدر سے بھی نہیں نکلے ہیں یا اس سے بھی دور عدم میں ہیں۔ ایک عزیز نے کہا ہے۔

مثنوی

ماہ رویاں تیرہ ہوشانند ❊ جاہ جویان و دیں فروشانند

(حسین چہرہ والے لوگ عقل سے کورے ہیں۔ یہ لوگ جاہ کے طالب اور دین کے بیچنے والے ہیں)

ہمہ در علم سامری دارند ❊ از بروں موسیٰ از دروں مارانند

(علم میں سب کے سب سامری کی طرح ہیں۔ باہر سے موسیٰ اور اندر سے سانپ ہیں)

سر بباغ و دل بہ زمیں دارند ❊ کے دل و عقل و شرع و دیں دارند

(سر باغ میں اور دل زمین میں رکھتے ہیں۔ یہ لوگ دل و عقل، شرع و دین والے کب ہیں)

از رہِ شرع و شرط برگشتہ ❊ تشنۂ خونِ یک دگر گشتہ

(شرع کے راستہ سے بھٹکے ہوئے۔ اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں)

بزرگوں کا قول ہے کہ جس کو انبیاء علیہم السلام کی میراث نہیں ملی ہے، وہ ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا ہے اگرچہ وہ دانشمندی کے کمال کو پہنچ چکا ہو۔ عقل و ہوش، جو شریعت کے نور سے عاری ہو، عالم ملکوت کا طواف نہیں کر سکتی۔ کائنات کے رموز اس پر نہیں کھل سکتے۔ شریعت کے نور سے اسی وقت روشنی مل سکتی ہے جب ولادت ثانوی یعنی بہتر صحبت و صفات کی فرزندیت حاصل ہو۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ظاہر

پرست علماء اور دانشور اس سے میراث انبیاء کے مستحق نہیں ہوتے کہ ظاہری صورت سے آگے ان کی نظر نہیں جاتی۔ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ ان کی محض عبارت آرائی ہوتی ہے۔ معنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ؎

راہِ دیں صنعت و عبارت نیست ٭ جز خرابی دراں عمارت نیست

(دین کی راہ، صنعت لفظی اور عبارت آرائی کا نام نہیں ہے۔ ان حالات میں وہاں ویرانی کے سوا آبادی نہیں ہے)

اے بھائی! یہ سب نعمت و دولت اور تمام ملکوتی نعمتیں مردانِ حق کی خدمت اور صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ آج ہر آدمی گھر میں بیٹھ کر صرف نمازِ چاشت و اشراق سے یہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ افسوس! صد افسوس!! شاید یہ لوگ خواب دیکھتے ہیں اور اسی میں خوش ہیں۔ اس رباعی کو سنو کیا کہتی ہے۔

رباعی

اسرارِ خرابات بہ دُستاں نہ بری ٭ تا سجدہ بہ پیش بت پرستاں نہ بری

پاکیزہ نہ گردی تو ز آلایشِ خود ٭ تا بر سرِ خود سبوے مستاں نہ بری

(خرابات کے راز اس وقت تک باہر نہ لے جا جب تک تو بت پرستوں کے سامنے سجدہ نہ کرلے۔ اپنی آلودگیوں سے تو اس وقت تک ہرگز پاک نہیں ہوگا، جب تک مستوں کا مٹکا اپنے سر پر رکھ کر نہ لے جائے گا)

ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اَصْحِبُوْا مَعَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تُطِيْعُوْا فَاصْحِبُوْا مَعَ مَنْ يُّصْحِبُ مَعَ اللّٰهِ لِيُوْصِلَكُمْ بَرَكَاتُ صُحْبَتِهٖ اِلٰى صُحْبَةِ اللّٰهِ۔ (اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کرو۔ اور اگر یہ نہیں کرسکتے تو پھر ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو جو اللہ کی صحبت میں ہے۔ تاکہ اس کی برکت تم کو اللہ کی صحبت میں پہنچا دے)، اور ان کی نشانی یہ بتائی ہے۔

جاں فروشانِ بارگاہِ عدم ٭ خرقہ پوشانِ خانقاہِ قدم!

(بارگاہِ عدم کے جاں فروشوں اور خانقاہِ قدم کے خرقہ پوشوں نے)

خوردہ یک بادہ بر رخِ ساقی ٭ ہر چہ باقیست کردہ در باقی

(ساقی کے سامنے ایک بار پی کر جو کچھ بچ رہا اسے باقی بچے ہوئے میں ملا دیا)

معتکف در سرائے راز ہمہ ٭ بے نیاز از پئے نیاز ہمہ

(سب سرائے راز میں معتکف ہیں اور بارگاہِ ایزدی میں اپنی نیازمندی کی وجہ سے سبھوں سے بے نیاز ہیں)

اس گروہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرید کا پیر کے پاس دُو وقت ہے۔ ایک وقت شیر خوارگی کا اور دوسرا وقت دودھ چھوڑنے کا۔ جیسا کہ اولادِ جسمانی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر بچہ دودھ پینے کے زمانے

میں ماں سے جدا ہو جائے تو ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح فرزند روحانی دودھ پینے کے زمانے میں پیر سے جدا ہو جائے تو اس کی ہلاکت لازمی ہے۔ فرزند جسمانی کے دودھ پینے اور دودھ چھوڑنے کی مدت تو معلوم ہے، لیکن فرزند روحانی کے دودھ پینے کی مدت نہیں معلوم ہے کیا ہے؟ پیر کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔ اس لیے کہ پیر اس کی مدت کو جانتا ہے۔ اور فرزند روحانی کا دودھ سے جدا ہونا کیا ہے؟ پیر کی صحبت سے دور ہونا ہے۔ لہٰذا مرید جو فرزند صفت ہے، اس کو پیر کے حکم کے بغیر جدا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے دودھ چھوڑنے کے وقت کو پیر ہی بہتر جانتا ہے۔ دُودھ چھوڑنے کا وقت وہ ہے جب کہ مرید میں خود اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ دل کی آنکھ سے دیکھنے لگے، اشارے، ارادے اور منشائے الٰہی کو سمجھنے لگے کہ یہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔ اور مغالطے میں نہ پڑے۔ ان سب باتوں کا اندازہ پیر کو ہوتا ہے، مرید کو نہیں۔ اگر ابھی صلاحیت پوری حاصل نہیں ہوئی، اور مرید پیر سے الگ ہو کر چلنے لگے تو اس میں ہلاکت کا خطرہ ہے۔ راستہ ہی میں بیمار ہو جائے گا۔ دنیا اور خواہشاتِ دنیا میں الجھ کر رہ جائے گا۔ یہ تو روزمرہ کے مشاہدے کی چیز ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ نیک بخت اور سعادت مند ہیں اور کچھ بدبخت اور محروم ——— دیکھیں کس نیک بخت کو اس سعادت سے نوازتے ہیں اور کس بدنصیب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔

رباعی

از تو بکہ نالم کہ دگر داور نیست ✿ وزدست تو ہیچ دست بالاتر نیست

آں راکہ تو رہبری کنی گم نہ شود ✿ واں راکہ تو گم کنی کسے رہ بر نیست

(تیری فریاد کس سے کروں کہ تجھ سے بہتر کوئی اور حاکم نہیں ہے۔ تیرے ہاتھ سے زیادہ کوئی اور ہاتھ بلند نہیں ہے جس کی رہبری تو کرے وہ گم نہیں ہوتا۔ اور جس کو تو گم کر دے اس کا کوئی رہ بر نہیں ہے)

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ (جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے) یہ کسی کے زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ بخشنے والا کسی کو نہ بخشے۔

قطعہ

شبے تاریک دوستانِ خدائے ✿ می بتابد چو روز رخشندہ

ایں سعادت بزور بازو نیست ✿ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(خدا کے دوستوں کی تاریک رات روز روشن کی طرح چمکتی ہے۔
یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ خدائے بخشندہ نہ بخشے)

اے بھائی! جس طرح اس گروہ کی صحبت عزیز و لطیف ہے اسی طرح ان کی صحبت کے آداب کا معاملہ بھی بہت اہم اور باریک ہے۔ اس کی رعایت کرنا بھی واجبات صحبت ہی سے ہے۔ ان تمام باتوں کا تذکرہ اس ایک خط میں ممکن نہیں۔ اَلْعِلْمُ یُوْخَذُ مِنْ اَفْوَاہِ الرِّجَالِ۔ (علم اہل علم لوگوں سے کلام کرکے حاصل ہوتا ہے) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس منزلت اور مقام تک کس طرح پہنچے؟ فرمایا جو کچھ میں نہیں جانتا، اس کے پوچھنے میں شرم محسوس نہیں کرتا۔ ے

پرس ہر چہ نہ دانی کہ ذلّ پرسیدن ٭ دلیل راہ تو گردد بہ عزو دانائی

(جو کچھ تم نہیں جانتے ہو، اپنے کسی جاننے والوں سے پوچھو۔ کیونکہ پوچھنے کی ذلّت، تمہاری عزت و دانائی کے لیے دلیل راہ بنے گی)

والسلام

۸۔ شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ ہجری

مطابق ۲۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء روز دوشنبہ

وقت ایک بجے شب

سیّد محمد نعیم ندوی

مکتوب — (۱۴)

پیر کے فرمان کے مطابق مرید کا اطاعت کرنا

اس عزیز کا خط ملا مطالعہ کے بعد کیفیت باطن سے موانست ہوئی۔ تم نے لکھا ہے کہ برسات کے بعد حاضری ہوگی۔ خبردار! ظاہری عذر کی موجودگی میں اپنے کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ اس لیے کہ یہ بات مسلم ہے کہ قلوب آپس میں ایک دوسرے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ضمائر سرگوشی کرتے ہیں، ایک کی الجھن کا دوسرے پر عکس آتا ہے۔ جب ایسا ہونا لازمی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ غرض حاصل ہوگی۔

اگر تمہارے دل میں یہ خیال گذرے کہ ابھی دل میں اتنی استعداد کہاں پیدا ہوئی ہے کہ ایک کے دل کی کیفیت دوسرے کے دل میں منتقل ہو سکے۔ اور گوش و زبان کو خبر نہ ہو۔ تو یہ سمجھو کہ مرید کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی طرح اور پیر کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہونا چاہیئے۔ تاکہ یہ کہے کہ مَا صَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ۔ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا) یہ ایسا ڈالنا تھا جس کی خبر نہ کان کو ہوئی اور نہ زبان کو۔ سبحان اللہ! کیا ہی خوب مریدی ہے اور کیا خوب پیری ہے۔ جب تک یہ دنیا باقی ہے ایسا پیر نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ دیکھے گا۔ اور نہ ایسا مرید کسی نے دیکھا ہے اور نہ دیکھے گا۔

میرے بھائی! میرا جواب یہ ہے کہ قلم بھی زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ وہ خطوط جو مجھ دعاگو سے تم عزیز تک پہنچے ہیں اور پہنچتے رہیں گے وہ میری زبان کے ترجمان ہیں۔ اور جو کچھ اس دعاگو کی زبان سے نکلتا ہے وہ اس دعاگو کے دل کی بات ہے۔ اور جب تم نے اس دعاگو کی زبان کا حکم مانا تو دعاگو کے دل کا حکم مانا۔ مَنْ يُّطِعِ اللِّسَانَ فَقَدْ اَطَاعَ الْقَلْبَ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (جس نے زبان کی اطاعت کی اس نے قلب کی اطاعت کی۔ اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)، دونوں جملوں پر غور کرو گے تو ایک ہی پاؤ گے۔ اور یہ جو تم نے سنا ہے کہ مریدی پیر پرستی کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ اگر تمہارے حرکات و سکنات پیر کے حکم کے مطابق ہیں تو تم پیر کے مرید ہو۔ اور جو اپنی خواہش اور مراد کا مطیع ہوگا تو وہ اپنی خواہش اور مراد کا مرید ہوگا پیر کا مرید نہیں ہوگا۔ اسی سبب سے کہا ہے۔

۵ تارہ برزِست عادتِ خویش ❊ شیطان ومنافقی نہ درویش

(جب تک تیری عادت رہ بر ہے، تو شیطان ومنافق ہے، درویش نہیں ہے)

خود را بہ رکابِ رہ برے بند ❊ تا بازرہاندت ازیں بند

(اپنے کو کسی رہ بر کے رکاب سے باندھ لے۔ تاکہ تجھ کو اس قید سے نجات دلائے)

جس طرح آج دنیا اس طرح کے پیر و مرید سے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح رہتی دُنیا تک ہوتا رہے گا کیونکہ آخر زمانے تک فتنوں میں زیادتی ہی ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ یہ نوبت پہنچے گی جیسا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہماری مسجد میں لوگ نماز پڑھیں گے اور ان کے درمیان ایک بھی مسلمان نہ ہوگا۔

اے بھائی! اسی اصول کی بنا پر اہل طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر مرید کو پیر کسی ایسے کام کا حکم دے جو بظاہر دین کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں اگر مرید نے اپنے پیر کے حکم کو نہ مانا اور دین کے موافق عمل کیا۔ تو وہ شخص اپنے دین کا مرید ہوگا۔ پیر کا مرید نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا ہے۔

مثنوی

او دلیل تو بس راہ مجوے ❊ او زبانِ تو بس یاوہ مگوے

(اس کی رہنمائی تیرے لیے کافی ہے اس لیے کوئی اور راہ نہ ڈھونڈ۔ اس کی زبان تیرے لیے کافی ہے لہٰذا فضول باتیں نہ کر)

ہر چہ او گفت راز مطلق داں ❊ ہر چہ او کرد، کردۂ حق داں

(جو کچھ اس نے کہا اس کو راز مطلق جان۔ اور جو کچھ اس نے کیا اس کو خدا کا فعل سمجھ)

واسطہ ایں قوم را برخاست است ❊ قول ایشاں لاجرم لبس راست است

(اس قوم کے لیے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ان کا قول یقیناً بالکل درست ہے)

چوں نہ می بینند غیرے جز مجاز ❊ جملہ زو شنوند وزو گویند باز

(جب وہ لوگ مجاز کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ تو ساری باتیں اسی سے سنتے ہیں اور اسی سے کہتے ہیں)

ایسے شخص کو متعلم کہتے ہیں جو اپنا دین سیکھتا ہے۔ پیر کا مرید ہر گز نہیں کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ پیر اگر مقتدا نہیں ہے تو اس کی اقتدا کرنا (یعنی مرید ہونا) کیا معنی رکھتا ہے۔ اور اگر پیر قابل اقتدا ہے تو پھر مقتدی کا مقتدا کے خلاف کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

مریض کے لیے طبیب کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ طبیب کو حکم دے کہ مجھ کو وہ دوا دے اور یہ دوا نہ دے۔ مجھ کو اس طرح رکھے، اُس طرح نہ رکھے۔ اگر اس کو اتنا علم ہی ہوتا تو پھر طبیب کی کیا ضرورت تھی۔ اپنا علاج خود ہی نہ کر لیتا۔ زہر جو مہلک اور قاتل ہے، ہو سکتا ہے کہ بعض بیماری کے لیے دوا بن جائے اور اس کے علاوہ اس مرض کے لیے کوئی دوا ہی نہ ہو۔ اس کو تو طبیب ہی بہتر سمجھ سکتا ہے مریض بیچارہ کیا جانے۔ یہی حال پیر کا ہے۔ پیر باطن کے طبیب ہوتے ہیں۔ روحانی بیماریاں اور امراض بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر مختلف بیماری کے لیے وہ مختلف دوا تجویز کرتے ہیں۔ اسی کو کسی نے اس نظم میں بیان کیا ہے۔

ظاہرا کارِ تو ویراں می کند ❊ لیک خارت را گلستاں می کند

(بظاہر تیرے کام کو وہ ویران کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت تیرے کانٹے کو گلستان بناتا ہے)

پس عداوت ہا کہ آں یاری بود ❊ بس خرابی ہا کہ معماری بود

(بہت سی عداوتیں ایسی ہیں جن کے پس پردہ دوستی کارفرما ہے۔ اور اکثر ویرانیوں سے مقصود آبادکاریاں ہوتی ہیں)

پیر اگر روحانی طبیب نہیں ہے تو پیری کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اب تک وہ خود مریض اور بیمار ہے اور کسی طبیب کا محتاج ہے۔ اس لیے اس کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ وہ دوسروں کا علاج کرے۔ پس معلوم ہوا کہ سارا خلل آج کے کام میں اسی سبب سے ہے کہ نہ مرید جانتا ہے کہ مریدی کیا ہے؟ اور نہ پیر جانتا ہے کہ پیری کیا ہے؟ لوگوں نے محض بے حقیقت رسم پر قناعت کر لیا ہے۔ اور اس کو پیری مریدی کا نام دے دیا ہے۔ یہ سب گمراہی اور ضلالت کی باتیں ہیں۔ یعنی ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ درمیان میں کچھ نہیں۔ جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے۔ ؎

ہیچ نہ در کاسہ و چندیں مگس ❊ ہیچ نہ در قافلہ چندیں جرس

(پیالے میں کچھ بھی نہیں اور اتنی مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ قافلے میں کوئی نہیں اور اتنی گھنٹیاں بج رہی ہیں)

اے بھائی! جب حضرت جنیدؒ جیسا امام اپنے زمانے میں یہ کہے عِلْمُنَا قَدْ طُوِيَتْ وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِحَوَاشِيْهِ۔ (یعنی ہمارے علم کی بساط لپیٹ دی گئی ہے اور ہم صرف اس کے حواشی پر گفتگو کرتے ہیں۔) تو آج جب یہ حال ہے کہ بظاہر علم شریعت میں خلل پیدا ہو گیا ہے اور قریب ہے کہ مٹ جائے، لوگ اپنے علم طریقت و حقیقت کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کسے فکر ہے کہ اس کا غم کھائے۔ وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ (عشق میں لوگوں کے مختلف طریقۂ کار ہوتے ہیں۔) اگر یہ درست ہے کہ مرید اپنے علم و عقل کے ترازو میں پیر کے افعال کو تول سکتا ہے تو پھر ایسی صورت میں اس کو مرید ہونے

کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسے تو خود پیر ہونا چاہیئے۔ اگر یہ ممکن ہے کہ صراف اپنے ترازو میں پہاڑ کو تولے تو پھر یہ بھی ممکن ہوتا کہ مرید اپنی عقل ناقص کے ترازو میں پیر کے افعال کو تولے۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ محال ہے اور جب وہ محال ہے تو یہ بھی محال ہے۔ اور یہ صورت سعادت مند مریدوں کو کم پیش آتی ہے ؎

آں کساں کاں دل آشنا دارند ❊ دل ز چون و چرا جدا دارند

(جو لوگ کہ آشنا دل رکھتے ہیں وہ اپنے دل کو چون و چرا سے الگ رکھتے ہیں)

اے بھائی! کان کا کام سننا ہے اس کو اپنا کام کرنا چاہیئے۔ آنکھ کا کام دیکھنا ہے۔ اب کان کو آنکھ کے کام سے کیا غرض؟ اسی طرح ہر شخص کے ساتھ ایک کام مخصوص ہے۔ غیر کا اس میں کیا دخل، جاہل کو عالم کے کام میں کیا تصرف، اور بچے کو بالغ کے حکم کے بجالانے میں انکار کیوں؟۔ پیری، پیروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مریدی مریدوں کے ساتھ۔ جس طرح پیر کے لیے مریدی کرنا مناسب نہیں اسی طرح مرید کے لیے پیری کرنا مناسب نہیں۔ پیر کا کام کیا ہے؟ اپنے علم و ولایت کی بنا پر مرید کے کام میں تصرف کرنا۔ جو اس کو حاصل ہے۔ اور مرید کا کام کیا ہے؟ اپنی بہتری کی طلب میں اپنے کو پیر کے تصرف میں ڈال دے۔ جس طرح مردہ اپنے غسال کے بس میں ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے یوں بیان کیا ہے ؎

بیت

خاکِ او باش و پادشاہی کن ❊ آنِ او باش و ہر چہ خواہی کن

(اس کی خاک ہو جا اور بادشاہی کر۔ اس کی ملک بن جا پھر جو چاہے کر)

اگر مرید کے باطن میں پیر کے تصرف کے بارے میں ذرہ برابر بھی انکار و اعتراض باقی ہو تو ہرگز وہ مرید نہیں ہوتا ہے اور مریدوں کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جس طرح اگر امت اپنے پیغمبر کے کسی قول یا فعل پر اپنے باطن میں کوئی اعتراض یا انکار باقی رکھے تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ یہی حال بلا فرق پیری مریدی کا ہے۔

اتنی گفتگو صرف اس جملہ کی وجہ سے کی گئی کہ اگر پیر کوئی ایسا کام کرنے کے لیے کہے جو بظاہر دین کے خلاف نظر آ رہا ہو تو مرید کو چاہیئے کہ پیر ہی کے حکم پر چلے۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔ ؎

او دلیل تو بس تو راہ مجو ❊ او زبانِ تو بس تو یاوہ مگو

(وہ تیرے لیے رہنما کافی ہے تو کوئی اور راہ نہ ڈھونڈ۔ وہ تیری زبان ہے اس لیے تو فضول مت بول)

ہر چہ او گفت راز مطلق داں ٭ ہر چہ او کرد، کردۂ حق داں

(جو کچھ اس نے کہا اس کو راز مطلق جانو اور جو کچھ اس نے کیا اس کو حق کا کیا ہوا سمجھو)

ایسے موقع پر ہرگز کسی جاہل منکر سے بحث وتمحیص میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ اس لیے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے حوصلہ سے باہر کی ہیں۔ ان بیچاروں نے اپنی زندگی میں ایسی باتیں کہاں سنی ہوں گی۔ ایسی باتیں سن کر وہ تو پکار اٹھیں گے کہ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيْمٌ (یہ تو پرانی گڑھی ہوئی باتیں ہیں) ایسے شور وغل کرنے والوں کا جواب عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دیا ہے۔

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو ٭ ترا سلامت باد مرا نگوں ساری

(تم میرے رفیقِ سفر نہیں ہو۔ اپنی راہ لو اور جاؤ۔ سلامتی تم کو مبارک ہو اور مجھ کو نگونساری)

اے بھائی! پیری اور مریدی آسان کام نہیں ہے۔ یہ ہر جھوٹے بہروپیئے اور جاہل کے بس کا کام نہیں ہے۔ لیکن جس طرح کی پیری مریدی آج کل رائج ہے، وہ بہت ہی آسان ہے۔ اور اس میں کوئی دشواری نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیا آج پیروں اور مریدوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور وہ اپنی مجلسوں میں کشف وکرامات اور احوالِ مقامات ہی کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن جب ان سے پوچھو تو ان کو اپنے کفر کی بھی خبر نہیں۔ کہنے والے پر خدا کی رحمت ہو۔ خوب کہا ہے ؎

ہنوز از کاف کفرِ خود خبر نیست ٭ حقایق ہائے ایماں را چہ دانی

(انھیں تو اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں ہے۔ بے چارے ایمان کی حقیقتوں کو کیا جانیں)

یہ تو آج کا حال ہے کل کہاں تک نوبت پہنچے گی اور کیا ظہور میں آئے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جانتے ہو یہ بلائیں کیوں کر پیدا ہوتی ہیں۔ یہ جہل وغفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جہل وغفلت روز افزوں ہے۔

مثنوی

زیرکاں را چو روز معلوم است ٭ کہ شب و روز غافلاں شوم است

(عقلمندوں کو یہ بات روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ غافلوں کے دن رات منحوس ہیں)

علم خواں کو ز آدم است رگے ٭ زاں کہ شد خاص شہ بعلم سگے

(ایسا علم حاصل کر جس کا تعلق آدم علیہ السلام سے ہو (یعنی جو انسان کو زیب دیتا ہو) کیوں کہ کتا (سگِ اصحاب کہف) علم کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مقرب ہے)

ہمیشہ اس آیت کو پڑھا کرو۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ

لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿ (اے ہمارے پروردگار ہمیں ایسی آبادی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنی جانب سے ہمدرد پیدا کر اور اپنی طرف سے مددگار بنا)

اسی طرح اپنا حال برابر لکھا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہی لکھنا ممکن ہے بہانہ بن جائے۔ میرے اور تمہارے نصیب میں لکھنے پڑھنے کے سوا اور کیا ہے۔ شاید یہ لکھا ہوا کسی کے کام آئے۔ اور وہ ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے مجھ کو اور تم کو قبول کر لیں۔ اسے بھی کم نہ سمجھو "ڈوبنے والوں کو تنکے کا سہارا" ہوتا ہے — درماندہ لوگوں کے لیے کام کی شرط ہے۔

بیت

یقیں می داں کہ شیرانِ شکاری ۔۔۔ دریں رہ خواستند از مور یاری

(یقین کرو کہ اس راہ کے شکاری شیروں نے اس راہ میں چیونٹی سے بھی مدد طلب کی ہے)

والسلام

15-11-79

مکتوب (۱۵)

پیروں کی صفت اور فضول لوگوں کی مذمت میں

شیخ محمد عمر! دعا ر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ ۃ (اے شیطان بیشک تجھ کو میرے محبوب بندوں پر راہ نہیں) سچ ہے، جو شخص عالمِ دل میں پہنچ گیا وہ شیطان کے ہاتھ سے چھوٹا، امام و مقتدا ہو گیا۔ پیری کا حق اسی کو ہے۔ اسی شخص کے لیے نہیں جو کہ عالم نفس میں تنگ کر بیٹھ گیا ہو اور عالمِ دل تک نہ پہنچا ہو۔ مردانِ حق اور لوگ ہیں اور ابلیس کے ساتھی دوسرے لوگ ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ مردانِ حق کی صفت کیا ہے؟ اس کو کسی نے اس مثنوی میں بیان کیا ہے۔

مثنوی

چنگ در حضرتِ خدائے زدہ ❊ ہر چہ آں نیست پشت پائے زدہ

(خدا کی درگاہ کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور ماسوا پر لات ماردی ہے)

ساختہ ہر یک از میانِ ضمیر ❊ قل ہو اللہ ثم ذرہم پیر

(ان کے ضمیر نے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ۔ (اللہ کا نام لے اور سب کو چھوڑ دے) سے اپنے ضمیر کی موافقت کو اپنا پیر بنایا ہے)

خوردہ یک بادہ بر رخ ساقی ❊ ہر چہ باقیست کردہ در باقی

(ساقی کے سامنے اس کے دیدار کی شراب پی ہے۔ اور باقی کو ترک کر دیا ہے)

جب تک کوئی شخص نفس کی تاریکی میں گھرا ہوا ہے، اس کا دل شیطان کا گھر ہے۔ جو کچھ اس سے ظاہر ہوتا ہے، سب نفس امارہ کی خاطر ہوتا ہے۔ خواہ وہ طاعت ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ اس کا باطن شیطان کا مقام بن گیا ہے۔ اور ہر چیز سے وہی چیز باہر آتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا کام ہو جائے جو شیطانی نہ ہو تو ضروری ہے کہ اپنا عنانِ کار ایسے شخص

کے ہاتھ میں دیدے جس کا نام اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (اے شیطان بیشک تجھ کو میرے نیک بندوں پر غلبہ نہیں ہے) کے دفتر میں لکھا جا چکا ہو۔ تاکہ وہ بتائے کہ یہ کام کرو اور وہ نہ کرو۔ کیونکہ اس کا حکم ابلیس کا حکم نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے دل تک ابلیس کی رسائی نہیں ہوتی۔ اور ہر وہ دل جس میں ابلیس کی رسائی نہ ہو اس سے جو فعل بھی سرزد ہوتا ہے وہ رحمانی ہوتا ہے۔ شیطانی نہیں ہوتا۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

بیت

ہرچہ او گفت راز مطلق داں ❊ ہرچہ او کرد، کردۂ حق داں

(جو کچھ اس نے کہا اس کو رازِ مطلق جان۔ اور جو کچھ اس نے کیا اس کو حق کا کیا ہوا سمجھ)

خاکِ او باش بادشاہی کن ❊ آنِ او باش ہرچہ خواہی کن

(اس کی خاک ہو جا اور بادشاہی کر۔ اس کی ملکیت ہو جا پھر جو چاہے کر)

اس موقع پر اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آیا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس تک شیطان کی پہنچ نہ ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے بھائی! کوئی شخص شیطان کے مکر سے بچا ہوا نہیں ہے اور نہ بچ سکتا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سب اس کے زخم خوردہ ہیں۔ لیکن ایسے لوگ جو اس کے غلام اور رعیت ہیں وہ دوسرے لوگ ہیں لیکن ایسے لوگ جو کبھی کبھار شیطان سے زخم کھا جاتے ہیں مگر پھر زخم خوردہ شیر کی طرح بپھر کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شیطان کو پچھاڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں۔ میری مراد ان ہی سے ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

بیت

تو مرا دل دہ و دلیری بیں ❊ روبہِ خویش خواں و شیری بیں

(تو میری دلدہی کر پھر میری بہادری دیکھ۔ اپنی لومڑی کہہ کر پکار پھر شیر کی جرأت دیکھ)

اگر تمہاری سواری کا کوئی خاص گھوڑا ہے۔ تمہارا نوکر اس پر بیٹھ کر اسے پانی پلانے کے لیے لے جاتا ہے، تو اتنی دیر سوار ہونے پر کیا تم یہ کہو گے کہ وہ گھوڑا اس کا خاص ہو گیا؟ نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ عَصٰی اٰدَمُ (آدم علیہ السلام نے حکم ٹالا) اس میں سب برابر ہیں۔ لیکن خَیْرُ الْخَاطِئِیْنَ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ (بہترین خطاکار مغفرت چاہنے والے ہیں) ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

پیر کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ معصوم ہو بلکہ یہ شرط ہے کہ اس راہ کے کاموں سے بخوبی واقف ہو، کام کی حقیقت کو جانتا ہو اور خدا کے راستہ میں چلا ہو۔ ٹھیک اسی طرح جیسے تم کسی سے کوئی علم سیکھنا چاہتے ہو، تو اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ معصوم ہو بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ علم اس کے اندر موجود ہو۔ معصوم ہونا انبیاء کے لیے مخصوص ہے، پیروں کے لیے نہیں۔ انبیاء راہِ خدا میں اس کے فضل اور عصمت کے ساتھ چلتے ہیں کیونکہ نبوت کے حق میں اسی حکمت کا تقاضا تھا۔ دوسروں کے لیے یہ راہ بہت زیادہ دشوار اور پرخطر ہے۔ کیا کہو گے جس دربار کی صفت یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَیُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ (وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے) یہ ہے تو کیا اُس دربار کی صحبت اور مریدی دشوار اور پرخطر نہیں ہے؟

مثنوی

در رہِ آتش سلامت کے بود ؛ مرد مجنوں را ملامت کے بود

(آگ کی راہ میں سلامتی کب ہوتی ہے؟ دیوانے آدمی کو ملامت کہاں کی جاتی ہے؟)

جانتے ہو کہ پروانے کو شمع کی صحبت میں اور روئی کو آگ کے ساتھ ہوتے میں کتنے خطرات ہیں۔ (یعنی پروانے کا کام شمع کے ساتھ جل جانا ہے۔ اور بتی کا کام بدن میں تیل مل کر خاک ہو جانا ہے) اَلْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ۔ (مخلصین کو سب سے زیادہ خطرہ ہے) اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ازیں سو حاجت آں سو بے نیازی ؛ چہ نسبت با تو ما را عشق بازی

(اِس طرف حاجت ہے اور اُس طرف بے نیازی ہے۔ اے عشق بازی تجھ سے ہم کو کیا نسبت؟)

لیکن دوسروں کو تو اس کے علاوہ چارہ ہی نہیں کہ یا تو پیغمبر کے پیچھے چلیں، یا کسی ایسے مردانِ راہ کا دامن پکڑیں جو اس راہ پر چل چکے ہوں اور اس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ایسی صورت میں یہ راہ بے خطر اور محفوظ ہے۔ اس لیے کہ پیروں کو "یَهْدِیْ" یعنی ہدایت کا درجہ حاصل ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے یوں بیان کیا ہے۔

مثنوی

گر ترا در دست پیر آید پدید ؛ قفل در وت را کلید آید پدید

(اگر تجھ کو پیر کا ہاتھ میسّر آجائے تو گویا تیرے درد کے تالے کی چابی تجھے مل گئی)

واسطہ ایں قوم را برخاست است ٭ قولِ ایشاں لاجرم بس راست است

(اس قوم کے لیے واسطہ اُٹھ گیا ہے۔ اس لیے ان کا قول یقیناً درست ہے)

ان ہی حالات کی بنا پر کہا گیا ہے کہ پیر پرستی خدا پرستی سے بہتر ہے یا بہ عنوان دیگر پیر پرور خدا پرور سے بہتر ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اس معنی کو جانتا بھی ہے یا نہیں۔

اے بھائی! تم کچھ جانتے ہو کہ مردوں کی صفت کیا ہے؟ وہ کھاتے بھی ہیں، سوتے بھی ہیں، لباس بھی پہنتے ہیں، زن و فرزند بھی رکھتے ہیں اور بازاروں میں سودا سلف بھی کرتے ہیں جنہیں ظاہر پرست دیکھ کر بول اٹھتا ہے۔ مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے اور بازار میں چلتے پھرتے ہیں)

شکوہ اس بات کا ہے کہ لوگوں کی نظر صورت پر ہوتی ہے اور اسی کو لے کر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ لیکن وہ پونجی جو مردانِ راہ اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، ہم اور تم جیسوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ خواجہ سنائی نے ان کی مدح میں کہا ہے۔

مثنوی

جاں فروشانِ بارگاہِ عدم ٭ خرقہ پوشانِ خانقاہِ قدم

(نیستی کی بارگاہ میں جان بیچنے والے۔ قدامت کی خانقاہ کے گدڑی پہننے والے)

مَا عَبَدْنَاكَ اجتہادِ ہمہ ٭ مَا عَرَفْنَاكَ اعتقادِ ہمہ

(ان سبھوں کا عقیدہ اور اجتہاد یہ ہے کہ خدا کی پرستش جیسی چاہیئے تھی ہم نے نہیں کی اور اس کے پہچاننے کا جو حق تھا ہم نے ادا نہیں کیا)

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ زہوش ٭ ساختہ بندہ وار حلقہ بہ گوش

(يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ نے (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) غلام کی طرح حلقہ بگوش بنا رکھا ہے)

لیکن یہ مردانِ خدا اپنی نظروں میں وہ کیمیا رکھتے ہیں جس سے تانبا سونا ہو جاتا ہے۔ اور مردہ دل ایک نگاہ شفقت سے ابدی زندگی پاتا ہے۔ ایک عزیز نے کہا ہے۔

مثنوی

می نہ دانم کیں چہ مرداں بودہ اند ٭ کز عمل یک دم نہ می آسودہ اند

(معلوم نہیں یہ کیسے لوگ ہیں جو عمل سے ایک لمحہ بھی آسودہ نہیں ہیں)

لاجرم در بندگی سلطان شدند ⁂ مہترِ خلقِ جہاں ایشاں شدند

(آخر کار بندگی میں یہ لوگ بادشاہ ہو گئے ۔ اور دنیا کی مخلوق کے سردار بن گئے)

دردِ ایشاں نیست از کسب، آں عطاست ⁂ کے چنیں درد ے شود از کسب راست

(ان کا درد کسب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ عطا ہے۔ اس قسم کا درد کسب سے کس طرح دور ہو سکتا ہے)

اے بھائی! دل کی دولت رکھنے والے قیامت میں اُسی طرح ظاہر ہوں گے جس طرح آج آفتاب دُنیا میں نمودار ہوتا ہے۔ آج اگر کسی نے ان میں سے کسی ایک کے حق میں کچھ بھی خدمت بجا لائی ہو گی یا ان کے حق میں اچھا اعتقاد رکھا ہو گا تو کل وہ میدان حشر میں یقیناً ان مردان حق کی پناہ میں ہو گا۔ دل والوں کا کام اس سے بالاتر ہے کہ تقریر میں آئے یا تحریر میں سما سکے۔ یا میری تمہاری رکیک عقل اس کے نزدیک پہنچ سکے۔ ایک شاعر سے سنو۔

قطعہ

نشستہ بر سرِ خوانِ فتوت ⁂ بہر دو کون در دادہ صلائی

(جواں مردی کے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے دونوں جہان کو دعوت دے رہے ہیں)

ز سدرہ برتر ایشاں را مقامے ⁂ ورائے عرش و کرسی متکائی

(سدرہ سے برتر ان کا مقام ہے۔ عرش و کرسی سے ماوراء ان کی تکیہ گاہ ہے)

بتاؤ اس گروہ کے متعلق کوئی کیا کہہ سکتا ہے اور لکھ سکتا ہے؟

بیت

چشمِ خفاش را چہ از خورشید ⁂ مرغِ محبوس را چہ از گلزار

(چمگادڑ کی آنکھ کو آفتاب سے کیا فائدہ۔ قیدی پرندے کو باغ سے کیا فائدہ)

اے بھائی! یہ بھی شرط نہیں ہے کہ دنیا میں ایک وقت میں ایک ہی باکمال مرد ہو۔ بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ دس، بیس اور پچاس ہوں۔ اور یہ شرط بھی نہیں ہے کہ شہر ہی میں ہوں۔ بلکہ دیہات میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ابوالحسن خرقانیؒ دیہات ہی کے رہنے والے تھے۔ لیکن ایسے باکمال کہ ہزاروں سال تک سالک آئیں اور جائیں پھر بھی یہی کہیں کہ کوئی ان کے کمال تک پہنچتا ہے کہ نہیں۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ (اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے)

اگر کوئی پوچھے کہ ان میں سے کوئی ایک مرد تو ضرور سب سے کامل ہوگا۔ تو تم یہ کہو کہ یہ جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ دس، بیس، تیس، اور چالیس کم وبیش ایک ہی مقام میں ہوں۔ لیکن اس کو تو اہل اشراف ہی جان سکتے ہیں۔ جن کی نظر تمام آدمیوں پر ہوتی ہے۔ وہی یہ تصرف کرکے معلوم کرسکتے ہیں کہ یہ مردان راہ اور باکمال کتنے ہیں۔ اور کہاں کہاں ہیں۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ جب خضر علیہ السلام اس طرح کہتے ہیں کہ مَا خَطَرَ بِبَالِی یَوْمًا اِنِّیْ لَقِیْتُ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ کُلَّھُمْ اِلَّا وَرَاَیْتُ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمَ وَلِیًّا لَمْ اَرَہٗ قَطُّ (ایک بار میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں تمام اولیاء اللہ کو دیکھوں تو میرے اللہ نے مجھے دکھلا دیا۔ لیکن جب بھی میں نے دیکھا تو ایسا دیکھا کہ اس سے پہلے اس سے بہتر کبھی نہیں دیکھا تھا) تو کسی کو یہ تصرف بیان کرنے کا کیا حق ہے؟ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردانِ خدا کے کمال کو جاننے کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ اپنی عقل سے گذر جاؤ۔ اور اپنی عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آؤ۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کیوں کہ اولیاء اللہ اور مردانِ خدا کے متعلق کسی کو گفتگو کا حق نہیں پہنچتا۔ ایک عزیز نے ان کی مدح میں کہا ہے۔

مثنوی

نیست گشتہ ہمہ بعزت ہست ✽ علم بے نیازی اندر دست

(سب کے سب "ہست" کی عزت میں فنا ہو گئے ہیں۔ اور بے نیازی کا علم حاصل کئے ہوئے ہیں)

چشم شاں تا ولایتِ آدم! ✽ اسم شاں تا نہایت عالم!

(یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں ولایت آدم تک اور ان کا نام انتہائے عالم تک پھیلا ہوا ہے)

در لقا از بقا فنا گشتہ ✽ از چرا وز چوں جدا گشتہ

(لقا میں بقا سے فنا ہو چکے ہیں۔ اور چون و چرا کی بحث سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔)

معتکف در سرائے راز ہمہ ✽ بے نیاز از پے نیاز ہمہ

(سب کے سب سرائے راز میں معتکف ہیں۔ اور بارگاہ خداوندی کی نیازمندی کی وجہ سے سب بے نیاز ہیں)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمام عارفوں کے سردار افصح العرب والعجم شبِ معراج میں جب قرب و کرامت کے مقام پر پہنچے تو عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ۔ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی ہے) اور وہ جو کہ انبیاء کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ افضل و اکمل ہیں یعنی حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ بھی اپنے پیر کے نقش قدم پر چل کر نہایت عاجزی سے فرمایا کہ اَلْعَجْزُ عَنِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ .ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے، یقیناً اگر مرید حقیقی ہو، رسمی نہ ہو تو اس سے یہی سرزد ہوتا ہے ۔ اسی حقیقت کو کسی نے بیان کیا ہے ۔

مثنوی

در عشق تو عاجزی و سرّا ساادلیست ٭ در کوے تو بندگی در آزادلیست

(تیرے عشق میں عاجزی سر بلندی ہے ۔ تیری گلی میں غلامی آزادی ہے)

ویراں شدن اندر رہِ تو آبادلیست ٭ اندوہ تو جانِ عاشقاں راشادلیست

(تیری راہ میں ویران ہونا ہی آبادی ہے تیرا غم عاشقوں کی جان کے لیے خوشی ہے)

مذکورہ بالا گفتگو پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ بلندی بے چارہ یہ کیسے سمجھے کہ یہ اہل دل ہے اور اس گروہ سے ہے جس کا نام اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ سُلْطَانٌ (اے شیطان بیشک تجھ کو میرے (نیک) بندوں پر غلبہ نہیں ہے) کے دفتر میں درج ہو چکا ہے، یا صرف دعویٰ ہی کرنے والا ہے ۔ اس اعتراض کا ظاہری تو جواب یہی ہے کہ پیر عالم ہو اور علم کے ساتھ عامل بھی ہو، دنیاوی جاہ و مال سے کتراتا ہو اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہو ۔ مگر یہ رسمی جواب ہے ۔ لیکن اے بھائی! حقیقت میں یہ سوال قضا و قدر کے مسئلہ کی طرف راجع ہوتا ہے ۔ قضا و قدر نے جس شخص کے لیے ازل ہی میں خرقۂ سعادت سی کر تیار کر دیا ہے اور بایزیدؒ و اویس قرنیؓ کے کمال تک پہنچنا مقدر کر رکھا ہے تو اس کے راستہ میں کسی طرح کا تردد کبھی نہیں ہوتا اور اس کی راہ میں اللہ تعالیٰ اس طرح کے خدشات پیدا نہیں کرتا ۔ اور جس نے نصیب کے لیے کالی چادر بنی گئی ہے تو یہ سب قید و بند اسی کے لیے ہے ۔ اور یہ تمام قیودات ظاہری اسی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں ۔ كُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ (ہر شخص کے لیے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) یہی مکمل جواب ہے ۔ اس کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے ۔

قطعہ

بر فلک ہر دو مرد پیشہ ورند ٭ آں یکے ورزی و دگر جولا ہا

(آسماں پر دو پیشہ ور آدمی ہیں ۔ ان میں سے ایک درزی اور دوسرا جولاہا ہے)

آں نہ دوزد مگر قبائے ملوک ٭ ویں نہ بافد مگر گلیم سیاہ

(مگر درزی صرف بادشاہوں کی قبا سیتا ہے۔ اور جولاہا صرف سیاہ کمبل بنتا ہے)
خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مثنوی

ہر چہ استاد در نبشتہ براند ❊ طفل در مکتب آں تواند خواند
(بچہ مکتب میں وہی کچھ پڑھ سکتا ہے جو استاد نے اس کو لکھ کر دیا ہے)

مثنوی

لاجرم ایں جا سخن کوتاہ شد ❊ رہ برو، رہ رو بماند و راہ شد
(آخر کار بات یہاں مختصر ہو گئی۔ راہ بر اور رہ رو تھک گئے اور راہ ختم ہو گئی)
اور یہ جو مصرعہ کہا گیا ہے کہ "قلم ایں جا رسید و سر بشکست" (قلم یہاں تک پہنچا اور ٹوٹ گیا)
تو وہ یہی ہے۔ یعنی یہ چیزیں اس راہ کی معمولات میں سے ہیں۔ جو جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ تو اس کو مل کر رہے گا۔ اخلاص کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا چاہیئے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ معرفت خداوندی بندے کو خود بخود بغیر پیر کے حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معرفت سے مراد خدا کی ذات اور اس کی یکتائی کو معلوم کرنا ہے تو اس کا علم محض عقل سے پیر کے بغیر ممکن ہے۔ اور اگر اس معرفت سے وہ کمال اور معرفت مراد ہے جو سالکوں کو حاصل ہے۔ مثلاً جو کمال خواجہ بایزیدؒ، خواجہ اویس قرنیؒ یا خواجہ معروف کرخیؒ کو حاصل تھا، تو یہ بھی مجاہدات و ریاضات کے ذریعے بغیر کسی پیر اور راہ بر کے ممکن تو ہے لیکن نادر اور کمتر۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

کور ہرگز کے تواند رفت راست ❊ بے عصا کش کور را رفتن خطاست
(اندھا کب سیدھا چل سکتا ہے۔ اس کے لیے تو ایک ڈنڈا کھینچنے والا چاہیئے اس کے بغیر چلنا غلط ہے)
گر تو بے رہ بر فرود آئی بہ راہ ❊ گر ہمہ کوہے فرد رفتی بر چاہ
(اگر تو کسی راہ بر کے بغیر راہ میں اترے گا تو یقیناً کوئیں میں گر پڑے گا۔ خواہ تو مجسم پہاڑ ہی کیوں نہ ہو)
حلیۃ الاولیاء میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے کہ ہر زمانے میں چالیس آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کا دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کی طرح ہوتا ہے۔ اور سات آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کا دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی طرح ہوتا ہے۔ حدیث کا آخری حصہ یہ ہے کہ

ایک شخص ایسا بھی ہوتا ہے جس کا دل اسرافیل علیہ السلام کے دل کی طرح ہوتا ہے۔ اور ایک جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جنہیں اویسی کہتے ہیں۔ ان کو پیر کی حاجت نہیں ہوتی۔ نبوت اپنی گود میں پیر کے واسطے کے بغیر ان کی پرورش کرتی ہے۔ جس طرح خود حضرت اویس قرنی کی پرورش کی۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے بظاہر سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا لیکن پرورش آپ سے پائی۔ اور یہ نادر اور کمتر ہے۔ کیونکہ اس طرح کی قابلیت اور استعداد کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر بلکہ معہود اور معتاد طریقہ یہی ہے کہ کسی پیر اور راہ بر کی دولت کے سایہ میں رہ کر ہی یہ دولت حاصل کی جاتی ہے۔ بہر حال کمال وہی ہے جو سالکوں کو حاصل ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ اور نہیں کہنا ہے۔ اس لیے کہ میری گفتگو اس بارے میں نہیں ہے۔ ۔

ہاں تا نہ نہی پائے دریں راہ بہ بازی ٭ زیرا کہ دریں ہست بسے نشیب و فرازی

(خبردار! اس راہ میں قدم کھیل سمجھ کر نہ رکھنا اس لیے کہ یہاں نشیب و فراز بہت ہیں)

اس کے حصول میں پیہم تدبر و تامل کے ذریعہ کام لینا چاہیئے۔ اور عالم دل کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ رسمی طور پر عادتاً قصہ و افسانہ کی طرح پڑھنے سے یہ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہل رسم و عادت کرتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس گروہ کے کلمات سے اہل ظاہر کا حصہ صرف وہ الفاظ ہیں جو ان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیوں کہ اس گروہ کے کلمات قلبی ہوتے ہیں کسبی نہیں۔ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ (مجھے میرے رب نے ادب سکھایا) کے مقام سے ہیں۔ عَلَّمَنِیْ اَبِیْ (مجھے میرے باپ نے سکھایا) کے عالم سے نہیں۔ یہ کشف و اسرار ہیں۔ اعادہ و تکرار نہیں ہیں۔ دیکھی بھالی اور چکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ پڑھی اور سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ کیوں کہ اہل بصیرت اور اہل دل کا ذوق اور ان کی سمجھ بوجھ کچھ اور ہی ہے۔ جو اہل ظاہر سے بالکل پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ ایک عزیز نے کہا ہے۔

مثنوی

اہل دل را ذوق و فہمے دیگر است ٭ کاں ز فہم ہر دو عالم برتر است

(اہل دل کا ذوق و فہم اور ہی ہے۔ اس لیے کہ وہ دونوں جہان کی سمجھ سے بالاتر ہے)

ہر کرا آں فہم در کار افگند
خویش را در پائے اسرار افگند

(اس فہم نے جس کو کام میں لگا دیا اس نے اپنے آپ کو اسرار کی تہ میں ڈالا)

تابداں فہمے کہ ہمچوں وحی خاست ٭ در کلام او سخن گوید راست

(جب فہم وحی کے سمجھنے کے لایق ہو جائے تو اس کا کلام صحیح بات کہنے والا ہوگا)
اور دوسری بات یہ ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

آں چہ ایشاں را دریں رہ رخ نمود
کے تواند شرحِ آں پاسخ نمود

(اس راہ میں ان لوگوں کو جو کچھ دکھائی دیا اس کی شرح کب بیان کی جا سکتی ہے)

والسلام
۱۶ نومبر ۱۹۷۹ء
بوقت ۱۲ بجے شب

مکتوب ـــــ (۱۶)

اپنے افلاس اور صدق طلب کے متعلق

آں برادر کے دو خطوط ملے۔ اپنے حال پر تاسف، اپنی ناکامی اور نامرادی کا گریہ، مردان راہ کے کلام اور معنی سے بے خبری کا شکوہ، اپنے وجود سے وحشت اور دل شکستگی کا حال معلوم ہوا۔ بددل نہ ہو۔ ارادت یہی ہے ۔ ؎

نمی دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم ٭ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد چہ بدکارم

(مجھے معلوم نہیں کہ میں کس کے مشابہ ہوں۔ البتہ اس سیرت میں گرفتار ہوں کہ نہ میں ہندو ہوں اور نہ مسلمان اور نہ مرتد ہوں۔ آہ! میں کیسا بدکار ہوں)

اے بھائی! اس راہ میں سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ ازل میں اس کے مقدر میں کیا لکھا گیا ہے۔ اور کس بات کا حکم ہو چکا ہے اور یہ شک کے طور پر نہیں بلکہ اپنے حال کی تنقیح کے طور پر ہے، دل کو قوی رکھو۔ اور سعی و طلب کے قدم کو پیچھے نہ ہٹاؤ۔ مایوسی، فکر نایافت، احساس بے مائیگی، دل کی دردمندی اور شکستگی۔ یہ بڑا سرمایہ ہے اور کامرانی کی علامت ہے۔

آیات قرآنی کا بغور مطالعہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا اس کی ذات وہ ہے جو مایوسی کے بعد بارش برساتی ہے (جس طرح ناامیدی کے بعد مخلوق کے لیے بارش برسائی جاتی ہے اسی طرح مریدوں اور طالبوں کے کام کی کشائش ناامیدی کے بعد ہوتی ہے۔ مایوسی اور حسرت نایافت کے بعد ہی کام بنتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے ۔

غزل

بار دگر پیر ما خرقہ بہ زنار داد ٭ نقد نود سالہ را بردہ بہ کفار داد

(دوسری بار ہمارے پیر نے خرقہ زنار کے عوض دے دیا۔ نوے سالہ پونجی ۔ جا کر کفار کے حوالہ کر دی)

زہد بہ یکسو نہادہ راہ قلندر گرفت ٭ بہر یکے کوزۂ مے خرقہ و دستار داد

(زہد کو ایک طرف رکھ دیا اور قلندر کی راہ اختیار کی۔ ایک کوزہ شراب کے عوض خرقہ و دستار دے ڈالا)

قبلہ بدل کرد زود معتکف دیر شد ٭ روے بہ محبوب کرد دوست اورا بار داد

(قبلہ بدل لیا اور فوراً دَیر میں معتکف ہو گئے۔ رخ محبوب کی طرف کیا تو دوست نے انھیں باریابی بخشی)
مذکورہ بالا اشعار کے تمام الفاظ مخصوص معانی رکھتے ہیں۔ اہل سلوک کے نزدیک اپنے احوال کا ظاہر کرنا محمود نہیں ہے۔ ان کے مشرب میں یہ جملہ مشہور ہے۔ حَكَمَ اللّٰهُ بِاَنَّهٗ لَا يَفْتَحُ لِلْمُرِيْدِيْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَحْوَالِ اِلَّا بَعْدَ بَاسِهِمْ مِنْهَا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم مریدین کے لیے یہ ہے کہ وہ اپنے احوال میں سے کچھ بھی نہ کھولیں مگر ناامیدی کے بعد) سنتِ الٰہیہ اسی طرح جاری ہے۔ کیا کیا جائے تمام اہل ارادت کے ساتھ ابتدائے کار میں یہی ہوتا ہے۔ بیچارہ مرید گریہ وزاری نہ کرے تو کیا کرے۔ رومی کہتے ہیں :۔

مثنوی

دلِ گم گشتہ را رہے بنمائے ٭ مردم دیدہ را درے بکشائے

(دل گم گشتہ کو کوئی راہ دکھا۔ آنکھ کی پتلی کے لیے کوئی دروازہ کھول دے)
اتنے جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کیا کہ اے پروردگار! میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ جواب ملا۔ جہاں ٹوٹا ہوا دل ہو جو اپنی نجات سے بھی مایوس ہو۔ انھوں نے عرض کیا۔ خدایا کوئی دل میرے دل سے زیادہ شکستہ اور مایوس نہیں ہے۔ ارشاد ہوا۔ پھر میں وہاں ہوں جہاں تم ہو۔ (یعنی تمہارے پاس ہوں) اور یہ تم جان لو کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ۔ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) اسی سبب سے کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

گر کمال عشق می باید ترا ٭ جز ز دل ایں پردہ نہ کشاید ترا

(اگر تجھے عشق کا کمال چاہیئے تو دل کے سوا تیرا یہ پردہ کوئی دوسرا نہیں کھول سکتا)

عقل اندر حق شناسی کامل است ٭ لیک کامل تر از و جان و دل است

(اگرچہ عقل حق شناسی میں کامل ہے لیکن اس سے زیادہ کامل جان و دل ہے)
اے بھائی! عام طور پر تو یہی بات دیکھی گئی ہے کہ جو چیز ٹوٹ جاتی ہے وہ بے کار ہو جاتی ہے۔ لیکن

دل کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مومن کا دل جتنا زیادہ شکستہ ہوتا ہے اس کی قدر و قیمت اتنا ہی زیادہ ہو جاتی ہے بلکہ دونوں جہان سے بڑھ جاتی ہے۔ اِنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ۔ (میں ان کے نزدیک ہوتا ہوں جن کے دل میری خاطر شکستہ ہوں) یہی اس کی حقیقت ہے۔ اور بزرگوں کا قول ہے۔ مَنْ کَانَتْ مَحَبَّۃٌ فِی اللّٰہِ وَ لِلّٰہِ فَقَرْ بُدُ قَدَرَہٗ وَ جَلِیْلُ خَطَرَہٗ (جس کی محبت اللہ سے ہو اور اللہ کے لیے ہو تو اس کا مرتبہ عظیم اور اس کا درجہ بلند ہے) یعنی اس کے رتبہ کی بلندی اور اس کی جد و جہد کا سرمایہ یہی محنت اجرت نایافت، مفلسی اور بے توانائی ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ اہل معرفت کا گروہ علم و معرفت اور دولت و نعمت کے باوجود بے نوا ہے۔ مگر اپنی اس بے نوائی پر وہ لوگ نازاں ہیں۔ جیسا کہ سنائی رحمۃ اللہ نے کہا ہے۔

مثنوی

فارغ از نفس و دین و کیش ہمہ ٭ گور خانہ ہوائے خویش ہمہ

(مردان خدا نفس، دین اور مشرب سب سے بے نیاز ہیں۔ اور ان کی ہر خواہش مردہ ہو چکی ہے۔)

علم شاں زیر حرفِ نادانی است ٭ چہ عجب گنج زیر ویرانی است

(جب ان کا علم نادانی کے نیچے ہے۔ تو کیا عجب کہ خزانہ ویرانی کے نیچے ہو)

بُر درخت بقائے دو جہانی ٭ از رہِ کفر در مسلمانی

(کفر کی راہ سے جو اسلام کی طرف آیا۔ اس نے دونوں جہان کے بقا کی متاع حاصل کر لی)

اے بھائی! ارباب راہ سلوک اور صاحبان طلب اپنی ناکامی و نامرادی اور احساس مفلسی کی وجہ ہر گھڑی اور ہر آن اس تمنا میں رہتے اور آرزو کرتے ہیں کہ عدم میں چلے جائیں: تاکہ وجود کی وحشت سے رہائی پائیں۔ کیا کریں۔ کام کی سختی اور احساس نایافت نے مجبور کر دیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو! جب کہ سید الابرار جو تاجدار لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمان کو پیدا نہ کرتا) ہیں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کمتر) کی خلعت زیب تن کئے ہوئے ہیں، ان کا نالہ اور ان کی فریاد یہ ہے کہ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا ہی نہ کرتا)

عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کون جان سکتا ہے کہ یہ کیا حالت ہے جب خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں یَا لَیْتَ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا فَلَا یَامَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ (اے کاش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ کرتا۔ پس

اللہ کے مکر سے وہی لوگ بے فکر رہتے ہیں جو خسارہ میں رہنے والے ہیں (تو پھر اوروں کا کیا حال ہوگا شاید اس مثنوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

کہ نداند ز کارسازی تو ❊ کہ نہ ترسد ز بے نیازی تو

(تیری کارسازی سے کون واقف نہیں ہے۔ اور تیری شانِ بے نیازی سے کون خائف نہیں ہے)

بھائی! محبوب حقیقی کا معاملہ ہی عجیب ہے۔ ایک طرف ساری دنیا میں یہ منادی کرائی گئی کہ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ (اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) جب لوگ مستعد اور کمربستہ ہو کر، سر دھڑ کی بازی لگا کر اور امیدوار ہو کر اس پکار کی جانب دوڑ پڑے۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ تم لوگوں کا بس یہی کام ہے کہ طلب میں لگے رہو۔ اس کے سوا چارہ نہیں۔ دائمی دوا دوش میں قرار کا نام نہ لو۔ اور اس کے علاوہ اسے بھی یاد رکھو:۔ اَلطَّلَبُ رَدٌّ وَّالطَّرِیْقُ سَدٌّ۔ (طلب رد بھی ہو سکتی ہے اور راستہ بند بھی ہوتا ہے) سننے کے علاوہ چارہ کیا ہے۔ اسی حقیقت کو کسی نے بیان کیا ہے۔

رباعی

من بر سر کوے تو آستین جنبانم ❊ تو پنداری کہ من ترا خوانم!

(میں گلی کے کنارے آستین ہلاتا ہوں اور تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بلاتا ہوں)

نے نے غلطی کہ من ترا کے خوانم ❊ خود رسم من است کاستیں می جنبانم

(نہیں نہیں! تم غلطی پر ہو، میں تمہیں کب بلاتا ہوں۔ یہ تو میرا ایک طریقہ ہے کہ میں آستین ہلاتا ہوں)

بھائی! ابتدائے ارادت میں ان ہی مایوسیوں اور ناکامیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسی طرح کے دل شکن واقعات پیش آتے ہیں۔ تاکہ دل کی تمام آرزوں اور تمناؤں کی شکست و ریخت ہو جائے اور لوگ اپنے کاموں سے مایوس ہو جائیں۔ طالب کی پوری توجہ اپنی ہلاکت اور بربادی کی جانب ہو جائے۔

قطعہ

خرقہ ز سر بر کشید سبحہ بہ خمار داد ❊ کوزہ پر از بادہ کرد تحفہ بہ کفار داد

نقد نود سالہ را بہر یکے جامِ مے ❊ از سرِ مستیِ عشق رفت بہ خمار داد

(خرقہ سر سے اتار پھینکا اور تسبیح مے فروش کے حوالے کر دی۔ کوزے کو شراب سے بھرا اور تحفہ میں کفار کو دیدیا۔ نوے سالہ پونجی کو ایک پیالہ شراب کے عوض عشق کی مستی میں جا کر شراب فروش کو دے دیا)

یہی وہ امتحان ہے جس میں طالب صادق اور کاذب کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اور محض زبانی دعویٰ کرنے والا طالب حقیقی سے الگ ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ابتدائے ارادت میں دعویٰ تو سبھی کو ہوتا ہے۔ مگر دعویٰ کے لیے دلیل اور آزمائش ضروری ہے۔

امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ دیوانگی کی تہمت کی وجہ سے اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے تھے کچھ لوگ آئے اور دروازے پر دستک دی۔ آپ نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ ان لوگوں نے کہا ہم آپ کے دوست ہیں کوئی غیر نہیں۔ انھوں نے دروازہ کھولا اور سبھوں کو پتھر مارنا شروع کیا۔ لوگ بھاگ گئے۔ تو امام نے فرمایا کتنی کذب بیانی سے ان لوگوں نے کام لیا۔ میرے دوست ہونے کا دعویٰ کیا اور میری معمولی جفا سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ دعویٰ محبت، محبوب کی جفاؤں کو برداشت کئے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ محض دعویٰ دلیل و برہان کے بغیر جھوٹ ہوتا ہے۔

بیت

زاں زہد پُر نفاق وازیں دلق پُر زرق ✻ واللہ کہ سیر گشتم وزنّار آرزوست

(اس پر نفاق زہد سے اور اس پر فریب گدڑی سے خدا کی قسم تنگ آگیا ہوں۔ اب میری آرزو زنار ہے)

اے بھائی! منافقین نے کہا تھا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ - (ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں) ان کا یہ قول صحیح و درست تھا۔ لیکن ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ یعنی ان کا حال اس قول کے مطابق نہیں تھا۔ اس لیے یہ جھوٹ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کاذب کہا۔ فرمایا۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ (بیشک منافقین جھوٹے ہیں)

وہ تو تم نے سنا ہوگا کہ ایک دن جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ (تم نے کس حال میں صبح کی۔ اے حارثہ) انھوں نے عرض کیا أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا (میں نے سچے مومن کی حالت میں صبح کی) حضرت حارثہ کا اپنے ایمان کی حقیقت کے متعلق یہ دعویٰ تھا۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے محض دعوے پر ان کو بھی نہیں چھوڑا اور فرمایا۔ لِكُلِّ حَقٍّ حَقِيقَةٌ فَمَا حَقِيقَةُ إِيمَانِكَ۔ اے حارثہ! ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟) یعنی ہر حق کے لیے اس کی سچائی کی علامت اور دلیل ہوتی ہے تو تمہارے ایمان کی درستگی کی علامت اور دلیل کیا ہے؟ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا أَعْرَضْتُ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا وَأَسْهَرْتُ لَيْلِي وَأَظْمَأْتُ نَهَارِي وَاسْتَوَىٰ عِنْدِي ذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَحَجَرُهَا وَمَدَرُهَا

وَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ بَارِزًا وَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ یَتَزَاوَرُوْنَ وَكَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ النَّارِ یَتَعَاوَرُوْنَ ۔ یعنی اپنے دعویٰ پر اس طرح دلیل پیش کی (جواب دیا یارسول اللہ! میں نے دنیا سے منہ پھیر لیا ہے۔ دن میں روزہ رکھتا ہوں، رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہوں، میری نظر میں اب سونا چاندی کے ٹکڑے اور اینٹ پتھر برابر ہیں۔ مجھے عرش الٰہی نظر آتا ہے۔ گویا میں اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور باہم کلام کرتے ہیں۔ اور اہل دوزخ کو دیکھتا ہوں کہ وہ روتے ہیں اور ایک دوسرے سے فریاد کرتے ہیں) جب حضرت حارثہ رضؓ نے اپنے ایمان کی حقیقت پر یہ دلیل پیش کی تو ارشاد گرامی ہوا۔ ہاں! تم ایمان کی حقیقت کو پا گئے۔ اب اس کی اچھی طرح نگرانی کرو۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

در خیال ار فزون وکاست بود ٭ آزمائش گواہ راست بود

(خیال میں کمی بیشی تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ لیکن آزمائش صحیح گواہ ہے)

اس پوری گفتگو کی غایت وغرض صرف یہ تھی کہ محض دعویٰ کی بنا پر کسی کو نہیں چھوڑتے بلکہ اس سے دلیل وبرہان بھی طلب کرتے ہیں۔ ہنیں تو جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

ہر کرا در راہ ایں مشکل بود ٭ چوں تواند کردار صد دل بود

(جس شخص کے راستہ میں اتنی مشکلات ہوں۔ اگر اس کے پاس سو دل بھی ہو اس کے باوجود وہ کیا کر سکتا ہے)

صد جہاں جانِ مبارز آمدہ ٭ ہست سرگردان وعاجز آمدہ

(سینکڑوں جہان بھی مقابل ہوں، تو عاجزی اور نگونساری کے سوا کچھ حاصل نہیں)

چونکہ مرید ساری کائنات کے مالک وخالق کی طلب کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے اس کو دلیل وبرہان کے بغیر کیسے چھوڑ دیں گے۔ یہ جو مایوسی، محنت اور غم والم کی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ اسی دعوی کی آزمائش ہے اس کو ضائع اور برباد کرنے کی غرض سے نہیں ہے۔ وہ تو اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین ہے۔ اس کے حق میں اس طرح کا گمان ہرگز روا نہیں۔

قطعہ

آں کہ از جان خویش برخیزد ؛ رہبر عقل او ہدایت اوست
واں کہ برراہِ او قدم بنہاد ؛ مونس جان او عنایت اوست

(جو شخص اپنی جان سے بیگانہ ہو جائے۔ تو عقل وہدایت اس کی رہبری کرتی ہے۔
اور جس نے اس کی راہ میں قدم رکھا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کی مونس جاں بن جاتی ہے)

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا یَا بُنَیَّ کَمَا اَنَّ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ یُخْتَبَرُ اِنَّ بِالنَّارِ، کَذٰلِکَ الْمُؤْمِنُ یُخْتَبَرُ بِالْبَلَاءِ. (اے بیٹے جس طرح سونا چاندی کو آگ سے آزماتے ہیں اسی طرح مومن کو بلاؤں کے ذریعہ آزماتے ہیں)

اے بھائی! جس طرح سونا چاندی کو آگ کے ذریعہ آزماتے ہو تاکہ کھرا کھوٹے سے جدا ہو جائے اسی طرح مومن کو بھی طرح طرح کی بلاؤں سے آزماتے ہیں تاکہ مخلص کو منافق سے، محقق کو مدعی سے اور سچے کو جھوٹے سے ممتاز کردیں۔ اور یہ جو ساری دنیا میں تکالیف ہیں۔ کیا ہیں؟ امتحان ہی تو ہیں۔ خواہ بلا و رنج کے ذریعہ لیں خواہ نعمت وراحت کے ذریعہ۔

مثنوی

کس چہ داند تا چہ حکمت می رود ؛ ہر وجودے را چہ قسمت می رود

(کوئی شخص کیا جانے کہ حکمت کا تقاضا کیا ہے؟ اور ہر وجود کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟)

مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے علم قدیم سے ہر چیز کا علم ہے تو امتحان لے کر معلوم کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیونکہ امتحان تو اس لیے لیتے ہیں کہ امتحان دینے والوں کی حقیقت سامنے آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو جو علم قدیم حاصل ہے اس کے ذریعہ وہ جانتا ہے۔ ہاں! یہ اعتراض اس مقام پر بہت ہی مدلل ہے۔ لیکن اے بھائی! وہ علم ازلی کا مالک ہے۔ امتحان تو ہمارے تمہارے لحاظ سے ہے۔ وہ تو اپنے علم ازلی کو بندے سے عمل کرا کر اپنے انعامات کو ظاہر کرتا ہے۔ عمل پر مطیع اور فرماں بردار کو اجر وانعام ملتا ہے۔ عاصی اور نافرمان کو سزا اور توبیخ۔ اسی کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے امتحان کہتے ہیں جملہ شریعتیں اور تکالیف کیا ہیں؟ امتحان ہی تو ہیں۔ امتحان، ابتلا، اختیار اور بلا یہ چند الفاظ ہیں۔ ان کے معنی وہی رہیں جو بیان کئے گئے۔

اے بھائی! جب تک ایک سانس بھی باقی ہے یہ ابتلا باقی ہے۔ کیوں کہ اَلدُّنیَا دَارُ الْبَلَاءِ وَالْفِتْنَۃِ (دنیا آزمائش اور فتنہ کی جگہ ہے) جب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس آزمائش اور بلا سے نہ بچے جو معصوم تھے۔ پھر ہماری تمہاری کیا حقیقت ہے۔ شاہی وگدائی، مال داری وفقیری، صحت اور بیماری، نعمت اور سختی، سلامتی اور عیب داری اور اسی طرح کی تمام دوسری چیزیں جو اس دُنیا کی ہیں، تھوڑی ہوں یا زیادہ۔ یہ سب آزمائش اور امتحان کہلاتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک شکر کے ساتھ مخاطب ہے تو دوسرا صبر کے ساتھ۔ تاکہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے علم قدیم کے ذریعہ معلوم ہے وہ بندہ کو اس کے فعل وعمل کے ذریعہ معلوم ہو جائے یہاں تک کہ اطاعت کرنے والوں کو اجر وثواب ان کے فعل کے بعد حاصل ہوگا۔ اور مخالفوں کو بھی ان کے فعل کے بعد عذاب وعقوبت ہوگی۔ یہ محض علم قدیم کے دعویٰ کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ سنّتِ الٰہی یہی ہے اور علم وحکمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مثنوی

بندہ آں بہتر کہ بر فرماں رود ٭ کز خداوند آں چہ خواہد آں رود

(بندہ وہی بہتر ہے جو حکم بجا لائے اور جو اللہ چاہے اس پر عمل کرے)

گرچہ رہ جستند ہر سوئے ازیں ٭ پے نہ بروند اے عجب موئے ازیں

(گرچہ فرار کا راستہ ہر طرف تلاش کیا۔ تعجب کی بات ہے کہ بال برابر بھی کہیں گنجائش نہیں نکلی)

والسلام

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ

۱۹۔ نومبر ۱۹۷۹ء

بوقت ۱۲ ربجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــــ (۱۷)

اولیاء اور انبیاء کا خدائی احکام میں عاجز ہونا!

برادر شیخ عمر! سلام و دعاء

عزیزوں میں سے دو شخص آئے۔ تمہارے خطوط دیئے۔ مطالعہ کے بعد مضمون سے آگاہی ہوئی۔

اے بھائی! باپ کا حال جو صفوت کے تاج اور نبوت کی عصمت کے ساتھ دارالسلام سے اس دُنیا میں عزت و بزرگی کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کا حال تو تم سُن چکے ہو کہ وہ بھی آزمائش، سختی اور بلا کی زحمت سے محفوظ نہ رہے۔ اور گیہوں کھا کر دیکھا جو کچھ کہ دیکھا۔ جو آدم صفی اللہ تھے۔ تو پھر ہم فرزندوں کا حال کیا پوچھتے ہو؟ دَارُ الْبَلَاءِ اور دَارُ الْفِتَنِ میں پیدا کئے گئے ہیں۔ اور فرعونی و نمرودی کے ہزاروں لباس زیبِ تن کئے ہوئے ہیں تو کیا ہم بلاؤں سے محفوظ رہیں گے اور سلامتی و عافیت پائیں گے؟ یہ محال ہے۔ جب کہ تاکیداً پہلے ہی اپنے کلام میں یہ فرمادیا گیا ہے کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ (ہم تمہیں بلائیں ڈالیں گے تاکہ آزمائیں)

سبحان اللہ! ایسا جان دار جس نے ماں کے پیٹ میں خون پی کر گذارہ کیا ہو تو اس خانۂ بلا میں آکر خونِ جگر نہ پیئے تو کیا کرے۔ اس حقیقت کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

چو موے شدم ز رنج ہر بیدادے ؛ در دہر کہ دیدہ است چو من ناشادے

(ہر ظلم کی تکلیف کی وجہ سے میں بال کی طرح ہو گیا ہوں۔ زمانہ میں میری طرح کس نے ناخوشی دیکھی ہے)

برخیزد اگر رسد بناگہ بادے ؛ چوں چنگ ز ہر رگے ز من فریادے

(اگر اچانک کوئی ہوا چلتی ہے تو چنگ کی طرح میری رگ رگ سے فریاد بلند ہوتی ہے)

اے بھائی! یہ وجود ہی دو عدموں کے بیچ میں ہے۔ اصل مصیبت تو بلا ہے۔ سلامتی یا تو عدم میں ہے یا قدم (ہمیشہ کی زندگی) میں ہے۔ ایک عارف سے کسی نے پوچھا۔ علت کیا ہے؟ عارف نے جواب دیا "وجود"۔ تو اس کی حقیقت بھی یہی ہے۔ ؎

کاشکے ہرگز نہ بودے نامِ من ؛ تا نہ بودے جنبش و آرام من

(کاش! میرا نام کبھی نہ ہوتا۔ تاکہ میری حرکت نہ ہوتی اور سکون و آرام بھی نصیب نہ ہوتا)

ایک درویش سے لوگوں نے حالت نزع میں پوچھا کہ آپ کی کوئی آرزو ہو تو فرمائیے تاکہ ہم اسے پوری کریں۔ درویش نے کہا۔ ایسا عدم چاہتا ہوں جس میں وجود نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ تمام مصیبتیں اور آزمائشیں اسی وجود سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا تمام بلا و فساد میرے لیے یہی وجود ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

اِذْ قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَۃً ... حَیَاتُکَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِهَا ذَنْبٌ

(میں نے پوچھا میرا گناہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا تیری زندگی ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے مقابلہ میں کوئی گناہ نہیں)

اے کاش نہ بودے سے عراقی ٭ کز تست ہمیں فساد باقی!

(اے عراقی کاش تو نہ ہوتا کہ تیری وجہ سے یہ سارا فساد باقی ہے)

اے بھائی! عدم بہت اچھی جگہ ہے۔ آرام والی جہاں کوئی تکلیف نہیں۔ ایک بہشت ہے جس کے مقابل میں کوئی دوزخ نہیں۔ ایک عزیز کا کیا خوب یہ جملہ ہے ــ کہ "وجود کی خرابی جس قدر بھی بیان کروں ہزار گنا میں سے ایک بھی بیان نہ کرسکوں گا" آج اہل بصیرت کے جگر جس قدر کباب ہو رہے ہیں اور ان کے دل پُرخون ہو رہے ہیں وہ عالم وجود ہی کی فتنہ سامانیاں ہیں۔ یہ لوگ اسی کی وجہ سے نشانۂ بلا بنے ہوئے ہیں۔

ہر دم زدنی فلک دگر گوں گردد ٭ ہر دوں سخنے بہر سخن دوں گردد

(اس اندیشہ سے کہ کہیں ایسا ویسا ہو جائے۔ دل عقلمندوں کے ہاتھوں خوں ہی ہوتا رہتا ہے)

یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا نہ کرتا) اسی وجود کی فتنہ سامانی ہے، جس نے نشانہ بنا کر قضاؤ قدر کے پیروں تلے پامال کیا ہے۔ قضاؤ قدر کی لات کھانا پھر سیدھا کھڑا رہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ذرا ناز و ادا کا یہ انداز تو دیکھو۔ حکم ہوتا ہے فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ۔ (پس ثابت قدم رہو جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے[1])۔ یہ بڑا ہی دشوار کام ہے۔

اس کام کی دشواری کا اندازہ اِس سے ہوتا ہے کہ جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب ہم چاہتے ہیں کچھ نہ دیکھیں اور کمبل اوڑھ کر سو رہیں تو حکم ہوتا ہے یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ[2] (اے لحاف اوڑھنے والے اٹھو اور لوگوں کو ہم سے ڈراؤ) اور جب کملی سے باہر نکل کر اپنے کام میں لگ جاتے ہیں تو حکم ملتا ہے وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۔ (ان سے الگ ہو جاؤ۔ اچھی طرح) آخر سرکار دو جہاں پوچھتے ہیں۔ پروردگار! مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ جواب ملتا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ راحت طلب کرتے ہیں تو ہم آپ سے سرگردانی چاہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا حساب پورا کر دیں اور گوشہ میں بیٹھ جائیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہر لحظہ ہمارا آپ سے واسطہ رہے۔ اور میرے اور آپ کے درمیان لاکھوں گنا حساب کا معاملہ رہے۔

---

[1] پارہ ۱۲ ع ۱۰
[2] پ ۲۹ ع ۱۵

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میں آپ کو خوش دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (آپ خوش نہ ہوں اللہ تعالیٰ خوش ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے[1]) اور جب آپ کو مغموم پاتا ہوں تو کہتا ہوں وَلَقَدْ نَعْلَمُ اِنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ (بیشک مجھے معلوم ہے کہ لوگوں کی نافہمی اور بدزبانی سے آپ دل تنگ ہیں) اور جب آپ مسلسل عبادت کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں طٰهٰ ۝ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی ۔ (طٰہٰ ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ اپنے کو اس قدر مشقت میں ڈالیں) اور جب آپ عبادت میں کمی کر دیتے ہیں تو پھر میں یہ کہتا ہوں وَاعْبُدْ رَبَّکَ (اپنے پروردگار کی عبادت کیجئے) اور جب آپ سوتے ہیں تو میرا حکم ہوتا ہے قُمِ اللَّیْلَ (رات کو میرے حضور کھڑے رہیئے) اور جب آپ اپنا چہرہ پردے میں رکھ کر خوش بیٹھتے ہیں تو میرا فرمان ہوتا ہے لَیْسَ ھٰذَا عَتَبَۃُ اُمِّکَ (یہ تمہاری ماں کی دہلیز نہیں ہے۔) اور اگر آپ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ آسانی برتتے ہیں تو میرا حکم ہوتا ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کا خوف دلایئے) اور جب آپ سختی اختیار کرتے ہیں تو میری یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ (اپنے بازو کو جھکا دیجئے یعنی نرمی سے پیش آئے) اور اگر آپ نرمی برتتے ہیں تو کہتا ہوں وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (اے رسول! ان پر سختی کیجئے) اور جب آپ سختی کرنا چاہتے ہیں تو میں کہتا ہوں لَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ ۔ (اے رسول اگر آپ سخت مزاج ہوتے تو) لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (تو سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) اور جب آپ جھجک محسوس کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں وَقُلْ لَّهُمْ فِیْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا (آپ گفتگو میں بلیغ انداز اختیار کیجئے) اور اگر آپ بلاغت سے کام لیں تو میرا ارشاد ہے قُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ۔ (آپ ان سے آسان زبان میں بات کیجئے) اللہ! اللہ!! اتنی سرگردانی اور پریشانی ایک مشتِ خاک پر ۔ کون ہے جو اس مصیبت پر ماتم نہ کرے اور اپنی جان پر سینکڑوں نوحہ نہ کرے ۔ جیسا کہ کہا ہے ۔

قطعہ

ہر روز طلب کنی محالے دگرم ✤ وز گردش چرخ در حوالے دگرم

(ہر روز تو مجھ سے ایک محال کام کرنے کو کہتا ہے ۔ اور میں گردشِ چرخ سے کسی نہ کسی قید میں گرفتار ہوں)

امروز بہ نازکی بہ حالے دگرم ✤ وز گوش شدہ زگوش مالے دگرم

---

[1] پارہ ۲۰ رکوع ۱۱

(آج بھی اپنی کمزوری کی وجہ سے عجیب حال میں ہوں کہ اپنی گوش مالی کا ذکر بھی سن چکا ہوں)

اے بھائی! جب ہم لوگوں کا وجود ہی نشانۂ بلا اور سرگردانِ میدانِ قضا ہے تو کس کی مجال ہے کہ کچھ سوچ بھی سکے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قضا و قدر کی پیچیدگیاں کیا گل کھلاتی ہیں اور کہاں لے جاتی ہیں۔ مسجد میں بٹھاتی ہیں یا بت خانہ میں۔ زنار بندھواتی ہیں یا دستار؟ قضا و قدر کی یہی وہ ہیبت ناک وادی ہے جس کے خوف سے مردان خدا کے جگر کباب ہوتے ہیں۔ اور اُلوالعزم کے قلوب متزلزل ہوتے ہیں۔ معلم الملکوت (ابلیس) اور بلعم باعور کو دیکھو اور غور کرو جو سر پر خاک ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں۔

رباعی

گفتم کہ مگر محرم اسرار آیم ٭ با دولتِ وصل بر درِ یار آیم

(میں کہتا تھا کہ شاید میں واقف اسرار ہو جاؤں اور دولت وصل کے ساتھ یار کے در پر آؤں)

کے دانستم کہ با کمالِ دانش ٭ در بت کدہ قابل زنّار آیم

(لیکن یہ کب معلوم تھا کہ کمال دانش کے باوجود میں بت کدہ میں زنار کے قابل ہوں گا)

اسی حقیقت کو کسی اور نے بیان کیا ہے۔ ؎

برمن ز دلم نہ ماندم جز نامِ دلم ٭ تا خود بہ کجا رسد سرانجامِ دلم

(میرے دل کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔ اب دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟)

اے بھائی! سب سے بڑی دشواری تو یہی ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود جو تم نے سنیں، حکم ہوتا ہے۔ اِصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا۔ (یعنی اللہ کی اطاعت و بندگی میں لگے رہو۔ اور تمام آزمائشوں اور مصیبتوں میں صبر کرو۔ اور اس کے جمال کی دید کے شوق میں لگے رہو)

عجیب معاملہ ہے ہم کم نصیبوں کا۔ کہ اس قدر سرگردانی اور حیرانی کے باوجود یہ حکم ہوتا ہے کہ اپنے نفسوں کو میری طاعت پر لگائے رکھو۔ اور اپنے دلوں کو میری بلاؤں پر میری راہ میں برقرار رکھو۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہمارے شوق دیدار میں اپنے دلوں کو ہم سے وابستہ رکھو۔ سبحان اللہ! اسی راز کو کسی نے کہا ہے۔ بیت

اے جہانے جاں ہمہ حیرانِ تو ٭ صد ہزاراں عقل سرگردانِ تو

(اے جاں بخش عالم سب تیرے ہی حسن کے دیوانے ہیں۔ لاکھوں عقل تیرے حسن و جمال کے سامنے عاجز اور بیچارہ ہے)

والسلام
لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ سندھ
۲۰۔ نومبر ۱۹۷۹ء روز چہارشنبہ
بوقت ۱۱ بجے شب

مکتوب ــــــ (۱۸)

(دوستی و دشمنی برائے اللہ اور ترک خواہشاتِ نفسانی)

اے برادر! اَعْصَمَكَ اللّٰهُ عَنْ شُرُوْرِ نَفْسِكَ (اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نفس کے فتنوں سے محفوظ رکھے) یہ سمجھ لو کہ قرآن مجید اور فرقان حمید کا یہ حکم ہے کہ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرُوْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (مومن، مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائیں) یعنی ایمان کی حقیقتوں میں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ محبت خدا کے واسطے ہو اور عداوت بھی خدا ہی کے لیے ہو۔ جس کو محبوب رکھو، خدا ہی کے لیے محبوب رکھو۔ ظاہر ہے یہ مومن کے علاوہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے دشمنی کرو تو اللہ ہی کے لیے دشمنی کرو۔ اس لیے کہ وہ اللہ کا دوست نہیں ہے بلکہ کافر ہے۔ جب تمہاری نیتیں اور محبت، کسی لالچ اور غرض کے بغیر صرف اللہ کی موافقت کے لیے ہوں گی تو تمہارا ہر قدم اللہ کی محبت میں اٹھے گا۔ محبت کیا ہے؟ یہی تاکہ محبوب کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں میں اس کی موافقت کی جائے۔ اور یہی مشہور بھی ہے کہ دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے اور دوست کا دشمن، دشمن۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ اس کے فوائد بھی بہت زیادہ ہیں۔ ہر وہ دوستی یا دشمنی جو خالص اللہ کے لیے نہ ہو مذموم ہے اور حجابِ راہ ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

؎ ہر چہ جز حق، بسوز و غارت کن ⁂ ہر چہ جز دین از و طہارت کن

(حق کے سوا جو کچھ بھی ہے، سب کو جلا کر خاک کر دو۔ دین کے سوا جو کچھ ہے اس سے طہارت حاصل کرو)

ارباب اشارت نے کہا ہے کہ تمہارا نفس ہی سب سے بڑا کافر ہے۔ اس کی بناوٹ ہی محجوبیت کے ڈھب پر ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے لِيْ وَبِيْ وَعَنِّيْ (یعنی جو کچھ ہو میرے لیے ہو، میرے ساتھ رہو اور میرے ہی ہو کر رہو) نفس کے سارے مطالبے خدائی مطالبے کی ضد ہیں۔

دیکھتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے حمد و ثنا چاہتا ہے۔ میرا اور تمہارا نفس بھی یہی چاہتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی تعریف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے مطابق چلیں اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں۔ میرا اور تمہارا نفس بھی تمام مخلوق سے یہی مطالبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خواہش یہ ہے کہ تمام مخلوق کی رغبت اس کی طرف ہو اور لوگ اسی سے ڈریں۔ نفس کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ اسی طرح دوسرے

معاملات کو بھی شمار کرو۔ اور تحقیق کی نظر سے دیکھو کہ نفس کی رضامندی منشائے الٰہی کی ضد ہے یا نہیں؟ اسی سبب سے کسی نے کہا ہے ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم ؛ چند خود را تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

(میری پیشانی بتوں کے راہ میں سجدہ کرتے کرتے گھس گئی۔ کب تک میں اپنے اوپر مسلمانی کی تہمت رکھوں)

اور وہ جو خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اَسَاسُ الْکُفْرِ مُوَافَقَۃُ النَّفْسِ بُدُوْنَکَ۔ (کفر کی بنیاد تجھ کو چھوڑ کر نفس کی موافقت کرنا ہے) حقیقت بھی یہی ہے۔ اور حضرت خواجہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اَلنَّفْسُ صَنَمٌ وَالنَّظَرُ اِلَیْہَا شِرْکٌ وَالنَّظَرُ فِیْہَا عِبَادَۃٌ۔ (نفس ایسا صنم ہے جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا شرک ہے، مگر اس کی نگرانی کرنا عین عبادت ہے) اور یہ جو تم نے سنا ہے کہ بزرگوں نے مدتوں اپنی زندگی اسی طرح گذاری کہ کسی معاملہ میں نفس کی کبھی موافقت نہیں کی تو یہ اسی وجہ سے ہے۔ اور عارفوں کا یہ کہنا کہ لَا یَغْفِلُ عَنِ النَّفْسِ وَاِنِ انْتَہَیْتَ فِیْ مَعْرِفَۃٍ (نفس سے غافل نہ رہو خواہ تم معرفت میں انتہا تک پہنچ جاؤ) یہ بھی اسی بنا پر ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے ادا کیا ہے۔

بیت

درکوے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا ؛ چوں برہمن پیر بہ بت خانہ بماندم

(افسوس بتوں کی گلی میں ساری عمر گذر گئی۔ پھر بھی بوڑھے برہمن کی طرح میں بت خانہ ہی میں رہا)

جب تم نے جان لیا کہ نفس بھی کافروں میں سے ایک بڑا کافر ہے۔ اور کافروں کو دوست رکھنا حرام ہے بلکہ اس سے جنگ کرنا فرض عین ہے۔ اسی طرح نفس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے کہ اس کو دشمن تصور کرنا اور اس سے ہر وقت جنگ کرتے رہنا فرض عین ہے۔ اسی سبب سے اس بیچارہ نے کہا ہے ؎

ازیں کافر کہ مارا در نہاد است ؛ مسلمان در جہاں کمتر فتاد است

(اس کافر کی وجہ سے جو ہماری سرشت میں ہے۔ دنیا میں مسلمان بہت کم رہ گئے ہیں)

جب تم نے اس نیت و ارادہ سے جہاد کے لیے تلوار اٹھائی اور نفس سے جنگ کی۔ اور کامیاب ہوئے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (بیشک تم کامیاب ہوئے اور یہ بڑی کامیابی ہے) کی خوشخبری ہے۔ اور اگر اس مقابلے میں مارے گئے تو شہید ہوئے۔ مَنْ قَتَلْتُہٗ فَاَنَا دِیَتُہٗ (اور جس کو میں نے قتل کیا تو اس کی دیت میں خود ہوں) تو یہ خوش خبری بھی تمہارے ہی لیے ہے۔

اے بھائی! یہ کیسا جہاد ہے کہ کافر کو تلوار کے ذریعہ ہٹایا جا سکتا ہے، اور اگر موقع نہ ہو تو اس سے

کترا کر الگ ہو سکتے ہیں۔ اور شیطاں کو لاحول اور ذکر کے ذریعہ خود سے دور رکھ سکتے ہیں۔ جہاد تو دراصل وہ ہے جو اس نفس کافر کے ساتھ ہے۔

ارشاد نبوی ہے رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی جِهَادِ الْاَکْبَرِ (ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے) یہ اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ یہ نفس کافر، جو خطرناک دشمن ہے، ہمارے جسم میں موجود ہے۔ نہ تو اس کو اپنے سے دور کیا جا سکتا ہے اور نہ خود اس سے الگ رہا جا سکتا ہے۔ اس سے مفر کا کوئی راستہ نہیں دنیا کے تمام دشمنوں کے ساتھ اگر موافقت کی جائے اور حسن سلوک سے پیش آیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ہمدرد اور دوست بن جائیں۔ لیکن یہ کافر تو ایسا دشمن ہے کہ جس قدر بھی اس کے ساتھ موافقت اور احسان کرو۔ اس کی دشمنی میں اضافہ ہوتا جائے گا یہاں تک کہ وہ ہلاک کر دے گا۔ پھر بھی اپنا حال یہ ہے کہ اسی کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور اسی کی غلامی میں کھڑے رہتے ہیں۔ ؎

گہ مسلمانی وہی گہ زر دہی ✽ تا کہ یک لقمہ بدیں کافر دہی

(کبھی اپنا اسلام اس کے حوالہ کرتے ہو اور کبھی دولت سے نوازتے ہو تا کہ اس کافر کو ایک لقمہ دے سکو)

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ نفس سے جہاد کرنا، جہاد اکبر ہے، لیکن جب تک بدنصیبی کی یہ دیوار حجاب بن کر حائل ہے اور بدبختی راستہ کی رکاوٹ بنی ہوئی ہے تو اس وقت تک سعادت ابدی اور دولت سرمدی سے محجوبی رہے گی۔ اور محبوب و مطلوب کے دربار سے دوری رہے گی۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

ذرہ تا از ہستیِ خویشت بود ✽ صد فراقِ سخت در پیشت بود

(جب تک تیری ہستی کا ایک ذرہ بھی باقی ہے۔ اس وقت تک سینکڑوں جدائیاں در پیش ہیں)

تم نے تو وہ سنا ہو گا جو لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا خدایا! تجھ تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالْ (اپنے نفس کو چھوڑ دو پھر آجاؤ) یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کو چھوڑ دو، مخلوق کو چھوڑ دو، زن و فرزند کو چھوڑ دو، مال و اسباب کو چھوڑ دو اور چلے آؤ۔ یا نماز پڑھو، روزہ رکھو اور آجاؤ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ طالب حق کے لیے نفس کافر سے پیچھا چھڑانا فرض عین ہے۔ اور یہ تقاضائے حال ہے ۔ ورنہ بغیر اس کے حق کی معیت حاصل نہ ہو گی۔ جس نے بھی کہا ہے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی

تا دریں حضرت خودی می ماندت ✽ صد جہانِ پُر بدی می ماندت

(جب تک اس دربار میں تیری خودی باقی ہے۔ سینکڑوں جہان تیری برائی سے بھرے ہوئے ہیں)

زاں کہ گرموئے بماندت از خودیت ۞ ہفت دوزخ پُر بر آید از بدیت

(اس سبب سے کہ اگر تیری خودی میں سے ایک بال برابر بھی باقی ہے تو سات دوزخ تیری برائی سے بھر جائیں گے)

اسی طرح خواجہ ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اَلنِّعْمَۃُ الْعُظْمٰی اَلْخُرُوْجُ مِنَ النَّفْسِ لِاَنَّھَا اَعْظَمُ حِجَابٍ بَیْنَکَ وَبَیْنَ اللّٰہِ (سب سے بڑی نعمت نفس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے اس لیے کہ یہی تیرے اور اللہ کے درمیان حجاب ہے) لہٰذا تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کے لیے تمام تمام حجابات اور جملہ بے مائیگی اور بے نصیبی کی جڑ یہی نفس کافر ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اَلنَّفْسُ مَعْدَنُ کُلِّ سُوْءٍ (نفس تمام برائیوں کا مرکز ہے) اور فرعون لعین نے جو یہ کہا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) تو یہ بھی اس کے نفس کافر ہی کی آواز تھی۔ لیکن اس کا یہ دعوٰی علی الاعلان تھا مگر آج میرا، تمہارا اور ہم جیسوں کا حال یہ نہیں ہے۔ ہمارے نفس کا دعوٰی پوشیدہ ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر یہ دعوٰی اعلانیہ کرے گا تو شریعت کی تلوار سر اڑا دے گی۔ لیکن فرعون ملعون کو یہ خطرہ لاحق نہیں تھا۔

اب اگر تم پوچھو کہ آخر اس خطرناک مرض کا علاج کیا ہے؟ تو اسے بھائی! تمام مشائخ کرام کی ایک ہی رائے ہے کہ اس کافر کی مخالفت ہی تمام عبادتوں کی بنیاد ہے۔ مُخَالِفَۃُ النَّفْسِ رَاْسُ الْعِبَادَۃِ۔ یعنی نفس کی مخالفت ہی عبادت کی اصل ہے (جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

ترا تا نفس کافر درکمین است ۞ کجا تو رہبری آں جا کہ دین است

(جب تک نفس کافر تیری گھات میں ہے۔ جہاں دین ہے وہاں تک جانے کا راستہ تو کس طرح پائیگا؟)

یہی وجہ ہے کہ جب مشائخ کرام رضی اللہ عنہم سے لوگوں نے اسلام کے متعلق سوال کیا کہ کیا ہے؟ تو فرمایا ذِبْحُ نَفْسٍ بِسُیُوْفِ الْمُخَالِفَۃِ وَمُخَالِفَتُھَا تَرْکُ شَھَوَاتِھَا۔ (نفس کو مخالفت کی تلواروں سے ذبح کرنا ہے۔ اور نفس کی مخالفت یہ ہے کہ اس کی خواہشات کو ترک کر دیا جائے)

خواجہ سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ مَا اَعْبُدُ اللّٰہَ بِشَیْءٍ مِثْلُ مُخَالِفَۃِ النَّفْسِ۔ (میں نفس کی مخالفت کے مثل کسی چیز کے ذریعہ اللہ کی عبادت نہیں کرتا ہوں) تو اسی وجہ سے فرمایا ہے۔ مگر ہمارا اور تمہارا یہ حال ہے کہ شب و روز اس کی موافقت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ اور غلاموں کی طرح اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہلاکت کے سوا اور کیا ہوگا۔

اے بھائی! بہشت جو مخلوق ہے وہ نفس کی مخالفت کے بغیر نہیں مل سکتی، تو خالق بہشت نفس کی مخالفت کے بغیر کس طرح مل سکتا ہے۔ یہ تو محال ہے۔ لہٰذا جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ نفسانی لذات اور اس کی مرادات

سے پاک ہے اور مردانہ وار اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہے تو سمجھو کہ ایسے لوگ حق کی محبت کے دعویٰ اور طلب میں صادق ہیں۔ اور جب تم یہ دیکھو کہ کسی میں کوئی مراد بالذات و خواہشات نفس میں سے کچھ بھی باقی ہے، تو اس کے اس دعوے کو جھوٹ سمجھو۔ اس لیے کہ بزرگانِ دین نے کہا ہے۔ جس شخص نے پوری عمر میں ایک بار بھی شعوری طور پر نفس کی حمایت میں قدم اٹھایا ہو تو سمجھ لو کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے کیوں کہ محبت کی ادنیٰ ترین شرط وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی کہ دوست کے دوست سے دوستی کرنا اور دوست کے دشمن سے عناد رکھنا۔ یہی حق محبت ہے۔ پھر اگر ایک قدم بھی نفس کی مراد کے مطابقت میں اس کی رضامندی کے لیے اٹھا، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دوست کے دشمن کو اس نے محبوب بنایا۔ پھر یہ محبت کہاں ہوئی۔ مشروط بغیر شرط کے محال ہے۔ اور دعویٰ دلیل و برہان کے بغیر جھوٹا ہوتا ہے۔

تم نے سنا ہوگا کہ بعض سالکوں نے زنار باندھا ہے۔ تو اس کا تعلق اسی مقام سے ہے۔ اور یہ بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ لباس ظاہری جو اظہار تقویٰ کے لیے ہو، نفس اسے اپنے مقاصد کے لیے ذریعہ بنا لیتا ہے۔ لہٰذا ظاہر دارانہ نفس کی مخالفت تقلید سے صحیح نہیں ہوتی۔ کسی نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

بُرد درختِ بقائے روحانی ٭ ازرہِ کفر در مسلمانی

(کفر کی راہ سے جو اسلام کی طرف آیا۔ اس نے دونوں جہانوں کی بقا کی متاع حاصل کر لی)

اور یہ جو کہا جاتا ہے اِنَّ فِی الْخَمْرِ مَعْنیً لَیْسَ فِی الْعِنَبِ (انگور کی شراب میں جو بات ہے وہ انگور میں نہیں) اس کا مفہوم یہی ہے۔ جسے اہل ذوق خوب جانتے ہیں۔ اسی حقیقت کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

گرد ہر شہر ہرزہ چوں گردی ٭ دل دراں رہ طلب کہ گم کردی

(ہر شہر میں کیوں مارے مارے پھرتے ہو۔ دل وہاں ڈھونڈو جہاں تم نے اسے گم کیا ہے)

عقل فرماں کشیدنی باشد

عشق وایماں چشیدنی باشد

(عقل تو فرمان کی بجاآوری کا نام ہے۔ اور عشق وایماں، یہ تو چکھنے کی چیز ہے)

ایک عزیز نے بھی ایک رباعی میں اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔

رباعی

پا سے اوگیرم و سر بر خطِ فرمانش نہم ٭ بندہ او باشم و از مرتبہ بیزار شوم !
ہمچوں حلاج وفا پیشہ دریں راہ بہ عشق ٭ ترکِ خود گیرم و سرمست سوئے دار شوم

(اس کے پاؤں پڑوں اور سر اس کے حکمنامہ پر رکھ دوں، اس کا غلام بن جاؤں اور مرتبہ سے بے زار ہو جاؤں۔

وفا پیشہ حلاج کی طرح اس راہ میں عشق کی وجہ سے اپنے آپ کو ترک کر دوں۔ اور مستانہ دار دار کی طرف چلا جاؤں)

والسلام

۳۰—۱۱—۷۹

مکتوب ——— (۱۹)

ظاہر و باطن کی پاکیزگی

بجانب قاضی شمس الدین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اے بھائی! آدمی دونوں جہان میں جو عزت و مرتبہ حاصل کرتا ہے اسی طہارت کی وجہ سے حاصل کرتا ہے۔ تمام سعادتوں اور دولتوں کا مرکز یہی پاکی ہے۔ ناپاکی اور آلائش و آلودگی، تمام انبیاء ملائکہ اور صدیقین کے یہاں بھی مہجوری اور نامرادی کا سبب ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن ✽ ہر چہ جز دیں از و طہارت کن

(حق کے سوا جو کچھ ہے اسے جلا ڈال۔ اور تباہ و برباد کر دے۔ اور دین کے سوا جو کچھ ہے اس سے طہارت حاصل کر)

تا ہمچو الف نہ گردی از خویش ✽ ایں کار تو برنہ خیز دار پیش

(جب تک تو الف کی طرح سیدھا نہ ہوگا۔ تجھ سے یہ کام نہیں بنے گا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلَی النَّظَافَۃِ (اسلام کی بنیاد پاکیزگی پر ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ کسی طرح کی آلائش اور نجاست کو قبول نہیں فرماتا۔ اور اپنے جمال جہاں آرا کو کسی ایسی چیز سے آلودہ نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ (اس قرآن کریم کو صرف پاک ہی لوگ چھوئیں) آلودہ لوگ اسی نگاہ قہر کے ذریعہ الگ کئے جاچکے ہیں۔ پھر اسی طرح اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ۔ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیزوں کو قبول کرتا ہے) اکے جلال نے دین اسلام کی بارگاہ کو تمام آلودگیوں سے پاک کر دیا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

پاک شو تا ز اہل دیں گردی ✽ آں چناں باش تا چنیں گردی

(پہلے اپنے آپ کو پاک کرو تاکہ دین والوں میں سے ہو جاؤ۔ پہلے ویسے بنو تاکہ ایسے ہو جاؤ)

طہارت کے سلسلہ میں سب سے پہلی[۱] بات تو یہ ہے کہ کپڑا اور بدن پاک ہو اور لقمہ بھی حلال ہو۔ اس کے بعد حواس[۲] خمسہ گناہ کے ارتکاب سے پاک ہو۔ پھر قلب[۳] کا تمام اوصاف مذمومہ مثلاً بخل و حسد، کبر و ریا وغیرہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اس طرح مرید نے جب پہلی طہارت حاصل کر لی تو دین کی راہ میں ایک قدم وہ آگے بڑھا۔ اور جب دوسری پاکی حاصل ہوئی تو دو قدم، اور جب تیسری پاکی حاصل ہوئی تو مرید دین کی راہ میں تین قدم چلا۔ اب توبہ کی حقیقت اس پر ظاہر ہوئی۔ اور مرید حقیقت میں تائب ہو گیا۔

رباعی

اے پیر گنہگار دریں عالم فانی ؛ بشتاب سوئے توبہ بگذار توانی

تا تو نہ شوی خاک ہمی کوش بہ طاعت ؛ برباد مدہ عمر بکن انچہ توانی

(اے گنہگار بڈھے! اس عالم فانی میں توبہ کی طرف جلد دوڑ۔ جس قدر جلد ممکن ہو۔

جب تک تو خاک نہیں ہو جاتا اس وقت تک طاعت کی کوشش کرتا رہ۔ اور عمر کو برباد ہونے سے جس قدر جلد ممکن ہو بچالے)

اسی کو صوفیاء کی اصطلاح میں گردش کہتے ہیں۔ یعنی آلودگی اور نجاست کی حالت سے نکل کر پاکی اور طہارت کی طرف لوٹنا۔

جب یہ بات حاصل ہو گئی تو مرید اگر کلیسا تھا تو مسجد ہو گیا، بت خانہ تھا تو عبادت خانہ بن گیا، شیطان تھا تو آدمی بن گیا۔ اسی وقت مرید کے دل پر ایمان کی حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اور اسلام اپنا جمال جہاں آراد کھاتا ہے۔ پھر معرفت کا دروازہ اس کے سینہ پر کھلتا ہے۔ لیکن اس طہارت کے بغیر کتنا ہی کوئی مجاہدہ اور ریاضت کرے سب بے سود۔

مثنوی

اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد ؛ ہر عقد کہ در تو بود حل شد

(جب اوصاف ذمیمہ بدل گئے۔ تو تمہاری ہر گتھی سلجھ گئی)

چوں نیستی تو شد محقق ؛ خیزد ہمہ نعرۂ اَنَا الْحَق

(جب تیری نیستی محقق ہو گئی۔ تو جو نعرہ بھی تیرے منہ سے نکلے گا وہ اَنَا الْحَقُ ہی ہو گا)

اس کے سوا جو کچھ بھی ہے سب عبادت اور رسم ہے۔ ماں باپ کی تقلید ہے۔ وہ نہ اسلام ہے نہ دین ہے۔

اسی کو کسی نے بیان کیا ہے۔ ؎

آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ✤ رسم و عادت بود نہ دیں باشد

(جو خواہش کہ اس کے علاوہ ہو۔ وہ رسم و عادت ہے دین نہیں ہے)

یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اتنے مسلمانوں میں سے کوئی بھی مسلمان ہونے کی تعریف میں نہیں آتا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ ظاہری شریعت کے حکم پر ان کا اعتقاد ہے اس لیے وہ سب کے سب مسلمان ہیں۔ لیکن صرف پوست پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ ؎

پایہ بسیار سوئے بام بلند ✤ تو بیک پائے چوں شوی خرسند

(بامِ بلند تک پہنچنے کے لیے بہت سے مرتبے ہیں۔ تم ایک ہی مرتبہ پر کس طرح خوش ہو سکتے ہو)

اے بھائی! بندہ پر پاکی کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود بخود قلب سے ظاہر ہو۔ اور یہ محض فضل خداوندی پر موقوف ہے۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں "کفایت" کہتے ہیں۔ انبیاء اور صدیقین اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔ یہ طہارت اندر سے ظاہر ہوتی۔ دوسری صورت یہ ہے جو باہر سے اندر کو ملتی ہے۔ اس طہارت کا طریقہ مجاہدہ اور ریاضت ہے۔ جو عام لوگوں کے لیے ہے۔ اس کی ابتدا کپڑے سے ہوتی ہے۔ یعنی جب کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس طہارت کو حاصل کرے تو وہ کپڑے کی پاکی سے ابتدا کرتا ہے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا بغور مطالعہ کرو اور اسے بار بار پڑھو۔ انشاء اللہ معانی دل نشیں ہو جائیں گے۔ محض پڑھنے اور جاننے پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ بقدر طاقت عمل بھی کرو۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

کار کن کار، بگذر از گفتار ✤ کاندریں راہ کار دارد کار

(کام کرو کام۔ باتیں بنانا چھوڑ دو۔ کیوں کہ اس راہ میں کام ہی کی اہمیت اور ضرورت ہے)

راہ دیں صنعت و عبارت نیست ✤ جز خرابی از د عمارت نیست

(دین کی راہ صنعت و عبارت نہیں ہے۔ اس میں ویرانی کے سوا آبادکاری نہیں ہے)

اس سلسلہ میں تین وقتوں میں تجدید وضو پر مداومت لازمی ہے۔ یعنی بعد طلوع آفتاب بعد نماز ظہر اور بعد نماز عشاء۔ اس میں بہت زیادہ فوائد ہیں۔ اور شب جمعہ کی بیداری کی عادت اختیار کرنی چاہیئے۔ اس طرح کہ جمعہ کی رات کو کچھ نہ کھائیں۔ عشاء کی نماز کے بعد تجدید وضو کریں اور دو رکعت نفل پڑھیں۔ اس کے بعد نماز تسبیح پڑھیں۔ پھر اٹھ کر تازہ وضو کریں۔ اور ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھیں۔ ان دو رکعتوں کے بعد کی جو دعائیں منقول ہیں اسے پڑھیں۔ اس طرح دس بار یا پندرہ بار پڑھیں۔ یا جتنی بار ممکن ہو ادا کریں۔

بعض اہل مجاہدہ نے آخر شب میں صبح کے قریب غسل کیا ہے۔ اور بعضوں نے پانچوں وقت نماز سے پہلے وضو کی بجائے غسل کیا ہے۔ اہل مجاہدہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ تازہ وضو یا غسل بہت زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس نیک کام کی پابندی کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہیں ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے پاک کر دے گا اور طہارت ظاہری اور باطنی سے نوازے گا۔

والسلام

روز عاشورہ ۱۴۰۰ھ بوقت ۵ بجے شام

مطابق یکم دسمبر ۱۹۷۹ء۔ بروز شنبہ

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ پاکستان

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ (۲۰) [1]

علم کا شوق دلانا اور اچھی صحبت کو غنیمت سمجھنا

برادر عزیز شمس الدین طال اللہ بقاءہ فی الطاعۃ

کاتب کی طرف سے سلام تحت مطالعہ کریں۔ اے برادر! خیال رکھو۔ اس وقت قاضی صدرالدین وہیں ہیں۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھو۔ اور سعادت کی علامت خیال کرو۔ خواب و خورد اور آرام و آسایش کو ترک کر کے رات دن حصول علم میں مشغول ہو جاؤ۔ کیوں کہ معاملت یعنی مجاہدہ اور ریاضت کے لیے علم کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز کے لیے طہارت۔ کوئی معاملت علم کے بغیر نہیں ہوتی، جس طرح کوئی نماز بغیر وضو کے نہیں ہوتی۔ اسی سبب سے کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

علم نر آمد و عمل مادہ ॰ دین و دولت بدو شد آمادہ

(علم نر ہے اور عمل مادہ ہے۔ دین و دولت اسی سے حاصل ہو سکتے ہیں)

کار بے علم بار ور بر نہ دہد ॰ تخم بے مغز ہم ثمر نہ دہد

(عمل بے علم کے پھول پھل نہیں دیتا ہے۔ بیج مغز کے بغیر پھل نہیں لاتا ہے)

بے علم مجاہدہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بے وضو برسوں نماز پڑھے یا ایمان کے بغیر تلاوت قرآن کرے۔

لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم کسبی ہے۔ جو استادوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یا کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرا علم وہ ہے جو قلب کے اندر سے روشن ہوتا ہے۔ اس کی بھی تین قسمیں ہیں۔

پہلا وہ علم سینہ ہے جو بے نیازی کے دربار سے پیغمبروں کے قلوب پر وحی کیا جاتا ہے۔ یہ علم

---

[1] یہ خط مکتوبات صدی میں بھی ہے۔ جس کا نمبرہ ۵ ہے۔ نعیم

انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔

دوسرا وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے اپنے خاص بندوں یعنی اولیاء اللہ کے دلوں میں القا کرتا ہے۔

تیسرا وہ علم ہے جو پیغمبروں کے سینہ کے واسطہ سے صدیقوں کے سینہ تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح پیروں کے واسطہ سے مریدوں کے سینوں تک منتقل ہوتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ (شیخ اپنی قوم میں ویسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں) مرید خدائے تعالیٰ کو اپنے پیروں کے دلوں میں پاتے ہیں۔ یعنی پہچانتے اور جانتے ہیں۔ پانے کا مفہوم یہی ہے۔

قطعہ

برلوحِ دلت نقش اگر ہیچ حروف است ❊ یک رمز ز اسرار معانی تو نہ دانی

چوں محو شد از لوحِ دلت حرف تمام است ❊ می داں کہ شدی محرم اسرار معانی

(تمہارے لوح دل پر اگر ایک حرف بھی لکھا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ اسرار معانی کا ایک نکتہ بھی تم نہیں جان سکتے۔ جب وہ سارے حروف مٹ جائیں گے، اس وقت تم اسرار معانی کو سمجھنے لگو گے)

اے بھائی! علم تمام سعادتوں کی بنیاد ہے جس طرح جہل تمام بدبختیوں کی بنیاد ہے۔ نجات کی تمام راہیں علم سے کھلتی ہیں۔ اور تمام ہلاکت و بربادی جہل کی وجہ سے ہوتی ہے۔ فردوسی درجات اور عالم قدس کے کمالات علم ہی کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

نیست از بہر آسمانِ ازل ❊ نردبانِ پایہ بہ ز علم و عمل

(آسمانِ ازل تک پہنچنے کے لیے علم اور عمل سے بہتر کوئی اور زینہ نہیں ہے)

دوزخ کی گہرائیوں میں اور دکھ دینے والے عذاب میں انسان جہل ہی کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے اور علم کے دربار میں مومن کے علاوہ کوئی دوسرا قدم نہیں رکھ سکتا۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ - (اللہ مومنوں کا دوست ہے وہی ان کو (جہل کی) تاریکیوں سے نکال کر (علم کی) روشنی کی جانب لاتا ہے) اسی طرح میدان جہل میں کافر ہی سکونت اختیار کر سکتا ہے مومن نہیں کہ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط (اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں) یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یہاں ظلمات سے جہل مراد ہے۔ یعنی علم کی روشنی سے جہل کی تاریکی کی طرف

لے جاتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح مومن کو بدبختی اور کفر سے بھاگنا چاہیئے۔ اسی طرح جاہل کے جہل سے بھی دور رہنا چاہیئے۔

شریعت کا فتویٰ ہے کہ اَلْعَالِمُ حَبِیْبِیْ وَالْجَاھِلُ عَدُوِّیْ (عالم میرا دوست ہے اور جاہل میرا دشمن) چنانچہ جس طرح جاہل کے جہل سے گریز کرنا واجب ہے اسی طرح علمی صحبت اور علمائے ربانی کی صحبت حاصل کرنا فرض ہے۔ علمائے دنیا اور علم دنیا نہیں۔ بلکہ علمائے آخرت سے علم آخرت سیکھنا فرض ہے اس میں غلطی نہ کرنا۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

علم را چوں تو خوانی از بازی ۞ آلتِ سازد جاہ ازاں سازی

(جب علم کو تو ہنسی کھیل کے لیے پڑھتا ہے تو گویا تو مال وجاہ حاصل کرنے کے لیے آلہ تیار کرتا ہے)

علم سوئے درِ اِلٰہ برد ۞ نہ سوئے نفس و مال وجاہ برد

(علم وہ ہے جو تجھے خدا کی طرف لے جائے۔ نہ کہ خواہشاتِ نفسانی اور مال وجاہ کی طرف)

علم گر بہر کاخ و باغ بود ۞ ہمچو مر دُزد را چراغ بود

(علم اگر محل اور باغ کے حصول کے لیے ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے چور کے ہاتھ میں چراغ ہو)

لہٰذا مجاہدہ و ریاضت وہاں تک نہیں پہنچا سکتے جہاں اس گروہ کی ایک دن کی صحبت پہنچاتی ہے۔ ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد ۞ دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(بیچاری چیونٹی نے تمنا کی کہ کعبہ تک پہنچے۔ کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی اور فوراً وہاں پہنچ گئی)

اے بھائی! کیا تم نے غور نہیں کیا ہے کہ لکڑی اور گھاس کی فطرت ہے کہ وہ ایک جگہ پڑی رہے مگر جب وہ پانی کی صحبت اور قریب اختیار کرتی ہے تو پانی کے ساتھ وہ بھی بہنے لگتی ہے۔ اسی طرح چیونٹی کی فطرت میں اڑنا نہیں ہے۔ لیکن جب اس نے کبوتر کی صحبت و قربت اختیار کی تو وہ بھی اڑنے لگی۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ لکڑی کی فطرت اور چیونٹی کی فطرت صحبت کی وجہ سے بدل گئی۔ لکڑی تیرنے لگی اور چیونٹی اڑنے لگی۔ صحبت کے متعلق یہ ایک عظیم راز ہے۔ کسی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ؎

اسپ توسن ز اسپ ساکن رگ ۞ گشت ہم خو اگر نہ شد ہم تگ

(سرکش گھوڑا پرسکون گھوڑے کی صحبت کی وجہ سے اس کی عادت اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ اس کا ہم قدم نہ ہو)

ایک مثال پر اور غور کرو لوہے کی طبیعت ہے کہ وہ پانی کی سطح پر نہیں ٹھہر سکتا بلکہ نیچے بیٹھ جاتا ہے

خواہ اس کا ایک چھوٹا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جب وہی لوہا، خواہ کتنی ہی بڑی مقدار میں کیوں نہ ہو، کشتی کی لکڑی کی مصاحبت اختیار کرتا ہے تو لکڑی سے تعلق کی بنا پر وہ بھی پانی پر تیرنے لگتا ہے۔ اسی پر اس گروہ کی صحبت کی برکتوں کو قیاس کرو۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ رسم و عادت پرستی سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے۔ مگر اس کی یہی ایک صورت ہے وہ یہ کہ دین داروں اور اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ اور ان کے دولت کے سایہ میں زندگی بسر کی جائے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

با حیاتِ تو دیں بروں ناید ❊ شبِ مرگ تو روز دیں زاید

(جب تک تو زندہ ہے تجھ پر دین کا عقدہ نہیں کھلے گا۔ البتہ جس رات تیری موت آئے گی اسی دن تیرا دین پیدا ہوگا)

آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ❊ رسم و عادت بود نہ دیں باشد

(وہ خواہش جو اس کے علاوہ ہو، وہ رسم و عادت ہے، دین نہیں ہے)

تا رہبرِ تست عادت خویش ❊ شیطانی و منافقی نہ درویش

(جب تک تیری عادت رہبر ہے، تو شیطان و منافق ہے، درویش نہیں ہے)

اس وقت جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قاضی صدر الدین کی صحبت اور معیت عطا کی ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو غنیمت سمجھو۔

والسلام

۱۱ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ ہجری روز یکشنبہ
مطابق ۲ دسمبر ۱۹۷۹ء۔ بوقت گیارہ بجے دن
لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۲۱)

گردش کے بیان میں

برادر اعز شمس الدین! اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہیں سعادت ابدی تک پہنچائے۔

تمہارے چند خطوط ملے۔ جن میں بار بار تقاضا کیا گیا تھا کہ کچھ لکھا جائے۔ اور کسی امر کی طرف ارشاد و تنبیہ کی جائے۔ کچھ اپنی درماندگی کا بھی اظہار تھا۔ اس بنا پر متواتر چند خطوط لکھے گئے۔ ان کا بغور مطالعہ کرو۔ اور جو بات نہ سمجھ میں آئے، اس کی تحقیق قاضی صدر الدین سے کرو۔ چونکہ قاضی مذکور اسی طرف ہیں اس لیے کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی۔ کاتب حروف کی خواہش یہی ہے۔ اور بقدر وسعت کام کرتے رہو کہ اصل کام یہی ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

کار کن کار، بگذر از گفتار ؏ کاندریں راہ کار دارد کار

(کام کرو کام۔ باتیں بنانا چھوڑ دو۔ اس لیے کہ اس راہ میں کام ہی کی اہمیت ہے)

اے بھائی! کشود کار کے لیے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہر ساعت و ہر لمحہ توبہ کی جائے۔ کسی وقت اس سے غافل نہ ہوں۔ اور ہمت سے کام لیں تا کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی حقیقت تک پہنچا دے۔ کیوں کہ اصل کام توبہ ہے۔ مقامات و احوال کے لیے توبہ کی مثال زمین کی ہے۔ مقامات و احوال تو دیواریں ہیں۔ زمین نہ ہو تو دیواریں کہاں کھڑی کی جائیں گی؛ زمین کے بغیر دیوار کا کھڑا کرنا محال ہے۔ اسی طرح توبہ کے بغیر مقام و احوال کا حاصل کرنا محال ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان کا اصل سرمایہ توبہ ہے۔ جانتے ہو طریقت کی راہ کون چلتا ہے؟ ایمان۔ آلام و مصائب کا بوجھ کون کھینچتا ہے؟ ایمان۔ حادثات کی اس خوں خوار وادی سے کون گذرتا ہے؟ ایمان۔ زندگی کے بحر محیط میں تھپیڑے کون کھاتا ہے؟ ایمان۔ فراق و محرومی کے تلخ گھونٹ کون پیتا ہے؟ ایمان۔ اور یہ درد کون سہتا ہے؟ ایمان۔ حق تو یہ ہے کہ محبوب کی طلب کا صبر آزما کام ایمان اور صرف ایمان ہی انجام دے سکتا ہے۔ ؎

تا کے نفس از گماں بر آری ؏ ایماں بہ دل است و دل نہ داری

(کب تک نفس کو گمان سے نکالے گا۔ ایمان تو دل سے ہے اور تو دل نہیں رکھتا ہے)

اے بھائی! جب توبہ کی حقیقت ظاہر ہوگئی تو درحقیقت ایمان کی حقیقت ظاہر ہوگئی۔ اس لیے کہ ایمان کا آفتاب ہر سینہ میں توبہ کی مقدار کے مطابق چمکتا ہے۔ درِ توبہ جتنا کشادہ ہوگا، آفتابِ ایمان کی تابش اسی قدر تیز ہوگی۔ اسی لیے مقام توبہ کا درست کرنا تمام مہمات میں سب سے اہم ہے۔ اسی کو کسی نے اس شعر میں کہا ہے۔ ؎

اے پیر گنہگار دریں عالمِ فانی ؛ بشتاب سوئے توبہ وبگذار توانی

(اے بوڑھے گنہگار! اس عالم فانی میں توبہ کی طرف دوڑ۔ اور کاہلی کو چھوڑ)

توبہ کی حقیقت اپنے وجود سے پھرنا ہے۔ یعنی اپنی فطرت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جانب پلٹ دینا ہے۔ توبہ دراصل اسی گردش کا نام ہے۔ پیر مریدوں سے اسی گردش کے لیے چلہ کرواتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی پچھلی طبیعت سے گردش کرے۔ اور جب ایسا ہوجاتا ہے تو آدمی بدل جاتا ہے۔ پہلے دوسری چیز تھا اب کوئی اور چیز بن گیا۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی آدمی ہے۔ کیوں کہ جب صفت بدلی تو وہ بھی بدل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ جب صفات بدلے تو آدمی بھی بدل گیا۔ اگرچہ ذات اپنی جگہ قائم ہے۔ مگر اس کا اعتبار نہیں۔ اب اس کے لیے ایک دوسرا ایمان ظاہر ہوا۔ اسی کو حقیقتِ ایمان کہتے ہیں۔ اور جب ایمان آتا ہے تو کثرت کے پردے سامنے سے اٹھ جاتے ہیں۔ وحدت کا ظہور ہوتا ہے اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا تو با خویشی عدد بینی ہمہ ؛ چوں شدی فانی احد بینی ہمہ

(جب تک تو اپنے کو دیکھے گا تو "تعداد" نظر آئے گی۔ اور جب تو اپنے کو فنا کردے گا تو سب کو "احد" دیکھے گا)

وز دوئی عقل راست پیچاپیچ ؛ چشم ایماں دوئی نہ بیند ہیچ

(اور دوئی سے عقل کے لیے پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایمان کی نظر کبھی دوئی نہیں دیکھتی ہے)

لیکن گردش سے پہلے جو ایمان ہوتا ہے وہ تقلیدی ہوتا ہے اس کی حیثیت حرکت لسانی سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ جیسا کہ اکثر لوگ جانتے ہیں کہ وہ عادت و رسم ہے، ایمان کی حقیقت نہیں ہے اسی لیے کسی نے کہا ہے ؎

آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ؛ رسم و عادت بود نہ دیں باشد

(وہ خواہش جو اس کے علاوہ ہے۔ وہ رسم و عادت ہے دین نہیں ہے)

اے بھائی! ایمان تقلیدی اور حرکت لسانی کے اس لنگڑے گدھے کے ذریعے جس پر ہم اور تم سوار ہیں طریقت وحقیقت کی سخت اور ہیبت ناک وادی تو کبھی طے نہیں ہو سکتی۔ مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کا بوجھ ہاتھی ہی اٹھاتا ہے۔ ناتواں بکری پر لاد دیا جائے تو وہ بیچاری کس طرح کھینچ سکتی ہے؟ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

محرم دولت نہ بود ہر کسے ❊ بار مسیحا نہ کشد ہر خرے

(ہر سر دولت کا رازداں نہیں ہوتا۔ اور ہر گدھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا) رستم کو تو رستم ہی کا گھوڑا اٹھا سکتا ہے۔

اس مقام کی دوری اور اس کے خوف سے نفس کو گریز کا موقع نہیں دینا چاہیئے کہ اس کی صعوبت سے گھبرا کر ہمت ہار دے اور فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے یہ جواز پیدا کرے کہ جس کی طاقت اپنے میں نہ ہو اس سے الگ رہنا تو انبیا کی سنت ہے۔ اَلْفِرَارُ مِمَّا لَا يُطَاقُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ (جس چیز کی طاقت نہ ہو اس سے فرار اختیار کرنا مرسلین کی روش ہے) لکھنے اور کہنے میں یہی خوف ہے کہ آدمی ناامیدی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ناامید نہ ہو۔ کہ ناامیدی کبھی کسی حال میں کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ یہاں تو کام بے علت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیمت نہیں چاہتا۔

بہ تو تا دوست نیست راہِ دراز ❊ رہ توئی پائے نہ بر راہِ نیاز

(تجھ سے دوست تک کا راستہ طویل نہیں ہے۔ راستہ تو خود ہی تو ہے۔ پاؤں نیاز کے راستہ پر رکھ)

یہاں تو کام خلاف امید بھی ہوا کرتے ہیں۔ جس کی مثالیں بہت ہیں۔

ایک شخص بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ اس کو اپنی جگہ سے اٹھاتے ہیں۔ اور اٹھا کر ایسے مقام پر پہنچاتے ہیں کہ جن وانس، ملک اور ملکوت کی فہم وادراک سے اس کا مقام آگے ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اتنے وقفہ میں ہوتا ہے کہ بتوں کے آگے جو اس نے سجدہ کیا تھا، اس کی گرمی بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ لوگ متحیر ہو کر کہتے ہیں کیا تھا، اور کیا ہو گیا؟ جواب ملتا ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (جو کچھ اس نے چاہا کیا، وہ با اختیار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے دربار میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ اور نہ کسی طرح کی علت وسبب کو دخل ہے۔ وہاں تو بے علت کام ہوا کرتے ہیں۔ کسی کو بایزید کا مقام اور کسی کو ابوجہل کی تقدیر ملتی ہے۔ کسی کو اعلیٰ علیین تک پہنچاتے ہیں تو کسی کو اسفل السافلین میں ڈھکیلتے ہیں۔ اور کوئی علت وسبب درمیان میں نہیں ہے۔

لوٹ جاؤ اور چون وچرا کو دنیا ہی کے کاموں تک محدود رکھو۔ اس لیے کہ اسباب وعلل کا تعلق دنیا ہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ اطہار کے ذریعہ آں برادر کو چشم بینا عطا کرے۔ جب وہ مالک حقیقی تم کو تمہاری اپنی فکر سے ہٹا کر اپنی فکر میں لگا دے گا، تو فتح و

کامرانی کا دروازہ کھل جائے گا اور دولت کا نقارہ تمہارے دروازے پر بجے گا۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

رباعی

قاعدۂ عشق چوں در جانِ ماست
شاہ جہاں جا کرو دربانِ ماست
بندۂ عشقت چو شدیم اے صنم
در دو جہاں نافذ فرمان ماست

(جب تیرے عشق و محبت کا قاعدہ ہماری جان میں ہے تو جہان کا بادشاہ ہمارا خادم اور دربان ہے۔ اے صنم! جب سے ہم تیرے عشق کے بندے ہوئے ہیں، دونوں جہاں میں ہمارا ہی حکم نافذ ہے)

والسلام
۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ
مطابق ۳ دسمبر ۱۹۷۹ء بوقت گیارہ بجے دن
لطیف آباد، حیدر آباد سندھ۔ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۲۲)

تصفیہ اور تزکیہ نفس

برادرِ اعز شمس الدین! خدا کی طاعت میں ثابت قدم رہیں اور کاتب حروف کی طرف سے سلام و دعا مطالعہ کریں۔

اے بھائی! اچھی طرح سمجھو۔ یعنی اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور مذموم صفات کو محمود صفات میں تبدیل کرنے کی جس قدر ممکن ہو کوشش کرو۔ اور اس کو ایک بڑا مہم سمجھو۔ اس لیے کہ اس کام میں غفلت اور سستی برتنے میں سخت بلاؤں میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر درندے، وحشی جانور اور دوسرے حیوانات ہیں ان میں سے ہر ایک کی خاص صفت آدمی میں موجود ہے۔ لہٰذا جو حیوانی صفت بھی انسان میں غالب ہوگی، کل قیامت کے دن اس کا اسی صفت کے ساتھ حشر ہوگا۔ مثلاً کسی پر آج غصہ غالب ہے تو کل اس کو کتے کی صورت میں اٹھائیں گے، اور اگر کسی میں شہوت کی صفت غالب ہے تو اس کو سوئر کی صورت میں اٹھائیں گے، اور اگر آج کوئی غرور و تکبر میں مبتلا ہے تو کل اس کا حشر تیندوے کی شکل میں کریں گے، اگر آج کسی پر فریب اور چاپلوسی کی صفت غالب ہے تو کل اسے لومڑی کی شکل میں اٹھائیں گے۔ اسی پر تمام دوسری صفات کو قیاس کرو۔

حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کل دیکھیں گے کہ فرشتے آذر کو کشاں کشاں دوزخ میں لیے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کہیں گے بار خدایا! اس سے بڑھ کر میری رسوائی کیا ہوگی کہ میں میدانِ حشر میں کھڑا ہوں اور میرے باپ کو دوزخ میں لے جا رہے ہیں۔ پروردگارا! میں نے تو دنیا میں یہ دعا کی تھی:۔ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ (اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے) چنانچہ اب مجھے شرم آ رہی ہے اور میں مغموم ہوں کہ آج میرا باپ جہنم میں ہے۔

اسی وقت آذر کو آدمی کی صورت سے بجّو کی صورت میں تبدیل کر دیں گے۔ کیوں کہ دنیا میں اسی جانور کی صفت ان میں غالب تھی۔ پھر خلیل علیہ السلام خاموش ہو جائیں گے۔ اسی طرح اصحاب کہف کے کتے کو آدمی کی صورت میں بدل دیں گے۔ اور آدمیوں کی صف میں لا کھڑا کریں گے۔ کیوں کہ اس کی صورت تو یقیناً کتے کی تھی لیکن سیرۃً وہ آدمی تھا، اس میں آدمی کی صفت پائی جاتی تھی۔ اور آذر صورت میں تو آدمی تھا لیکن صفت میں بجّو تھا۔

یہاں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ظاہری شکل وصورت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ صورت میں خواہ آدمی ہو یا گدھا، پتھر ہو یا سونا، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل چیز تو معنی اور صفت ہے۔ لیکن جاہلوں کا معیار فکر دوسرا ہے۔ وہ صرف صورت ہی کو اہمیت دیتے ہیں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

قطعہ

مرد صورت پرست کس نہ بود ❊ ہوش او جز سوئے ہوس نہ بود

(ظاہر پرست مرد آدمی نہیں ہوتا۔ اس کا ہوش ہوس کے سوا کچھ نہیں ہوتا)

ہیچ معنی نہ دیدام ز خساں ❊ گر تو دیدی سلام من برساں

(میں نے تنکوں سے کوئی معنی نہیں دیکھا ہے۔ اگر تو نے دیکھا ہو تو میرا سلام پہنچا دے)

اے بھائی! اسی طرح بہت سے لوگ ہیں جن کو تم آج آدمی کی صورت میں دیکھتے ہو مگر کل ان کو درندوں اور وحشی جانوروں کی صفوں میں کھڑا دیکھو گے۔ اور بہت سے درندوں اور وحشی جانوروں کو کل تم انسانوں کی صفوں میں کھڑا پاؤ گے۔ بھائی! یہ گھاٹی بہت دشوار ہے اور یہ کام بہت مشکل ہے۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ احد پہاڑ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ (احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں) مگر اسباب وعلل پر نظر رکھنے والے یہ سوال کریں گے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اُحد پہاڑ تو جمادات میں سے ہے۔ اور جمادات محبت وعداوت نہیں کر سکتے۔ محبت وعداوت تو جاندار کی صفت ہے۔ پتھر محبت کرے یہ محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں" یہ ایک صاحب دل یعنی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ اہل دل کا شعور اور ان کی نظر پیدا کرو تو بات سمجھ میں آئے گی۔ اہل دل تو جمادات اور نباتات کی باتیں تک سنتے ہیں۔ مگر جو کچھ وہ سنتے ہیں اس کی خبر دوسروں کو نہیں۔ یہ سچ ہے کہ مجوب کو کسی چراغ سے حصہ نہیں ملتا۔ لوگوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ اہل کشف تو تمام اشیاء کی تسبیح سے، خواہ وہ جمادات ہی کیوں نہ ہو، واقف ہوتے ہیں۔ اور آسمان وزمین کی تمام چیزوں کی تسبیح و تہلیل سنتے ہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس نے اس طرح ادا کیا ہے۔

پیش تو ایں سنگ ریزہ ساکت است ❊ پیش ما حقا فصیح و ناطق است

(تیرے نزدیک یہ سنگ ریزہ خاموش ہے۔ لیکن میرے آگے خدا کی قسم فصیح اور بولنے والا ہے)

اور قرآن کریم نے بھی اس کی تصدیق کی ہے يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔

(آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں) عصمت الانبیاء میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں نقل ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ سارا عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ اپنے خالق پر عاشق ہے۔ اور اس کے طلب میں مضطرب ہے۔ اس مثنوی میں اسی کو بیان کیا ہے۔

مثنوی

صد ہزاراں راز بر مورے نہند ❊ در دلش از عشق خود شورے نہند

(چیونٹی کے دل میں لاکھوں راز رکھ دیئے ہیں۔ اس کے دل میں اپنے عشق کا شور مچا رکھا ہے)

ذرہ ذرہ عاشقانت در ہوا ❊ پُر شدہ از پرتوِ عشقِ خدا

(تیرے عاشقوں کا ذرہ ذرہ، عشقِ خدا کے پَرتَو سے پُر نور ہے)

جملۂ ذرات پیدا و نہاں ❊ نقطۂ عشق است در ہر دو جہاں

(تمام ظاہر و پوشیدہ ذرات دونوں جہان میں عشق کا ایک نقطہ ہیں)

اے بھائی! احد پہاڑ کے متعلق تو یہاں تک تفصیل آتی ہے کہ کل قیامت کے دن اس کا حجری لباس اتار کر آدمی کی شکل میں صدیقوں کے صف میں لا کھڑا کریں گے۔ کیوں کہ صدیقوں کی صفت اس میں غالب تھی اس لیے لازماً اسی صورت میں اس کو اٹھائیں گے جو صفت محمودہ کی وجہ سے اسے حاصل تھی۔

اے بھائی! یہ بہت ہی مشکل کام ہے بلکہ عظیم خطرہ درپیش ہے۔ صاحبان بصیرت کے سوا کوئی بھی اس کام میں مشغول نہیں ہے۔ لہٰذا غافل نہیں ہونا چاہیئے اور آہستہ آہستہ صفات محمودہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ صفات مذمومہ میں کسی قدر کمی ہو جائے بلکہ کوشش یہ ہو کہ مکمل تبدیلی واقع ہو جائے اس طرح بہت ممکن ہے کہ پوری کامیابی حاصل ہو جائے اور یہ کار عظیم پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ کل قیامت کے دن اس کا حشر کیا ہونے والا ہے؟ تو یہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اس کو چاہیئے کہ وہ خود اپنے قلبی حال اور اعمال کو دیکھے اور غور کرے کہ کون سی صفت اس پر غالب ہے جو صفت غالب ہوگی اسی میں اس کا حشر ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اس سے خوش ہے یا ناراض۔ تو اس کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اگر تمام کے تمام طاعت ہی طاعت ہیں تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اس لیے کہ رضامندی کی علامت طاعت ہے۔ اور اگر سب کے سب اعمال گناہ سے پر ہیں تو خدا کی ناخوشنودی اور ناراضگی کا اندازہ کرے۔ اس لیے کہ ناراضگی کی علامت معصیت کی زیادتی ہے۔ اور اگر دونوں قسم کے

اعمال و احوال ہیں تو جو حصہ غالب ہو، اس کے مطابق حکم لگائے۔ بس جو کچھ ہونا ہے اسی عالم میں ہونا ہے۔ جب یہاں کوئی کام نہ ہو سکا تو وہاں بھی نہیں ہوگا۔ ؎

زیرکاں را چو روز معلوم است ٭ کہ شب و روزِ غافلاں شوم است

(عقلمندوں کو یہ بات روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ غافلوں کے شب و روز منحوس ہیں)

اور اگر کسی شخص میں یہ صفاتِ خبیثہ باقی رہ گئی ہوں یعنی وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کر سکا ہو۔ ایسے شخص کو کل بہشت میں داخل بھی کر دیں، حور و قصور بھی نصیب ہو، بلکہ جنت کی تمام نعمتیں اس کے سپرد کر دیں تب بھی اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوگی اور جس حالت میں وہ ہوگا اس سے پھرنا ممکن نہیں۔ گویا وہ ایک ایسا آدمی ہے جو خود سے رکا ہوا ہے اور دولت دیدار سے محروم ہے۔ اس لیے بہر چاہیئے کہ اسی دنیا میں تبدیلی کر لے۔ جب یہاں نہ پھر سکا تو پھر وہاں بھی نہ پھر سکے گا۔

بیت

پاک شو تا ز اہل دیں گردی ٭ آں چناں شو کہ تا چنیں گردی

(پاک ہو جا تاکہ تو اہل دین میں سے ہو جائے پہلے تو ویسا بن تاکہ ایسا ہو جائے)

خواہ بہشت کی تمام نعمتیں اس کے لیے مباح ہوں مگر وہ ان کاموں کے گرد ہرگز گردش نہیں کر سکے جو کل مردانِ خدا کے لیے مخصوص ہوں گے۔ یعنی حور و قصور، مرغ بریاں اور آب رواں یہ سب کچھ میسّر ہوں گے۔ مگر وہ کہاں؟ جو جانوروں کا مقصود اور دلوں کا مطلوب ہے۔ اور تمام صدیقوں کا قبلہ اور تمام سالکوں کا کعبہ ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

رباعی

تا تو ز وجود برنیائی ٭ در موعدِ وصل در نیائی

در مشہد کے نہی پائے ٭ تا بر درِ او بہ سر نیائی

(جب تک تو اپنے وجود سے باہر نہیں نکلے گا اس وقت تک وصل کی وعدہ گاہ میں داخل نہ ہوگا تو شہادت گاہ میں کیسے قدم رکھ سکتا ہے؟ جب تک تو اس کے در پر سر کے بل چل کر نہ آئے)

اے بھائی! سچ مانو۔ اگر وہ نہ ملا تو کچھ بھی نہیں ملا۔ اور اگر وہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا مَنْ لَهُ الْمَوْلٰی فَلَهُ الْكُلُّ (جس کو مولیٰ ملا، اس کو سب کچھ ملا) اصل دولت تو یہی ہے۔ اگر کسی کو جنت کی ساری نعمتیں مل گئیں اور وہ اس دولت سے محروم رہا تو اسے کچھ بھی نہ ملا۔ اور جس کو یہ دولت نصیب ہوئی اس کو ساری نعمتیں

مل گئیں۔ جس کا آقا ہو گیا اس کا سب کچھ ہو گیا۔ اسی دولت والے گروہ کو اہل وحدت کہتے ہیں۔ جو ایمان حقیقی کے نور کے ذریعہ دوئی سے گذر کر محبوب حقیقی کے جلوہ کے مشاہدے میں مشغول رہتے ہیں۔

بیت

در دوئی عقل راست پیچا پیچ ❊ چشم ایماں دوئی نہ بیند ہیچ

(دوئی میں عقل کے لیے بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ ایمان کی نظر کبھی دوئی نہیں دیکھتی)

اے بھائی! ایام بیض کے روزے کسی حال میں بھی ترک نہ کرو، خواہ سفر ہو یا حضر ہو۔ کاہلی، سستی اور نیند کے غلبے کا علاج زیادتی غسل اور کثرت وضو سے کیا کرو۔

والسلام

۱۳ / محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز شنبہ

مطابق ۴ / دسمبر ۱۹۷۹ء بوقت ۷ بجے شام

لطیف آباد، حیدر آباد، سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۲۳)

تجرید وتفرید کا بیان[1]

میرے بھائی شمس الدین! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طاعت کی توفیق عطا کرے۔

اے بھائی! تجرید و تفرید مرید کے لیے شرط راہ ہے۔ تجرید تو علایق اور خلایق سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کا نام ہے۔ اور تفرید اپنے آپ سے جدا ہونے کو کہتے ہیں۔ یعنی زندگی کچھ اس طرح گذرے کہ دل میں کوئی غبار نہیں، پیٹھ پر کوئی بار نہیں، نہ کسی کے ساتھ کوئی حساب، نہ سینہ میں کوئی آزار اور نہ کسی مخلوق سے کوئی کام۔ ہمت ایسی کہ عرش کی بلندی سے بھی آگے مگر دونوں جہان سے گریزاں۔ صرف مراد کے ساتھ مطمئن۔ کونین کی دولت کے باوجود، اگر دوست سامنے نہیں، تو کوئی مسرت وخوشی نہیں۔ اور سارے جہان کی دولت میسر نہ ہو مگر دوست موجود ہو تو کوئی ناخوشی نہیں۔ اسی کو ایک عزیز نے کہا ہے۔ لَا وَحْشَةَ مَعَ اللهِ وَلَا رَاحَةَ مَعَ غَيْرِ اللهِ۔ (اللہ کے ساتھ وحشت نہیں اور غیر اللہ کے ساتھ راحت نہیں)۔

بیت

ہر کرا بوے رسد از سوے او ❊ ہر دو عالم چیست، خاکِ کوے او

(جس شخص کو اس کی طرف سے خوشبو پہنچتی ہے، اس کے لیے دونوں جہان کیا چیز ہے وہ تو اس کی گلی کی خاک ہے)

اسی طرح لوگوں نے کہا ہے کہ اس راہ کے راہی کو اگر اللہ تعالیٰ سے حجاب ہو جائے، تو رنج و بلا کی مصیبت سے کوئی چیز اسے چھڑا نہ سکے گی۔ خواہ دونوں جہان کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں کیوں نہ ہو۔ لیکن ہر وہ خرقہ پوش اور گدائے بے نوا جو پھٹے پرانے لباس میں ملبوس ہے اور نان شبینہ کو محتاج ہے اگر اسے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضوری حاصل ہے، تو اسے کونین کی بادشاہی حاصل ہے۔ کسی نے کہا ہے۔ **بیت**

چوں ترا نانے و خلقانے بود ❊ بر سرِ موے تو سلطانے بود

---

[1] یہ مکتوب بھی مکتوبات صدی میں موجود ہے مگر بہ الفاظ دگر۔

(جب تجھے روٹی اور مخلوق کا رشتہ حاصل ہے، تو تیرا بال بال غلام ہے)

خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ مَھْمَا عَذَّبْتَنِیْ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ الْحِجَابِ ۔ (اے میرے اللہ جب تو مجھے عذاب دینا چاہے، تو جو عذاب چاہے دے ۔ لیکن اپنے حجاب کے ذریعہ عذاب نہ دے) اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے ۔

جگرِ عاشقاں کباب مکن ❊ خانۂ عاشقاں خراب مکن

(عاشقوں کا جگر کباب نہ کر ۔ عاشقوں کے گھر کو اس طرح ویران نہ کر)

ار سزاوارِ رحمتِ تو نہ اند ❊ تو زہجرانِ شاں عذاب مکن

(اگرچہ تیری رحمت کے لائق نہیں ہیں ۔ تو پھر بھی تو اپنی جدائی کا عذاب انھیں نہ دے)

تا بہ بینند یک زمانِ رویت ❊ از پےِ قتل شان شتاب مکن

(ان کے قتل میں تو جلدی نہ کر تاکہ وہ تیرے جمالِ جہاں آرا کی ایک جھلک دیکھ سکیں)

اے بھائی! دوزخ کی حقیقت بھی یہی ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ؕ (ہرگز نہیں ۔ بیشک وہ لوگ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ڈال دیئے جائیں گے ۔) اس آیت میں کافروں کے عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ اور یہ عذاب شدید کا نہایت ہی مؤثر طریقہ ہے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں سے ملاقات کے لیے دوزخ میں اپنا خیمہ لگائے تو اس کے عاشقین وطالبین نار دوزخ کا سرمہ لگائیں ۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے بھی فردوس اعلیٰ میں حجاب میں مبتلا کر دیں تو یہ لوگ اتنا شور و فریاد کریں کہ جہنمیوں کو بھی پریشانی لاحق ہو اور وہ ترس کھانے لگیں ۔

بیت

با تو دل مسجد است بے تو کنشت ❊ بے تو دل دوزخ است با تو بہشت

(تیری موجودگی میں دل مسجد ہے ۔ ورنہ تیرے بغیر تو بت خانہ ہے ۔ تیرے بغیر دل دوزخ ہے اور تیری موجودگی میں بہشت ہے) ۔

مقصود یہ ہے کہ جب مرید پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی ظاہر ہو گئی اور دردِ طلب نے ان کا دامن پکڑ لیا تو ان پر یہ راز منکشف ہو گیا کہ مَنْ لَهُ الْمَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ وَمَنْ فَاتَهُ الْمَوْلٰى فَاتَهُ الْكُلُّ ۔ (جس کا مولیٰ ہے، اس کے لیے سب کچھ ہے ۔ اور اگر مولیٰ نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں) ۔

؎ چو تو دارم ہمہ دارم ، دیگرم ہیچ نہ باید

(جب میں تجھے رکھتا ہوں تو سب کچھ رکھتا ہوں، اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے)
یعنی حق کے سوا جو کچھ ہے اس سے تو چارہ ہے مگر حق سے کسی حال میں چارہ نہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پروحی کی گئی اِنَا بُدَّكَ اللَّازِمُ (میں تمہارے لیے ناگزیر ہوں یعنی سب سے چارہ ہے لیکن مجھ سے تم کو چارہ نہیں۔

مختصراً یہ کہ ہر طرح کے دعوے اور نفس کے تمام مطالبے ختم ہو جائیں۔ اسی کا نام تفرید ہے۔ مِنّیْ اور لِیْ (یہ میرا ہے اور یہ میرے لیے ہے) اس طرح کی کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں رہتی بلکہ وہ تو اپنے لیے دُعا کو بھی جائز نہیں سمجھتا موت و حیات اس کی نظر میں یک رنگ ہو جاتے ہیں۔ ہر حال میں دل کی کیفیت ایک ہی رہتی ہے۔ رد کرنا اور قبول کیا جانا، تعریف اور مذمت سالک کے ترازو میں ہم وزن ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہشت و دوزخ کا گذر بھی اس کے دل میں نہیں ہوتا۔ دنیا اور آخرت کی اس کے سینہ میں گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی حقیقت کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

بنمائے عاشقی کہ در آید بہ کیشِ تو ❊ وانگہ برائے وصل تو فرماں نہ می شود

(عاشقی اختیار کرتا کہ وہ تیرا مذہب بن جائے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے تیرے وصل کے لیے کوئی فرمان جاری نہیں ہوگا)

ہرکس کہ دید زلفِ تو ہرگز بہ طلوع او ❊ ازکفر سوئے ذرّہ ایماں نہ می شود

(جس شخص نے ایک بار تیری زلف کو دیکھ لیا، تو وہ کبھی کفر سے ایمان کی طرف نہیں جائے گا)
یہاں کفر سے مراد غیر سے بے زاری ہے۔ یعنی اس کے مشرب میں کفر سے جدائی کا مطلب ماسوا سے جدائی ہے۔
اب غور کرو کہ ایسے لوگ جبہ و دستار اور پلاؤ قورمہ کے لیے کسی مخلوق کے سامنے گردن کس طرح جھکا سکتے ہیں؟ بلند ہمت غوطہ زن جو بڑے سمندر کی گہرائی میں جان کی بازی لگا کر جاتا ہے اور وہاں سے رات کو روشن کرنے والا گوہر نایاب نکال کر لاتا ہے۔ بھلا وہ کسی بوڑھی عورت کے دیئے کے دھوئیں کے عوض اس دُرِ بے بہا کو کس طرح بیچ سکتا ہے۔

اے بھائی! ایسے لوگوں کا مقصود اللہ اور صرف اللہ ہوتا ہے۔ ان کا ہاتھ ماسوا اللہ کی طرف کبھی نہیں بڑھ سکتا۔ ان کے طلب کا پاؤں ہمیشہ اعلیٰ مقام اور کرامت کی راہ میں گامزن رہتا ہے۔ اور ان کے طلب کا گھوڑا ننگ و ناموس اور ملامت و ذلت کے خچر سے ہمیشہ آگے ہوتا ہے۔ ان کی روش تو یہ ہوتی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں لَوْ زَاحَمَنِي الْعَرْشُ لَخَفَضْتُهٗ. (اگر عرش بھی میرے مولیٰ کی راہ میں رکاوٹ بنے تو میں اسے پست کر دوں گا) اور وَلَوْ اَقْبَلَنِيَ الْكَوْنَيْنُ لَهَدَمْتُهٗ۔ (اور اگر دنیا اور آخرت بھی میری راہ میں حائل ہوں تو میں ان کو پامال کر دوں گا)

قطعہ

باشد ہمی ظلوم بہ تحقیق آدمی ٭ چوں عشق در وے آمد چیزے دگر شود

(آدمی تو درحقیقت ظلوم ہی رہتا ہے لیکن جب اس میں عشق داخل ہوتا ہے تو پھر وہ کچھ اور ہی چیز ہو جاتا ہے)

برخاکِ درگہش چو بیفگند خویش را ٭ بے عونِ رہبرے بہ سوئے عرش بر شود

(جب اس کے درگاہ کی خاک پر اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے تو پھر کسی رہبر کے بغیر ہی عرش کی بلندی پر جا پہنچتا ہے)

اس کی زندگی کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر آن طلب کے طورِ سینا پر چڑھتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح "اَرِنِیْ" (مجھے اپنا جلوہ دکھا) کا نعرہ لگاتا ہے۔ اور محبوب حقیقی کے دربار سے غیرت کے طور پر "لَنْ تَرَانِیْ" (تو ہرگز نہیں دیکھ سکتا) کا جواب سنتا ہے۔ سبحان اللہ! ان لوگوں کا بھی عجیب کاروبار ہے اور عجیب سودا ہے۔ اللہ اللہ آب وخاک کا کتنا بلند مقام ہے۔

رباعی

مارا بجز ایں جہاں جہانے دگر است ٭ جز دوزخ وفردوس مکانے دگر است

(ہمارے لیے اس دنیا کے علاوہ ایک اور ہی دنیا ہے جو دوزخ وبہشت کے سوا کوئی اور مقام ہے)

قلاشی ورندیست سرمایۂ عشق ٭ قرائی وزاہدی جہانے دگر ست

(قلاشی ورندی عشق کا سرمایہ ہیں۔ مہانی اور زاہدی کی دنیا اس سے الگ ہے)

اے بھائی! مرید صادق جب صفات تجرید وتفرید سے اپنے کو مزین کر لیتا ہے تو ان کی جلوہ گری عالم میں اس طرح کی جاتی ہے۔ اور پھر داؤد علیہ السلام کی طرح یہ ندا دی جاتی ہے۔ یَا دَاوٗدُ اِذَا رَاَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (اے داؤد آپ کسی کو میرا طالب دیکھیں تو آپ اس کی خدمت کریں)۔ سبحان اللہ یہ کیسے خوش قسمت لوگ ہوں گے جن کی خدمت کے لیے داؤد علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے۔ ان کے سامنے دوسروں کی کیا حقیقت ہے۔ خدائی راز کو سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے۔ اس کا ہر فعل مشیئت پر مبنی ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بیت

ملک بر دست شبانے می دہد ٭ منتِ او بر جہانے می نہد

(کبھی کسی چرواہے کے ہاتھ میں حکومت دے دیتا ہے اور اس کا احسان ساری دنیا پر رکھتا ہے)

عجب حال ہے۔ بت کدۂ آذر سے ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کو دیکھو اور بت کدۂ عبداللہ سے سیدنا محمد حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھو۔

اے بھائی! التجرید و تفرید کا درجہ یک بیک حاصل نہیں ہوتا، بلکہ جس کسی کو بھی ملا ہے رفتہ رفتہ ملا ہے یکبارگی کسی کو نہیں ملتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ سنت الٰہی یہی ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید حفظ کرنا چاہے یا علم تجوید حاصل کرنا چاہے تو اس کی ابتدا الف۔ ب سے کرائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد وہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد تجوید کی مشق کرائی جاتی ہے اور اس میں بھی اچھا خاصا وقت صرف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی قاعدہ کے مطابق ہے۔ کیا کیا جائے۔ اس معنی کی حقیقت کو کسی نے اس بیت میں ظاہر کیا ہے ؎

تو فرشتہ شوی ار جہد کنی از پے آں کہ ٭ برگ توت است کہ گشت است بہ تدریج اطلس

(اگر کوشش کرو تو تم تدریجاً فرشتہ کے درجہ تک پہنچ سکتے ہو۔ توت کے پتے کو دیکھو بتدریج وہی اطلس بن جاتا ہے)

اے بھائی! اپنے افلاس، بے استعدادی، ادبار اور آلودگیوں کی وجہ پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔ قدمِ ہمت بڑھائے چلو اور فضلِ خداوندی پر نظر رکھو۔ وہ چاہے تو ہزاروں کلیسا اور بت خانے کو کعبہ اور بیت المقدس بنا دے۔ اور ہزاروں ہزار فاجر و فاسق کو حبیب اللہ اور خلیل اللہ کہہ کر خطاب کرے۔ اور کوئی علت و سبب درمیان میں نہ ہو۔ اگر چاہے تو ہزاروں کافر کو ایک لمحہ میں مومن بنا دے اور ہزاروں بت پرست اور مشرک کو موحد بنا دے ہزاروں شقی کو رحمتی، ہزاروں خراباتی کو مناجاتی بنا دے۔ یہ سب کچھ اس کی رحمت سے بعید نہیں۔ اس لیے اس میں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

بیت

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند ٭ بسا رندِ خراباتی کہ زیں بر شیر بر بندد

(اکثر مناجات کرنے والا پیر سواری سے رہ جاتا ہے۔ اور اکثر رند خراباتی شیر پر زین کستا ہے)

اے بھائی! جو کچھ اس مکتوب میں لکھا گیا ہے اسے غور و فکر کے ساتھ بار بار تنہائی میں پڑھو۔ انشاء اللہ جب یہ حقیقت آں برادر کے دل پر واضح ہو جائے گی اور اس کے معانی دل میں جاگزیں ہو جائیں گے تو اس کے ثمر اور اثرات بھی اعضاء و جوارح سے ظاہر ہونے لگیں گے۔ اس طرح ظاہر بھی اس سے آراستہ ہوگا۔ بفضلہٖ و کرمہٖ بالنبی و آلہٖ۔

والسلام
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز شنبہ
مطابق ۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۳ بجے دن
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— ۲۴

بندگی کرنے اور بندہ ہونے کا بیان

برادرم شمس الدین! زَیَّنَ اللّٰہُ تَعَالٰی ظَاہِرَہٗ وَبَاطِنَہٗ بِطَاعَتِہٖ

اے بھائی! اپنا کام تو صرف بندہ بننا ہے، بندگی کے فرائض کو پورا کرنا ہے۔ غم بندگی ہمارے حصے میں ہے اور خدائی کرنا اس کا کام ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

بیت

بندہ آں بہتر کہ در فرماں رود ؛ کز خداوند آں چہ خواہد آں رود

(بندہ وہی بہتر ہے جو حکم بجالائے۔ اور جو اللہ چاہے اس پر عمل کرے)

بندگی کرنا کیا ہے؟ بندگی کرنا یہ ہے کہ جو کچھ وہ حکم دے، اس کو بہ سرو چشم قبول کیا جائے۔ بندہ ہونا کیا ہے؟ بندہ ہونا یہ ہے کہ جس طرح وہ رکھے، اس طرح زندگی گذاری جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح رکھے اس طرح رہو۔ چون و چرا کی زبان بند رکھو۔ زہر دے یا شربت برضا و رغبت اسے پی جاؤ۔ اپنی خواہش کو درمیان میں نہ لاؤ۔ یہ مجھے یہ چاہیئے اور یہ نہیں۔ اس کی اُس کے دربار میں گنجائش کہاں؟ ہم تو بندہ ہیں۔ بندہ کو مالک پر اعتراض کرنے کا حق کہاں ہے۔ جو کچھ وہ کرے سرِ تسلیم خم کر کے اسے قبول کرنا چاہیئے۔ ایک عزیز سے لوگوں نے پوچھا۔ بندگی کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام پر اعتراض نہ کرنا۔ قضا و قدر کو برضا و رغبت قبول کرنا، اگر زہر دیں تو شربت کی طرح خوشی خوشی پی جانا، اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

ہر کہ در سرِ محبت بندہ شد ؛ تا ابد ہم محرم و ہم زندہ شد

(جو شخص محبت کے حقیقی معنوں میں بندہ ہوا۔ وہ ہمیشہ کے لیے واقفِ راز اور زندہ ہوا)

اے بھائی! بندہ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس لعین کو دیکھو جس نے سات ہزار سال بندگی کی تھی۔ لیکن ایک لمحہ کے لیے بندہ نہ بن سکا۔ قطعاً اور یقیناً بندہ وہی ہے جو اپنے نفس کے تمام خواہشوں سے پاک ہو گیا ہو۔ اور لذت و آرزو کی قید سے اپنے کو آزاد کر چکا ہو۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ بندگی کیا ہے؟ فرمایا جب تو آزاد ہوا تو بندہ ہو گیا یعنی جب تم اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دو۔ اور اپنی تمام خواہشات نفسانی

سے آزاد ہو جاؤ تو یہی بندگی ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

تا دریں حضرت خودی می ماندت ٭ صد جہاں پُر از بدی می ماندت

(اگر اس دربار میں تری خودی کا ایک شائبہ بھی باقی ہے تو سینکڑوں جہان تیری برائی سے بھر جائیں گے)

زاں کہ گر موے بماند از خودیت ٭ ہفت دوزخ پُر بر آید از بدیت

(اس لیے کہ اگر تیری خودی میں سے بال برابر بھی باقی ہے تو ساتوں دوزخ تیری برائی سے بھر جائیں گے)

ایک عزیز نے کہا کہ دنیا میں عبدالرحمٰن، عبدالوہاب، عبدالرزاق اور عبدالرحیم نام کے لوگ تو ان گنت ہیں لیکن عبداللہ صحیح معنوں میں بہت کم ہیں۔ سچی بات تو یہی ہے کہ جو لوگ خدا کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ان کی مرادیں پوری کرے گا، وہ حقیقت میں اپنی آرزوؤں کی پوجا کرتے ہیں، خدا کی نہیں۔ وہ اپنے نصیب کے بندے ہیں۔ حق کے بندے نہیں ہیں۔

بو علی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ تم بہشت چاہتے ہو یا دو رکعت نماز؟ چونکہ بہشت تمہارا حصہ ہے اور نماز اللہ کے لیے ہے۔ اس لیے بہشت کو چھوڑ کر نماز طلب کرو۔ کیوں کہ جہاں بندے کا اپنا معاملہ آیا، مصائب و آلام کی ابتدا وہیں سے ہوتی ہے۔ اور مکر و بلا اسی گھات میں لگی رہتی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوئے تو اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ دو مرتبہ تک حضرت خضر علیہ السلام نے معاف کیا، اور طرح دے دی۔ یعنی جب کشتی میں چھید کیا گیا اور ایک لڑکے کو جان سے مار ڈالا گیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معترض ہوئے اور اپنی شرط پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ مگر حضرت خضر علیہ السلام نے اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار بنانے پر فرمایا لَوْ شِئْتَ لَا تَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا (اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے آپ نے دیوار کیوں مفت بنا دی؟) تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ۔ (اب سے میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے) اب ہمارا تمہارا ساتھ چھوٹا۔ دیکھو، جب تک غرض و مطلب کی بات درمیان میں نہ تھی، اعتراض کے باوجود دونوں ساتھ رہے۔ غلطیاں معاف ہوتی رہیں۔ مگر جب اجرت کا قصہ درپیش ہوا تو ایک لمحہ کے لیے بھی صحبت قائم نہ رہی۔

اہلِ نظر نے جب یہ دیکھا کہ اپنے مطلب کی فکر بری بلا ہے تو اپنی ہستی اور تمام خواہشات کو درمیان سے اٹھا لیا اور کہنے لگے ہم تو بندے ہیں اور بندے کی ملک ہیں، بندے کے حصے ہیں، بندے کے تصرف میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیونکہ اَلْعَبْدُ وَمَا فِي يَدِهٖ مِلْكٌ لِمَوْلَاهُ (بندہ اور جو کچھ بھی اس کے پاس ہے اس کے آقا کی ملک ہے) جب یہ حال ہے تو پھر یوں ہونا چاہیے کہ قبول ہے تو سر آنکھوں پر رد ہے تو

سر آنکھوں پر، نراحت ہے تو سر آنکھوں پر، گداحت ہے تو سر آنکھوں پر۔ اگر جلاکر خاک کر دیں تو بجان و دل منظور اور اگر موافقت کریں تو بسر وچشم قبول۔ یہ تو بتاؤ کہ اس کے سوا تم کر ہی کیا سکتے ہو؟ کیا قاضی کا گھر کھود ڈالو گے یا دیوار سے سر ٹکراؤ گے۔ فیصلہ تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ایک عزیز نے اس کی طرف کیا خوب اشارہ کیا ہے۔

بیت

خواہی بکش خواہ بزن خواہ بدار ؎ یک رویہ شدہ است مرا با تو کار

(تو مجھے قتل کرے یا مارے یا اپنے پاس رکھے تجھے اختیار ہے۔ میں تو جان و دل سے اپنے کام کو تیرے سپرد کر چکا ہوں)

ان باتوں کو دیکھ کر سالکانِ راہ نے یہ طے کیا کہ بہشت دوزخ کا وہم و گمان بھی دل میں نہ آنے پائے۔ ان کے خیال میں گویا یہ دونوں چیزیں معدوم ہو گئی ہیں۔ لہٰذا محض مفلس و بے نوا ہو کر انھوں نے اس راہ میں قدم رکھا، اور اپنے خدا کے سوا کسی کو نہ دیکھا، نہ جانا اور نہ چاہا۔ اس نقل سے شاید تم کچھ حاصل کر سکو۔

ایک درویش کو کسی عزیز نے دیکھا کہ وہ چلے آرہے ہیں۔ جب قریب ہوئے تو پوچھا جناب کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ اللہ! اس کے بعد پوچھا کہاں تشریف لے جائیں گے؟ جواب ملا۔ اللہ! پھر دریافت کیا آپ کا مقصود و مطلوب کون ہے؟ کہا اللہ! غرض جو بھی سوال کرتے سب کے جواب میں وہ اللہ ہی اللہ کہتے رہے۔

رباعی

من نامِ ترا بر کفِ خود بنگارم ؎ پس دیدہ بر آں نام نہم خون ببارم

(میں تیرا نام اپنی ہتھیلی پر لکھتا ہوں پھر آنکھیں اس نام پر رکھتا ہوں اور خون کے آنسو بہاتا ہوں)

از بس کہ دو دیدہ در خیالت دارم ؎ در ہر چہ نگہ کنم توئی پندارم

(میری دونوں آنکھیں تیرے تصور میں محو رہتی ہیں۔ میں جس کو دیکھتا ہوں تو ہی نظر آتا ہے)

اے بھائی! اس خیال سے طاعت کرنا کہ بدلہ ملے گا۔ اور اس نیت سے عبادت کرنا کہ اجر و ثواب حاصل ہوگا، اس کو زہر قاتل سمجھو۔ عبدیت و معبودیت کے نیاز و ناز کو لوگ سمجھے نہیں۔ ہم ایک بات تم سے کہتے ہیں شاید تم اس سے سمجھ جاؤ۔ اور وہ یہ ہے کہ اس بلند درگاہ، اس بارگاہ عالی رتبہ کی شان یہ ہے کہ ہزار سال تک تم وہاں سر رگڑا کرو اور ساری دنیا کے لوگ جتنی طاعت و عبادت کرتے ہیں وہ سب تم خود تنہا کر ڈالو اس کے باوجود یہ حکم ہوگا کہ او نابکار تو کسی کام کا نہیں، میں تجھے پسند نہیں کرتا، تو میرے لائق نہیں۔ وہاں کا اتنا کہنا،

وہاں کی اتنی جھڑکی، سمجھو کہ تمام طاعت کا اجر اور کل عبادت کا ثواب ہے۔ جو کچھ پانا تھا وہ تم پا چکے اور جو کچھ ملنا تھا وہ تمہیں مل چکا۔ کسی نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

مثنوی

کاملاں درراہ حق خوں خوردہ اند ❊ بندگی و حق گذاری کردہ اند

(کاملوں نے حق کی راہ میں خون جگر پیا ہے۔ اس طرح بندگی اور حق گذاری کی ہے)

بندۂ او باش تا باشی کسے ❊ در سگِ او باش ایں باشد بسے

(تو اس کا بندہ ہو جا تاکہ تو کچھ ہو سکے۔ اس کے کتوں میں شامل ہو جا، یہی کافی ہے)

نقل ہے کہ گذشتہ امت میں سے کسی ایک شخص نے سالہا سال طاعت و عبادت کی تھی اور عمر مجاہدہ و ریاضت میں گذاری تھی۔ پیغمبر وقت کے پاس وحی آئی کہ اس عابد سے کہہ دیجئے کہ اس قدر تکلیف عبادت اور زحمت ریاضت اٹھانا فضول ہے۔ تیرا ٹھکانا تو جہنم ہے۔ پیغمبر وقت نے جب یہ حکم خداوندی اس کو سنایا تو اس شخص نے طاعت و عبادت میں اور اضافہ کر دیا اور خوشی و شادمانی کا دروازہ اپنے اوپر کھول دیا۔ لوگوں کو یہ حال دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ اس سے کہنے لگے۔ سچ تو بتاؤ بات کیا ہے کیا تم دوزخی نہیں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ دراصل ہمارا خیال یہ تھا کہ غالباً ہم دوزخ کے قابل بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ دوزخ بھی تو اس کی مملکت میں ایک بڑی شے ہے۔ اب جب بذریعہ وحی خداوندی اس کا یقین ہو گیا کہ اتنی رعایت اِس نابکار کے ساتھ برتی گئی ہے کہ جہنم میں جگہ مقرر ہو گئی ہے تو یہ ہماری خوش نصیبی ہے۔ ہماری عزت و دولت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس خوشی میں تو ہمیں رقص کرنا چاہیے۔ کیا ہی خوب قسمت ہے اور کتنی بہتر دولت ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

گر ہمہ عالم ثواب تو بود ❊ تا تو می باشی عذاب تو بود

(اگر ساری دنیا تیرا ثواب ہو جائے۔ لیکن جب تیری ہستی موجود ہے، وہ تیرے لیے عذاب ہے)

ذرہ تا ہستی خویشت بود ❊ صد فراقِ سخت در پیشت بود

(جب تک تیری ہستی کا ایک ذرہ باقی ہے۔ وصال ناممکن ہے، فراق ہی فراق نصیب میں ہے)

اے بھائی! یہ واقعہ ہے کہ جب تک انسان اپنے کو بے قدری کی ترازو میں فاسق و فاجر سمجھ کر نہ تولے گا، اس سے بندگی درست نہ ہوگی۔ بندگی کی صحت کی علامت یہ ہے جو کسی نے کہا ہے۔ ؎

مرد باید نے سرا ورانہ پائے ؛ جملہ گم گشت درو، اوور خدائے

(مرد کو چاہیئے کہ نہ اس کا سر ہو نہ پیر۔ سب اس میں گم ہو جائے اور وہ خدا میں گم ہو جائے)

بزرگوں کا قول ہے کہ اگر ان کی روحوں کو کسی مرگھٹ پر بھیجیں تو وہ ایسی ذلیل و خوار دکھائی دیں کہ مرگھٹ کے کتے بھی ان کی طرف توجہ نہ کریں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

جملہ را عزّے کہ بود از ذل بود ؛ لاجرم ہر جزوِ ایشاں گل بود

(تمام لوگوں کی عزت، ذلت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو ان کے بدن کا ہر جزو پھول بن جاتا ہے)

جملہ اصحاب جاں باز آمدند ؛ عاشقانِ او سر انداز آمدند

(اس کے تمام چاہنے والے اپنی جانوں پر کھیلنے والے ہیں۔ اس کے عشاق سر کے بل آتے ہیں)

یہ صرف قیاسی بات نہیں ہے بلکہ ایسا ہو بھی چکا ہے۔

نقل ہے کہ ایک بزرگ رات کے وقت اپنی مناجات میں کہہ رہے تھے کہ الٰہی تیری محبت جو میرے دل میں ہے اس کے ذریعہ سے مجھ کو قبول فرما۔ اور اگر میری محبت قابل قبول نہیں ہے تو بندگی کی وجہ سے مجھے قبول فرما۔ اور اگر بندگی بھی پسند نہیں ہے تو اپنے در کا کتا ہی سمجھ کر قبول کر۔ صبح کو وہ بزرگ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک کتے نے انھیں اپنی طرف متوجہ کیا اور زبانِ حال سے کہا کہ حضرت سلامت رات تو آپ کا مزاج ہی نہیں ملتا تھا یعنی بڑی حوصلہ مندی سے سگِ درگاہِ باری تعالیٰ ہونے کی تمنا کر بیٹھے۔ دیکھئے، ہوشیار ہو جایئے ایسی لغو اور فضول بات سے آئندہ احتیاط کیجیئے گا۔ اگرچہ ہم بہ لباس سگی ہیں مگر ابتدائے پیدائش سے اب تک سر مو بھی اُس کی خواہش کے خلاف کوئی خواہش ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔ یہ سن کر بزرگ نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور کہنے لگے۔

بیت

اے کاش کہ در پائے سگانِ تو شوم گرد ؛ آں بخت نہ دارم کہ سگِ کوئے تو گردم

(ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ تیری گلی کا کتا بنیں۔ کاش ایسا ہو کہ ان کتوں کے پاؤں کی خاک ہی ہو جائیں)

اے بھائی! ایک تو خود خاک کی اصلیت ذلیل و خوار اور بے قیمت ہے۔ اس پر لطف یہ کہ ہزاروں معصیت اور خلاف ورزی کی آلودگی کے ساتھ ظلوم و جہول ہونا اس کا لباس ہوا۔ ایسی صورت میں غرور و تکبر کہاں زیب دیتا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ تم کو ایسی بصیرت عطا کرے کہ اپنے کو ویسا ہی سمجھو جیسے تم ہو۔ اور ایسا علم

نصیب کرے کہ خود کو ویسا کرے کہ خود کو ویسا ہی جانو جیسے کہ تم ہو۔ جیسے کہ تم ہو۔ بفضلہ وکرمہ بالنبی وآلہ۔

اے بھائی! یہ خاک دان منزلِ اندوہ اور بیت الاحزان ہے۔ اس میں چند دنوں کے لیے تم مقید ہو۔ اگرچہ تم طرح طرح کی آفات وبلا میں مبتلا ہو اور بے نوائی اور مفلسی کا عالم ہے۔ مگر کچھ غم نہ کرو۔ انشاء اللہ وہ زمانہ بھی آئے گا جب کہ اِرْجِعِیْ (پلٹ آؤ) کا شاندار خطاب ہوگا۔ اور رضائے الٰہی اپنے سایہ محبت میں لے کر جوارِ کرامت تک تمہیں پہنچا دے گا۔ پھر اس وقت تم دیکھو گے کہ تمہاری کیا عزت اور کیا مرتبہ ہے۔ اور عشق کی ملامت، عشق کا اندوہ وغم کس قدر قدر وقیمت رکھتا ہے۔

مثنوی

ہر کرا در دین سبیل بود
مرحبا گوے جبرئیل بود
دو جہاں را بہ زیر پا آری
گر ہوا را بہ زیر پا آری

(جو شخص دین کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو مرحبا کہتے ہیں
اگر تم اپنی تمام خواہشات کو پامال کر دو تو دونوں جہان تمہاری قدموں میں ہوں گے)

۱۹ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ
مطابق ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء بوقت ۱۲ بجے دن
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۲۵)

نزولِ بلا کے وقت راضی برضا رہنا

برادر اعز شمس الدین! سلام و دعا۔

معلوم ہوا ہے کہ آں برادر کو دہلی سے واپسی پر بڑی صعوبتوں اور تکلیفوں سے واسطہ پڑا۔ اور اسباب معاش بھی تلف ہوا۔ چنانچہ قصبہ میں بھی فردوسی قافلہ کی جانب سے سخت تشویش تھی۔ اور لوگ پریشان ہوئے۔

اے بھائی! یہ تو پڑھ چکے ہو کہ اَلدُّنْیَا دَارُ الْبَلَاءِ وَ الْمِحْنَۃِ (دنیا محنت اور آزمائش کی جگہ ہے) کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ایک قدم بھی یہاں کی راہ بغیر بلا اور محنت کے طے کر سکے۔ لازماً یہاں کے حالات کے ساتھ نباہ کرنا پڑے گا۔ قضا و قدر کی جانب سے جو کچھ سامنے آتا ہے اس کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ کہ یہی بندگی ہے۔ اور بندگی مراد کی ضد ہے۔ لہٰذا دو متضاد چیزیں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ ؎

نہ رود بر مرادِ ما کارے ٭ بندہ بودن چنیں بود آرے

(اس دنیا میں انسان کی خواہش کے مطابق کام نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اس پر صبر کرنے کا نام "بندہ ہونا ہے")

اے بھائی! جدِ محترم آدم علیہ السلام کو دیکھو جنت کی سکونت ہے، عصمت کا تاج سر پر ہے، خلافت کی قبا زیب تن ہے اس کے باوجود وہ اپنے کو محنت و بلا سے الگ نہ رکھ سکے بلکہ بلا کے بغیر ایک قدم چل نہ سکے اور محنت کے بغیر ایک سانس بھی نہ لے سکے۔ پھر ہم تم جو ان کی اولاد ہیں۔ جن کی دار بلا میں سکونت ہے، محنت سرا کی مشغولیت ہے، امتحان و آزمائش کے گھر میں سرگرداں ہیں اور سراسر خطا و معصیت میں آلودہ ہو کر مستحقِ عذاب و سزا ہیں۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے یہ محال ہے کہ محنت کے بغیر ایک سانس بھی لے سکیں بغیر بلا کے ایک قدم بھی اٹھا سکیں۔

مثنوی

آدمی بہرِ بے غمی رانیست ٭ پائے در گل جز آدمی رانیست

(آدمی بے غمی کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ آدمی کے سوا کوئی بھی پا بہ گل نہیں ہے)

گہ بہ بانگ ضعیف کام شود ٭ گہ بہ دانگِ خدائے نام شود

(کبھی تو چھوٹی سی پکار سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی خدا کے نام پر رتی برابر کام سے بھی نام ہو جاتا ہے)

اسی طرح رنج و بلا اور آزمائش کے بہت سے قصے تم نے تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے متعلق پڑھا اور سنا ہوگا۔ اور اپنے اقران و امثال کو بھی دیکھا ہوگا۔

اے بھائی! ہماری تو شکم مادر ہی سے غذا خون پینا ہے۔ پھر ایک خوں خوار راحت و مسرت کا جامِ شیریں طلب کرے یہ کیسی عجیب بات ہے! وہ جو سلطان الانبیاء اور محبوب کبریا ہیں ان کا بیان سنا ہے کیا فرماتے ہیں؟ یَالَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا نہ کرتا) اسی طرح جناب صدیق اکبر جو افضل البشر بعد انبیاء ہیں کیا فرما رہے ہیں یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ وَرَقَةً فِیْ شَجَرَةٍ تَاکُلُ الْاَنْعَامُ (کاش میں درخت کا پتا ہوتا جسے چوپائے کھا لیتے) اور وہ جن کی فضیلت اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) ہے وہ فریاد کرتے تھے اور فرماتے تھے یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ حَیْضًا (کاش میں حیض کا خون ہوتا) جب یہ صورت حال ہو تو پھر ہماری تمہاری کیا حقیقت ہے؟ کیا بول سکتے ہیں اور کیا چاہ سکتے ہیں۔

اے بھائی! بندگی کا کام بڑا مشکل کام ہے۔ اور اسی سے ہم کو اور تم کو سابقہ پڑا ہے۔ کیا بتائیں بھائی۔ یہ تو وہ کام ہے کہ جس کو تمام پہاڑ اٹھانے سے عاجز رہے آسمان ہار مان گیا، زمین پناہ مانگنے لگی۔ اور تمام دریاؤں نے انکار کر دیا۔ یہ تو ہمارا جہل ہی تھا جس نے ازل میں اس کے اٹھانے کی حامی بھر لی۔ اب اس کی پناہ کی فکر میں سرگرداں رہنا چاہیئے۔ لہٰذا اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ اور کہو۔ ؎

یا الٰہ العالمیں درماندہ ام! ؛ غرقِ خوں در خشک کشتی راندہ ام

درمیانِ راہ تنہا ماندہ ام! ؛ کس نہ دارم بے سر و پا ماندہ ام

از درِ خویشم مگرداں ناامید! ؛ از سرِ لطفت سیاہم کن سپید

(اے اللہ میں عاجز و درماندہ ہوں اور خون آلود خشکی میں کشتی چلا رہا ہوں۔

راستے میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ میرا کوئی نہیں۔ بالکل بے سر و سامان ہوں۔

اپنے در سے مجھ کو ناامید نہ لوٹا۔ از راہ کرم میرے سیاہ اعمال نامے کو سفید کر دے)

والسلام

۱۹ ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ

مطابق ۱۰ ر دسمبر ۱۹۷۹ء بوقت ۱۲ ر بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــ (۲۶)

ترکِ عادت اور طاعت کی کوشش کرنے کا بیان

برادرِ اعز شمس الدین! اطال اللہ بقاءہ فی طاعتہ وجعل من المتقبولین

تمہارے خطوط برابر ملتے رہے۔ تم نے شکایت کی ہے کہ میرے خطوط تم تک نہیں پہنچتے۔ اور اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ شاید میں نے تمہیں فراموش کر دیا ہے، اسی وجہ سے تمہیں خط نہیں لکھتا ہوں۔ حاشا وکلّا ایسی بات نہیں ہے۔ اس طرح کے خیال کو ہرگز ہرگز دل میں جگہ نہ دو۔ کیوں کہ یاد کرنے کا تعلق دونوں جانب سے ہوتا ہے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں بھلا دوں۔ اس سلسلے میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اَلْقَلْبُ مُتَقَاضِیْ وَالسَّرَآئِرُ مُتَنَاجِیْ (چاہت جانبین سے ہوتی ہے۔ تذکرۂ محبت دونوں جانب سے ہوتا رہتا ہے)

بھائی! خط نہ لکھنے کا تعلق تو مقدرات سے ہے مگر بہ ظاہر وجہ ہوتی رہی ہے کہ جب کوئی تمہارے یہاں جاتا ہے تو مجھے خبر نہیں ہوتی۔ جب تک کوئی جانے سے پہلے مجھ سے مل کر یہ نہ بتائے کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کہاں جا رہا ہے۔ خط نہ لکھنے کی وجہ یہی ہے نہ کہ وہ جو تمہارے دل میں ہے۔

خط میں تم نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ آخرِ شب میں اٹھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہوتا۔ کوشش کے باوجود کامیابی نہیں ہوتی۔ بھائی! بات یہ ہے کہ جو عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے اور جڑ پکڑ چکی ہے، ایسے تو نہیں جا سکتی۔ جب تک چالیس روز تک مسلسل اس کی پابندی نہ کی جائے اس عادت کا چھوٹنا مشکل ہے۔

لہٰذا ایک چلہ مجاہدہ کرو، آخر شب میں اٹھو اور بار بار تازہ وضو کرو۔ اور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز نفل تحلیۃ الوضو کی پڑھا کرو۔ اس طور سے کہ ناغہ نہ ہو۔ چالیس روز تک اگر اس طرح تم نے پابندی کر لی تو امید ہے کہ شب خیزی کی عادت ہو جائے گی۔ کیوں کہ عادت کے بدلنے کے لیے چالیس دن کی قید نہایت ہی پرتاثیر نسخہ ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین ایسے شخص کو جسے نماز کی مطلق عادت نہ ہو، تاکید کرتے ہیں کہ چالیس روز تک پوری پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز ادا کرے۔ اس طرح عادت پڑ جاتی ہے۔ اور اس

کے بعد نماز کم ہی قضا ہوتی ہے۔ بھائی! جب ایک عادت کے بدلنے میں اتنی دشواری پیش آتی ہے تو دوسری عادتوں کے بدلنے میں کیا حال ہوگا؟

راہِ طریقت میں تو اصل کام یہی دونوں ہیں۔ تبدیلیِ اخلاق اور تبدیلیِ مزاج۔ اگر کسی کا قدم اس پر صحیح ہو گیا تو تمام منازل آسان اور راہ دوست ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے بعد اس کا جو قدم اٹھے گا، صحیح سمت میں اٹھے گا۔ لیکن وہ دل جو ایک ڈانٹ میں گھبرا جائے یا چند ٹکوں پر جان دے، اس سے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو سبھوں کا مشاہدہ ہے اور جانی ہوئی بات ہے۔

اے بھائی! حقداروں کے جتنے بھی حقوق تم پر ہوں ان سب کو ان کی شرطوں کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرو۔ اور شریعت کے حکم کے مطابق اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو۔ اسی کو اپنی راہِ سلوک تصور کرو۔ کیونکہ سلوک روزہ، نماز اور حج کا نام نہیں ہے بلکہ حکم الٰہی کی پابندی میں جو کچھ بھی کرنا پڑے، سب سلوک ہے خواہ ایک ڈھیلا ہی حکم الٰہی کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر رکھ دو تو یہ بھی سلوک ہے۔

اے بھائی! تمہیں تو رضائے الٰہی درکار ہے۔ نہ مکہ نہ مدینہ، نہ مسجد نہ بت خانہ، نہ تنہائی نہ گوشہ نشینی، نہ دین و مذہب، نہ مجاہدہ و ریاضت اور نہ سفر و اقامت۔ طالبانِ حق کا یہی مشرب ہے۔

رباعی

در بت کدہ خیالِ معشوقۂ ماست ٭ رفتن بہ طوافِ کعبہ از عقل خطاست
اگر کعبہ از و بوے نہ دارد کنش است ٭ با بوے وصالِ او کنش کعبۂ ماست

(بتکدے میں اگر محبوب کا خیال دامنگیر ہے ایسی صورت میں عقل کے حکم کے مطابق کعبہ کا طواف کرنا غلط ہے۔ اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہ ہو تو وہ کنشت ہے۔ اور اگر کنشت میں اس کے وصال کی خوش بو ملے تو وہی کعبہ ہے)

اس پر قائم اور ہوشیار رہو۔ اس کو تھوڑا نہ سمجھو۔ کافی غور و خوض سے کام لو۔ سارے جہان کے علوم اسی کے تحت آتے ہیں۔ طالبانِ صادق کو نتائج کی فکر نہیں ہوتی۔ وہ یہ اور وہ نہیں دیکھتا ہے۔ بلکہ جس چیز سے ان کا مقصود حاصل ہوتا ہے، اسے فرض سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں وہ کام کتنا ہی برا کیوں نہ معلوم ہو۔ اکثر سالکوں نے یہی بات کہی ہے۔ ؎

ایں ہمہ علمِ جسم مختصر است ٭ علم رفتن براہِ حق دگر است

(یہ سب جسم مختصر کا علم ہے۔ خدا کے راستہ پر چلنے کا علم اور ہی ہے) یعنی ظاہری علم سب کے سب ہیچ ہیں۔ دراصل علم وہ ہے جو راہِ حق کی طرف لے جائے۔

اے بھائی! تھوڑا یا بہت جو کچھ وظیفہ پڑھنے کے لیے دیا گیا ہے، اسے پابندی سے پڑھا کرو۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہے لیکن اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے بہت زیادہ وظیفوں کے مقابلہ میں یہ تھوڑا وظیفہ بہت زیادہ ہے بشرطیکہ استقامت اور پابندی ہو۔ میں نے بارہا لکھا ہے کہ اصل چیز استقامت اور پابندی ہے۔ اس لیے کہ تمام کاموں کی اصل یہی استقامت اور ثابت قدمی ہے۔ مَنْ اَدْمَنَ قَرْعَ الْبَابِ لَا شَكَّ اَنْ يُّفْتَحَ الْبَابُ لَهٗ۔ (جو ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہے، ایک نہ ایک دن اس کے لیے دروازہ ضرور کھولا جائے گا) سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے۔

اے بھائی! عبادات میں کوئی قیمت اور بدلہ یا مزدوری طلب نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس آرزو میں عبادت کرنی چاہیئے۔ ہم تو بندہ ہیں، اس لیے زاری و بیچارگی اور مفلسی و نیازمندی کے ساتھ فرض سمجھ کر سعی پیہم کے ساتھ بندگی کرنی چاہیئے۔ اس کو تمام نیک بختیوں کی علامت سمجھ کر اختیار کرو اور اس کے لطف و کرم پر انتظار کی نگاہ جمائے رکھو۔ اس لیے کہ وہاں کام بے علت ہوتا ہے۔

یک نظر از دوست صد ہزار سعادت ❊ منتظرم کہ تا کے وقت آں نظر آید

(دوست کی ایک نظر ہزاروں سعادت ہے میں منتظر ہوں کہ کب وہ وقت آتا ہے)

بندہ کو چاہیئے کہ ثابت قدم رہے اور حیات کے سمندر میں موج حوادث کے تھپیڑے کھاتا رہے ساتھ ہی ہاتھ پاؤں بھی مارتا رہے۔ مالک حقیقی کے لطف و کرم کی موج نے اگر ساحل مقصود پر لا کر ڈال دیا تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (کامیاب ہوئے بڑی کامیابی کے ساتھ) اور اگر اس کے قہر کے گھڑیال نے ڈبو دیا تو فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا) دونوں حالتوں میں سے کسی میں نقصان نہیں ہے۔

مصرع

کس با تو زیاں نہ کرد من ہم نہ کنم

(کسی نے تمہارا نقصان نہیں کیا تو میں بھی نہیں کروں گا)

بنی اسرائیل کے اس آدمی کا قصہ تو سُنا ہو گا جس نے برسوں عبادت کی تھی۔ توجہ الٰہی اس کی طرف مائل ہوئی۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ جاؤ اس عابد کو کہہ دو کہ جا، ہٹ جا، تو ہمارے کسی کام کا نہیں، بے کار اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے ہوئے ہے۔ تجھے دوزخی ہونے کی خبر دی جاتی ہے۔ اس شخص نے بڑے تحمل سے سنا اور بڑی متانت سے جواب دیا۔ میں تو بندہ ہوں، مجھے بندگی سے کام ہے۔ خدائی میرا کام نہیں ہے اس کو وہ خوب جانتا ہے۔

فرشتے بارگاہ الٰہی میں واپس آئے اور زاہد کا جواب دُہرا دیا۔ تو اس رحیم و کریم نے فرمایا۔ میرا بندہ

جب میرے درد والم اور شدید آزمائش کے باوجود میری بندگی سے منہ نہیں موڑتا تو پھر میں اپنے شان کریمی سے کیسے پھر جاؤں۔ میں بھی اس پر نگاہِ کرم کروں گا۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس مثنوی میں ادا کیا ہے۔

گر شراب لطفِ او خواہی مدام ❊ قطع کن وادیِ قہر او تمام

(اگر تم اس کے لطف کی شراب ہمیشہ پینا چاہتے ہو۔ تو اس کے قہر کی وادی کو پورے طور پر طے کرنا ہوگا)

زاں کہ تا ایں نہ بودت آں نہ بودت ❊ بے بلا و درد، درماں نہ بودت

(اس لیے کہ اگر یہ نہیں ہے تو وہ بھی نہیں ہے۔ بلا اور درد کے بغیر تمہارا علاج ممکن نہیں)

والسلام

۲۰، محرم الحرام سنہ ۱۴۰۰ھ روز سہ شنبہ

مطابق ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۷، بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد (سندھ) (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب — (۲۷)

وضو اور نمازِ تہجد کے ذکر میں

برادر شمس الدین ! کاتب حروف کی طرف سے سلام و دعا مطالعہ کریں۔

اے بھائی ! وضو کی پابندی کرو۔ ایک لمحہ بھی بے وضو نہ رہا کرو۔ موسم کا بہانہ بھی سامنے نہ ہو، جاڑا گرمی برسات ہر موسم میں ہر وقت باوضو رہا کرو۔ اور جب بھی وضو کرو، وضو کے بعد کی نفل ضرور پڑھا کرو۔ اس کو قضا نہ ہونے دو۔ دن رات میں اگر تمہیں بیس بار بھی وضو کرنا پڑے تو اس سے گریز نہ کرو۔ اس پر پوری پابندی کے ساتھ عمل کرو۔ اس کو تمام کاموں کی بنیاد خیال کرو۔ اس گروہ میں یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ بے وضو نہ تو کوئی چیز کبھی کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک بزرگ کو اسہال (دست) کی تکلیف ہو گئی۔ رات بھر میں تقریباً چالیس پچاس دست آگئے۔ اس حال میں بھی وہ ہر بار وضو کرتے رہے، ساتھ ہی دو رکعت تحیۃ الوضو بھی پڑھتے رہے۔

قطعہ

می نہ دانم کہ ایں چہ مرداں بودہ اند ⁛ کز عمل یک دم نہ می آسودہ اند
لاجرم در بندگی سلطاں شدند ⁛ مہترِ خلقِ جہاں ایشاں شدند

(نہ معلوم یہ کیسے لوگ ہیں کہ عمل سے ایک لمحہ بھی آسودہ نہیں ہوتے۔
ان کو ساری دنیا کی سرداری حاصل ہوتی ہے۔ گویا غلامی میں بادشاہت کرتے ہیں)

لہٰذا ہمیشہ باوضو رہنا بہت بڑا کام ہے۔ جس نے اس میں استقامت حاصل کر لی ان شاء اللہ دوسرے مجاہدات میں بھی اس کو استقامت حاصل ہو گی۔ یہ بہت بڑا کام ہے دل و جان سے اس میں لگا رہنا چاہیے۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ رات کے آخر کے ایک حصہ کو تہجد کی ادائیگی میں صرف کرو۔ یعنی بارہ رکعت تہجد چھ سلام کے ساتھ پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیَۃَ الْکُرْسِی خَالِدُوْنَ تک اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر سورہ تک پڑھو۔ جب نماز سے فارغ ہو

توحضورِ قلب سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں تضرع وزاری اور گریہ نالہ کے ساتھ یہ دعا پڑھو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ جَمِيْعِ
مَا كَرِهَ اللّٰهُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ بِمَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ
وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔
اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ تُبْتُ إِلَيْكَ ثُمَّ عُدْتُّ فِيْهِ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا
أَرَدْتُّ بِهٖ وَجْهَكَ فَخَالَطَهٗ بِمَا لَيْسَ لَكَ فِيْهِ رِضَاءٌ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا وَعَدْتُّكَ
مِنْ نَّفْسِيْ ثُمَّ أَخْلَفْتُكَ وَأَسْتَغْفِرُكَ بِمَا دَعَانِيْ إِلَيْهِ الْهَوٰى مِنْ قُبُوْلِ الرُّخَصِ مِمَّا
اشْتَبَهَ عَلَيَّ وَهُوَ عِنْدَكَ حَرَامٌ وَأَسْتَغْفِرُكَ مِنَ الذُّنُوْبِ الَّذِيْ لَا يَعْرِفُهَا
غَيْرُكَ وَلَمْ يَطَّلِعْ عَلَيْهَا أَحَدٌ سِوَاكَ وَلَا يَسَعُهَا إِلَّا عِلْمُكَ وَلَا يُنَجِّيْنِيْ مِنْهَا
إِلَّا عَفْوُكَ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ يَمِيْنٍ سَلَفَتْ مِنِّيْ فَحَنَثْتُ فِيْهَا عِنْدَكَ وَأَنَا
مَأْخُوْذٌ لَهَا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ وَأَسْتَغْفِرُكَ
لِكُلِّ نِعْمَةٍ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَتَقَوَّيْتُ بِهَا مَعَاصِيْكَ وَأَسْتَغْفِرُكَ يَا عَالِمَ الْغَيْبِ وَ
الشَّهَادَةِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ عَمِلْتُهَا فِيْ بَيَاضِ النَّهَارِ وَسَوَادِ اللَّيْلِ وَفِيْ خَلَاءٍ وَمَلَاءٍ وَ
سِرٍّ وَّعَلَانِيَةٍ وَّأَنْتَ نَاظِرٌ إِلَيَّ إِذَا ارْتَكَبْتُهَا مِنَ الْعِصْيَانِ يَا حَلِيْمُ يَا كَرِيْمُ يَا رَحِيْمُ يَا عَظِيْمُ
يَا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ فَرِيْضَةٍ وَجَدَتْ
عَلَيَّ فِيْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ تَرَكْتُهَا عَمَدًا أَوْ خَطَاءً أَوْ نِسْيَانًا وَأَنَا مَسْئُوْلٌ لَا إِلٰهَ
إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ سُنَّةٍ مِّنْ سُنَنِ
الْمُرْسَلِيْنَ وَمُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَتَرَكْتُهَا غَفْلَةً أَوْ سَهْوًا أَوْ تَهَاوُنًا أَوْ قِلَّةً مُّبَالَاةٍ
بِهَا وَأَنَا مُعَاتَبٌ بِهَا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝

دمیں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ تمام ان چیزوں سے جن کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ یا اللہ میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں ان چیزوں سے جو میں نے پہلے کیا ہے اور جو میں نے بعد میں کیا ہے اور جو میں نے پوشیدہ طور پر کیا ہے۔ اور جو میں نے اعلانیہ کیا ہے اور جو میں نے اسراف کیا ہے۔ تو مقدم ہے تو موخر ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ میں تجھ سے ان تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں جن کو توبہ کرنے کے بعد بھی میں

نے کیا ہے۔ میں مغفرت چاہتا ہوں اس سے کہ میں نے کسی کام میں تیری رضا کا ارادہ کیا ہو، پھر اس میں اس چیز کی آمیزش کر دی ہو جس میں تیری رضا نہ ہو۔ اور میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اس سے جو میں نے تجھ سے وعدہ کیا اسے ایفا نہ کر سکا بلکہ خلاف ورزی کی۔ اور میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اس کی کہ نفس نے مجھے رخصت کو قبول کرنے کی دعوت دی، مجھ کو شبہ ہوا، حالانکہ وہ تیرے نزدیک حرام تھا۔ اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان گناہوں کی جن کو تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ تیرے سوا اس کی کسی کو خبر ہے۔ اور نہ تیرے علم کے سوا کسی کے علم میں آسکتا ہے۔ ہاں تیرا عفو ہی مجھے اس سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں ہر اس قسم کی جو میں نے کھائی ہو، اس کے بعد تیرے خیال میں قسم توڑ دی ہو اور میں اس پر ماخوذ ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بیشک میں ظالموں میں سے تھا۔ اور میں مغفرت چاہتا ہوں ہر اس نعمت کی جو تو نے مجھے عطا کی پھر اس کے ذریعے میں نے گناہوں پر قوت حاصل کی۔ اور اے غیب و شہادت کے جاننے والے، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں ہر اس برائی سے جو میں نے دن کی روشنی میں کی اور رات کی تاریکی میں کی، تنہائی میں کی اور مجمع میں کی، چھپ کر کی اور ظاہری طور پر کی۔ اور تو مجھے ان گناہوں کا ارتکاب کرتے دیکھ رہا تھا۔ اے حلیم، اے کریم، اے رحیم، اے عظیم۔ اے وہ کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں سے تھا۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں ہر اس فریضہ کی جو مجھ پر واجب ہے اور میں نے اس کو قصداً یا غلطی سے یا بھول کر چھوڑ دیا ہو اور اس پر میری باز پرس ہو۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے تھا۔ اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں تمام پیغمبروں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں پر، جنہیں میں نے غفلت کی بنا پر یا سہو یا سستی یا بے پروائی کی بنا پر چھوڑ دیا ہو اور اس کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہو۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے تھا۔ اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ عبادت کرنے کی قوت مگر اللہ ہی کے ذریعہ جو بلند اور عظمت والا ہے۔)

حدیث شریف میں ذکر ہے کہ جو شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر اندیشہ سے کشائش اور ہر تنگی سے نکلنے کے لیے راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کو اتنا رزق دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص سے بہت زیادہ گناہ سرزد ہوئے ہوں تو اسے چاہیئے کہ وہ بہت زیادہ استغفار کرے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ استغفار اس کے گناہوں کو اس طرح کھا جائے گا جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَہُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا۔ (جن لوگوں سے فواحش کا ارتکاب ہوا اور اپنے نفسوں پر ظلم کیا انھیں چاہیئے کہ وہ) اللہ کو یاد کریں اور پھر مغفرت چاہیں) تو یہ سن کر ابلیس رونے لگا۔ تفسیر امام زاہدی میں لکھا ہے کہ اس امت کے لیے جائے پناہ دو ہیں۔ ایک تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور دوسری استغفار۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی شخص اپنی مشکلات کا ذکر تا یا تنگیِ معاش میں مدد طلب کرتا۔ تو فرماتے کہ رات بھر اس طرح استغفار کرو کہ پہلے بکثرت استغفار پڑھو۔ پھر نو مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو اس کے بعد دسویں مرتبہ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کہو۔ اسی طرح رات بھر پڑھتے رہو۔ رات کے آخری حصہ میں اپنے مقصد کے لیے دعا کرو۔ کہ یہ وقت مریدوں کے لیے فتوحات کا ہے۔ اور توبہ کرنے والوں کے لیے شرف قبولیت کا وقت ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب کہ قبولیت کی خلعت عطا ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ رات کے آخری حصہ میں منادی کی جاتی ہے کہ کوئی ہے معافی طلب کرنے والا جسے معاف کیا جائے۔ ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ اس کو بخشا جائے۔ ہے کوئی دُعا کرنے والا، جس کی دُعا قبول کی جائے۔

اے بھائی! بس اتنا بہت ہے۔ اور نوافل کی کثرت میں نہ پڑیں۔ بلکہ دوسرے شرع حقوق کی ادائیگی کو مدنظر رکھیں۔ اور حتی الوسع ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بھی دین کے مہمات میں سے ہیں۔ تھوڑا کام استقامت کے ساتھ انجام پائے تو وہ بہتر ہے۔

ان سب کے علاوہ اہل علم و اہل معرفت اور درویشوں کی صحبت کو غنیمت جانو۔ اگر اہل سلوک اور دین داروں کی خدمت کا موقع ہاتھ آجائے تو اسے اللہ کی نعمت سمجھ کر انجام دو۔ جس خوش قسمت کو یہ نعمتیں میسر آجائیں تو اس امر کی دلیل ہے کہ انشاء اللہ وہ رد نہیں کیا جائے گا۔ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُہُمْ (ان کا ساتھی محروم نہ ہوگا۔) گواہ ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

آں راکہ دہد یارش در عالم خود بارش ❊ بے واسطہ کارش کردار چہ کار آید

(جس شخص کا دوست اپنے پاس رہنے کی اس کو اجازت دے۔ اس کے واسطہ کے بغیر کوئی عمل سود مند نہ ہوگا)

اے بھائی! اپنے کو جاہلوں، ظاہر داروں اور صورت پرستوں سے دور رکھو۔ ان سے تعلقات پیدا نہ کرو۔ جس شخص کو اس میں مبتلا کیا گیا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راندۂ درگاہ لوگوں میں سے ہے۔ اس بیت پر غور کرو۔

بگذار فضول کز ابوجہل ٭ در دینِ محمدی نیاید

(فضول باتوں کو چھوڑ دو اس لیے کہ ابوجہل سے دین میں شانِ محمدی نہیں آتی ہے)

اس لیے عام طور پر خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرو۔ بغیر کسی اہم ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔

بیت

تقصیر مکن ہیچ تو در کردنِ طاعت ٭ کانہا کہ ببایست ترا جملہ بداد ست

(طاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ کیونکہ جو کچھ تمہیں چاہیئے اس نے وہ سب دے دیا ہے)

نیز خلق کے واسطے بھی تم نے کچھ لکھا تھا۔ خاطر جمع رکھو۔ ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے۔ وہ بھی ہو جائے گا۔
اس کے علاوہ جن دوسری باتوں کے لیے تم نے تحریر کیا تھا اس کا جواب انشاءاللہ بعد میں دیا جائے گا۔
حق تعالیٰ نیت و ارادت صادق عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے قناعت کا دروازہ تم پر کھول دے۔

؎ بر وفائے زمانہ کیسہ بدوز ٭ بگذرانش بہ قوت روز بروز

(زمانہ کی وفا کی طرف سے بے نیاز ہو جا۔ اور اس کو روحانی غذا کی خاطر روز بروز چھوڑتا چلا جا)

والسلام

۱۲ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ

مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء وقت دو بجے دن

لطیف آباد، حیدر آباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــ (۲۸)

طاعت و عبادت میں استقامت، قبول نذرانہ اور جاہلوں سے دوری کا بیان

اے بھائی! اللہ تعالیٰ تمہیں خوش نصیب بنائے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس راہ میں معمولات پر قائم رہنا پہلی شرط ہے۔ یعنی جو کچھ بھی کرے اتنا کرے کہ اس پر ثابت قدم رہ سکے۔ اس صورت میں تھوڑا بھی بہت کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ تھوڑا پابندی کے ساتھ بہت کا فائدہ دیتا ہے۔ اور بہت بغیر پابندی کے تھوڑے کا۔

ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک چور کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اتنے میں امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا اُدھر سے گذر ہوا۔ انہوں نے اپنی دستار مبارک اس کے قدموں پر رکھ دی۔ پھر اس کے پاؤں کو چوما اور چلے گئے۔ لوگوں نے اس کا راز دریافت کیا تو جواب دیا۔

مثنوی

ہر کہ او در کار خود باشد تمام ❊ جان خود در کار بازد والسلام

(جو شخص اپنے کام میں کامل ہوتا ہے۔ وہ اس کے حصول کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے)

چوں تمام افتاد او در کار خویش ❊ زاں نہادم پیش او دستار خویش

(چونکہ وہ شخص اپنے کام میں کامل ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی دستار اس کے قدموں پر رکھدی)

چوں بدیدم دار چوبیں جائے او ❊ بوسہ زاں دادم بسے در پائے او

(چوں کہ میں نے اس کو پھانسی کے تختے پر دیکھا اس لیے میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ دیا)

مرد باید خواہ خاص و خواہ عام ❊ کو بود در فن و کار خود تمام

(مرد کو خواہ وہ خاص ہو یا عام، چاہیئے کہ اپنے فن اور کام میں کامل ہو)

کام کا آدمی وہی ہے جس نے اپنے مقصد اور اس کی راہ میں جان دی ہو۔ یہ شخص چونکہ اپنے کام پر ثابت قدم رہ کر سولی چڑھ رہا تھا۔ اس لیے میں نے اس کی ثابت قدمی کو بوسہ دیا تھا۔ سبحان اللہ! ثابت قدمی کی

بے قیمت ہے۔ ارباب معانی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ معنی کو دیکھتے ہیں، صورت کو نہیں۔

اے بھائی! درویشوں اور عزیزوں میں سے اگر کوئی کچھ بھیجے یا بطور نذرانہ پیش کرے تو بلاشبہ اسے قبول کرنا چاہیئے۔ نذرانہ قبول کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔ بزرگوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ ہاں! اگر قبول کرنے میں نفس کی کسی آفت کا خطرہ ہو تو پھر نہیں قبول کرنا چاہیئے۔

اے بھائی! صحبت، ملاقات اور گفتگو میں بھی بہت محتاط ہونا چاہیئے۔ ایسے لوگ جو علم و عمل سے آراستہ ہوں، سالکین راہ کے مذہب و مشرب سے واقف ہوں، طریقت کے اصول و فروع پر عامل ہوں، صوفیان کرام اور مشائخین طریقت کے کلام اور عبارتوں اور ان کے اشاروں کو اہل سنّت و جماعت کے اصول پر ڈھال چکے ہوں، ہر کام کے فوائد اور آفتوں کو معلوم کر چکے ہوں۔ نیز مبتدی، متوسط اور منتہی کے اعمال و اخلاق سے بھی واقفیت حاصل کر چکے ہوں۔ ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے قول و فعل پر عمل کرنا چاہیئے۔

قطعہ

عاشقانند لیک در رہِ او ٭ زخود و عشق و راہ بے خبراند

(عاشق ہیں لیکن اس کی راہ میں اپنی ذات سے، عشق سے اور راہ سے بالکل بے خبر ہیں)

تا بہ سدرہ چو جبرئیل امیں ٭ بہ پرِ ہمت اے پسر بپرند

(اے پسر! ایسے لوگ ہمت کے پر لگا کر جبرئیلؑ امین کی طرح سدرہ تک پرواز کرتے ہیں)

برخلاف اس کے، وہ لوگ جو جاہل ہیں، صورت پرستی جن کا شعار ہے، جو فضول اور بے کار اعمال میں مشغول رہتے ہیں، طریقت کی راہ کے دعوی دار تو ہیں لیکن اس کی روح سے ناواقف ہیں، ایسے لوگوں کی صحبت سے اپنے کو دور رکھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ آج کل ایسے لوگوں کی دنیا میں کمی نہیں۔ ؎

مرد صورت پرست کس نہ بود ٭ ہوشِ او جز سوئے ہوس نہ بود

(صورت کا پرستار شخص مرد نہیں ہوتا۔ اس کا ہوش بھی ہوس کے سوا نہیں ہوتا)

ہیچ معنی نہ دیدہ ام رخشاں ٭ گر تو دیدی سلام من برساں

(میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا ہے جس کا معنی روشن ہو۔ تم نے اگر دیکھا ہے تو میرا سلام پہنچا دو)

جس قدر بھی خلوت میسر ہو بہتر ہے۔ عام لوگوں کے میل جول سے احتراز کرو۔ مگر اس طرح کہ کسی

کی حق تلفی نہ ہو۔ اور ہاں! ان درویشوں کی صحبت جو عالم باعمل اور عارف ہوں اگر میسر آجائے تو اسے غنیمت سمجھ کر فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں دونوں جہان کی سعادت ہے۔ اس لیے ان کی خدمت کو سعادت دارین اور فتح باب سمجھو۔

اپنی طاقیہ (ٹوپی) بھیج رہا ہوں۔ اللہ عاقبت وخاتمت بخیر فرمائے۔ (آمین)

والسلام

۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ
مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۵ بجے شام
لطیف آباد حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۲۹)

عمر کو غنیمت سمجھنے، نمازِ تہجد، دُعا اور تلاوت کے بیان میں

برادر اعز! شمس الملت والدین نور اللہ قلبہٗ ۔ کاتب حروف احمد یحییٰ منیری کی طرف سے سلام و دعا

آں برادر کا خط ملا جس سے خیریت و سلامتی معلوم ہوئی ۔ میری یہ وصیت ہے کہ عمر عزیز کو جس قدر ممکن ہو طاعت و عبادات میں مشغول رکھو ۔ اور اپنے نفیس اور قیمتی اوقات کو ذکر و تلاوت سے آباد رکھو ۔ زندگی کے یہ مواقع جو ابھی میسر ہیں بہت قیمتی ہیں ۔

بیت

آں جا کہ بود نافع کردار بجان و دل ٭ آں جا تو بگو آخر گفتار چہ کار آید

(جہاں کردار جان و دل سے نافع ہے وہاں بتاؤ گفتار کیا کام آئے گی)

خصوصاً آخر شب میں بارہ رکعت نماز تہجد چھ سلام کے ساتھ پڑھو ۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی خَالِدُوْنَ تک اور دوسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ آخر سورت تک پڑھو ۔ اور دعا کرو اس طرح رات کو زندہ رکھو اس لیے کہ رات کا آخری حصہ مریدوں کے فتوح اور طالبان راہ کے لیے سعادت پانے کا وقت ہے ۔ دعا کرنے والوں کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے ۔ سالکوں کی مرادیں برآنے کا وقت ہے بخشش چاہنے والوں کی مغفرت کا وقت ہے ۔ اس وقت خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ ندا کی جاتی ہے هَلْ مِنْ دَاعٍ وَّهَلْ مِنْ سَآئِلٍ وَهَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ (ہے کوئی دعا کرنے والا؟ کیا ہے کوئی مانگنے والا؟ کیا ہے کوئی مغفرت چاہنے والا؟) اور اگر میسر آئے تو اہلِ علم اور اہلِ معرفت کی صحبت کو غنیمت سمجھو ۔

قطعہ

گردِ توحید گرد با تفرید ٭ چہ کنی صحبتے کہ بے تقلید

(توحید کے گرد تفرید کے ساتھ گھوم ۔ صحبت اگر تقلید کے بغیر ہے تو بے کار ہے)

دردمندی بگرد عیسیٰ گرد ٭ دارو ے رہ نشیں چہ خواہی کرد

(اگر تو درد مند ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرد چکر لگا۔ راستہ پر بیٹھنے والوں سے کیا علاج کرائے گا)
اور جاہل لوگوں کے میل جول سے اپنے کو دور رکھو اگرچہ بظاہر وہ دوست اور یار ہی کیوں نہ دکھائی دیتے ہوں۔
جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

مارند ہمہ یاراں در عالم دانائی ٭ خلوت کن و بیخود شو با مار چہ باشی

(یہ سب دوست سانپ ہیں۔ لہٰذا عالمِ دانائی میں تنہائی اختیار کر۔ گوشہ نشینی اختیار کر اور بیخود ہو جا۔ سانپ کے ساتھ کیا رہیگا)
ہمیشہ باوضو رہا کرو۔ اور دو رکعت شکرِ وضو برابر ادا کرتے رہو۔ کیوں کہ طاعت خواہ کتنی ہی کم ہو، لیکن اگر پابندی اور ثابت قدمی کے ساتھ ہو، تو یہ تھوڑا بھی بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کہ اس راہ میں استقامت اور پابندی ہی اصل کام ہے۔

سبحان اللہ! سرورِ کونین حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر جمال و کمال اور اس قدر عبادت و ریاضت کے باوجود، تم نے دیکھا کیا حکم ملا۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ثابت قدم رہیئے، جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ سخت اور پریشان کن آیت کوئی نہیں اتری۔ یہی سبب ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ آپ کے چند موئے مبارک سفید ہو گئے ہیں تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو بوڑھا بنا دیا؟ ارشاد ہوا :-
شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْدٍ (سورۂ ہود نے مجھ کو بوڑھا کر دیا)

یہاں کے حالات، وہاں جانے والوں کی زبانی معلوم ہوتا رہے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں خیریت سے رکھے اور خاتمہ اور انجام بخیر ہو۔

والسلام
۲۱ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۰ھ روز چہارشنبہ
مطابق ۱۲ ردسمبر سنہ ۱۳۷۹ء وقت ۱۲ بجے شب
لطیف آباد، حیدرآباد سندھ (پاکستان)
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۳۰)

حقوق العباد اور مرید کی خیر خواہی کا بیان

برادر اعز شمس الدین ! عصمہ اللہ عن البلیات

کاتب حروف کی طرف سے سلام دعا۔ اے بھائی ! جب تمہارا شمار درویشوں میں ہونے لگا ہے اور ماشاء اللہ کے لباس سے مشرف بھی ہو چکے ہو۔ تو یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کسی کو تم سے شکایت ہو، یا کوئی تم پر لعن طعن کرے۔ یہ خبر فقیر پر شاق گذری ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سے اس طرح کا فعل کس طرح سرزد ہوا جو تمہارے حال کے لائق نہیں۔ دو ہی صورت ہے یا تو تم سے کسی کو تکلیف پہنچی ہوگی یا خود تم پر ظلم و تعدی کی گئی ہوگی۔ دونوں صورتوں میں لازم ہے کہ اسے اپنے ہی جان و مال پر برداشت کرو۔ کوئی ایسی بات ہرگز نہ ہو جو دوسروں کو ناگوار معلوم ہو۔ درویشوں کا یہ حال رہا ہے کہ جب کبھی ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ یہ آیت پڑھتے ہیں۔ لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (ہم تک وہی پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے) فقیر کا نہ کسی پر دعویٰ ہوتا ہے اور نہ کسی سے اس کا جھگڑا ہوتا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

تو بارِ جفائے او ہمیں کش ٭ با یار مگوے تو وفا کن

(تو اس کے ظلم کا بار برداشت کرتا رہ۔ دوست سے یہ نہ کہہ کہ تو وفا کر)

البتہ اللہ کے معاملہ میں جو بھی دشمنی کرے اس سے نپٹنا ضروری ہے۔ ایسے موقع پر حق شرع ادا کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی شخص سے اپنی ذات کے لیے، اپنے حصہ اور نصیب کے لیے ناراض نہیں ہوئے۔ مگر جب حرمت الٰہی کا سوال آجاتا تو پھر کسی کی رعایت بھی نہیں فرماتے۔

اے بھائی ! اگر تمہارے ذاتی اور نجی معاملے میں تم سے کسی کو کسی طرح کی کوئی تکلیف پہنچی ہو، تو کوشش کرو کہ وہ شخص تم سے راضی ہو جائے۔ یہ بہت بڑا اور بہت ہی مشکل کام ہے۔ کیونکہ بندوں کا حق اللہ تعالےٰ کے حق سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق تو توبہ و استغفار سے معاف ہو جاتا ہے، لیکن مخلوق کا حق

جب تک خود اس کو راضی نہ کیا جائے معاف نہیں ہوتا۔ یہ تو معلوم ہے کہ شہید کا کیا مرتبہ ہے! سبحان اللہ اس کا یہ مقام ہے کہ وہ دوسروں کی شفاعت کرے گا اور لوگوں کے گناہ بخشوائے گا۔ لیکن اگر اس پر کسی مخلوق کا ذرہ برابر بھی کوئی حق باقی رہ گیا ہو تو اس کی وجہ سے اس کا معاملہ اٹک جائے گا۔ وہ اس وقت تک میدان حشر سے قدم باہر نہیں نکال سکے گا جب تک اس کو راضی نہ کرے گا۔

اے بھائی حقوق العباد ایک نہایت ہی دشوار گذار گھاٹی ہے۔ ایک حدیث نظر سے گذری ہے تم بھی سنو کہ اگر کوئی شخص خانۂ کعبہ کو مسمار کر دے، بلکہ جلا کر خاکستر کر دے اور اس کی اینٹ اینٹ الگ کر دے تو بھی اتنا گناہ نہیں ہوگا جتنا کسی بندہ کو بلا وجہ شرعی کوئی تکلیف پہنچائے۔ حالانکہ خانۂ کعبہ تو مومنوں کا قبلہ ہے۔

والسلام

۲۲ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز پنجشنبہ

مطابق ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۲ر بجے دن

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــ ۱۱۱

مرید کا پیر کو خط لکھنا جائز ہے

برادر اعز شمس الدین! کرمہ اللہ بکرامۃ المریدین

آنے والوں کی زبانی معلوم ہوا کہ کسی بات کی شرمندگی کی وجہ سے تم نے خط لکھنا ترک کیا ہے۔ جب یہاں سے کوئی خط جائے گا تب کچھ جواب میں لکھو گے معلوم نہیں کس بات کی شرمندگی مانع ہوئی ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ اپنی حالت اور کام کے متعلق جو کچھ بھی ہو برابر لکھا کرو۔

اے بھائی! مریدی کا اصول یہ ہے کہ اپنا کوئی حال پیر سے پوشیدہ نہ رکھے۔ خواہ وہ حال کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔ مرید کی مثال مریض کی ہے۔ مریض نے کچھ اور بتایا تو ایسی صورت میں بھی طبیب کے لیے علاج کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور اگر علاج کرے گا تو صحت نہیں ہوگی۔ بلکہ خطرہ ہے کہ کہیں نقصان نہ پہنچے۔ لہٰذا وہ تمام شرطیں جو مریض اور طبیب کے درمیان ہیں، وہی بجنسہٖ پیر اور مرید کے درمیان ہیں۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا قصہ تو یاد ہوگا۔ جب ان کے ساتھ وہ واقعہ ہوا تو اپنے آقا رحمت عالم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زَنَیْتُ فَطَہِّرْنِیْ (مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے مجھے پاک کر دیجیے) اسی طرح کا درد ہونا چاہیے تاکہ مرید صادق ہو سکے۔ جب تک مرید اپنا معاملہ صاف صاف طور پر اپنے پیر کے سامنے پیش نہیں کرتا وہ مرید صادق نہیں ہو سکتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا ترا کارے نیفتد مرد وار ❊ کے توانی نالہ کرد از کردگار

(جب تک تجھے مردوں کی طرح کام سے سابقہ نہ پڑے۔ تو خدا سے کیونکر فریاد کر سکتا ہے)

گر شود ایں درد دامنگیر تو ❊ بس بود ایں درد دائم پیر تو

(اگر یہ درد تجھ کو دامنگیر ہو جائے تو یہی دائمی درد تیرے لیے پیر ہے)

جب یہ بات واضح ہو گئی تو خجالت یا شرم مرید کے لیے نقصان دہ ہے۔

بیت

گر سپر دیں داری اے بے پا و سر ٭ راہِ دیں این است زیں رہ درگذر

(اے بے سر و پا انسان اگر تجھے دین کے حصول کا خیال ہے تو دین کا راستہ یہ ہے اس راستہ سے گذر جا)

تمہاری طلب اور دل داری کی بنا پر چند خطوط لکھے گئے تھے۔ خیال تھا کہ ان کو اسی طرح متفرق طور پر تمہارے پاس بھیجدیں۔ مگر چند دوست آئے انھوں نے اصرار کیا کہ ان کو یک جا کر دیا جائے تاکہ ہم لوگ اس کی نقل کرلیں۔ اس کے بعد یہ خطوط مکتوب الیہ کے پاس بھیجے جائیں۔ اسی وجہ سے کچھ دیر ہو گئی ہے۔ انشاءاللہ بعد میں سب مکتوب بھیج دیئے جائیں گے۔ کتابت ہو رہی ہے۔ شیخ زادہ نے خود دیکھا ہے۔ انجام بخیر ہو۔

والسلام

۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز پنجشنبہ

مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۵ بجے شام

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۳۲)

پابندیٔ اوراد و وظائف کا بیان

آں برادر کا مکتوب ملا، خیریت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا۔ اوراد و وظائف کی پابندی رکھنی چاہیئے۔ کوتاہی اور سستی نہ برتیں۔ اس معاملہ میں نفس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ مشائخینِ طریقت اور ان کے مکتوبات کا مطالعہ ہمیشہ جاری رکھو۔ اس بارے میں میری جانب سے سخت تاکید جانو۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ بزرگانِ طریقت نے جو مجاہدے اور کام کئے ہیں، جب ہم ان کو کر نہیں سکتے تو ان کے ملفوظات اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ہمیں کیا فائدہ؟ انھوں نے جواب دیا کہ مشائخ طریقت کے مکتوبات و کلمات روئے زمین پر خدا کے لشکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کو جو شخص پڑھتا رہے گا، اگر وہ شیر ہے تو شیر نر بن جائے گا۔ اور اگر نامرد ہے تو مرد ہو جائے گا۔

ایک اور بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر ایسا زمانہ آئے کہ بزرگانِ دین کو اس زمانہ میں نہ پا سکیں، تو پھر کیا کریں؟ جواب دیا کہ ان کے مکتوبات و ملفوظات میں سے کم سے کم ایک جزو روزانہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔ کسی نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

مثنوی

ہر کہ او کحلے گرفت از خاکِ پیر ٭ خواہ پاک و خواہ گو ناپاک میر

(جس شخص نے پیر کی خاک کو اپنی آنکھوں کے لیے سرمہ بنایا خواہ پاک مرے یا ناپاک کامیاب ہو گیا)

باش نا فردا محک گردد بکار ٭ نقد مرداں را پدید آید غبار

(کسوٹی بن جاؤ تاکہ کل قیامت کے دن کام آ سکو۔ اس لیے کہ مرد کے کھرے کھوٹے کو اسی کسوٹی پر پرکھتے ہیں)

اے بھائی! زندہ وہی ہے جو ان بزرگان کی دولت کے سایہ میں رہتا ہے یا ان کی کتابوں کے سایہ میں زندگی گذارتا ہے۔ لیکن جس شخص کو یہ نہ حاصل ہو تو وہ مردہ ہے۔ اور نفس کافر کا اسیر ہے۔

مثنوی

روز و شب جاں می کنی بے زاد و برگ ❊ زلیستن می خوانی آں را تو نہ مرگ

(رات دن بغیر کسی ساز و سامان کے تو اپنی جاں کھپاتا ہے پھر اسی زندگی کو تو زندگی سمجھتا ہے حالانکہ وہ موت ہے)

ماندۂ آخر اسیرِ ننگ و نام ❊ واں گہے گوئی کہ عمرم شد تمام

(آخر تو ننگ و نام کا اسیر ہو گیا۔ اس وقت تو کہے گا کہ افسوس میری عمر تمام ہو گئی)

اے بھائی! نفس کی پابندی کرنے والا کفر میں مبتلا ہے۔ اس لیے اوراد و وظائف کی پابندی اس سے نہیں ہو سکتی۔ جب تک اُس کی مخالفت نہ کی جائے۔ کیونکہ نفس کافر کی مخالفت ہی کا نام تو عبادت ہے اس کی موافقت بُت کی عبادت کے مترادف ہے۔ لہٰذا نفس کافر کی عبادت کرنا سب سے بڑے بت کی عبادت کرنا ہے۔ اَلنَّفْسُ هِيَ صَنَمُكُمُ الْاَكْبَرُ (نفس ہی تمہارا سب سے بڑا بت ہے)۔

کیا تم نے دیکھا نہیں! کہ نفس کی اطاعت ہی کی وجہ سے شیطان مردود پر آج تک لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ اگر وہ اپنے نفس کی موافقت نہ کرتا تو لعنت اس کے حصہ میں نہ آتی۔ اسی طرح فرعون اگر اپنے نفس کی موافقت نہ کرتا، تو خدائی کا دعویٰ بھی نہ کرتا۔ اسی سبب سے کہا ہے۔

مثنوی

اے عجب با ایں چنیں نفسِ دروں ❊ می کنی تو در خدائی سر بروں

(عجیب بات ہے کہ ایسا نفس رکھتے ہوئے بھی تو خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے)

ہست در ہر نفس ایں دعویٰ ولیک ❊ خویشتن فرعون ظاہر کرد نیک

(ہر شخص میں یہ دعویٰ موجود ہے فرق اتنا ہے کہ فرعون نے کھلم کھلا اس کا اعلان کیا)

آں چہ با من نفس ایں شوم آں کند ❊ کافرم گر کافرِ روم آں کند

(میرے ساتھ جو کچھ یہ شریر نفس کیا کرتا ہے۔ کافر روم بھی ایسا کرے تو میں کافر ہو جاؤں (یعنی کافر روم ایسا نہیں کرے گا)

اے بھائی! یہی وجہ ہے کہ فقرا کی یہ جماعت اپنے نفس کے معاملات میں تاویلات سے گریز کرتی ہے۔ نفس کافر کا تو یہ عالم ہے کہ اگر سو سال تک مسلسل اس کی مخالفت کی جائے۔ اور قسم قسم کے مجاہدات سے اس کو زیر کیا جائے لیکن ایک بار بھی اس کی خواہش کے مطابق قدم اٹھ گیا تو سمجھ لو کہ تمہارے اسلام کی تمام پونجی کو زمین میں دفن کر دے گا۔ اس طرح تمہاری عمر بھر کی کمائی خاک میں مل جائے گی۔

امام علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کوئی صوفی پانچ دنوں تک بھوکا رہنے کے

بعد اگر یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اسے بازار بھیج دو تاکہ وہ کچھ کمائے اور اس سے کچھ خرید کر کھالے۔
اے بھائی! تکلیف و مشقت برداشت کئے بغیر خزانہ نہیں ملتا ہے۔ جیسا کہ اس مثنوی میں کہا گیا ہے۔

تا نہ خواہی دید در اول گداز ؛ نیست در آخر ترا ممکن نواز

(جب تک تم اپنے کو اس کی راہ میں پگھلا نہ دو گے اس وقت تک تمہارے لیے نوازش ممکن نہیں ہے)

ہر کہ او در کار خود باشد تمام ؛ جانِ خود در کار بازد والسلام

(جو شخص اپنے کام میں کامل ہوتا ہے وہ اس کے کام کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے)

خلاصہ یہ کہ مرید کو چاہیئے کہ حتی الامکان اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ اور بھوک اور پیاس کی مار، مار کر اس کو زیر کرے۔ اس نفس کافر کو کسی اور چیز کے ذریعہ مطیع نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے لیے تو بھوک اور پیاس کا چابک چاہیئے۔ جو اس کو قابو میں کر سکتا ہے۔ یہ دو سزائیں ایسی ہیں جو جہنم کے سات گڑھوں کے برابر ہیں۔ ؎

دوست را زاں گرسنہ دارد مدام ؛ تا ز جان خویش سیر آید تمام

(دوست اس کو اس سبب سے ہمیشہ بھوکا رکھتا ہے تاکہ اپنی جان سے پورے طور پر سیر ہو جائے)

والسلام

۲۲؍ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۳؍ دسمبر ۱۹۷۹ء

روز پنجشنبہ ۱۲ بجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ ۳۳

طلبِ حق اور عشق کا بیان

قاضی زاہد کے نام

؎ اگر حاصل شود آں گلرخ و آب میگونش ٭ چہ بے حاصل کسے باشد اگر باغے چناں خواہد

(اگر کسی کو وہ حسین محبوب اور اس کا مخمور کرنے والا حسن حاصل ہو جائے تو جس کو ایسا باغ حاصل ہو، اسے بے حاصل کیسے کہا جائے گا)

اے بھائی! اپنی ہمت کو کون و مکان کی آلائشوں سے پاک رکھنا چاہیے۔ اور لفظ کُن کے تحت جو کچھ بھی عالم وجود میں آیا ہے اسے نظر انداز کرنا چاہیے۔ اور حدوث کے جو داغ ہیں انھیں دھوڈالنا چاہیئے اس لیے کہ یہ سب اس راہ کے بت اور زنار ہیں۔ اور وہی کہنا چاہیئے جو کسی عارف نے کہا ہے ؎

بے وصال تو جہاں چہ کار آید ٭ بے جمالت جہاں چہ کار آید

(تیرے وصال کے بغیر یہ جان کس کام کی ہے؟ اور تیرے جمال کے بغیر یہ دنیا کس کام کی ہے)

حضرت مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ جو راہِ عشق میں نہایت راست رفتار ہیں اپنی مناجات میں فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِذَا اَدْخَلْتَنِیَ الْجَنَّۃَ وَتَقُوْلُ اَنَا رَاضٍ مِّنْکَ یَا مَالِکُ فَاجْعَلْنِیْ تُرَابًا وَھَبِ الْجَنَّۃَ اَرْبَابَھَا (اے اللہ جب تو مجھے جنت میں داخل کرنے کے بعد یہ فرمائے کہ اے مالک میں تجھ سے راضی ہوں (اور اپنا جلوہ نہ دکھائے) تو مجھے مٹی بنا دے اور جنت اس کے چاہنے والوں کو دیدے۔)

اور وہ مستِ الست عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے۔ یہاں بھی کھانا پینا اور وہاں بھی کھانا پینا۔ حاشا وکلا۔

مثنوی

تشنۂ او میر گر تو زندۂ! ٭ خاکِ ایں در باش گر تو بندۂ

(اگر تو زندہ ہے تو اس کا پیاسا مر۔ اور اگر تو بندہ ہے تو پھر اس در کی خاک ہو جا)

او کجا در بندِ آب و چہ بود ٭ کآب وچاہِ او ہمہ للہ بود

(ایسا شخص پانی اور کنوئیں کی فکر میں کہاں رہتا ہے؟ اس کا پانی اور کنواں تو اللہ ہی ہے)

شاید تمہاری نظر اس عبارت پر نہیں پڑی ہے۔ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ (میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے، جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے نہ اس کے بارے میں کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں وہ چیز ہے) سوچو تو سہی کہ کیا وہ جگہ روٹی اور پانی کی ہے؟ افسوس انسان بہت کم ہمت ہے۔

اے بھائی! نعمت اور کرامت طلب کرنے والے اس دنیا میں بہت ہیں لیکن انعام و اکرام دینے والے کے طلب گار ناپید ہیں۔ اس کے طالب کا کیا مقام ہے جانتے ہو؟ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے یَادَاوٗدُ اِذَا رَاَیْتَ طَالِبًا لِیْ فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (اے داؤد جب میرے کسی طالب کو دیکھو تو دیکھو تو خادم بن جاؤ) سبحان اللہ! کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان کہ داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اس کے خادم ہوں۔ اور فرشتے اس کے حاشیہ بردار ہوں۔

رباعی

تا جامِ جہاں نما در دستِ من است ٭ از روئے خرد چرخ بریں پستِ من است

تا قبلۂ نیست قبلہ ہست من است ٭ ہشیار ترینِ خلق جہاں است من است

(جب تک جامِ جہاں نما میرے ہاتھ میں ہے از روئے عقل چرخ میرے قدموں کے نیچے ہے)

جب میرا ہست میرا نیست بنا ہوا ہے اس وقت میری دنیا سب سے بہتر ہے)

اے بھائی! طالب کی نظر میں جب تک دوئی موجود ہے اس وقت تک توحید سے اس کو دوری رہے گی حالانکہ وحدت تک اس کی پہنچ ہے۔ مگر اس کو کیا جائے کہ وہ بھینگا ہے۔ ایک کو دو دیکھتا ہے۔

رباعی

تا مرد ز خود فانیِ مطلق نہ شود ٭ اثبات و نفیِ او متحقق نہ شود

توحید حلول نیست تا بود نِ تست ٭ در پئے گزاف آدمی حق نہ شود

(جب تک آدمی خود سے فانی مطلق نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا اثبات و نفی محقق نہ ہوگا۔

جب تک تیرا وجود باقی ہے توحید کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ فضول چیز کی وجہ سے آدمی حق نہیں بن سکتا)

اے بھائی! عشق بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ اسی وجہ سے عشق کو اس راہ کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے۔ لَاشَیْءَ اَبْلَغُ مِنَ الْعِشْقِ (عشق سے بہتر کوئی رہبر نہیں ہے)

ع شاگرد باش عشق ترا استاد بس

(شاگرد بنو۔ عشق تمہارے لیے استاد کافی ہے)

ہاں! عشق سے بہتر کوئی استاد نہیں۔ عشق ہے تو حیات ہے اور عشق نہیں تو موت ہے۔ ؎

مجنونِ عشق را دگر امروز حالت است ٭ کاسلام دینِ لیلیٰ و دیگر ضلالت است

(عشق کے مجنوں کی آج حالت ہی کچھ اور ہے۔ اس کی نظر میں لیلیٰ کا مذہب ہی اسلام ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے)

ایک عزیز نے کیا خوب کہا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے پھر بھی لوگ توحید سے بیگانہ ہی رہے۔ افسوس! اپنے عشق کا ایک ذرہ بھی اگر وہ بھیج دیتا تو سب آشنا ہو جاتے۔ اسی سبب سے کہا گیا ہے اَلْعِشْقُ هُوَ الطَّرِيْقُ وَرُؤْيَةُ الْمَعْشُوْقِ هُوَ الْجَنَّةُ وَالْفِرَاقُ هُوَ النَّارُ وَالْعَذَابُ۔ (عشق راہ ہے۔ معشوق کا دیدار جنت ہے۔ اور فراق جہنم اور عذاب ہے)

اے بھائی! عشق ایک ایسی سواری ہے جس کی ایک ہی جست میں انسان دونوں عالم سے باہر نکل جاتا ہے اور لامکاں میں گردش کرتا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

رباعی

در عالم او اگر بہ کار آئی تو ٭ در دفترِ عشق در شمار آئی تو
جبریلِ امیں رکابدار تو بود ٭ بر مرکبِ عشق اگر سوار آئی تو

(اس کی محبت میں اگر تو کام آجائے تو عشق کے دفتر میں جن کے نام لکھے جاتے ہیں ان میں تیرا شمار ہوگا۔
اگر تو عشق کی سواری پر سوار ہو کر اس کے دربار میں حاضر ہو تو حضرت جبریلِ امیں تیرے رکابدار ہوں گے)

لیکن عشق کی راہ میں ہر طرح کی ہلاکت اور بربادی کا بوجھ اٹھانا لازمی ہے۔ عشق کا راہی جب تلوار کی دھار پر قدم رکھتا ہے تب محبوبِ حقیقی کے دربار میں اس کو رسائی ملتی ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

رباعی

گر رہ گزرِ عشق تو بردار بود ٭ آسان بود اے پسر نہ دشوار بود

از خار چہ باک آید آں را کو را ⁂ معشوق دلش میاں گلزار بود!

(اگر تیرے عشق کا راستہ دار پر ہو کر گزرے تو اے پسر یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ ایسے شخص کو کانٹوں سے کیا خطرہ ہو جس کا معشوق چمن میں موجود ہو)

اے بھائی! یہ بات مسلّم ہے کہ مطلوب طالب سے دور نہیں ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے پاس ہے) جو کچھ دوری یا مہجوری ہے وہ اپنے خودی کی وجہ سے ہے۔ جیوں ہی تم اپنے پندار ہستی سے باہر نکلے تو اسی وقت یہ دیکھو گے کہ مطلوب سامنے ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

رباعی

معشوق عیاں بود نہ می دانستم ⁂ با من بہ میاں بود نہ می دانستم

گفتم بہ طلب مگر بجائے برسم ⁂ خود تفرقہ آں بود نہ می دانستم

(معشوق ظاہر تھا مگر مجھے معلوم نہ تھا۔ وہ میرے درمیان تھا مگر مجھے علم نہ تھا۔ میں نے کہا شاید طلب کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔ یہی تو تفرقہ تھا جو مجھے معلوم نہ تھا)

اے بھائی! یہی تو وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے مشتاقوں کا دل اس کی طرف لگا رہتا ہے۔ اور وہ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منقول ہے۔ اَنْتَ لِیْ اَنَا وَلَا غَیْرِیْ (تو میرے لیے ہے۔ میرے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں) مطلب یہ ہے کہ جب تک سب کچھ کی نفی نہیں ہو جاتی توحید کی حقیقت سامنے نہیں آتی۔

بیت

تو او نہ شوی ولے اگر جہد کنی ⁂ جائے برسی کز تو توئی برخیزد

(ظاہر ہے کہ تو وہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اگر تو کوشش کرے تو اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جہاں تیری توئی ختم ہو جائے) اسی مفہوم کو کسی اور نے بھی بیان کیا ہے۔

عجب مدار زیارانِ عشق و تخمِ محبت ⁂ چو سبزہ از گلِ محمود اگر ایاز بروید

(یارانِ عشق اور تخمِ محبت پر تعجب نہ کرو۔ سبزہ کی طرح اگر محمود کی مٹی ایاز جیسا پھل دے) سچ ہے۔ اَلْمُحِبُّ مَحْوٌ فِیْ حُکْمِ الْمَحْبُوْبِ (محب محبوب کے حکم میں محو ہے)

بیت

خاکے از مردم بماند در جہاں ⁂ وز وجود عاشقاں خاکستری

(دنیا میں عام لوگوں کی خاک مٹی ہو جاتی ہے۔ مگر عاشقوں کا وجود خاکستر ہو جلنے سے ہے)
اے بھائی! اسی لیے عشاق دونوں جہان سے مستغنی ہو کر جب اس کے جمال جہاں آرا کے تصور میں گم ہوتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور جب اس کے قہر و جلال کا خیال کرتے ہیں تو فریاد کرنے لگتے ہیں۔

بیت

مرا مگو کہ سعدی چرا پریشانی ؞ خیالِ روے تو ہر دم ہمی کند بترم

(مجھ سے یہ نہ پوچھ کہ سعدی تو کیوں پریشان ہے؟ تیرے رخِ انور کے تصور نے میرا برا حال کر دیا ہے)
محبت آگ ہے۔ اور محبت کرنے والوں کا دل آتش کدہ ہے۔ عاشق اگر آہ کرے یا سانس باہر پھینکے تو ساری دنیا کو جلا کر خاکستر کر دے اور اگر ضبط کرے اور سانس اندر کھینچے تو اپنے آپ کو جلا ڈالے۔ آفتاب کے عاشق کو کسی حال میں بھی آرام نہیں ہے۔

بیت

دم در کشم و جملہ غمت نوش کنم ؞ تا از پسِ من بہ کس نہ ماند غمِ تو

(میں اس طرح خاموش رہوں کہ تیرا سارا غم پی جاؤں تاکہ میرے بعد کسی کو تیرا غم نہ رہے)
سبحان اللہ! اس آب و گل کو کیسی ہمت عطا کی ہے۔ اور کیا خوب طبیعت عنایت فرمائی ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

آسمان و عرش و عنصر چیست؟ پوست
خاک الحق جملہ را مغز نکوست

(یہ آسمان و عرش و کرسی اور عناصر کیا ہیں؟ ان کی حیثیت پوست کی ہے۔ عاشقانِ الٰہی کی خاک ہی حقیقت میں مغز ہے۔)

والسلام

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز سہ شنبہ
مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۲ بجے دن
لطیف آباد، حیدر آباد سندھ (پاکستان)

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۳۴)

بلند ہمتی کا بیان

قاضی زاہد کے نام

ے تاتو با خویشی عدد بینی ہمہ ❊ چوں شود فانی احد بینی ہمہ

(جب تک تمہارا اپنا وجود باقی ہے تم کو دوئی نظر آتی رہے گی جب تم اپنے وجود کو فنا کر دو گے تب توحید کا مقام سامنے ہوگا)

آں برادر کا خط ملا مضمون سے آگاہی ہوئی۔ خاطر جمع رکھو اور اپنے کام میں مردوں کی طرح لگے رہو۔ اس راہ میں اگر کچھ نظر آتا ہے یا سنائی دیتا ہے، اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کرو۔ راہی کو مناظر راہ سے کیا کام۔ اسے تو منزل مقصود چاہیئے۔ ع

مرالبانِ تو باید شکر چہ سود کند

(مجھے تو تمہارے لب چاہئیں۔ شکر سے کر کیا کروں گا)

یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ کیا یہاں کوئی ایسا ہے جو دریا کا دریا گھونٹ جانے کے بعد بھی ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٌ کا نعرہ لگائے۔

مثنوی

قطرۂ کو غرقۂ دریا بود! ❊ ہر دو کونش جز خدا سودا بود

(وہ قطرہ جو دریا میں فنا ہو گیا۔ اس کی نظر میں خدا کے علاوہ دونوں جہان دیوانگی ہے)

در محبت تا کہ غیرے ماندت ❊ در درونِ کعبہ دیرے ماندت

(محبت میں محبوب کے علاوہ اگر کسی کا تصور باقی ہے تو گویا وہ کعبہ کے اندر بت خانہ ہے)

اے بھائی! صاحب ہمت اور حق کے طالب تو کون و مکان کی سیر کو بھی اہمیت نہیں دیتے چہ جائے کہ مناظر راہ میں الجھ کر رہ جائیں۔ ان کے لیے کسی بات کا سننا یا کسی چیز کا دیکھنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

بہر حال جو کچھ ہوگا نعمت ہی ہوگا۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہاں! جو لوگ منعم کو نعمت کے عوض بیچتے ہیں وہ جھوٹے اور بت پرست ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

با محبت در نہ گنجد ذرۂ ❊ نیست مرد دوستے ہر غرۂ

(محبت کے ساتھ ایک ذرہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ مغرور دوستی کے لائق نہیں ہے)

چوں نہ ماند در دل از اغیار نام ❊ پردہ از محبوب برخیزد تمام

(جب دل میں اغیار کا وجود باقی نہیں رہتا تو پردہ محبوب کے رخ سے اُٹھ جاتا ہے)

خبردار! مجاہدہ کی درمیانی حالتوں اور کیفیتوں کو ہرگز اہمیت نہ دیں۔ ہمت بلند رکھیں۔ بے ہمت طالب اور مرید کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ اس راہ میں صرف دو چیزوں کی اہمیت ہے۔ ایک ہمت اور دوسرے طاعت وعبادت۔ اور تمام کمالات کے حاصل ہونے کے باوجود اپنے کو مفلس سمجھنا۔ اس لیے کہ محبوب حقیقی کے علاوہ دنیا کے جتنے کمالات ہیں سب ہیچ پوچ ہیں۔ اگر کوئی شخص اس بدگمانی میں مبتلا ہو کہ وہ کچھ ہو گیا ہے یا اس کا مردان راہ میں شمار ہونے لگا ہے تو ایسے لوگوں کو پیٹ کے دھندے میں لگنا چاہیئے۔ یہ تنگ حوصلہ لوگ ہیں ان کو مردان حق سے کیا واسطہ۔

اے بھائی! طالب صادق کی یہی ایک پکار ہے۔ اِمَّا مَلَکۡتُ اِمَّا هَلَکۡتُ (میں مقصود لوں یا ہلاک ہو جاؤں) اس سے کم پر وہ راضی نہیں ہوتے۔ نعوذ باللہ کرامت وعجائبات سے انھیں کیا تعلق۔ بھائی! بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کی باتوں کو بچوں کے کھیل یا خواب خوش سے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ بلکہ اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیئے۔ ؎

چوں ہمہ یاد تو از مولیٰ بود ❊ ہم چو مجنونت ہمہ لیلیٰ بود

(جب تیری یاد صرف اللہ ہی کے لیے ہے تو پھر مجنوں کی طرح ہر چیز میں لیلیٰ ہی لیلیٰ نظر آئے گی)

دل میں یہ خیال بار بار آرہا تھا کہ بہت دنوں سے تمہارا کوئی خط نہیں آیا ہے۔ اتنے میں خوش نام آیا اس کی معرفت تمہارا خط ملا۔ مسرت ہوئی۔ جن باتوں کا خط میں ذکر کیا گیا ہے وہ مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ چوں کہ آں برادر کا خط تھا اس لیے صحیح مشورہ سے آگاہ کیا۔ ورنہ میں اس کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ بہر حال آئندہ بھی قلبی کیفیات اور حالات سے مطلع کرتے رہیں۔ اور دن رات اپنے کام میں لگے رہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ راہ کی کشادگی حاصل ہوگی۔ اور میدان احدیت ظاہر ہوگا۔ پھر آں برادر کی نظر میں اس کون ومکاں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہے گی کسی بلند ہمت والے کے سامنے کون ومکان کو پیش کیا گیا تو فریاد کرنے لگا اور کہا۔

مثنوی

من چہ خواہم کرد بیدا و نہاں ٭ بے تو اے جانِ جہان و جانِ جاں

(اے جانِ جہاں اور جانِ جاں تیرے بغیر ظاہر یا پوشیدہ کوئی کام میں کیونکر انجام دوں گا)

کعبہ عشاق مولیٰ آمدہ است ٭ واز مجنوں نقش لیلیٰ آمدہ است

(عشاق کا کعبہ مولیٰ ہے۔ جس طرح مجنوں سے لیلیٰ ہی کا نقش ابھرتا ہے)

اے بھائی! تم نے کبھی غور کیا ہے؟ کہ اٹھارہ ہزار عالم اللہ نے پیدا کیا۔ ان تمام عالموں میں سے کسی ایک گروہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (اور پھونکا میں نے اس میں اپنی روح) یہ ایک بڑا راز ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ تحریر میں لاسکے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

رباعی

دانی کہ چرا اہل صفا خاموش اند ٭ در نکتۂ دل بہ محو خود می کوشند

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ٭ سری بازند و سرِ حق می پوشند

(تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش ہیں؟ وہ نکتۂ دل میں اپنے کو محو کرنے کی کوشش کرتے ہیں

ہر لمحہ دوست کے ہاتھ سے شراب پیتے ہیں۔ سر دیتے ہیں اور حق کے راز کو چھپاتے ہیں)

ہاں! البتہ وہ ایک دیوانہ تھا جس نے عشق کے راز کو فاش کیا۔ محبوب کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔

زنہار مگو بر سرِ جمع ٭ گر عاشق صادقی تو اسرار

دیدی کہ بہ کرشمۂ عشق رمزے ٭ حلاج بگفت و رفت بردار

(خبردار جماعت کے سامنے اسرار نہ بیان کرنا۔ اگر تو عاشق صادق ہے

تم نے دیکھا کہ عشق کے نشہ میں منصور حلاج نے صرف ایک راز بیان کیا تو دار پر چڑھا دیا گیا)

والسلام

۱۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۲۰ر محرم الحرام

۱۴۰۰ھ

مکتوب ——— ۳۵

حدیث نفس کا چھوڑنا

زاھد مذکور کے نام

اُس برادر کا خط پہنچا۔ مضامین سے آگاہی ہوئی۔ ہر گز ہر گز کسی مشاہدہ یا آواز کی طرف التفات نہ کرو۔ دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں اگر سامنے لا کر رکھ دی جائیں تو گوشۂ چشم سے بھی اس کی طرف نہ دیکھو۔ یہ سب اس راہ کے بت ہیں۔ لا الٰہ کی نفی سے سب کو کالعدم سمجھنا چاہیئے۔ جب تک لا الٰہ کی نفی کون و مکاں یعنی لفظ "کُن" کے تحت جو کچھ ہے ان سب پر طاری نہیں کی جاتی الا اللہ کی حقیقت کا سامنے آنا محال ہے جب لا کے ذریعہ اس کی نفی ہو جائے گی تو پھر الا اللہ کا مقام حاصل ہو گا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

برنہ گیرد جہان عشق دوئی ❊ چہ حدیث است ایں حدیث توئی

(عشق کی دنیا دوئی قبول نہیں کرتی ہے۔ پھر دوئی کی کیا بات کرتے ہو۔)

اے بھائی! خلوت و عزلت میں کچھ مشاہدات ہوتے ہیں، کچھ آوازیں آتی ہیں اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے لیکن نہ تو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور نہ اسے گفتگو میں لانا چاہیئے۔ بلکہ فریاد کرنا چاہیئے کہ پروردگار! میری مراد تو "تو" ہے۔ مجھے ایسے کھلونوں میں نہ بہلا۔ اپنے کام میں منہمک رہنا چاہیئے۔ حدیثِ نفس میں مشغول نہ ہوں۔ اس کے ساتھ بحث میں بھی نہ الجھیں اس لیے کہ اس سے بحث کرنا مشکل ہے۔ حضرت عزت سے فریاد کریں اور عرض کریں ؎

تو مرا دل دہ و دل بری بیں ❊ رو بہ خویش خوان و شیری بیں

(پہلے تو مجھے دل عطا کر پھر دل بری کے انداز دیکھ۔ اپنی لومڑی کہہ کر پکار پھر جواں مردی کے جوہر دیکھ)

اور ذکر میں اس طرح مشغول ہوں کہ حدیثِ نفس اور اس کی بحث نہ آنے پائے۔ اے بھائی! حدیث نفس ایک بری بلا ہے۔ اہلِ خلوت کی تباہی و بربادی اسی کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ جب یہ فریب راہ ہے تو اسے حدیث نفس کہو۔ ہاں! البتہ جہلا اسے کرامت کہتے ہیں۔ "ہم نے یہ سنا" اور "ہم سے یہ کہا گیا" یہ حدیث نفس ہے اس کو کثرت ذکر سے دور کیا جا سکتا ہے۔ جس قدر ذکر دل پر غالب ہو گا یہ بلا کم ہو گی۔ ذکر کے نور سے جب

قلب منور ہو جاتا ہے تو یہ بلائیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ذکر میں اتنا مشغول رہو کہ زبان سے نکل کر دل تک پہنچے۔ پھر ذکر کی حقیقت سے منور ہو کر مطمئن ہو جائے۔ تاکہ حدیث نفس کی اس میں کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی معنی کو بیان کیا ہے۔

نیست کن ہر چہ رہ ورائے بود ❊ تا دلت خانۂ خدائے بود

(جو کچھ راہ وراے ہو سب کو فنا کر دو تاکہ تمہارا دل خدا کا گھر بن جائے)

اے بھائی! انشاء اللہ فتوحات ہوں گی اور کشود کار کی بھی صورت نکل آئے گی۔ شیطان کے بہکانے سے دل تنگ نہ ہوں۔

نومید مشو ز عالمِ خود ❊ در دائرہ چوں دروں فتادی

(جب تم اس دائرے میں داخل ہو گئے تو پھر اپنی دنیا سے ناامید نہ ہو)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم نے مردانِ راہ کے نقشِ قدم پر قدم رکھا ہے تو چاہیئے کہ مردوں کی طرح چلو اور دوسری چیزوں کو ایک طرف کر دو۔

مثنوی

روح قدسی فدائے عشق بود ❊ عشق را تو برایگاں مطلب

حاصل الامر گر ہمی طلبی ❊ عشق را جز میاں جاں مطلب

(قدسیوں کی روحیں عشق پر فدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا عشق کو تو مفت نہ طلب کر۔ اگر تو کام کا حاصل چاہتا ہے تو عشق کو اپنی جان کے درمیان تلاش کر)

والسلام

۱۹ر دسمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۲۸ر محرم الحرام

۱۴۰۰ سنہ ہجری

مکتوب ـــــ (۳۶)

دین کے کام میں کوشش کرنا اور مایوس نہ ہونا

قاضی زاھد کے نام

برادر زاہد! سلمہٗ اللہ تعالیٰ

خط ملا مضمون سے آگاہی ہوئی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہی تو وہ مقام ہے جہاں بلاؤں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اس لیے جو کچھ بلا اور سختی پیش آئے اس کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ جیسا کہ کہا ہے۔

راہ بے محنت تعب نہ بود ✤ ماہ بے عقدۂ ذنب نہ بود

(محنت و مشقت کے بغیر کوئی راستہ طے نہیں ہوتا ہے۔ چاند کے ساتھ دمدار ستارہ لگا ہوا ہے)

یاد رکھو کہ بلا کی شدت، مجاہدے کی شدت کا مطالبہ کرتی ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا نہ گردی نقطۂ در دائے پسر ✤ کے تواں گفتن ترا مرد اے پسر

(جب تک تمہاری حیثیت مرکز دردکی نہ ہو جائے تمہیں مرد نہیں کہہ سکتے)

ہر کرا در دیدۂ خود خار نیست ✤ با گل غیبِ خدایش کار نیست

(جو شخص خود اپنی نظر میں کانٹا نہیں ہو جاتا اسے غیب خداوندی کے پھول سے کیا کام)

اے بھائی! مجاہدۂ نفس کی سخت ضرورت ہے۔ جس قدر مجاہدۂ نفس زیادہ ہوگا اسی قدر کام میں چستی پیدا ہوگی۔ اور یہ ایک چلہ کی قید تو تمہارے نفس کی تربیت کے لیے تھی۔ اور تمہارے نفس کا جائزہ لینے کے لیے تاکہ معلوم ہو کہ تمہارے نفس کی قوت کہاں تک ہے۔ ورنہ چنداں اس کی ضرورت نہیں تھی۔

بیت

آں را کہ دہد بارش درعالمِ خود بارش ✤ بے واسطۂ کارش کردار چہ کار آید

(جس شخص کو اس کا دوست اپنے دربار میں رسائی کی اجازت دیدے۔ تو اس کا کام بے واسطہ ہوگا۔ وہاں کردار کی کیا ضرورت)

اے بھائی! اس راہ میں جو کچھ پیش آئے سب کو جھیل جانا چاہیئے۔ مردان کار کا یہی شیوہ ہے۔ ہرگز ہرگز ملول نہ ہو۔ یہ تو اس لیے ہوتا ہے تاکہ تمہارے نفس کی حد دیکھی جا سکے۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق کام کرتا ہے۔ جس قدر استعداد زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ کام ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پیر اپنے مرید کی استعداد کے مطابق اس پر بوجھ ڈالتے ہیں۔ ؎

چون تو مردِ کار باشی روز و شب
زود بکشاید ترا راہِ طلب

(جب تم شب و روز اپنے کام میں لگے رہو گے تو تمہارے لیے طلب کی راہ جلد کھل جائے گی)

والسلام

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ
مطابق ۱۹ ار دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۱۲ بجے دن
لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۳۷)

نفس کے عیوب پر مطلع ہونا !

قاضی زاھد مذکور کے نام

آں برادر کا خط ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ اطمینان رکھو اور دل قوی رکھو۔ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرتے رہو۔ فضل الٰہی شامل حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے تمام مشکلات اور دشواریوں پر قابو پایا جاتا ہے اور اسی کے کرم سے مقصود حاصل ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ وہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں۔ اصحاب کہف کی طاعت و عبادت کتنی تھی اور فرعون کے جادوگروں کے پاس مجاہدہ و ریاضت کی کون سی دولت تھی؟ مگر چشم زدن میں اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن ان سب کے باوجود بزرگوں نے کہا ہے۔

مثنوی

گرچہ دولت دانش بے علت است ❊ طاعتِ حق کار صاحب دولت است

(اگرچہ عقل کی دولت بے علت ہے۔ مگر دولت والوں کا کام حق کی اطاعت ہے)

ہرگز ہرگز دل شکستہ نہ ہوں۔ اپنے کام میں لگے رہیں کہ اسی کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

ہر کہ او خواہانِ درد کار نیست ❊ از درختِ عشق برخوردار نیست

(جو شخص کام کے درد کا خواہاں نہیں ہے۔ وہ عشق کے درخت سے پھل نہیں کھا سکتا)

اے بھائی! خلوت اور مجاہدہ سے جب دل میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے تو نفس کے عیب اور اس کے اعمال کی خرابی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اور اپنے نفس کا زنار اور بت نظر آنے لگتا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور نیک بختوں کی علامت ہے کہ وہ اپنے اعمال کی برائیوں، نفس کی آفتوں اور شیطان کے مکر سے واقف ہو۔ مرید جب اس مقام پر پہنچتا ہے تب اس کو استقامت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مقام سالہا سال کے مجاہدے اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب آں برادر کے ساتھ فضل الٰہی ہے تو پھر سال، مہینہ اور دن کی کیا قید۔ ؎

طفل را در مہد پیغمبر کند ٭ وز ہمہ پیران بالغ تر کند

(بچے کو گھوارہ میں پیغمبر بناتا ہے۔ اور تمام بوڑھوں سے زیادہ اس کو بالغ نظر بنا دیتا ہے)

شام کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لیے دوسری باتوں کے جواب کی فرصت نہیں۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ دل کو توی رکھو اور اپنے کام میں مشغول رہو۔ کسی بحث میں نہ پڑو۔ اس لیے کہ بحث اصل کام سے بے پروا کر دیتی ہے۔ اگرچہ علم کے لیے بحث کرنا مستحسن سمجھا گیا ہے۔ لیکن یہ معاملہ مرید کے ساتھ نہیں ہے۔ مرید کو عمل کی ضرورت ہے بحث کی نہیں۔ یہ اس کے لیے حجاب ہے۔ مرید کو نہایت اہم کام درپیش ہے۔ اس کے انجام دہی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

این ہمہ علم جسم مختصر است ٭ علم رفتن براہِ حق دگر است

(یہ سب جسم مختصر کا علم ہے۔ حق کی راہ پر چلنے کا علم ہی دوسرا ہے)

حرف کو کاغذے سیاہ کند ٭ دل کہ تیرہ است کے چو ماہ کند

(حرف جو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے۔ دل تاریک کو چاند کی طرح روشن کیسے بنا سکتا ہے)

خلاصہ یہ کہ ہمہ وقت اپنے کام میں مشغول رہو اور دل کو عمل کی طرف لگائے رکھو۔

والسلام

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۷۹ء روز چہار شنبہ

وقت ۳ بجے دن۔ لطیف آباد حیدر آباد سندھ

مکتوب ——— (۴۸)

وقت کو مشغول رکھنا

قاضی زاهد مذکور کے نام

آں برادر کی تحریر نظر سے گذری مضمون واضح ہوا۔ اے بھائی خاطر جمع رکھو۔ جو اللہ کے طالب ہیں ان کے لیے ہر شب، قدر، ہر روز روزِ عید اور ہر ماہ ماہِ رمضان ہے۔ پہلے تم اس کے ہو جاؤ پھر سب تمہارے ہو جائیں گے۔ مَنْ لَّهُ الْمَوْلٰی فَلَهُ الْکُلُّ (جس کا مولیٰ اس کا سب کچھ)

بیت

وعدۂ وصل دیگراں فرداست ❊ وعدۂ وصلِ عاشقاں اکنون ست

(دوسروں کے لیے وصل کا وعدہ کل (قیامت) کا ہے۔ مگر عاشقوں کے لیے یہ وعدۂ وصل ابھی کا ہے)

اے بھائی! تمہاری یاد دل میں ہے اور رہے گی۔ رات کے آخر حصہ میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں تم بھی اپنی دعاؤں میں مجھ مفلس و ناتواں کو یاد رکھو۔ اس لیے کہ دُعَاءُ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْهِ عَنْ ظَهْرِ الْغَیْبِ لَا یُرَدُّ (مسلمان کی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا رد نہیں ہوتی ہے) یہ بزرگوں کا قول ہے اور ان کی روش بھی یہی رہی ہے۔ وہ تواضع، فروتنی اور انکساری کی وجہ سے اس طرح عبارتیں لکھتے رہے ہیں[1]۔ چنانچہ پیغمبر علیہ السلام سے بھی اس طرح کی ایک روایت منقول ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو فرمایا یَا هِلَالُ اُدْعُوْنِیْ (اے ہلال میرے لیے دعا کرو) اسی سبب سے کہا ہے۔

مثنوی

یقیں می داں کہ شیراں شکاری ❊ دریں راہ خواستند از مور یاری

(یقین کرو کہ شکاری شیروں نے اس راہ میں چیونٹی سے بھی مدد چاہی ہے)

اے بھائی! اس راہ کی یہی خصوصیت ہے کہ یہاں سب بندگی اور بیچارگی میں ہیں۔ جس نے اپنے کو

---

[1] یہ عبارت قلمی نسخہ میں ہے۔

کچھ سمجھا یا دیکھا وہ خود بیں ہے خدا بیں نہیں۔ اسی موقع پر کہا ہے۔

مستِ حق جز بہ نیست نگراید ✤ زادِ ایں راہ نیستی باید

(حق کا مست نیست کے سوا کسی اور طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس راہ کا توشہ نیستی ہی چاہیئے)

تم نے دیکھا نہیں؟ کہ معلم الملکوت ہونے کے باوجود اس نے اپنی تھوڑی سی حیثیت مقرر کی تھی کہ فوراً اس کی پیشانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعنت کے داغ سے داغ دی گئی۔

قطعہ

تا ترا بود با تو در ذات است ✤ کعبہ با طاعتت خرابات ست

(جب تک تیری ہستی تری ذات کے ساتھ ہے۔ تو کعبہ بھی تیری طاعت کی وجہ سے خرابات ہے)

گر ز ذات تو بود، تو دور است ✤ بت کدہ از تو بیت معمور است

(اگر تیری ذات تیری ہستی سے الگ ہے (یعنی خود بینی نہیں ہے) تو پھر بت کدہ بھی تیری وجہ سے بیت معمور بن سکتا ہے)

والسلام

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ

مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۵ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم بدوی

مکتوب ــــــ (۳۹)

خاتمہ اور افلاس کی فکر مندی

بجانب قاضی زاھد

درکوے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا   چوں برہمن پیر بر بت خانہ بماندم

(بتوں کی گلی میں پوری عمر گزر گئی۔ افسوس! بوڑھے برہمن کی طرح ہمیشہ میں بُت خانہ ہی میں رہا)

اے بھائی! ایک ایسا شخص جو خود اپنی مصیبت اور ماتم میں مبتلا ہو، زنار دار اور خراب حال ہو۔ جیسا کہ اس بیچارے نے کہا ہے۔ ؎

نمی دانم کرا مانم بدیں سیرت گرفتارم ✤ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد چہ بدکارم

(معلوم نہیں میں کس کے مشابہ ہوں۔ البتہ اس حالت میں گرفتار ہوں کہ میں نہ ہندو ہوں نہ مسلمان، نہ مرتد ہوں میں کیسا بدکار ہوں)

تو وہ دوسروں کی یاد کیا کرے گا؟ اور کسی سے کیا کہے گا یا کیا لکھے گا؟ سچ کہا جس نے کہا۔

رباعی

اے پیر گناہ گار ہمیشہ نظر خویش ✤ بر کردۂ خود دار و بر پرہیز ز درویش

جاں ریش کن از یاد جفاہائے گذشتہ ✤ وانگہ ز خجالت نمکے ریز براں ریش

(اے بوڑھے گنہگار ہمیشہ اپنے اعمال پر نظر رکھ۔ اور افلاس سے پرہیز کر)

گذشتہ جفاؤں کی یاد سے اپنی جان کو زخمی کر۔ اس کے بعد شرمندگی کے مارے اس زخم پر نمک چھڑک)

اے بھائی! اپنا بھی حال کچھ وہی ہے جو تم نے دیکھا ہے۔ دل کی واماندگی، ناکامی اور نامرادی کا احساس ہے۔ اور دوسرے عزیزوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی اپنے احساس ناکامی کی اطلاع دیتے ہیں۔ ناکامی ہی نہیں بلکہ عتاب تک کی خبر دیتے ہیں۔

اے بھائی! یہ معاملہ تنہا تمہارا نہیں ہے۔ میری عمر بھی گذر چکی، موت کی گھڑی سر پر کھڑی ہے،

آخرت کا سفر درپیش ہے۔ حیرت میں ہوں کہ جب ملک الموت آئیں گے اور روح قبض کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کریں گے۔ الٰہی اَقْبِضُ رُوْحَ هٰذَا الْعَبْدِ بِالسَّعَادَتِ اَمْ بِالشَّقَاوَتِ۔ (اے اللہ میں اس بندے کی روح سعادت پر یا بدبختی پر قبض کروں) معلوم نہیں اس وقت کیا جواب ملے گا اسی سے اندازہ کرو کہ جو خود بے حال ہو وہ دوسروں کا حال کیا سمجھے گا۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

راندۂ سابقت نہ دانم چیست ❊ خواندۂ خاتمت نہ دانم کیست

(تقدیر نے کیا لکھ کر چلایا ہے کچھ نہیں معلوم اور یہ بھی نہیں معلوم کہ خاتمہ کے بارے میں کیا لکھا ہے)

بدِ ما نیک شد چوں پذیرفتی ❊ نیکِ ما گشت بد چوں بگرفتی

(جب تو نے قبول کر لیا تو ہماری برائی بھی نیکی میں تبدیل ہو گئی۔ اور جب تو نے پکڑ لیا تو ہماری اچھائی بھی برائی ہو گئی)

اے بھائی! کام بہت زیادہ دشوار ہے۔ محض اتنا نہیں ہے جتنا کہ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں۔ یا گفتگو میں سنتے یا تحریروں میں پڑھتے ہیں۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

بیت

آفتِ کردار خود گر تو بہ بینی بدرو ❊ محو کنی ہیشگی قیمت و مقدار خود

(اپنے کردار کی آفت اگر تو اس کی وجہ سے دیکھتا ہے تو پہلے یقیناً اپنی قدر و قیمت کو بھلا دے)

اے بھائی! ایک عارف کا واقعہ ہے کہ وہ سکرات موت میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ حضرت اگر آپ کی کوئی آرزو ہو بتایئے تاکہ ہم اسے پوری کریں۔ عارف نے جواب دیا۔ ہاں، ایسا عدم جس کے لیے کوئی وجود نہ ہو۔ سبحان اللہ۔ سچ ہے یہ سارے جھگڑے وجود ہی کے تو ہیں۔

مثنوی

ہر کہ او این رازِ مشکل بے برد ❊ گر بود صد جانش یک جاں کے برد

(جس شخص نے اس مشکل بات کو سمجھ لیا۔ اگر اس کے پاس سو جانیں بھی ہوں تو وہ اس ایک جان کو کہاں لے جائے گا)

ہر کرا در پیش ایں مشکل بود ❊ چوں تو اند کر دگر صد دل بود

(جس شخص کو ان مشکلات کا سامنا ہو وہ سینکڑوں دل کے باوجود کر ہی کیا سکتا ہے)

اور وہ جن کی دولت یہ ہے لَوْ اتُّزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔ (اگر ابوبکر کا ایمان میری امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کا ایمان وزنی ہوگا) وہ اپنے وجود کے محاسبہ خائف ہیں اور فرماتے ہیں اے کاش میں کسی درخت کا پتّا ہوتا کہ بکریاں مجھے کھا جائیں۔

اور وہ جن کا مرتبہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) وہ بھی وجود کے محاسبے سے ایسے پریشان ہیں کہ فرماتے ہیں۔ اے کاش! میں جسم مادر ہی میں خون بن کر رہ جاتا تاکہ وجود کے ان مرحلوں سے نہ گذرنا پڑتا۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

مثنوی

کاش کے ہرگز نہ زادے مادرم ؎ تا نہ کردے گشتہ نفس کافرم

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من ؎ تا نہ بودے جنبش و آرام من

(کاش ایسا ہوتا کہ میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی تاکہ میں نفس کافر کا مقتول نہ بنتا۔)

(کاش ایسا ہوتا کہ اس دنیا میں میرا نام ہی نہ ہوتا پھر مجھ میں نہ حرکت ہوتی اور نہ آرام کا سوال پیدا ہوتا)

اے بھائی! یہ حال تو ان لوگوں کا ہے جو سارے عالم کے مقتدا اور سردار ہیں اور اسلام کا مرکز ہیں۔ پھر ہم لوگ جو بت خانہ میں پیدا ہوئے، بت خانہ ہی میں پرورش پائی اور تمام عمر نفس کے بت کے سامنے سجدے کرتے رہے۔ ان کے متعلق تم کیا کہو گے؟ ان کے حال کا ذرا تم اندازہ کرو کہ کیا ہوگا۔ اس بیچارے پر رحمت ہو جس نے کہا ہے۔

بیت

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم ؎ چند خود را تہمت دین مسلمانی نہم

(بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے میری پیشانی گھس گئی۔ میں کب تک اپنے اوپر مسلمان ہونے کی تہمت لگائے رکھوں) ایک اور بیچارے نے کہا ہے ؎

اے برہمن تو بار دہ رد کردۂ اسلام را ؎ یا چوں منِ گمراہ را در پیش بت ہم بار نیست

(اے برہمن تو اسلام کے ٹھکرائے ہوئے اس بندہ کو اجازت دے کیا مجھ جیسے گمراہ کو بت کے سامنے جانے کی بھی اجازت نہیں؟)

اے بھائی! وہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں قُبِلَ مَنْ قُبِلَ (جس کو چاہے قبول کرے) ؎

صد ہزاراں سال طاعت کردنے ؎ طوق لعنت می کند در گردنے

(لاکھوں سال طاعت کرنے کے باوجود گردن میں طوق لعنت ڈالتے ہیں)
جس طرح ایک شخص دنیا بھر کے گناہ اور نافرمانی کے باوجود نجات سے ناامید نہیں ہوتا اسی طرح دوسرا شخص طاعت و عبادت میں رہ کر بھی عاقبت کی جانب سے مطمئن نہیں ہوتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

سربسر سرگشتگاں درکارِ او ✤ تو چنیں آزاد از اسرارِ او
(سرگشتہ لوگ سراسر اس کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور تو اس کے اسرار سے اس طرح آزاد ہے)
آخر از خواب آمدہ بیدار شو ✤ یکدم اے مست ہوا ہشیار شو
(نیند پوری ہوئی اب تو خواب سے بیدار ہو۔ اے خواہشات میں مست ایک لحظہ کے لیے تو ہشیار ہو)

پردہ مشیئت میں کیا ہے اس کو کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو اس کی خبر نہیں کہ وہ مقبول لوگوں میں ہے یا مردودوں میں اس کا شمار ہے۔ معلم الملکوت کو گمان تھا کہ وہ مقبول لوگوں میں سے ہے لیکن پردۂ مشیئت سے یہ خبر آئی۔ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت کے دن تک) وہ مردود سر پر خاک ڈالتا ہے اور کہتا ہے۔

مثنوی

در دو عالم نیست از سر تا بہ پائے ✤ ہیچ جائے تا نہ کردم سجدہ جائے
(دونوں عالم میں ایک سرے سے دوسرے تک کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں میں نے سجدے نہ کئے ہوں)
ناگہے سیلاب محنت در کشید ✤ پس شبے خونے ز لعنت در رسید
(اچانک آزمائش کا سیلاب آ پہنچا۔ اور لعنت کا شب خون مار گیا)
پائے تا سر عین حسرت گشتہ ام ✤ در ہمہ آفاق عبرت گشتہ ام
(میں مجسم حسرت بن گیا ہوں۔ تمام دنیا کے لیے عبرت ہو گیا ہوں)
من چہ دانستم کہ بیگانہ منم ✤ عاقل ایشانند و دیوانہ منم!
(مجھے کیا خبر تھی کہ میں ہی غیر ہوں۔ یہی لوگ عقلمند ہیں اور میں دیوانہ ہوں)

اے بھائی! جب یہ حال ہے اور یہ معاملہ ہے تو قرار و سکون کہاں! کھانے پینے کی مہلت کس کو ہے جب کہ عقل و ہوش ہی ٹھکانے نہیں ہے۔
نقل ہے کہ ایک دن رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا،

اے بھائی ملکوتی دنیا میں ملائک کا کیا حال ہے ؟ جناب جبریل علیہ السّلام نے جواب دیا اے اللہ کے پیارے رسول، جس دن سے ہم میں کا ایک فرد راندۂ درگاہ ہوا ہے اس دن سے ہم میں سے کسی کو قرار و سکون نصیب نہیں ہے۔ یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ نہ جانے میرا کیا حشر ہوگا۔ اسی راز کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

گر بدیں دریا در آئی یک دمے ٭ حیرتِ جاں سوز بینی عالمے

(اگر تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس دریا میں داخل ہوتا تو حیرت جاں سوز کا عالم دیکھتا)

ہیبتِ ایں راہ کارے مشکل است ٭ صد جہاں زیں سہم پر خوں دل است

(اس راہ کی ہیبت کا برداشت کرنا ایک مشکل کام ہے۔ سینکڑوں جہان ہیں جن کے دل اس کی ہیبت سے خون ہیں)

ہر کہ او نزدیک تر حیراں تر است ٭ کار دوراں پارۂ آساں تر ست

(جو زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ حیران ہے۔ جو دور ہیں ان کا کام کسی قدر آسان ہے)

والسّلام

۲۸ / محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ
مطابق ۱۹ / دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۱۲ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد (سندھ پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۴۰)

عقل کی معرفت

بہ جانب مولانا کمال الدین سنتوسی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

ایک عزیز، بزرگ زادہ ولوالی، اپنی تجارت کے سلسلہ میں قصبہ سنتوس گئے ہوئے تھے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو اس دعاگو یعنی احمد یحییٰ منیری ملقب بہ شرف سے ملنے آئے۔ اور کہا کہ میں مولانا کمال الدین کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں۔ وہ ایک صحبت میں یہ کہہ رہے تھے کہ فلاں شخص (یعنی کاتب حروف ملقب بہ شرف) نے چند خطوط علم طریقت میں لکھے ہیں۔ ایک درویش نے انھیں وہ خطوط لاکر دیے تھے مطالعہ کے بعد مولانا نے کہا ان خطوط میں سے ایک خط جو معرفت خداوندی کے بارے میں ہے اس میں لکھا ہے کہ "عقل معرفت خداوندی کے لیے علت نہیں" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ انکار کے طور پر مولانا چند بار اس جملہ کو دہراتے رہے۔

دعاگو نے جب یہ بات سنی تو کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حق بات کیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہر روایت کے ایک جملہ پر ہے۔ مگر جو اس کی تاویل کی گئی ہے وہ شاید ان کی نظر سے نہیں گذری۔ دانشمندوں کے ساتھ ایسے اتفاقات ہوتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

اس عزیز نے پھر پوچھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت کون سی ہے؟ دعاگو نے کہا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے لَوْلَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ رَسُوْلًا لَوَجَبَتْ عَلَى الْعُقَلَاۗءِ مَعْرِفَتُهٗ بِعُقُوْلِهِمْ (اگر اللہ تعالیٰ رسولوں کو نہ بھیجتا جب بھی اس کی معرفت پر عقل کے ذریعہ استدلال عقلمندوں پر واجب ہوتی)، میں نے کہا کہ علماء نے اس عبارت کی تاویل کی ہے۔ یعنی لَوَجَبَ عَلَى الْعُقَلَاۗءِ الْاِسْتِدْلَالُ بِالْاٰيَاتِ عَلٰى مَعْرِفَتِهٖ بِعُقُوْلِهِمْ لَا نَفْسِ الْمَعْرِفَةِ بِدَلِيْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. یعنی بِالْاٰيَاتِ عَلَى الْمَعْرِفَةِ بِعُقُوْلِهِمْ کی یہاں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس سے نفس معرفت الٰہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ استدلال آیات سے معرفت کی طرف عقل کے ذریعہ

کرنا مراد ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر سے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کوئی رسول نہ بھیجدیں) اس آیت میں محض معرفت عقلی عذاب کے لیے کافی نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ رسول کا بھیجا جانا، جو احکام الٰہی بتلائیں، ضروری سمجھا گیا ہے۔ یہ بحث تمہیدات ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ میں موجود ہے۔ اور امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں سورۂ عنکبوت کی تفسیر کرتے ہوئے اچھی بحث کی ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے تو ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرے۔

البتہ اگر ایسی صورت پیدا ہو کہ کچھ لوگ کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتے ہوں۔ آثار رسالت ان تک نہ پہنچے ہوں تو معرفت عقل کی بنا پر وہ ایمان کے مکلف ہیں کہ نہیں یا صرف عقل کی بنا پر محض استدلال بالآیات کے مکلف ہیں۔ اس میں دو رائیں ہیں۔ معتزلہ کے نزدیک ترکِ ایمان پر ماخوذ ہوں گے۔ کیوں کہ ان کے پاس عقل کی دولت موجود تھی۔ لیکن علمار اہل سنت عقل کو معرفت الٰہی کی علت قرار نہیں دیتے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک ایمان کو واجب کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ عقل تو معرفت کے لیے صرف ایک آلہ ہے اور وہ جو تمام عارفوں کے سردار ہیں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھوں نے فرمایا۔ وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اهْتَدَیْنَا (اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے) یہ نہیں فرمایا کہ لَوْلَا الْعَقْلُ مَا اهْتَدَیْنَا (اگر عقل نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے)

مثنوی

عقل بے کحل آشنائی او ❊ بے خبر بود از خدائی او

(عقل اس کی آشنائی کے سرمہ کے بغیر اس کی خدائی سے بے خبر ہے)

نیست از رہ وہم و عقل و حواس ❊ بے خدا ہیچ کس خدائے شناس

(وہم و عقل اور حواس کے ذریعہ کوئی شخص خدا کو نہیں پہچان سکتا)

اسی وجہ سے بزرگوں کا یہ قول بھی قابل غور ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ عَزَّتْ مَعَارِفَتُهٗ لَوْلَا تَعْرِیْفُهٗ پاک ہے وہ ذات جس کی معرفت بہت دشوار ہے۔ جب تک کہ وہ خود نہ پہچنوالے) یعنی اس کی معرفت عقل کے ذریعہ ممکن نہیں ہے

عقل کل یک سخن ز دفترِ او ❊ نفس کل یک پیادہ بر درِ او

(عقل کل اس کے دفتر کی صرف ایک بات ہے نفس کل اس کے دروازے پر ایک پیادہ ہے)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی دعوت فکر دیتا ہے۔ فرمایا سُبْحَانَ مَنْ

لَمْ يَجْعَلِ لِلْخَلْقِ سَبِيْلاً اِلٰى مَعْرِفَتِهٖ اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لیے اپنی معرفت کی کوئی راہ نہیں رکھی اس کے سوا کہ اپنی عقل کو عاجز مان کر ذات باری کو تسلیم کریں)

اے بھائی! بیچاری عقل کو خود اپنی خبر نہیں ہے کہ وہ کیا ہے؟ تو خداوند بزرگ و برتر کو جب تک کہ وہ خود نہ پہچنوائے، کس طرح جان سکتی ہے۔ جو اپنے آپ کی پہچان سے عاجز ہے وہ بدرجۂ اولیٰ دوسروں کی معرفت سے عاجز ہوگا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

اے شدہ از شناخت خود عاجز ؛ کے شناسی خدائے را ہرگز

(جو خود اپنی پہچان سے عاجز ہے۔ خدا کو وہ کب پہچان سکتا ہے)

چوں تو در علم خود زبوں باشی ؛ عارف کردگار چوں باشی

(جب تو خود اپنے علم سے قاصر ہے تو خدا کا عارف کیوں کر بن سکتا ہے)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِرَبِّيْ (میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعہ پہچانا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

بخودش کس شناخت نہ توانست ؛ ذات او ہم بدو تواں دانست

(جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا وہ خدا کو کس طرح پہچان سکتا ہے۔ اس کی ذات کو تو اسی کے ذریعہ پہچانا جا سکتا ہے)

باتقاضائے عقل و نفس و حواس ؛ کے تواں بود کردگار شناس

(عقل و نفس اور حواس رکھنے کے باوجود، تو خدا شناس نہیں ہو سکتا)

میری عمر کی قسم عقل معرفت کے حاصل کرنے کے لیے صرف آلہ اور سبب ہے البتہ آیات الٰہی کے ذریعے عقل معرفت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس بنا پر عقل کی اضافت معرفت کی جانب کی جا سکتی ہے اسی طرح معرفت کی اضافت عاقل کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر عقل کو معرفت الٰہی کے لیے علت مان لیں تو پھر تمام عقلمندوں کو معرفت الٰہی میں برابر ہونا چاہیئے۔ اور تمام بندگان خدا کو بغیر آیات خداوندی، اللہ کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے

تھا لیکن صورت حال یہ نہیں ہے۔ اسی طرح جب مومن اور کافر عقل میں برابر ہیں تو پھر کافر کو منکر اور کافر نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں بھی یہ صورت نہیں ہے۔ بر خلاف اس کے ایسے کافر بھی ہیں جو ہزاروں مومن سے عقل میں زیادہ ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے معاملات ایک لمحہ میں سلجھا لیتے ہیں۔ لیکن اللہ کی راہ کا ایک ذرہ بھی انھیں نصیب نہیں۔ اسی طرح ایسے مومن بھی ہیں جنھیں عقل میں سے زیادہ حصّہ ان کو نہیں ملا ہے معاملات دینوی میں زیادہ سمجھ داری سے کام نہیں لیتے۔ لیکن معرفت الٰہی میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔

علاوہ بریں قرآن کریم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو ایسی چیزوں کی خبریں بھی دی ہیں جن کو عقل کی دولت نہیں ملی ہے اس کے باوجود وہ خدا کی پہچان رکھتی ہیں۔ مثلاً ہُدہُد ایک جانور ہے اسے اتنی عقل نہیں ہے کہ وہ پہچان سکے کہ ایک شخص خدا کے سامنے جھک رہا ہے یا بُت کے سامنے۔ از روئے عقل اس کو معرفتِ الٰہی نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن آیات قرآنی سے اس کی معرفت الٰہی کی اطلاع ملتی ہے۔ ہُدہُد نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کو آکر اطلاع دی کہ میں ایک ایسی قوم کے پاس سے آرہی ہوں جو معبود حقیقی کے علاوہ دوسروں کو سجدہ کرتی ہے۔ اس نے کہا وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں) یعنی ہُدہُد نے بلقیس اور اس کی قوم کو دیکھا کہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پرستش کرتے ہیں۔ اگر پرندہ خدا کو نہ پہچانتا تو اسے کیا خبر ہوتی کہ وہ لوگ کس کو سجدہ کررہے ہیں۔ اس امر میں سبھوں کا اتفاق ہے کہ پرندوں کو عقل عطا نہیں کی گئی ہے۔ اگر عقل معرفت کی علت ہوتی تو بغیر عقل کے معرفت محال ہوتی۔ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو یہ بھی خبر دی ہے کہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (وہ جو مردہ تھے ان کو ایمان دے کر ہم نے زندہ کیا) اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعہ احیائے قلب کی اضافت اپنی طرف کی ہے۔ جس طرح جان کے ذریعہ احیائے نفس کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ احیائے نفس جان کے بغیر محال ہے حالانکہ مطلق حیات بھی اسی کی عنایت سے ہے۔ بلکہ جب تک جان نہ ہو قلب سے ایمان کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی قلب کی معرفت کے ذریعہ حیات بخشی کا تعلق اپنی ذات سے کیا۔ جو واقعی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (کیا وہ ذات کریم نہیں ہے جس نے مومنوں کے دل کو اسلام کے لیے کھول دیا) یہاں اپنے دوستوں پر احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے کشائش دل کی اضافت اپنے طرف کی ہے۔ نہ کہ عقل کی طرف۔ فرمایا مسلمانوں کے دل کو معرفت الٰہی کے لیے ہم نے کھولا۔

اسی کے مقابلہ میں جہاں اپنے دشمنوں کا ذکر کیا ہے وہاں بھی ان کے دل کو بند کرنے کی اضافت اپنی

ہی طرف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَخَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی)
جب دل کے کھولنے اور بند کرنے کی اضافت اپنی طرف کی تو یہ ثابت ہو گیا کہ کھولنے والا اور بند کرنے
والا کوئی دوسرا نہیں۔ پھر عقل کا کیا ذکر؟

مثنوی

ہر کرا بنمود آں محض عطاست ✤ واں کرا ننمود حکم و قضاست

(جس کسی کو اگر اس نے کچھ دیکھایا تو وہ محض اس کی عطا ہے۔ اور جس کو کچھ نہ دکھایا تو وہ حکم اور قضا کی بنا پر ہے)

ہیچ دل را بکنہ او رہ نیست ✤ جان و عقل از کمالش آگہ نیست

(کوئی دل اس کے راز سے باخبر نہیں ہے۔ جان و دل بھی اس کے کمال سے آگاہ نہیں ہے)

اے بھائی! اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کس کی مجال ہے کہ معرفتِ الٰہی کے لیے لوگوں کے
دلوں کو کھول دے یا بند کر دے وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ اَیْ عَلٰی اَمْرِ عِبَادِہٖ (اللہ تعالیٰ
اپنے امر یعنی بندوں کے معاملات میں غالب ہے)

مثنوی

دل و عقل از جلالِ او خیرہ ✤ تن و جاں از کمال او خیرہ

(دل و عقل اس کے جلال سے خیرہ ہیں۔ اور تن و جاں اس کے کمال سے خیرہ ہیں)

جولاں ز عزِ ذاتش وہم ✤ تنگ میداں ز کنہ وصفش فہم

(اس کی ذات کی عظمت کو سمجھنے کے لیے عقل چکر میں ہے۔ اور فہم کا میدان اس کے وصف کے کنہ کو
جاننے کے لیے تنگ ہے۔

ایسی خبریں بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو صرف چار چیزوں کا علم دیا ہے۔ اول یہ کہ وہ
اپنے پیدا کرنے والے کو جانے۔ دوئم یہ کہ وہ اپنے دشمن کو پہچانے۔ سوم یہ کہ اپنی روزی تلاش کرے چہارم
یہ کہ اپنے جوڑے کو پہچانے۔ پانچواں علم صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہے اور وہ موت کا علم ہے (یعنی
موت سے پہلے جو کیفیت دل پر طاری ہوتی ہے اس کا علم)

خط کی طوالت پڑھنے والے پر شاق نہ گذرے، اس لیے مختصر کرتا ہوں۔
امید کہ اس تحریر کے مطالعہ کے بعد دل کی تشویش دور ہو جائے گی۔ وَاللّٰہُ ھَادِیٌ
اِلَی الرَّشَادِ رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ اَنْصَفَ۔ (ہدایت کی راہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے

ہے اور انصاف کرنے والوں پر وہی رحم فرماتا ہے۔)

والسلام

۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ روز پنجشنبہ
مطابق ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء وقت سات بجے شام
لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــ (۱۴۱)

عشق کے متعلق

بجانب مولانا مذکور

من جانب شرف منیری   سلام و تحیت

آدمی آیا اس کی زبانی عشق کا حال معلوم ہوا۔ ایسا محسوس ہوا کہ عشق کی راہ میں آپ کو کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ جس کی وجہ سے پریشانی لاحق رہتی ہے۔

اے بھائی! بزرگوں کا قول ہے کہ عشق بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے عشق کو اس راہ کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ عشق سے زندگی ہے۔ عشق نہیں تو موت ہے۔ ؎

مجنون عشق را دگر امروز حالت است ⁂ کاسلام دین لیلیٰ و دیگر ضلالت است

(آج عشق کے دیوانے کی حالت ہی کچھ اور ہے اس کی نظر میں لیلیٰ کا دین ہی اسلام ہے۔ اس کے علاوہ گمراہی ہے)

کہتے ہیں کہ اللہ کا عشق رکھنے والوں کی جگہ دوزخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو دل جتنا سوختہ ہے اتنا ہی عزیز ہے ؎   خاکے از مردم بماند در جہاں ⁂ وز وجودِ عاشقاں خاکستری

(دنیا میں عام لوگوں کی خاک مٹی ہو جاتی ہے۔ مگر عاشقوں کا وجود خاکستر ہو جانے سے ہے)

اسی کو کسی نے کہا ہے اَلْعِشْقُ هُوَ الطَّرِيْقُ وَالرُّؤْيَةُ هُوَ الْجَنَّةُ وَالْفِرَاقُ هُوَ النَّارُ وَالْعَذَابُ۔ (عشق اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اس کا دیدار جنت ہے اور اس کا فراق دوزخ اور عذاب ہے)

اس راز کو کسی نے اس طرح بھی بیان کیا ہے۔

مثنوی

آنانکہ ز جامِ عشق مستند ⁂ مخمور ز بادۂ الست اند

(جو لوگ عشق کا جام پی کر مست ہیں وہی شراب الست کے متانے ہیں)

از ہستی خود چو نیست گشتند ⁂ در عالمِ عشق دوست ہستند

(انھوں جب اپنی ہستی کو مٹا ڈالا تو عشق کی دنیا میں محبوب ہو گئے۔)

چوں محرم راز عشق گشتند ٭ از عشوۂ امتحاں بجستند

(جب رازِ عشق کے راز داں ہو گئے تو پھر ان کا طرح طرح کے ناز و ادا کے ذریعہ امتحان لیتے ہیں)

اے بھائی! پیغمبروں کی میراث سونا چاندی نہیں ہے۔ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب کچھ ان ہی سوختہ دلوں کو ملا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ آج تک اس پر نازاں ہیں۔

رباعی

تا عشق ہمی مونس و ہم خانۂ ماست ٭ غمہا ہمہ یک جرعۂ پیمانۂ ماست

از عقل فرو گذر کہ در عالم عشق ٭ او نیز غلام دلِ دیوانۂ ماست

(جب تک عشق ہمارا مونس و غم خوار اور گھر کا ساتھی ہے۔ تو دنیا کا تمام غم ہمارے پیمانہ میں ایک گھونٹ کے برابر ہے عقل سے گذر جا اس لیے کہ عالم عشق میں وہ بھی ہمارے دلِ دیوانہ کا غلام ہے)

کہتے ہیں کہ عشق ایک آگ ہے جہاں پہنچتی ہے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اور عاشقوں کا دل ٹھہرا ہوا آتش کدہ ہے۔ اگر ایک چنگاری بھی اس کی باہر آجائے تو کون و مکان کو جلا کر خاکستر کرے۔ بلکہ وہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ساری دنیا کے گنہگاروں کو تو دوزخ کی آگ سے عذاب دیا جائے گا اور خود دوزخ کو ان عشاق کے دل کی آگ سے عذاب دیں گے۔ مگر اہل ظاہر اور اہل صورت کو یہ بات محال نظر آتی ہے۔ وہ بیچارے کیا جانیں۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا نیاید درد دل ایں کارت پدید ٭ قصۂ ایں درد نتوانی شنید

(جب تک تیرے دل میں بھی عشق کی آگ نہیں بھڑکے گی اس وقت تک تو اس درد کے قصہ کو نہیں سمجھ سکتا)

شرح دادن حال عاشق جاوداں ٭ از عبارت برتراست واز بیاں

(چنانچہ عاشق جاوداں کی حالت کی تشریح و توضیح عبارت و بیان سے باہر ہے)

یہی وجہ ہے کہ وہ بزرگوار مغلوب الحال ہو کر اپنی مناجات میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا! اپنے فضل و کرم سے تو مجھے دوزخ میں جگہ دے تاکہ وہاں سے تمام بیگانے رہائی پائیں۔

مثنوی

ایں سخن گر عاقلے گوید خطاست ٭ لیک از دیوانہ و عاشق رواست

(یہ بات اگر کوئی عاقل کہے تو غلط ہے۔ لیکن اگر کسی دیوانے یا عاشق کی زبان سے نکلے تو جائز ہے)

ہر کہ او شوریدہ چوں دریا بود ❊ ہر چہ گوید از سرِ سودا بود

(جو شخص دریا کی طرح شوریدہ ہو۔ وہ جو کچھ کہتا ہے عالم دیوانگی میں کہتا ہے)

چوں بہ گستاخی رود زایشاں سخن ❊ مرد چوں دیوانہ باشد رد مکن

(ان سے اگر کوئی گستاخی کی بات سرزد ہو تو دیوانے کی بڑ سمجھ کر رد نہ کر)

یہ مردانِ حق ایسے ہیں کہ اگر ان کے باطن پر دریا کا دریا انڈیل دیں تو سب آگ ہو جائے۔ گویا یہ ظاہری آگ ان کی باطنی آگ کے لیے بمنزلہ ایندھن کے ہے۔ جیسا کہ ایک دیوانہ کہتا ہے۔

نظم

آں کس کہ دلش محرمِ اسرار نہ باشد ❊ با عشق ورا در دو جہاں کار نہ باشد

در زہد بود منبر و محراب بہ تحقیق ❊ در عشق بجز بادہ و زنار نہ باشد

(وہ شخص جس کا دل محرم راز نہ ہو ایسے شخص کا دونوں جہان میں عشق سے کوئی واسطہ نہیں۔

بلاشبہ زہد میں محراب و منبر ہوتے ہیں۔ لیکن عشق میں شراب اور زنار کے سوا کچھ نہیں ہوتا)

بردار بود بار اگر عاشق فردی ❊ ورنہ بنشیں بار زگفتار نہ باشد

(اگر تو عشق میں فرد ہے تو تجھے سولی پر باریابی نصیب ہوگی۔ اور اگر ایسا نہیں تو گھر جا کر بیٹھ اس لیے کہ باتوں سے باریابی حاصل نہیں ہوتی)

اے بھائی! اگر ہو سکے تو عشق کا ایک ذرہ آج ہی حاصل کر لیجیے۔ اس لیے کہ یہ وہ صفت ہے جو آپ کے ساتھ قبر میں جائے گی۔ اور کل قیامت کے دن جہاں اولاد اور مال کوئی کام نہیں آئے گا وہاں یہی قلب سلیم کام آئے گا۔

بیت

در گور برم از سرِ گیسوے تو تارے ❊ تا سایہ کند بر سرِ من روزِ قیامت

(میں تیری زلف کا ایک تار اپنی قبر میں ساتھ لے جاؤں گا تاکہ قیامت کے دن وہ میرے سر پر سایہ کرے)

اور یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب دل کو غیر اللہ سے بالکل خالی کر دیا جائے۔ خواہ اس کے سامنے ناز و نعمت سے بھری ہوئی جنت ہی کیوں نہ ہو۔

مصرع

یا خانہ جائے رخت بود یا خیال دوست

(گھر یا تو مال و اسباب کی جگہ ہے یا دوست کے خیال کی)

اے بھائی! دل جو اللہ کا گھر ہے جب اغیار کے تصور سے پاک ہو گیا۔ تو وہ وعدہ جو اوروں کے حق میں کل کے لیے کیا گیا ہے، اس کو آج ہی نصیب ہو گا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

ہر کرا آفتاب ایں جا تبافت ٭ آنچہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

(جس شخص کی قسمت کا آفتاب یہاں چمکا، تو جو وعدہ وہاں کے لیے کیا گیا تھا اس کو یہیں مل گیا)

مگر اس راہ کو دیکھنے کے لیے آنکھ چاہیئے۔ لیکن اہل دنیا اور اہل شہوت کے پاس ایسی آنکھیں کہاں ہیں؟ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

دیدۂ بیناست جاں را زادِ راہ ٭ از خدائے خویش دایم دیدہ خواہ

(دیدۂ بینا جان کے لیے راہ کا توشہ ہے۔ اس لیے اپنے خدا سے دیدۂ بینا ہی مانگ)

اے بھائی! اس راہ میں جو کچھ ہے وہ دل ہے۔ اور ایسا دل جو غیر اللہ سے بالکل پاک اور صاف ہو۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا واقعہ سامنے ہے۔ ان کے دل اطہر میں جب صاحبزادے کی محبت گھر کرنے لگی تو فوراً خواب میں حکم دیا گیا کہ بیٹے کو میری راہ میں قربان کر دو۔ اور جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کر دی تو فرمان ہوا کہ میرا مقصد ایک بے گناہ بچے کے گلے پر چھری پھروانا نہیں تھا۔ بلکہ تمہارے دل سے غیر کی محبت کو دور کرنا تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہو گیا۔ تو بچے کی جان بخشی فرما دی۔

بیت

روزے و شبے نشستہ ام در کارت ٭ با ہر کہ بسازی شکنم بازارت

(رات دن میں تیرے کام میں لگا ہوا ہوں۔ اس کے باوجود اگر میرے سوا کسی سے تعلق رکھے گا تو میں تیری دھاک اکھاڑ دوں گا)

محبت نہایت غیرت دار ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ یہ نہیں چاہتی کہ اپنے دوست کو کسی غیر کے ساتھ دیکھے۔ اور غیرت کی زیادتی و کمی محبت کی کمی بیشی کے مطابق ہوتی ہے۔ جس قدر محبت قوی ہو گی، اسی قدر غیرت بھی زیادہ ہو گی۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

کور گرداں خلق را در رستخیز ٭ بس مرا جاوید چشمے بخش تیز

(قیامت کے دن پوری مخلوق کو اندھا بنا دے۔ اور صرف مجھے ہمیشہ کے لیے نگاہ تیز عطا کر)

تا نہ بیند ہیچ کس جز من ترا ٭ تا توانم دید بے دشمن ترا

(تاکہ میرے سوا کوئی اور شخص تجھ کو نہ دیکھ سکے۔ اور میں تجھے دشمن کے بغیر دیکھ سکوں)

جس دل میں غیر اللہ نے جگہ بنا رکھی ہے وہ دل ویران ہے۔ اور جب ویران گھر ہمارے اور تمہارے لایق نہیں ہے، تو خدا کے لایق کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب بادشاہوں کے فرش پر کوئی شخص اپنے گندے اور ناپاک پاؤں سے نہیں چل سکتا۔ تو پھر ناپاک بستر (دل) خدا کے قرب کا ذریعہ کس طرح بن سکتا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

با محبت در نہ گنجد ذرۂ ٭ نیست مرد دوستی ہر غرۂ

(محبت کے ساتھ ذرہ برابر بھی کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ کوئی مغرور دوستی کے لایق نہیں ہے)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ۔ (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ وہ ایسا دربار ہے جہاں ظاہری اعمال اور صورت کی کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ اس لطیفہ پر نظر ہوتی ہے جس کو دل کہتے ہیں۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ ؎

تو بہ گوہر ورائے دو جہانے ٭ چہ کنم قدر خود نہ می دانی

(کیا کروں تو خود ہی اپنی قدر نہیں جانتا ہے۔ تُو تو وہ گوہر ہے جو دونوں جہان سے قیمتی ہے)

بزرگانِ دین اسی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص طریقت سے آشنا ہوتا ہے تو اس کے لیے عبا و قبا کی ضرورت نہیں۔ یعنی لباس ظاہری کی کوئی اہمیت نہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

بیت

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست ٭ کمر بہ خدمت سلطاں بہ بند و صوفی باش

(یہ ظاہری لباس اہل طریقت کی مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ سلطان کی خدمت کے لیے کمر باندھ اور صوفی ہو جا)

یہ بات بھی یقینی ہے کہ آج جس شخص کا دل جس چیز سے وابستہ ہے، موت کے بعد وہی چیز اس

کے سامنے آئے گی۔ جیسا کہ کہا ہے۔

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ❊ تا ابد راہ وصالت آں بود

(دنیا میں جس چیز کا خیال تجھے رہتا ہے۔ ابد تک تیرے وصال کا راستہ وہی رہے گا)

چنانچہ آج اگر کسی کا دل دنیا سے وابستہ ہے اور اس کا مقصود و مطلوب بھی دنیا ہی ہے تو موت کے بعد دنیا کو صورت عطا کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور اگر کسی کا دل حور و قصور اور شراب طہور میں لگا ہوا ہے تو بہشت کو آراستہ کر کے اس کی نظر کے سامنے لایا جائے گا۔ اور اگر آج کسی کا دل خدائے بزرگ و برتر کے تصور میں گم ہے۔ اور اس کا مقصود و مطلوب حق سبحانہ تعالیٰ ہے تو موت کے بعد اس کے درمیان سے پردہ اٹھا لیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے جمال کی تجلی سے اسے سرفراز فرمائے گا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا بہشت و دوزخت در راہ بود ❊ جانِ تو زیں راز کے آگاہ بود

(جب تک بہشت و دوزخ تیری راہ میں ہیں۔ تیری جان اس راز سے ہرگز آگاہ نہیں ہو سکتی)

چوں ازیں ہر دو بروں آیم تمام ❊ صبح ایں دولت بروں آید زشام

(جب میں ان دونوں کے خیال سے آزاد ہو جاؤں گا تو پھر اس دولت کی صبح شام سے طلوع ہو گی)

قطعہ

دینِ ما سودائے روئے آں بتِ عاجانہ است ❊ کفر ما زلفِ سیاہ و ابروئے ترکانہ است

(میرا دین اس ہاتھی دانت کے بنے ہوئے بت کے چہرے کا عشق ہے اور میرا کفر زلف سیاہ اور ابروئے ترکانہ ہے)

از جمالِ خد و خالش عقل ما دیوانہ است ❊ وز شراب عشقش ایں ہر دو ہمی پیمانہ است

(اس کے خد و خال کے جمال سے ہماری عقل دیوانہ ہے۔ اس کے عشق کی شراب کے یہ دونوں پیمانے ہیں)

روح ما چوں آنِ تست و قلبِ ما بتخانہ است ❊ ہر کرا ملت نہ ایں ست او زما بیگانہ است

(میری روح تیری ملک ہے اور ہمارا دل بتخانہ ہے۔ جس کا مذہب یہ نہیں ہے وہ ہم سے بیگانہ ہے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ (اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں) مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آدمیوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ظالم، دوسرے مقتصد اور تیسرے سابق بالخیرات۔ اپنے اوپر ظلم کرنے والا وہ ہے جو عبادت تو خدا کی کرتا ہے مگر اس کا مطلوب و مقصود دنیا ہے۔ یہ ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

خرچ کردی برائے ناں جاں را ٭ در پے آں بدادی ایماں را

(روٹی کے لیے تو نے اپنی جان گنوادی - اور اس کے پیچھے ایمان بھی دے بیٹھا)

اور مقتصد وہ جو عبادت خدا کی تو کرتا ہے مگر اس کا مقصود و مطلوب حور و قصور ہے - اس گروہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مرتبہ بہت بلند ہے مگر جو کچھ بہشت میں ہے وہ سب حواس کی لذتوں کے لیے ہے - لہٰذا اس میں بہائم کی بھی شرکت ہو سکتی ہے - اس لیے یہ شرکت خلاصہ موجودات اور مظہرِ سرِ الوہیت کا پستی میں اترنا ہے - بہائم اگر اس میں شریک ہو سکتے ہیں تو یہ خِسَّت کی بات ہے ہمت کی نہیں -

بیت

ایں جا نہ بود قدرے مر دوزخ و جنت را ٭ باشند حجب ما را آنہا کہ تو می دانی

(اس مقام پر دوزخ و بہشت کی کوئی قدر نہیں ہوتی ہے - جو کچھ تُو جانتا ہے وہ سب ہمارے لیے حجاب ہیں)

اور سابق بخیرات وہ ہے جو خدا کی عبادت خدا کے لیے کرتا ہے - اس کا مطلوب، مقصود اور محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے - وہ ماسوا سے منہ موڑ کر اللہ اور صرف اللہ کو چاہتا ہے - اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مردانِ خدا اور ہیں یا مردوں کا دین ہی اور ہے - وہ ان ہی لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں - اسی کو کسی نے کہا ہے -

عالم شہ را د خسرو خاقان را ٭ تسبیح فرشتہ را صفا انسان را

دوزخ بدرا بہشت نیکان را ٭ جاناں ما را و جانِ ما جانان را

(دنیا بادشاہ کے لیے، خسرو خاقان کے لیے، تسبیح فرشتوں کے لیے اور صفا حضرت انسان کے لیے دوزخ بروں کے لیے، بہشت نیکوں کے لیے ہے اور محبوب ہمارے لیے اور ہماری جان محبوب کے لیے ہے)

والسلام

یکم صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز جمعہ

مطابق ۲۱/دسمبر ۱۹۷۹ء وقت گیارہ بجے شب

لطیف آباد - حیدر آباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــ (۴۲)

خدا کے دوستوں کے ساتھ دوستی کرنا

مولانا مذکور کے نام

عزیزی زین الدین کی معرفت آپ کا خط ملا۔ بغور مطالعہ کیا۔ ملنے کا شوق اور حصول ملاقات کا ذکر محبت کے لوازم میں سے ہے جو عشق کا نتیجہ ہے۔ تمام عاشقوں کے دل شوق کی آگ میں مثل کباب بھن رہے ہیں اور مشتاقوں کی جانیں اسی کی تباہ کی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان ہی میں سے کسی نے کہا ہے اَلشَّوْقُ یَکُوْنُ عَلٰی قَدْرِ الْمُحَبَّۃِ (شوق محبت کے مطابق ہوتا ہے)

نظم

ہر دل کہ بہ عشق مبتلا شد ٭ کانِ غم و محنت و بلا شد

(جو دل عشق میں مبتلا ہوا۔ وہ غم، محنت اور بلاؤں کی کان ہو گیا)

بیگانہ شد از نشاط آں دل ٭ گویا غم عشق آشنا شد

(خوشی سے وہ دل بیگانہ ہو گیا۔ اور غم عشق سے آشنا ہو گیا)

اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں سے محبت یہ کوئی معمولی دولت نہیں ہے۔ سجدۂ شکر ادا کیجئے اور اس کو آخرت کیلئے سعادت تصور کیجئے اس گروہ سے محبت اور اس جماعت سے ملنے کا شوق یہ کوئی معمولی نعمت نہیں ہے اور نہ ہر دل اس نعمت کے لائق ہے۔ یہ دولت ان ہی کو ملتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلانا چاہتا ہے۔

رباعی

در کوے عشق بادہ بہ ابرار کے دہند ٭ وز جامِ شوق جرعہ بہ اغیار کے دہند

واں خلعتے کہ بہر خواص است عام را ٭ بے دارِ عشق بر سر بازار کے دہند

(عشق کی گلی میں شراب ابرار کو کب دیتے ہیں۔ اور جام شوق سے گھونٹ اغیار کو کب دیتے ہیں۔ وہ خلعت جو خواص کے لیے ہے، عوام کو عشق کے دار پر چڑھائے بغیر سر بازار کب دیتے ہیں)

اور وہ جو سرور کائنات فخر موجودات ہیں اور لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کا تاج جن کے

زیب سر ہے۔ وہ شب و روز اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ (اے اللہ! تو مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین ہی اس دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کے زمرہ میں میرا حشر فرما)

سبحان اللہ! اس نے اپنے محبوب کے مسکینوں کو کس طرح نوازا ہے۔ غور کا مقام ہے۔ آپ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ اے اللہ! اپنے مسکینوں کو زندگی اور موت میں میرے ساتھ رکھ اور ان کا حشر بھی میرے ساتھ کر۔ مگر یہاں تو اپنے مسکینوں کے درجہ کو نمایاں کرنا تھا۔ بس اسی سے اندازہ کر لیں کہ اللہ والوں کی محبت کا کیا درجہ ہے؟ اگر جان و دل کے عوض بھی یہ دولت ہاتھ آئے تو اسے کھونا نہیں چاہیئے۔ اس میں نفع ہی نفع ہے۔

قطعہ

جاں را چہ کنم فدائے خاکت ٭ جاں را بہ نزدِ تو خطر نیست

(میں اپنی جان کو تیری خاک پر کیا فدا کروں جب کہ جان کی تیرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے)

در صومعہ زاں نشست عابد ٭ کو راز جمال تو خبر نیست

(عابد عبادت خانہ میں اس لیے بیٹھ گیا کہ اس کو تیرے جمال جہاں آرا کی خبر نہیں ہے)

اے بھائی! اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں کی محبت اور شوق جو آپ کو حاصل ہے اس پر میں مبارکباد دیتا ہوں۔ شب و روز، جان و دل اور زن و فرزند کے عوض اس کی زیادتی کی طلب کرتے رہیئے۔ اور اس طلب میں صادق اور مخلص رہنے کی کوشش کیجیئے۔ صرف زبانی دعویٰ نہ ہو۔ اس لیے کہ اس گروہ سے محبت کرنے کے دعویدار بہت ہیں۔ اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

بیت

گر نیک آیم مرا ازیشاں گیرند ٭ ور بد باشم مرا بدیشاں بخشند

(اگر میں نیک ہوں تو میرا شمار ان ہی لوگوں میں کر کے قبول کر لیں گے۔ اور اگر میں برا ہوں تو ان کے طفیل بخش دیں گے)

اے بھائی! چونکہ محبت کی وجہ سے ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا ذاتی یا جسمانی طور پر وہ مشرق و مغرب میں بھی ہو تو اس دوری کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیوں کہ محبت کے ساتھ فاصلے کا تصور غلط ہے لَا بُعْدَ مَعَ الْمَحَبَّةِ (ظاہری دوری کو محبت میں اہمیت نہیں دی جاتی)

ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کل قیامت کے دن

محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آئے گا کہ نہیں۔ اختلاف ہے تو ہوا کرے۔ ابوالحسن تو نقد سودے کا قایل ہے۔ محال ہے کہ وہ ادھار سودا کرے۔ اَلْاِنْتِظَارُ مَوْتُ الْاَحْمَرِ (انتظار تو موت سے زیادہ سخت ہے۔

مثنوی

ہر کرا آں آفتاب ایں جا بتافت ﷺ آنچہ آں جا وعدہ بود ایں جا بیافت

(جس خوش نصیب کا آفتاب یہاں چمکا تو جو کچھ وہاں کا وعدہ تھا اسے اس نے یہیں پا لیا)

اہل محبت کے لیے قرآن کریم کا یہ جملہ وَاللّٰہُ مَعَکُمْ (اللہ تمہارے ساتھ ہے) ہزاروں جنت کے مقابلہ میں نقد سودا ہے۔ ؎

در جانِ منی ز راہِ معنی ﷺ چوں یافتہ چرا تات جویم

(معنی کے لحاظ سے تو میری جان میں ہے۔ جب تجھے پا لیا پھر کیوں ڈھونڈوں)

محمود بہ خاک شد ہنوزش ﷺ دل سوئے کرشمۂ ایاز است

(محمود تو خاک میں مل گیا۔ مگر اس کا دل اب تک ایاز کے کرشموں میں لگا ہوا ہے)

وہ روایت تو نظر سے گذری ہوگی کہ ایک دن ایک دیہاتی مدینہ آیا، دربار رسالت میں حاضری دی۔ پھر عرض کیا۔ اے اللہ کے پیارے رسول مجھے آپ سے بڑی محبت ہے۔ لیکن میرا گھر مدینہ سے بہت دور ہے۔ آپ میرے لیے کیا فرماتے ہیں۔ سرکار دوجہاں نے ارشاد فرمایا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ہر آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) یعنی ہر شخص محبت کی بنا پر اپنے دوست کے ساتھ ہے خواہ جسمانی طور پر وہ کتنے ہی فاصلہ پر کیوں نہ ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانوں کو اتنی بڑی خوشی نصیب نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اس روز اس حدیث کے سننے کے بعد ہوئی۔ اور آتش محبت میں جلنے والوں کے لیے آج بھی یہی حدیث زندگی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ ؎

ہر کہ در سر محبت بندہ شد ﷺ تا ابد ہم محرم وہم زندہ شد

(جو شخص اسرار محبت کا غلام ہو گیا وہ قیامت تک کے لیے محرم اور زندہ ہوا)

اے بھائی! پیران طریقت کے یہ جملے بہت مشہور ہیں کہ ـــــ "بہت سے ایسے لوگ ہیں جو میرے بغل میں ہیں۔ مگر بظاہر میرے ان کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے"۔ اور یہ کہ "عداوت کے رہتے ہوئے کوئی قربت نہیں" ان جملوں کا تعلق مذکورہ حدیث کے مضمون ہی سے ہے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے مجنوں سے کہا۔ وہ دیکھو لیلی آ گئی۔ تو وہ فوراً سر جھکا کر اپنا گریبان دیکھنے لگا۔

پھر کہا لیلیٰ تو میرے پاس ہی ہے۔ اور میں لیلیٰ کے پاس ہوں۔ آنا اور جانا تو غیر موجودگی میں ہوتا ہے۔ دوست دوست سے جدا نہیں ہوا کرتا۔

بیت

صد ہزار آشوب گر پیدا کند اہل غرب ÷ باک نہ بود چوں دلِ لیلیٰ ست با مجنوں یکے

(اہل مغرب اگر لاکھوں فتنے پیدا کریں، جب تک لیلیٰ کا دل مجنوں کے ساتھ متحد ہے، کوئی ڈر نہیں ہے)

یہاں پر وہ لوگ جو ان کیفیات و حالات سے نا آشنا ہیں، یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب محبت میں محبوب کی معیت ہوتی ہے تو پھر اشتیاق اور اضطراب کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ اس راہ کے اصول جدا ہیں یہاں جب محب کو محبوب کا دیدار ہوتا ہے تو اشتیاق میں گوناگوں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس قدر مشتاق اور تشنۂ دیدار ہوتا ہے کہ دیکھنے کے باوجود وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے دیکھا ہی نہیں۔ وہ ہنوز محروم لقا ہے۔ شرابِ محبت اور لذت عشق کے یہی کرشمے ہیں۔

بیت

جمال در نظر و شوق ہم چناں باقیست ÷ گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گداست

(جمالِ یار آنکھوں میں مگر ذوقِ نظارہ ہنوز باقی ہے۔ فقیر کو دونوں جہان کی دولت دیدیں جب بھی وہ فقیر ہی ہے)

لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کل قیامت کے دن جب دیدار کا موقع آئے گا تو ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ تنہا صرف وہی دیکھ رہا ہے کیوں کہ اسے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے بھی اس دیکھنے میں شریک ہیں تو لذت یافت میں کمی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ سچ ہے، دستر خوان پر بھائیوں کے ساتھ مل جل کر کھانے میں مزہ ہے۔ لیکن دیدار جمالِ دوست میں شرکت گوارہ نہیں ہوتی۔ عاشق کو تو دیدار یار میں خود اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے بھی غیرت آتی ہے۔

از رشک تو بر کنم دل و دیدۂ خویش ÷ تا این ست و نہ بیند و نہ آں دارد دوست

(رشک کا یہ عالم ہے کہ میں نے اپنے دل و نظر کو الگ کر کے رکھ دیا ہے۔ تا کہ آنکھیں تجھے دیکھ نہ سکیں اور دل تجھے محبوب نہ بنالے)

جہاں جذبات کا یہ عالم ہو، وہاں دوسروں کے ساتھ محبوب کو دیکھنا کس طرح برداشت ہو سکتا ہے۔

ایک فقیر کا قصہ ہے کہ غلبۂ حال سے مغلوب ہو کر کہہ رہا تھا۔ اے خدا! قیامت میں میرے سوا سب کو نابینا اٹھا تا کہ میرے سوا تجھ کو کوئی اور نہ دیکھ سکے۔ پھر دوسرے موقع پر کہا۔ خدایا سب کے ساتھ مجھے بھی اندھا اٹھا تا کہ میری آنکھ بھی تجھے نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

آں چہ فارغ می بگوید بیدلے ٭ کے تواند گفت ہر گز عاقلے

(ایک دیوانہ جس اطمینان سے کوئی بات کہتا ہے۔کوئی عاقل کب کہہ سکتا ہے)

پچ ہے جس وصال کے بعد فراق کی گھڑی سر پر کھڑی ہو اس وصال کا کیا اعتبار۔ اَلْفِرَاقُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ (جدائی موت سے زیادہ سخت ہے)

دوسرا جواب یہ ہے کہ مجازی محبت میں وصال کے لمحوں پر غور کیا جائے۔ وصال کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جسمانی وصال میں وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ لیکن لقائے روحانی میں بوقت وصال اضطراب اور شوق کی بے حد زیادتی ہو جاتی ہے۔ یہ قسم اپنے کمال میں بلند تر ہے۔

بیت

مُردۂ کہنہ را دمِ عیسےٰ ٭ نو حیاتی بہ ہر سخن باشد

(پرانے مردہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک ہر بات کے ذریعہ حیات نوبخشتی ہے)

اصل معاملہ تو اس راہ میں چل کر دیکھنے کا ہے۔ جو لوگ اس سے ناآشنا ہیں، ان کی سمجھ سے یہ بات باہر ہے۔ اسی کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

چوں تو خود آں جا رسی بینی ہمہ ٭ حل شود دنیاوی و دینی ہمہ

(جب تو خود وہاں پہنچے گا تو سب کچھ دیکھ لے گا۔ دنیاوی اور دینی سب مشکلات حل ہو جائیگی)

گر شود ایں درد دامنگیر تو ٭ پس بود ایں درد دائم پیرِ تو

(اگر یہ درد تجھ کو دامنگیر ہو جائے تو یہی درد تیرا ہمیشہ کے لیے پیر بن جائے گا)

اس کو یوں سمجھا جائے کہ اگر چھوٹے بچے بادشاہی کا ذوق و شوق نہیں رکھتے، یا کوئی مادرزاد نامرد جماع کی طرف مائل نہیں ہوتا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ اگر ان کو طرح طرح سے سمجھانے کی کوشش بھی کی جائے تو وہ بے سود ہے۔ ؎

مور اگر شکر نہ چیند گو نہ چیں ٭ کور ار گوہر نہ بیند گو مبیں

(چیونٹی اگر شکر نہیں چنتی تو نہ چنے۔ اور اگر اندھا موتی کو نہیں دیکھتا ہے تو نہ دیکھے)

اے بھائی! خط طویل ہو گیا۔ اور بسیار گوئی میں مبتلا ہو گیا۔ بہر حال ہمت بلند رکھئے۔ اس لیے کہ آدمی کی قدر و قیمت اس کی ہمت سے ہے۔ قِيْمَةُ الْمَرْءِ هِمَّتُهٗ۔ (انسان کی قیمت اس کی ہمت ہے)

جس شخص کی ہمت حصول دنیا کے پیے ہے، وہ سگ دنیا ہے۔ اسے مراد چاہیئے۔

مثنوی

چوں ز دل دنیات دور افگندہ نیست ✧ جائے تو جز دوزخ سوزندہ نیست

(جب تیرے دل سے دنیا کی محبت دور نہیں ہوئی ہے تو تیری جگہ جلانے والی دوزخ کے سوا کوئی اور نہیں ہے)

صد جہانِ علم با معنی بہم ✧ دوزخ آرد بار با دنیا بہم

(با معنی علم کے سینکڑوں جہاں ہیں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ دنیا شامل ہو جائے تو اس کا ثمر دوزخ ہے)

لیکن جس کی ہمت محض عقبیٰ تک محدود ہے۔ وہ بھی حریص اور شہوت پرست ہے۔ مگر وہ لوگ جن کی ہمت یزداں شکار ہے، وہ گوہر گراں مایہ ہیں۔ ان کی قیمت کون لگا سکتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھیں "مرد خدا" کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اور ان ہی کا دوسرا نام درویش ہے۔ ہمیشہ یہ لوگ اس رباعی کو ورد زباں رکھتے ہیں۔

رباعی

دنیاست بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد ✧ ما حاصل ایں ہر دو بہ یک جو نستانیم

ایں فتنہ بہ دنیا شد، او غرہ بہ عقبیٰ ✧ ما فارغ ازیں ہر دو نہ اینیم نہ آنیم

(دنیا بلاؤں کا گھر ہے اور عقبیٰ ہوس کی تکمیل کی جگہ ہے۔ ہم ان دونوں کے حاصل کو ایک جو کے بدلے بھی نہ لیں صاحب دنیا، دنیا کے فتنوں میں الجھا ہوا ہے۔ اور صاحب عقبیٰ اپنی گھمنڈ میں مست ہے۔ مجھے ان دونوں میں سے کسی سے بھی لگاؤ نہیں رہ نہ میں یہ ہوں اور نہ میں وہ ہوں۔)

اے بھائی! کامیاب ہیں وہ لوگ جو طالب مولیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان بزرگوں کی نعلین کی خاک اور ان کی جوتیوں کی گرد بنائے بمنہ وفضلہ بالنبی وآلہ واجمعین یارب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین

والسلام

۳ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز یکشنبہ

مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ایک بجے دن

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ (۴۳)

ملاقاتِ ظاہری کا ترک کرنا

برادر دینی مولانا صدرالدین! دام فضلہ،

بہت بہت دعائیں اور بہت زیادہ سلام و تحیت اپنے قدیم دوست احمد یحییٰ منیری جو بہ شرف ملقب ہے، کی جانب سے قبول کریں۔

قاضی زین الدین آپ کے یہاں سے آئے اور صحت و سلامتی کی خبر لائے۔ جس شرح و بسط کے ساتھ وہاں کے حالات اور کیفیات کا انھوں نے ذکر کیا۔ ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میری ملاقات کو آپ آنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ آپ وہاں سے روانہ بھی ہو چکے ہوں۔

اے بھائی! مسافت کی دوری، راہ کی صعوبت اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بچے، جن کا غم خوار آپ کے غائبانہ میں کوئی نہیں۔ ان حالات میں سفر کرنا میرے خیال میں مناسب نہیں ہے۔ نفل کے لیے واجبات کا چھوڑنا خلاف شرع ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی فرائض و واجبات کو چھوڑ کر نفلی حج ادا کرتے چل پڑے۔ بچوں کی نگہداشت حقوق العباد میں سے ہے۔ ان کو چھوڑ کر آنا مناسب نہیں۔ حدود شرع کا خیال رکھیں۔ پس آپ کی نیت ملاقات کافی ہے۔ ؎

زاں کہ ہر چیزے کہ سودائے تو آنست ⁂ چوں بمردی نقد فردائے تو آنست

(اس لیے کہ ہر وہ چیز جس کا خیال تمہیں آج ہے۔ کل جب مرو گے تو وہی نقد سودا تمہارے پاس ہوگا)

مجھے معلوم ہے کہ آپ کا شوق ملاقات بہت تیز ہے۔ لیکن ایسی ملاقات ہی کیا جس کے بعد فراق ہو۔ بلکہ وصال کے بعد جدائی ہوتی ہے وہ تو موت سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اسی کو کہا ہے۔

لَیْسَ بَیْنَ الْمَوْتِ وَالْفِرَاقِ فَرْقٌ ⁂ کُلُّ حَیٍّ یَمُوْتُ عِنْدَ الْفِرَاقِ

(موت اور فراق میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ بلکہ زندہ فراق کے وقت مر جاتا ہے)

اَلَمُ الْمَوْتِ سَاعَۃٌ ثُمَّ یَنْسٰی ⁂ وَعَذَابُ الْفِرَاقِ لِلْحَیِّ بَاقٍ

(موت کی تکلیف تو وقتی ہے، کہ پھر بھلا دی جاتی ہے۔ اور فراق کا عذاب زندوں کے لیے باقی رہنے والا ہے)

فراق کی وہ تلخی جو کچھ دن گذر جانے کے بعد کسی طرح سکون پذیر ہوئی ہے، اسے دوبارہ تازہ کرنا جان و مال کے لیے عذاب کا سامان مہیا کرنا ہے۔ اور یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ ملاقات کی لذت جدائی کی تکلیف کے برابر نہیں ہوگی۔ ممکن ہے کہ اسی میں مشیت الٰہی نے بھلائی کا سامان مہیا کر رکھا ہو۔ ؎

ہر چہ در خلق سوزی و سازلیست ❊ اندراں مر خدائے را رازلیست

(خلق میں جو کچھ سوز و ساز ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی راز ہے)

یہی کیا کم ہے جو صاحب شرع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ دُعَاءُ الْمُسْلِمِ لِأَخِيْهِ عَنْ ظَهْرِ الْغَيْبِ لَا يُرَدُّ۔ (غائبانہ میں جو ایک مسلمان بھائی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرتا ہے وہ رد نہیں کی جاتی)، اور یہ طرفین کے لیے کافی ہے۔

اے بھائی! شریعت کا فتویٰ ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے، جسے پیار کرتا ہے) چونکہ محبت کی وجہ سے ایک محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے عدم ملاقات اور ظاہری غیر موجودگی کے باوجود بہت زیادہ تسلی اور تسکین ہے۔ بظاہر مسافت کی کتنی ہی دوری کیوں نہ ہو۔ جذبۂ شوق و ملاقات باعثِ صد مبارک باد ہے۔

رباعی

ما نہ گدائیم چو سلطان عشق ❊ از مدد حسنِ تو سلطان ماست!

در سحر از غیب شنودیم دوش ❊ در دو جہان درد تو درمان ماست

(جب تیرے حسن کی مدد سے سلطانِ عشق میرا بادشاہ ہے تو ہم گدا نہیں ہیں۔
کل صبح کے وقت ہم نے غیب سے یہ بات سنی کہ دونوں جہان میں تیرا درد ہی ہمارا علاج ہے)

والسلام

۳ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز یکشنبہ
۲۳ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت گیارہ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۴۴)

ترک جاہ و مرتبت

برادر اعز مولانا صدر الدین دام فضلہٗ

اس سے قبل کچھ یادگار کے ساتھ ایک خط لکھا تھا معلوم نہیں کہ وہ آپ تک پہنچا یا نہیں۔ ایک بہاری عزیز اس وقت یہاں آئے ہیں۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ بحمد اللہ آپ بخیریت ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ آج کل آپ سنار گاؤں میں نائب قاضی کے عہدہ پر فائز ہیں۔ خیریت کی خبر سے دلی مسرت ہوئی مگر اس دوسری خبر سے دل کو تکلیف پہنچی۔

اے بھائی! آپ کی عمر کے پچاس ساٹھ سال تو گذر چکے۔ اب عہدۂ قضا، درس و تدریس اور بحث و تکرار کے شغل کا کیا موقع ہے؟ چولھے میں ڈال دیجئے ان سب کو، دور کیجیے کاغذ اور کتاب کو، قلم توڑ دیجیے، دوات انڈیل دیجیے اور اپنی فکر کیجیے۔ شاید اس طرح ان تاریکیوں سے اپنے ایمان کو سلامت رکھ سکیں۔ ؎

ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن ٭ ہر چہ جز دیں از و طہارت کن

(حق کے سوا جو کچھ ہے اسے جلا کر خاک کر دو، تباہ و برباد کر دو۔ دین کے سوا جو کچھ ہے اس سے طہارت حاصل کرو)

اہل بصیرت کا قول ہے ـــ معرفت کی علامت ترک دنیا ہے۔ جس نے ترک دنیا اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ معرفت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے کہ جب ترک دنیا نہیں تو معرفت الٰہی بھی نہیں۔ پہلے ترک پھر معرفت اسی کی طرف کلمہ توحید میں اشارہ ہے۔ یعنی یہ کلمہ نفی و اثبات سے مرکب ہے۔ لاَ اِلٰہ میں ترکِ دنیا ہے۔ الا اللہ میں معرفت الٰہی ہے۔ پہلے وہ تب یہ۔ اس لیے کہ جس نے دنیا کی نفی کی اس نے اللہ پر عمل کیا۔ اور جس نے معرفت الٰہی حاصل کیا اس نے الا اللہ پر عمل کیا۔ جب تک کلمہ پر اس طرح عمل نہ ہو تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا صرف زبان سے کہنے کا کیا فائدہ؟ اسی کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

گر دلت آگہ زمعنی آمدہ است ٭ کار دینت ترک دنیا آمدہ است

(اگر تیرا دل معنی سے آگاہ ہے تو تیرے دین کا کام ترک دُنیا ہے)

اے بھائی! دنیاوی عہدہ قبول کرنا لوہے کا زنار پہننے کے مترادف ہے۔ اس قسم کے زنار کے ساتھ کس کو دین ملا ہے؟ پھر نفس کافر بھی انسان کی طبیعت میں موجود ہے جو روزانہ اپنے ساتھ لے کر ہزاروں بتوں کے سامنے سجدے کراتا ہے۔ ان حالات میں اسلام کا جمال آنکھوں میں کس طرح سما سکتا ہے۔

مثنوی

ازیں کافر کہ مارا در نہاد است ؎ مسلماں در جہاں کمتر فتاد است

(اس کافر کی وجہ سے جو ہماری سرشت میں ہے۔ دنیا میں مسلمان بہت کم رہ گئے ہیں)

کاشکے ہرگز نہ زادے مادرم ؎ تا نہ کردی کشتۂ نفس کافرم

(اے کاش میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی۔ تاکہ نفس کافر کے ہاتھوں میں قتل نہ ہوتا)

اے بھائی! آج کل اپنی پرستش ہر شخص کا شعار بن گیا ہے۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ اور اسی کا نام دین پرستی یا خدا پرستی رکھ دیا ہے۔ قرآن کریم کا اعلان ہے۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ؕ۔ (کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے)

افسوس لوگوں کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔ ایسی باتوں کو کون سنے گا۔ بس وہی اللہ والے لوگ تھے جنہوں نے دین کی حقیقت کو سمجھا تھا اور نفس کافر کی شرارتوں سے واقف تھے۔ چنانچہ سبھوں نے اس کے خلاف نالہ و فریاد ہی کیا ہے۔ اور وہ جو سلطان الانبیاء ہیں اور اپنے سر پر لولاک لما کا تاج رکھے ہوئے ہیں کیا فرماتے ہیں۔ یَالَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَّمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش محمدؐ کا رب محمدؐ کو پیدا نہ کرتا) اور وہ جن کی دولت یہ ہے کہ لَوْ اُتْزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ (اگر ابوبکرؓ کا ایمان میری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ان کے ایمان کا پلڑا جھک جائے گا) وہ اضطراب کی حالت میں یہ کہہ رہے ہیں۔ کاش میں درخت کی پتیاں ہوتا کہ بکریاں کھا لیتیں۔ اور وہ جن کا امتیازی شان یہ ہے کہ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) وہ آرزو کر رہے ہیں کہ کاش! میں رحم مادر سے پیدا ہی نہ ہوتا۔ اسی سبب سے کسی نے کہا ہے۔ ؎

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من ؎ تا نہ بودے جنبش و آرام من

(کاش ایسا ہوتا کہ میرا نام کبھی نہ ہوتا۔ اس طرح مجھ میں نہ کوئی حرکت ہوتی اور نہ سکون ہوتا)

افسوس! اے بھائی یہ اہل بصیرت لوگ ہیں جو خاتمہ کے خوف سے حیران و پریشان

ہیں۔ خواب و خور اور سکون و قرار سب سے بیزار ہیں۔ ان کے قلم کو شغل قضاۃ، تدریس و تدریس اور بحث و تکرار کی کہاں فرصت ہے۔

اے بھائی! اس کا حال بھی معلوم ہے جس نے مسند درس و تدریس بچھائی اور سارے عالم میں اپنے علم کا ڈنکا پیٹا۔ ملائکہ نے شاگردی اختیار کی لیکن قسام ازل نے جو کچھ حصہ میں دیا تھا وہ یہ ہے۔ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ (بیشک تجھ پر میری لعنت ہے) جس کا داغ اس کی پیشانی پر ہمیشہ رہے گا۔ ؎

صد ہزاراں سال طاعت کردنے ❊ طوق لعنت می کند در گردنے

(لاکھوں سال طاعت کرنے کے باوجود گردن میں لعنت کی طوق ڈالتے ہیں)

اور پھر اس زاہد کا حال بھی معلوم ہے جو بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ مستجاب الدعوات تھا عرش سے فرش تک کے حالات اس پر منکشف تھے۔ چار سَو فقیہ زمانہ اس کی شاگردی میں رہتے تھے۔ آخر اس کو کتوں کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھ کر کھینچا گیا۔ اور اس کی حالت یہ تھی کَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ (اس کی مثال کتے کی ہے ڈنڈا مارو یا نہ مارو ہر حال میں ہانپتا ہی رہے گا) چنانچہ زبان حال سے وہ شخص یہ کہتا تھا۔

مثنوی

من کہ بر ابلیس لعنت کردمے ❊ خویشتن را شکر نعمت کردمے

(میں جو کہ ابلیس پر ہمیشہ لعنت بھیجتا رہا اور اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرتا رہا)

من چہ دانستم کہ ایں بدمی کنم ❊ روز و شب لعنت بر خود می کنم

(مجھے کیا معلوم تھا کہ میں برا کر رہا ہوں۔ رات دن لعنت اپنے اوپر ہی کر رہا ہوں)

پائے تا سر عین حسرت گشتہ ام ❊ در ہمہ آفاق عبرت گشتہ ام

(میں سر تا پا مجسم حسرت بن گیا ہوں۔ تمام دنیا کے لیے عبرت ہو گیا ہوں)

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بھائی تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ جب سے ہم میں سے ایک کو راندہ درگاہ کیا گیا ہے، کسی کو بھی قرار و سکون نصیب نہیں ہے۔

اے بھائی! جب اس کی جناب میں کام بغیر علت کے ہوتا ہے۔ جو چاہے کرے پھر آرام و سکون کا کیا سوال؟ ملاء اعلیٰ کے مقربین جو اپنے لباس وجود پر لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ (جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے) کا نقش رکھتے ہیں۔ اگر ان کی ہی عظمت ان کی پیشانیوں پر قہر کا داغ لگائے تو یہ بھی اس کا عدل ہے

اور وہ پست و ذلیل لوگ جو کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (ہرگز نہیں، بیشک وہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کی طرف سے حجاب میں ہوں گے) کی تحریر اپنی پیشانی پر رکھتے ہیں۔ اگر اس کی عزت ان کے سروں پر قبولیت کا تاج رکھے۔ تو یہ اس کا فضل ہوگا۔

اے بھائی! جب ایسی با اختیار ذات سے معاملہ ہے تو جتنا بھی خون جگر پیا جائے اور اپنے خاتمہ بخیر کے لیے حسرت و پریشانی اٹھائی جائے کم ہے۔ اس لیے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اور اپنے کام کا غم کھانا چاہیئے۔ موقع غنیمت ہے بعد میں حسرت و ندامت کا کیا فائدہ؟ عمر کے چند دن باقی ہیں اس کو اسی راہ میں صرف کرنا چاہیئے۔

مثنوی

آں چہ تو جوئی دریں رہ آں دہد ❊ کفر ورزی، کے ترا ایماں دہد

(اس راہ میں جو تم تلاش کرو گے وہی ملے گا۔ اگر تم نے کفر کی روش اختیار کی ہے تو وہ ایمان کب دیگا)

خواجہ لیس کور است و ناقد لیس بصیر ❊ ہر چہ خواہی بر دو خواہد گفت بگیر

(تم اندھے ہو اور پرکھنے والا بینا ہے۔ جو کچھ لے جاؤ گے وہ کہے گا اسی کو لے لو)

والسلام

۴/ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ

۲۴/ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۳ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب — (۴۵)

دین کا غم

مولانا مذکور کے نام

برادرم عزیز الوجود مولانا ضیاء الملت والدین!

اللہ تعالیٰ آپ کو علمائے آخرت میں سے بنائے اور علمائے دُنیا کی صحبت سے محفوظ رکھے آمین۔
کاتب حروف شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا۔

دو تین خط لکھ چکا ہوں معلوم نہیں میرے خطوط آپ تک پہنچے یا نہیں۔ اے بھائی علم بہت زیادہ ہے اور عمر بہت تھوڑی۔ تمام علوم کی تحصیل کے لیے اتنی مختصر عمر تو کافی نہیں ہے۔ لازماً اتنا ہی علم فرض ہے جو عمل کے لیے کافی ہو۔ کل عمل ہی کی تو پرسش ہوگی۔ علم کی نہیں۔ پھر تضیع اوقات کا کیا فائدہ؟ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (وہ علم جو صرف گدھے کا بوجھ ہے اس سے کیا حاصل؟) اسی گروہ کے متعلق یہ شکایت ہے جو کسی عزیز نے کی ہے۔

مثنوی

چو علمت ہست با علمت عمل کن ✽ پس از علم و عمل اسرار حل کن

(جب تیرے پاس علم ہے تو اپنے علم کے مطابق عمل بھی کر پھر علم و عمل کے بعد اسرار حل کر)

ترا با علم دیں یک ذرہ کردار ✽ بسے بہ زاں کہ علم دیں بہ خروار

(علم دیں کے ساتھ ذرّہ برابر عمل، تیرے لیے ڈھیروں علم سے کہیں زیادہ بہتر ہے)

برو کارے بکن کہ ایں کار خام است ✽ نہ علم دیں ترا حرفِ تمام است

(جا کچھ کام کر۔ کہ یہ کام ابھی خام ہے۔ دین کا ظاہری علم ہی کافی نہیں ہے ساتھ عمل بھی چاہیئے)

یہ رائے ان لوگوں کے متعلق ہے جو علمائے دین اور علمائے آخرت میں شمار ہوتے ہیں۔ علمائے دنیا کا ذکر ہی کیا؟ ان سے تو اس طرح بھاگو جیسے سانپ اور شیر سے انسان بھاگتا ہے۔

یہ بات تو سنی ہوگی کہ ایک بزرگ نے شیطان کو دیکھا کہ وہ بے کار بیٹھا ہے۔ بزرگ نے اس

نابنجار سے پوچھا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو بے کار بیٹھا ہوا ہے؟ شیطان نے جواب دیا۔ ہاں! جب سے علمائے دنیا ظاہر ہو گئے ہیں، میں چھپ گیا ہوں۔ اس لیے کہ ان کے ہوتے ہوئے میری کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ایک عزیز نے ان لوگوں کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے۔

مثنوی

ماہ رویان تیرہ ہوشانند ﷺ جاہ جویان دیں فروشانند

(حسین لوگ تاریک عقل والے ہیں۔ اور جاہ طلب کرنے والے دین فروش ہیں)

سیرِ باغ وگل وزمین دارند ﷺ کے دل وعقل وشرعِ دیں دارند

(باغ وگل کی سیر کرتے ہیں اور زمین رکھتے ہیں۔ ان کے پاس دل، عقل اور شرعِ دیں کب ہے)

ہمہ در علم سامری دارند ﷺ از بروں موسیٰ از دروں مارند

(سب علم میں سامری کی طرح ہیں۔ باہر سے موسیٰ علیہ السلام اور اندر سے سانپ ہیں)

از رہِ شرع شرط برگشتہ ﷺ تشنۂ خونِ یک دیگر گشتہ

(شرع کے راستہ سے پھر گئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں)

اے بھائی! راستہ غیر محفوظ ہے اور منزل بہت دور ہے۔ جسم کمزور اور دل مجبور ہے۔ جو فرصت ملی ہے اسے کام میں لانا چاہیئے۔ یہاں آرام و سکون کا کون سا موقع ہے؟ درس و تدریس، بحث و تکرار اور جبہ و دستار کی کیا ضرورت ہے؟ سب کو نذرِ آتش کر کے اپنا ماتم کرنا چاہیئے۔

ایک شخص نے حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضور میں آپ سے علم طریقت کے بارے میں کچھ سننا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے بیٹے! بہت زمانہ سے میں تو خود ہی اپنے ماتم میں لگا ہوا ہوں۔ اس نے پوچھا کیوں؟ فرمایا سوچتا ہوں کہ جب شکم مادر میں فرشتوں نے میری شکل مکمل کر دی ہو گی تو پوچھا ہو گا کہ اے اللہ میں اس بچے کے متعلق کیا لکھوں؟ سعید یا شقی۔ مجھے معلوم نہیں کہ جواب کیا ملا ہو گا؟ پھر سوچتا ہوں کہ جب ملک الموت روح قبض کرنے آئیں گے تو پھر اسی طرح کا سوال اللہ تعالیٰ سے کریں گے کہ خدایا اس بندے کی جان سعادت پر قبض کروں یا شقاوت پر۔ مجھے معلوم نہیں کہ کیا جواب ملے گا۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ قیامت میں فرشتے اللہ تعالیٰ سے دریافت کریں گے کہ پروردگارا! اس بندے کو کہاں بھیجوں؟ جنت میں یا جہنم میں۔ اس کی بھی خبر نہیں کہ کیا جواب آئے گا۔ جب میں خود ان فکر مندیوں میں مبتلا ہوں تو اتنی فرصت کہاں ہے کہ تمہیں دوسری باتیں سناؤں۔

اے بھائی! اس راہ میں دنیا کے تمام زہاد و عباد، بے نیازی کی تلوار اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (بیشک اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے)، کی ہیبت سے لرزاں اور پریشاں ہیں۔ اور دنیا کے تمام صدیقین يَسْأَلُ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (البتہ وہ پوچھے گا صدیقوں سے ان کے صدق کے بارے میں)، کی بے لاگ سیاست سے سرگرداں اور خائف ہیں۔ اور تمام عبادات کے ذخیرے کو موت کے وقت قَدِمْنَا إِلٰى مَا عَمِلُوْا (ہم نے ان کے اعمال کے نتائج ان کے حوالہ کردیا)، کا طوفانِ بے نیازی اڑا کر پھینک دیتا ہے۔ اور بہت سے قلوب جو آج ذکرِ الٰہی سے آباد شمار کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سکرات موت کے وقت وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (اللہ کی طرف سے ان پر ظاہر ہوا وہ سب کچھ جس کا ان کو گمان تک نہ تھا)، کا نشانۂ عتاب بن جائیں۔ اور ویران ہو جائیں۔

سبحان اللہ! کیا شان بے نیازی ہے کہ معلم ملکوت جو سات لاکھ سال تک دربارِ الٰہی میں معتکف رہا، اس سے فرشتوں کا لباس چھین کر اور اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ (بیشک تجھ پر میری لعنت ہے)، کا داغ اس کی پیشانی پر لگا کر مردودِ بارگاہ کر دیتے ہیں۔ اور کبھی بلعم باعور کو جو عبادت و ریاضت میں یگانۂ روزگار تھا اور اسم اعظم کی خلعت زیب تن کئے ہوئے تھا معبد سے نکلوا کر کتوں کے اصطبل میں بندھوا دیتے ہیں۔ تاکہ کتوں کی طرح زبان نکال کر ہمیشہ ہانپتا رہے۔

مثنوی

بے نیازیش راچہ کفر و چہ دیں ⁂ بے زبانیش راچہ شک چہ یقیں

(اس کی شان بے نیازی کے سامنے کفر و دین دونوں برابر ہیں۔ اور اس کی بے زبانی کے لیے شک اور یقین دونوں بے حقیقت ہیں)

چہ مسلماں چہ گبر بر درِ او ⁂ چہ کنشت و چہ صومعہ در برِ او

(اس کی بارگاہ میں کیا مسلماں اور کیا گبر، کیا بت خانہ اور کیا عبادت خانہ سب بے حقیقت ہیں)

اے بھائی! دین کی راہ اس قدر آسان نہیں ہے جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس کے قہر میں نوازش کی ملاوٹ، اور نوازش میں قہر کی آمیزش ہے۔ دین کی راہ میں جہاں محراب و منبر ہیں وہیں پھانسی کا تختہ بھی دھرا ہے۔ جس طرح مقبول کو بغیر کسی سبب کے قبول کرنے کا اصول رائج ہے اسی طرح مردود کو بلا کسی سبب کے رد کرنے کا اصول بھی جاری ہے۔

مثنوی

بر درِ بے نیازی از کہ و مہ ⁂ گر تو باشی وگرنہ باشی چہ

(اس کی بے نیازی کے دروازے پر چھوٹے بڑے سب کے سب جمع ہوں یا نہ ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا)

پارسا اگر بہ است او را بہ ٭ بادشاہ اگر بد است او را چہ

(پارسا اگر بہتر ہے تو اپنے لیے ہے اور بادشاہ اگر برا ہے تو اپنے لیے ہے۔ اس سے اس کی شان بے نیازی پر کوئی اثر نہیں پڑتا)

منقول ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے بھائی تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ جب سے ہم میں سے ایک کو راندۂ درگاہ کر دیا ہے ہم میں سے کسی کو آرام و سکون نصیب نہیں ہے۔

مثنوی

صنع او عدل و حکمت است جلی ٭ مکر او قہر و قدرت است خفی

(اس کی کاریگری عدل اور حکمت جلی ہے۔ اور اس کی سیاست قہر اور قدرت خفی ہے)

اے بھائی! اگر اس کی قہاری و جباری بے انتہائی ہے تو کبریائی اور بے نیازی کی بھی کوئی حد نہیں۔ چاہیں تو ایک لمحہ میں اپنے بندے کو عرش اعلیٰ پر لے جا کر بٹھائیں اور بے نیازی پر آئیں تو صدیقوں کو خاک و خون پر تڑپائیں۔ اس کی شان استغناء یہ ہے کہ تمام مخلوق صدیق اکبر ہو جائے جب بھی کچھ پروا نہیں۔ اور ساری دنیا فرعون و نمرود ہو جائے جب بھی اس کی شان بے نیازی پر کوئی اثر نہیں۔ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے) ہر حال میں اسی کا کرشمہ کارفرما ہے۔ ایسے میں خواب و خوار اور آرام و قرار کی کہاں گنجائش! جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

رباعی

درخواب چہ ماندستی از غفلت و بے ہوشی ٭ بے دار شو اے ناداں پندار چہ می باشی

ماراند ہمہ یاراں در عالم دانائی ٭ خلوت کن و بے خود شو با مار چہ می باشی

(یہ کیسی غفلت اور بے ہوشی ہے کہ تو اب تک خواب میں پڑا ہے۔ اے ناداں بے دار ہو۔ پندار کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس عالم دانائی میں سب دوست سانپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے تنہائی اختیار کر، بیخود ہو جا، سانپ کے ساتھ کیا رہے گا)

اے بھائی! انبیاء اور اولیاء کے بادشاہ، رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رسالت کی تبلیغ سے فارغ ہوتے تو کمرِ عصمت کھولتے، نبوت کا تاج سر سے اتار کر رکھتے پھر عجز و بے چارگی کی زبان کھولتے اور بعد عجز و انکساری بارگاہِ صمدیت میں اس طرح دعا فرماتے۔ اِلٰهِیْ ذَنْبِیْ عَظِیْمٌ وَّلَا یَغْفِرُ الذَّنْبَ الْعَظِیْمَ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِیْمُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ عُتَقَائِكَ وَطُلَقَائِكَ وَمُحَرَّرِیْكَ عَنِ النَّارِ۔ (اے اللہ! میرے گناہ بہت بڑے ہیں۔ بہت بڑے گناہ کو بہت بڑا رب ہی معاف کر سکتا ہے۔ اے اللہ! تو مجھ کو اپنے ان لوگوں میں سے بنا لے جو آزاد کئے ہوئے، معاف کئے ہوئے اور آگ سے محفوظ کئے ہوئے ہیں)

جب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال دیکھتے ہیں تو آسمان کے مقرب فرشتے اور زمین کے صدیقوں کا دل ٹوٹنے لگتا ہے چنانچہ وہ اپنی رہائی سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور اپنی نجات سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور وہ سوچنے لگتے ہیں کہ جب ان کا یہ حال ہے جو اَعْرَفُکُمْ بِاللّٰهِ وَاَخْشَاکُمْ اللّٰهُ (میں تم سب سے زیادہ خدا کی معرفت رکھتا ہوں۔ اور میں تم سب سے زیادہ اپنے خدا سے ڈرتا ہوں) ہیں۔ تو ہم بدنصیبوں کا کیا حال ہوگا۔

بر درِ حق بگرد زور مگرد ❊ کہ بہ زاری شوی دریں رہ مرد

(حق کے دروازے پر طاقت کے بل بوتے پر گردش نہ کر۔ کیوں کہ اس راہ میں عجز و انکساری اور آہ و زاری کے ذریعہ مرد بنتے ہیں۔)

ہست با قہر و علم یزدانی ❊ ناتوانی بگیر کہ نادانی

(اللہ کو جا تو تو اس کا خوف بھی رکھو۔ اپنی کمزوری کو سمجھو کیوں کہ تمھیں علم نہیں ہے)

اے بھائی! سچ ہے۔ چونکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عارف باللہ ہیں۔ اس لیے تمام مردانِ خدا کا بھی یہی حال ہے۔ جو جتنا زیادہ عارف ہوگا اتنا ہی اس کے دل میں خوف بھی ہوگا۔

بیت

تا یار شود ترا خریدار ❊ خود را تو بہ قصد بے بہا کن

(تم اپنے کو قصداً بے قیمت بناؤ۔ تاکہ دوست تمہارا خریدار بن جائے)

تمام طالبانِ حق اور صاحبانِ دین کا یہی حال ہے۔ لیکن ہم لوگوں کو چونکہ دین کا درد نہیں ہے۔ اس لیے طلب کہاں سے پیدا ہو۔ آرام و سکون کی یہی وجہ ہے کہ غفلت و جہل اپنے حصہ میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ

اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (یاارحم الراحمین اپنی رحمت کے طفیل ہماری مدد فرما)

مثنوی

(۱) یارا زدست وزبانم بازخر ❊ دست درنہ دا ز جہانم باز خر

(۲) چوں سیہ آمد مرا رنگِ گلیم ❊ تو سپیدش کن چو مویم اے کریم

(۳) از درِ خویشم مگردان نا امید ❊ از سرِ لطفت سیاہم کن سپید

(۴) گر در آید یک نسیم از سوئے تو ❊ پائے کوباں جاں دہم در کوئے تو

(۱) اے دست میری زبان اور میرا ہاتھ سب کچھ خرید ے۔ اپنا ہاتھ رکھ اور مجھے دنیا سے لے چل۔

(۲) جب کمبل کی طرح میرا رنگ سیاہ ہوگیا تو اے کریم اس کو میرے بالوں کی طرح سفید کر دے۔

(۳) اپنے در سے مجھے نا امید نہ لوٹا۔ ازراہِ لطف میرے سیاہ کو سفید کر دے۔

(۴) اگر تیری طرف سے ہوا کا ایک جھونکا آجائے۔ تو میں رقص کرتا ہوا تیری گلی میں جان دے دوں۔

والسلام

۵ / صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز سہ شنبہ

۲۵ / دسمبر ۱۹۷۹ء وقت دو بجے دن

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۴۶)

مصیبت کے وقت صبر کرنا اور بلاؤں کا برداشت کرنا

ملک خضر کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اے بھائی! حدیث میں آیا ہے کہ لوح محفوظ پر سب سے پہلے جو عبارت لکھی گئی وہ یہ تھی۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مَنْ لَّمْ یَرْضِ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نِعْمَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ (بلاشبہ صرف میں خدا ہوں میرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ جو شخص میرے فیصلے پر راضی نہ ہو، میری نعمتوں پر شکر نہ ادا کرے اور میری آزمائشوں پر صبر نہ کرے تو کہدو کہ کوئی اور خدا تلاش کرے۔)

اصحاب بصیرت اور ارباب طریقت اس عبارت کی ہیبت اور سیاست سے اس قدر خائف ہیں کہ ہر گھڑی اور ہر وقت یہی چاہتے ہیں کہ نیست ونابود ہو کر عدم میں چلے جائیں۔ لیکن جب عدم کا دروازہ بند ہے اس لیے جو بلا بھی آتی ہے اسے قبول کرتے ہیں۔ اور یہ رباعی پڑھتے ہیں۔

دردِ تو دوا شد است مارا ❊ خاکِ تو بہا شد است مارا

از بہر توام بدادن جاں ❊ از دیدہ رضا شد است مارا

(تیرا درد ہمارے لیے دوا ہے اور تیری خاک میری قیمت ہے۔

جان تجھ پر نثار کرنے کو ملی ہے۔ جان دینا ہی میری رضا ہے)

پھر جسم وجان پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

بیت

جانے دارم کہ بارِ عشق تو کشد ❊ تا در سر کارت نہ شود نہ گریزم

(میں وہ جان رکھتا ہوں جو تیرے عشق کا بار برداشت کر سکے۔ اس کو میں تجھ پر قربان کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔)

اے بھائی! بندہ قضا وقدر پر راضی ہو یا نہ ہو، تقدیر نہیں بدلتی۔ اس لیے قبول کرنے کے علاوہ

کوئی چارہ نہیں۔ ورنہ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ (میرے سوا کوئی اور خدا تلاش کر لو) کی تلوار لٹک رہی ہے۔ چنانچہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی جانب سے جام زہر بھی ملے تو اسے شربت سمجھ کر پی جاؤ۔ اور اللہ والوں کے نقش قدم پر چلو، دنیا دار مخنثوں کے قدم پر نہیں۔ اس شعر کو سنو۔

عاشقاں نقل غمت با بادۂ احمر خورند ❊ گرچہ غم تلخ است بر یادِ تو چوں شکر خورند

(عشاق تیرے غم کے نُقل کو شراب کے ساتھ پیتے ہیں۔ اگرچہ غم تلخ ہے لیکن تیری یاد میں شکر کی طرح کھاتے ہیں)، اور اس قطعہ پر غور کرو۔

گویند مرا کہ با غمِ دوست ❊ ایں صبر چوں صبر چوں گوارد

(لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ دوست کے غم میں اس کڑوے گوند (ایلوا) کو کس طرح گوارا کرتے ہو)

بیمار بہ طمعِ تندرستی ❊ گر زہر خورد شکر شمارد

(تندرستی کی امید میں اگر کوئی بیمار زہر کھاتا ہے تو اسے شکر سمجھتا ہے۔)

اے بھائی! جس نے قضائے الٰہی پر نظر رکھی، وہ نظارہ حق میں مشغول ہوا۔ دونوں جہان کی بلائیں اس پر ٹوٹ پڑیں تو اس کے لیے ایسا ہی ہے جیسے پہاڑ پر ایک ذرہ۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

آں کہ از تیرِ او شرف دارد ❊ دیدگاں از پے ہدف دارد

(جو شخص اس کے تیر کھانے کا شرف رکھتا ہے۔ وہ اپنی آنکھ کو بھی اس کے نشانے کے لیے تیار رکھتا ہے)

اور جس نے اپنی ذات کی طرف نگاہ رکھی تو وہ اپنے نفس کے جلوے میں مشغول ہوا۔ چنانچہ ایک ذرہ برابر بلا بھی اس کے لیے ایسا ہی ہوگا جیسے تنکے پر پہاڑ۔

اے بھائی! کیا وہ قصہ نہیں سنا کہ ایک شخص کو عاشقی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا۔ پھر پانچ سو کوڑے اسے لگائے گئے۔ وہ کوڑے کھاتا تھا اور مسکراتا تھا۔ لوگوں نے کہا یہ آدمی عجب طرح کا ہے۔ کوڑے کھاتا ہے پھر بھی مسکراتا ہے۔ اس نے جواب دیا تمہیں کیا خبر۔ جس وقت مجھ پر کوڑے برس رہے تھے میرا معشوق میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ میں جمال یار میں اس قدر منہمک تھا کہ مجھے نہ کوڑے کی خبر تھی اور نہ اس کے چوٹ کی۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

اینک اینک بر سرِ کوئے تو زارم می کشند ❊ گر کشتن باز نہ ستانی بیا بارے ببیں

(ذرا دیکھ تو سہی کہ لوگ مجھے تیرے کوچہ میں کشاں کشاں لیے جا رہے ہیں۔ اب اگر مجھے قتل کرنے کے بعد بھی تو نہ لینا چاہیے تو کم سے کم ایک نظر دیکھ تو لے)

زنانِ مصر کے قصہ کی حقیقت کو سمجھو۔ کیا ہے؟ یہی نا کہ جمالِ یار کے سامنے نہ چاقو کی خبر نہ چاقو کے دھار کی۔ انگلی کٹنے کا درد تک محسوس نہ ہوا۔ جانتے ہو کیا بات ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ والوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا ہے تو وہ ناراض نہیں ہوتے۔ ؎

ہر بلائے کہ جاں نماید ازو ❊ ور یکے در ہزار شاید ازو

(ہر وہ بلا کہ جس کے لیے جان کی ضرورت ہے۔ تو ایک جان کیا ہزار جانیں ہوں تو قربان کر دیں)

اے بھائی! جانتے ہو صبر کسے کہتے ہیں؟ بندے پر جب کوئی بلا نازل ہو یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو وہ ناخوش نہ ہو۔ وَلِلّٰہِ مَا اَعْطٰی وَلِلّٰہِ مَا اَخَذَ فَمَنْ اَنْتَ فِی الْبَیْنِ (جو دیا وہ بھی اللہ کا اور جو لیا وہ بھی اللہ کا۔ تو درمیان میں تم کون ہو؟)

مثنوی

گر ز ضربِ او جراحت نبودت ❊ تا ابد امید راحت نہ بود

(اگر اس کی مار سے تجھے کوئی زخم نہ لگے تو قیامت تک تجھ کو راحت کی امید نہ رکھنی چاہیئے)

گہ ز ضربِ او جراحت می رسد ❊ گہ ز مرہم نیز راحت می رسد

(کبھی اس کی مار سے گہرے زخم لگتے ہیں۔ اور کبھی اس کے مرہم سے راحت ملتی ہے)

لہٰذا مومن صادق رہو اور اپنے ایمان کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کرو۔ ایک جان کیا؟ ہزاروں جانیں ہوں تو ان کو اور زن و فرزند کو قربان کر دو۔ گھر بار کیا چیز ہے۔ اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔

مثنوی

کارِ عالم زادن است مردن است ❊ گہ پدید آوردن و گہ بردن است

(دنیا کا کام پیدا کرنا اور مارنا ہے۔ کبھی ظاہر کرنا اور کبھی لے جانا ہے)

لاجرم ایں کار بے پایاں فتاد ❊ تا ابد ایں درد بے درماں فتاد

(یقیناً یہ کام بے حد مشکل واقع ہوا ہے۔ اس درد کا علاج قیامت تک ممکن نہیں)

حدیث شریف میں ذکر ہے کہ اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ۔ نِصْفُہٗ شُکْرٌ وَّ نِصْفُہٗ صَبْرٌ (ایمان دو حصے ہیں۔ آدھا شکر ہے اور آدھا صبر، یعنی ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ نعمت پر شکر ادا کرے اور بلاؤں پر صبر کرے۔ لیکن ایمان کی آزمائش دو طرح سے کی جاتی ہے۔ ایک تو نعمت و کامیابی عطا کرکے،

ایسے موقع پر شکر کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے مصیبت میں مبتلا کرکے۔ ایسے موقع پر صبر کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر بندے نے نعمتوں پر شکر اور مصیبتوں میں صبر کیا تو یہ اس کے ایمان کی علامت ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو صرف دعویٰ ہے۔ ایمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے دعویٰ بغیر دلیل کے غلط ہوتا ہے۔ یہ ضرب المثل تو تم نے سنی ہوگی کہ كُلُّ دَاعٍ كَذَّابٌ (ہر زبانی دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے) یعنی ان دونوں کے بغیر دعوئِ ایمان نہیں، دعویٰ پندار ہے۔ ؎

ناکساں را بہ لطفِ خود کس کرد ؞ شکر و صبرے نہ بندگاں بس کرد

(ناکسوں کو اس نے اپنے لطف وکرم سے کس بنا دیا۔ اور پھر اس سے صرف صبر و شکر کا مطالبہ کیا)

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ۔ (صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا جسم کے لیے سر) یعنی جس جسم پر سر نہ ہو اسے کیا کہا جائے گا؟ یہی حال اس ایمان کا ہے جس کے ساتھ صبر نہ ہو۔

اے بھائی! مصائب و آلام کے پردے میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں۔ قدرت کا اصول یہی ہے کہ بلا اور آزمائش کے پردے میں سب کچھ رکھ دیا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

ہر بلا کایں قوم را حق دادہ است ؞ زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ است

(ہر وہ مصیبت جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دی ہے۔ اس کے پردے میں اپنے فضل وکرم کے بے انتہا خزانے رکھ دیئے ہیں)

بزرگوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش شروع ہوئی۔ تو بلائیں متواتر آتی رہیں۔ چونکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ آزمائش ہر درجہ میں کرم کا خزانہ رکھتی ہے۔ اس لیے صبر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جسم کی نوبت آگئی، لیکن جب تک جسم پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی باقی رہا وہ مسکراتے رہے۔ جب جسم کا تمام گوشت گل کر گر گیا بلکہ کیڑوں کی غذا بن گیا تو سمجھے کہ اب بلا ختم ہوگئی۔ اور جب بلا ختم ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بلا کے تمام انعامات بھی ختم ہوگئے یہ برداشت نہ ہو سکا تو چیخ اٹھے۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (بے شک اے اللہ مجھے نقصان نے آلیا ہے۔ لیکن ہر حال میں تو رحم کرنے والا ہے۔) اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

مثنوی

گر شرابِ لطفِ او خواہی تمام ؞ قطع کن وادیِ قہرِ او تمام

(اگر تم اس کے لطف وکرم کی شراب پینا چاہتے ہو تو اس کے قہر کی وادی کو اچھی طرح طے کرو)

زاں کہ تا ایں نہ بودت آں نہ بودت ✤ بے بلا و درد درماں نہ بودت

(اس لیے کہ جب تک تم یہ نہ کرو گے وہ نہیں ملے گا۔ بلا اور درد کے بغیر تمہارا علاج ممکن نہیں)

منقول ہے کہ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بحمد اللہ مصیبت برداشت کرنے میں میری رضامندی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر مجھے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم دیں تو میں اس شخص سے کہیں زیادہ خوشی محسوس کروں گا، جس کو جہنم کے نچلے طبقہ سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچانے کا حکم دیں۔

امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر قیامت میں مجھے یہ اختیار دیا جائے کہ جنت اور جہنم میں سے میں کسی ایک کو اپنے لیے منتخب کروں۔ تو میں جہنم کو اپنے لیے پسند کروں گا۔ کیوں کہ جنت میرے دل کی آرزو ہوگی۔ اور جہنم میرے دوست کا حکم۔ محبت کی شرط اولین یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی خواہش پر اپنی خواہش کو ترجیح نہ دے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے ایسے پیارے بندے بھی ہیں جن کی طلب رضا اور ہمت وصبر کا یہ عالم ہے۔ اسی کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

شرح دادن حالِ عشقِ جاوداں ✤ از عبارت برتر است واز بیاں

(عشق جاوداں کے حال کو بیان کرنا، عبارت اور بیان سے باہر ہے)

گر زباں گر دد دو گیتی سالہا ✤ ہم نیارد داد شرح آں حالہا

(اگر دونوں جہان برسوں تک زبان بنے رہیں تو بھی ان حالات کی شرح نہیں بیان کر سکتے)

ایک مرتبہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ (میں اللہ سے محبت کرتا ہوں) آپ نے فرمایا۔ اِسْتَعِدَّ لِلْبَلَآءِ (بلا کے لیے تیار رہو) ایک دوسرا شخص اٹھا اور اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اِنِّیْ اُحِبُّكَ (حضور میں آپ سے محبت کرتا ہوں) ارشاد ہوا اِسْتَعِدَّ لِلْفَقْرِ (پھر فقر کے لیے تیار رہو)

غور کرو۔ ایک جگہ فرمایا بلا کے لیے تیار رہو دوسری جگہ فرمایا فقر کے لیے تیار رہو۔ یعنی بلا میں ڈالنا یا آزمائش میں مبتلا کرنا مولیٰ کی صفت ہے۔ اور فقر اختیار کرنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ہے۔ ہر کو اپنی اپنی صفت سے لگاؤ ہے۔

مثنوی

گر تو خواہی نا شوی مرد اے پسر ✿ ہیچ درماں نیست جز درد اے پسر

(اے بیٹے! اگر تم چاہتے ہو کہ مرد بنو تو درد کے سوا اس کے حصول کی کوئی اور صورت نہیں)

اسی طرح فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُجَرِّبُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلَاءِ کَمَا یُجَرِّبُ اَحَدُکُمُ الذَّھَبَ بِالنَّارِ (اللہ تعالیٰ مومن کو بلا کے ذریعہ پرکھتا ہے۔ جس طرح تم میں سے کوئی شخص سونے کو آگ کے ذریعہ پرکھتا ہے) پھر فرمایا۔ اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْاَنْبِیَاءِ ثُمَّ بِالْاَوْلِیَاءِ۔ (یعنی آزمائش پہلے انبیاء پر پھر اولیاء پر مقرر ہے)

بیت

داری سرِ ما ور نہ دور از بر ما ✿ ما دوست کشیم و تو نہ داری سرِ ما

(تم کو اگر میرا خیال ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ ہم تو دوستی چاہتے ہیں مگر تم ہی کو ہماری پروا نہیں) ہر چیز راحت سے باقی رہتی ہے اور بلا سے ختم ہو جاتی ہے۔ برخلاف محبت کے۔ کہ اس کی غذا ہی بلا ہے۔ جیسا کہ کسی نے اس مصرعہ میں کہا ہے۔

ع حلوا بہ کسے دہ کہ محبت نہ چشیدہ است

(حلوا اس شخص کو دو جس نے محبت کا مزہ نہیں چکھا ہے)

اے بھائی! جب ایک بندہ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو اس نے ساری دنیا سے منھ پھیر لیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اس نے دعویٰ کیا۔ دعویٰ کے لیے دلیل و برہان ضروری ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لیے کہ دلیل کے بغیر دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے یہاں دلیل یہ ہے کہ اس کی نعمت پر شکر اور اس کی بلا پر صبر کیا جائے۔ ے

ناکساں را بہ لطفِ خود کس کو ✿ شکر و صبرے زِ بندگاں بس کرد

(ناکسوں کو اپنے لطف و کرم سے اس نے کس بنا دیا۔ اور اس کے عوض میں بندوں سے صرف صبر و شکر کا مطالبہ کیا)

اے بھائی! بارگاہِ الٰہی میں اور اس کی مملکت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزیز، زیادہ بزرگ، زیادہ مقبول اور زیادہ مکرم و محترم کون ہے! اور فرزندوں میں عزیز، شریف اور اعلیٰ مرتبت حضرات امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرا کون ہے! چنانچہ جب کبھی شیطان،

نفس کے ذریعہ مُصیبت کے وقت کوئی وسوسہ ڈالے تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو یاد کرنا چاہیئے۔ مَنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ فَلْيَذْكُرْ مُصِيْبَتِيْ (جو کوئی اگر مصیبت میں بتلا ہو تو میری مُصیبت یاد کرے) سچ ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتیں اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مصیبتیں ایسی ہیں جن کو سننے کی بھی تاب نہیں۔ بس مومن کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

اس خط کے لکھنے کا مقصد تمہارے دل کو تسلی اور تسکین دینا ہے۔ اگرچہ تمہاری قوت برداشت اور ہمت پر اعتماد ہے پھر بھی خط میں یہ مضامین اس لیے جمع کئے گئے ہیں کہ اس سے تم کو ایک طرح کی مدد ملے اور وسوسۂ شیطانی سے مقابلہ کی قوت زیادہ ہو۔ اس خط کو بار بار پڑھو۔ اور اس کی ایک نقل والدۂ نظام الدین غفرلہٗ کو بھیج دو۔ خاتمہ اور انجام بخیر ہو۔

والسلام

۶/ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ
۲۶/ دسمبر ۱۹۷۹ء وقت ۸/ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــ (۴۷)

خوشنودی اور ناراضگی حق کی پہچان، علم دین کی طلب اور مخلوق کو راحت پہنچانا

ملک مذکور کے نام

برادر عزیز! سلام ودعاء

اہل معرفت کا خیال ہے کہ خوشنودی اور ناخوشنودیِ حق کی پہچان آسان ہے۔ اگر تمام اعمال اچھے ہیں تو یہ خوشنودی حق کی علامت ہے۔ اور اگر تمام برے ہیں تو یہ اس کی ناراضگی کی علامت ہے۔ اور اگر تمام برے ہیں تو یہ اس کی ناراضگی کی علامت ہے۔ اور اگر دونوں ملے جلے ہیں تو جس کا غلبہ ہے اسی پر حکم لگایا جائے گا۔

اے بھائی! ہمارے تمہارے یا ہم جیسوں کے نصیب ایسے کہاں کہ سارے کام طاعت کے ہوں۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ طاعت غالب ہو۔ اگر خدانخواستہ برے اعمال غالب ہوئے تو اس کے عذاب و عقوبت سے بچنا محال ہوگا۔ اور جو شخص عذاب وعقوبت کا سزاوار ہوا، اس کی ہلاکت لازمی ہے۔

رباعی

اے پیر گناہگار دریں عالم فانی ❊ بشتاب سوئے توبہ وبگذار توانی
تا آں کہ شوی خاک ہمی کوش بہ طاعت ❊ برباد مدہ عمر بکن آں چہ توانی

(اے پیرِ گناہ گار سستی چھوڑ اور اس عالم فانی میں توبہ کی طرف دوڑ) موت کے آنے سے پہلے تک طاعت میں کوشش کرتا رہ اور جس قدر ممکن ہو عمل کر عمر کو فضول کاموں میں برباد نہ کر)

اے بھائی! اعمال کی اچھائی اور برائی کا علم ضروری ہے۔ اسی وجہ سے علم معرفت ومعصیت کا حصول فرض عین ہے۔ کیونکہ کفر وایمان اور طاعت ومعصیت کا جاننا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام اسی کام کے لیے بھیجے گئے۔ مجتہدین کا اس قدر اجتہاد اور مصنفین کی اتنی تصنیفات سب اسی کام کے لیے ہیں۔

تعجب کا مقام ہے کہ تمام اصحاب معرفت اور ارباب بصیرت کا جگر اس کام کے حصول میں پارہ پارہ ہو رہا ہے لیکن دنیا والے اس کام سے غافل ہیں اور شہوات و لذات کی طلب میں سرگرداں ہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔

مثنوی

راہ زد مشغولیِ عالم ترا ❊ نیست پروائے خدا یکدم ترا

(دنیا کی مشغولی نے تیری راہ ماری ہے۔ اور تجھ کو خدا کی ایک دم پرواہ نہیں ہے)

اے دریغا ترک دولت کردۂ ❊ خواری پت را نام عزت دادۂ

(افسوس صد افسوس کہ تو نے دولت کو چھوڑ کر ذلت اختیار کی اور پھر اس ذلت کو عزت کا نام دے رکھا ہے)

آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ آج کل زیادہ تر لوگوں کا زبانی ایمان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ زبانی ایمان موت کے وقت کچھ کام نہیں آئے گا۔

عجیب بات ہے کہ ایک کافر طبیب کے منع کرنے پر تمام نقصان دہ چیزوں کے کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ کا پیغام سنایا لیکن کسی نے کان نہیں دھرا۔ یہ اس سبب سے ہے کہ کافر طبیب کی بات پر تو یقین کیا مگر اتنے پیغمبروں کی بات پر یقین نہیں آیا۔ یہ خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ رکھنے کا نتیجہ ہے یہی ایمان زبانی اور کفر باطنی کی علامت ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

اے ترا ہر لحظہ تلبیسے دگر ❊ در بنِ ہر مویت ابلیسے دگر

(ہر لحظہ تو ایک نئے فریب میں مبتلا ہے اور وہ اس لیے ہے کہ تیرے ہر بال کی جڑ میں ایک نیا شیطان بیٹھا ہے۔)

با چنیں حالت کہ در عالم گم است ❊ نیست جائے خندہ جائے ماتم است

(اس حالت کے باوجود تو دنیا میں گم ہے۔ یہ ہنسنے کا نہیں، ماتم کا مقام ہے)

کام بہت مشکل ہے اور وقت کم یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنَا اَغِثْنَا (اے فریاد کرنے والوں کے فریاد رس، ہماری فریاد سن، ہماری فریاد سن، ہماری فریاد سن۔

اے بھائی! طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ میں علم طاعت اور علم معصیت کی فرضیت کو بتلایا گیا ہے یقیناً اس کے علاوہ کوئی اور علم مراد نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس آج لوگ اس سے بے پرواہیں۔ اس آخری زمانہ میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر سونا یا چاندی کا ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ میں دے دیں تو وہ اسے دیکھ کر بلا تامل بتادیں گے کہ اس کا وزن یہ ہے اور اس میں آمیزش اتنی ہے۔ پھر جب اسے وزن کیا جائے یا کسوٹی پر کسا جائے تو ان کی رائے صحت کے قریب ہو گی۔ انھیں علم ہی نہیں ہے کہ ایمان کیسی دولت ہے اور کفر کیا بلا ہے۔ طاعت کیسی نعمت ہے اور معصیت کیسی مصیبت ہے؟۔ ہاں! البتہ روایتی طور پر وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ الفاظ بھی گفتگو میں آتے ہیں۔ شاید ہمارا یہ زمانہ وہی زمانہ ہے لہٰذا سر پر خاک ڈالنا چاہیئے اور اپنی مصیبت کا ماتم کرنا چاہیئے۔ کسی نے کہا ہے۔

ے درد را دارو کجا خواہیم کرد ⁂ عمر شد ماتم کجا خواہیم کرد

(ہم اپنے درد کا علاج کس طرح کریں گے۔ عمر ساری تو ختم ہو چکی اب ماتم ہم کہاں کریں گے)

اے بھائی! اس فتنہ و فساد میں ڈوبی ہوئی دنیا کے ہنگاموں سے یکبارگی باہر نکلنا دشوار نظر آتا ہے ایسی صورت میں ایسا کرنا چاہیئے کہ حتی الامکان دین داری کے کام میں لگے رہیں، دین کا غم کھائیں۔ اور آخرت کے کام سے بقدر طاعت، غافل نہ ہوں۔ معصیت پر ندامت و حسرت کریں۔ اور خیرات مالی و بدنی میں مشغول ہوں۔ اور حصول طاعت و نیکی میں پوری کوشش کرنی چاہیئے تاکہ گذشتہ معصیتوں اور کوتاہیوں کی تھوڑی بہت تلافی ہو سکے۔ کیوں کہ پچاس ساٹھ سال کی عمر ہو چکی۔ اب جو باقی رہ گئی ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

قطعہ

کار خود در زندگانی کن بہ نزک ⁂ زاں کہ نہ تواں کرد کار روز مرگ

ایں زماں درباب کا ساں باشدت ⁂ ورنہ دشواری فراواں باشدت

(اپنے کاموں کو اسی زندگی میں نپٹائے اس لیے کہ موت کے دن تو کچھ نہ کر سکے گا۔ اس وقت حاصل کرنا آسان ہے اس کے بعد بہت دشواری ہو گی)

اے بھائی! دنیا جب کہ ضلالتوں اور گمراہیوں میں ڈوبی ہوئی ہے، تمہیں چاہیئے کہ اپنے قلم، اپنی زبان، اپنے مال، اور اپنے جاہ و مرتبہ کے ذریعہ جس قدر ممکن ہو ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد کرو اور ان کو آرام پہنچاؤ۔ تمہارے پاس نماز، روزہ اور نوافل کا جو کچھ ذخیرہ موجود ہے بلا شبہ وہ بہت مفید ہے مگر اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ حاجتمندوں کی حاجت روائی کی جائے، بھوکوں

کو کھلایا جائے اور ننگوں کو کپڑے پہنائے جائیں۔ یقیناً اس سے زیادہ مفید اور سود مند عبادت تمہارے لیے کوئی اور نہیں ہے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں بادشاہ رات بھر عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس غریب نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے اور دوسروں کے کام میں مشغول ہو گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اس کی تشریح کی جائے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کا اصل کام تو یہ تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا، ننگوں کو کپڑے پہناتا اور لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچاتا۔ راتوں کو عبادت کرتا اور دن کے وقت روزے رکھتا یہ دوسروں کے کام تھے جسے اس غریب نے اپنے سر لے لیا۔

قطعہ

نیست دنیا بد اگر کارے کنی ÷ بد شود گر عزم دینارے کنی

(اگر تو یہاں کوئی کارنامہ انجام دیتا ہے تو دنیا بری جگہ نہیں ہے۔ یہ بری اس وقت ہو گی جب تو دولت سمیٹنے کی کوشش کرے)

تخم امروز بینہ فردا بر دہد ÷ ورنہ کارے اے دریغا بر دہد

(آج کی بوئی ہوئی بیج کل پھل دے گی۔ لیکن جب تم نے کچھ بویا ہی نہیں تو پھل کہاں سے ملے گا)

اے بھائی! کوشش کرو کہ جب تم کسی کو کچھ دو یا کسی کی حاجت روائی کرو تو سوال کرنے سے پہلے کرو۔ کیونکہ اہل معرفت و مروت کہتے ہیں۔ اَلسُّؤَالُ اِنْ قَلَّ ثَمَنُ النَّوَالِ وَاِنْ جَلَّ۔ (تھوڑا سا سوال بھی عنایت کا بدلہ بن جاتا ہے۔ خواہ عنایت بڑی ہی کیوں نہ ہو) چنانچہ جتنا زیادہ دو دل میں یہی سمجھو کہ کچھ نہیں دیا۔ اس لیے کہ دنیا بے حقیقت ہے۔ اور جو کچھ تم نے دیا اسی بے حقیقت دنیا سے لے کر دیا۔

امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا میری ملکیت ہو جائے تو اس کو سمیٹ کر ایک لقمہ بناؤں اور کسی بھوکے کے منھ میں ڈال دوں۔ اور اس کے باوجود یہ سمجھوں کہ اسے کچھ نہیں دیا۔

مثنوی

ملک دنیا را کہ بنیادے نہند ÷ گرچہ پس عالیست بر بادے دہند

(جو لوگ دنیا کو اپنی ملک سمجھ کر اس کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ عمارت کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو اس کی بنیاد ہوا پر ہے)

مال و ملک این جہاں جز ہیچ نیست ؛ گر ہمہ یابی چو من ہم ہیچ نیست

(اس دنیا کی بادشاہت اور مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں۔ سب کچھ تمہیں مل بھی جائے تو بے سود ہے)

اللہ تعالیٰ ہماری، تمہاری اور جملہ مسلمانوں کی عاقبت بخیر فرمائے بِالنَّبِیِّ وَ آلِہِ الْاَمْجَادِ۔

والسلام

۷؍صفر المظفر ۱۴۰۰ھ پنجشنبہ

مطابق ۲۷؍دسمبر ۱۹۷۹ء ۱۲؍بجے دن

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۴۸)

کام میں مشغول رہنا اور اُمید خُدا سے رکھنا

ملک خضر مذکور کے نام

برادر عزیز الوجود! سلام و دعا ۔

اگرچہ تمہاری زندگی بظاہر دنیاوی مشغولیتوں میں گھری ہوئی ہے اور اس سے یکبارگی چھٹکارا حاصل کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ لہٰذا ہمت بلند رکھیں اور دنیا کی محبت اور اس کی طلب سے دل کو پاک رکھیں ۔ حق کی محبت اور اس کے غم کے سوا کسی دوسری چیز کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں ۔ اس لیے کہ ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ جلوۂ الٰہی، طلب اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہوتا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی عنایت اور بخشش پر موقوف ہے ۔ حصول مقصد کی علت طلب نہیں ہے بلکہ اس کی عنایت کی ضرورت ہے ۔ وَجَدْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ ۔ (میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعہ پایا) اس کا یہی مطلب ہے ۔ حقیقت یہ نہیں ہے کہ تم دیکھو گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم کو دکھلایا جائے گا ۔ یعنی عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ (مجھے اپنے رب کی پہچان اپنے رب کے واسطے سے ہوئی ۔) کے بھی یہی معنی ہیں ۔

مثنوی

نیست از راہِ وہم و عقل و حواس ❊ بے خدا ہیچ کس خدائے شناس

(وہم و عقل اور حواس کے ذریعہ کوئی شخص خداشناس نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ اس کو اسی کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے)

ہر چہ از گدیہ داری اے درویش ❊ ہدیہ حق شمر نہ گدیہ خویش

(اے فقیر جو بھیک بھی تو اپنے پاس رکھتا ہے ۔ اس کو حق کا ہدیہ خیال کر ۔ اپنی بھیک نہیں)

دل میں یہ خیال رکھو کہ کام میرے دیکھنے پر نہیں بلکہ اس کے دیکھانے پر موقوف ہے ۔ اور اصل سبب میری تلاش نہیں بنے گی ۔ بلکہ خود اس کی جانب سے قربت دی جائے گی ۔ بہت سے طالب ناکام رہے ہیں اور بہت سے بے طلب کامیاب و کامران ہوئے ہیں ۔ کوشش ضرور کریں لیکن نظر اس حقیقت پر بھی

ضرور رکھیں۔

اے بھائی! مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ فیضانِ الٰہی منقطع نہیں ہے۔ وہ خود بڑھ کر فیض پہنچاتا ہے۔ اس لیے ہمیں فیضان کا مشتاق رہنا چاہیئے۔ بلکہ اس گروہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خود صاحبانِ فیض ہیں مثلاً حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جو مخلوق کی نظر میں حقیر و خوار شمار کیے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ عزت اور وہ مرتبہ عطا کیا کہ وہ خود صاحبِ فیضان ہو گئے۔ سبحان اللہ! ان کے مرتبہ کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ؎

عزت چو ترا شاید نے ہیچ شک اے سالک ؎ در کون و مکاں مارا جز خوار نہ باید بود

(اے سالک! جب تجھے عزت چاہیئے تو کون و مکان میں ہم کو خوار ہی ہونا چاہیئے۔)

قیامت کے دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنوں کے ساتھ جنت میں جب داخل ہوں گے تو اللہ رب العزت سے عرض کریں گے کہ خدایا! آج میری امت کے تمام مومن یہاں جمع ہیں۔ ہم ان کو دیکھ رہے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اویس قرنی کہاں ہیں جنہوں نے اب تک ہم کو نہیں دیکھا۔ جواب ملے گا۔ اے رسول! جو لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں وہ میری خاطر آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ اویس آپ کے واسطہ سے پہلے ہی ہم کو دیکھ چکے ہیں۔ اس لیے اگر آج وہ آپ کو نہ دیکھیں تو کیا حرج ہے۔

مثنوی

ہر کہ در سرِّ محبت بندہ شد ؎ تا ابد ہم محرم و ہم زندہ شد

(جو شخص محبت کا غلام ہوا۔ وہ ابد تک کے لیے رازداں بنا اور زندہ جاوید ہوا)

ہر کہ او از دارِ دنیا پاک شد ؎ نورِ مطلق شد اگرچہ خاک شد

(جو شخص دنیا کے گھروندے سے نکل کر پاک ہوا۔ وہ نورِ مطلق ہو گیا اگرچہ خاک ہوا)

بات معلوم ہو گئی کہ طلب پانے کی علت نہیں ہے بلکہ پانے کی علت اس کی عطا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

من می جویم و دیگراں می جویند ؎ تا بخت کرا بود و کرا دارد دوست

(میں ڈھونڈ رہا ہوں، دوسرے بھی ڈھونڈ رہے ہیں۔ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جس کو وہ دوست بناتا ہے) بت پرست بتوں کے واسطے سے اس کو طلب کرتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کے واسطے اس کو طلب کرتے ہیں،

لیکن وہ ملاکس کو ہے ؟ معلوم ہوا کہ کوئی دینے والا چاہیئے۔ اور ان کے علاوہ لاکھوں طلب کرنے والے ہیں

بیت

یک نظر از دوست صد ہزار سعادت ؛ منتظرم تا کہ وقت آں نظر آید

(دوست کی ایک نظر لاکھوں سعادتوں سے بہتر ہے۔ میں اس وقت کا منتظر ہوں کہ وہ نظر آئے ؛ لہذا دنیا تو اس کے اختیار کی بات ہے۔ اس کی ایک نظر لاکھوں نیکیوں اور سعادتوں سے بڑھ کر ہے)

اے بھائی! ہمیشہ اسی کی فکر اور غم میں دل شکستگی کے ساتھ لگا رہنا چاہیئے۔ دنیا کی تمام چیزیں ٹوٹنے کے بعد بے کار ہو جاتی ہیں۔ لیکن دل جس قدر شکستہ ہوتا ہے اتنا ہی قیمتی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا ہے کہ أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِأَجْلِيْ (میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے شکستہ ہیں)

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔ پروردگارا! میں تجھے کہاں تلاش کروں ؟ جواب ملا۔ اس دل کے پاس جو سب سے زیادہ شکستہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ بار الٰہا! کوئی دل آج میرے دل سے زیادہ شکستہ نہیں ہے ؟ جواب ملا پھر میں وہیں ہوں۔ اسی کی طرف کسی نے اشارہ کرتے ہوئے، کہا ہے۔

مثنوی

اے دریغا جان و تن در باختیم ؛ قیمتِ جاں ذرہٗ نشناختیم

(افسوس کہ ہم نے جسم و جان کی بازی لگا دی۔ مگر ایک ذرہ برابر بھی جان کی قیمت نہیں پہچانی)

تشنہ می میریم در طوفاں ہمہ ؛ وانکہ آب از چشمۂ حیواں ہمہ

(طوفان میں رہ کر بھی ہم پیاسے ہیں۔ حالانکہ اس طوفان کا سب پانی آب حیات ہے)

اصل معاملہ تو یہی ہے۔ لیکن طلب سے امکان بھر خالی نہیں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

گرچہ دولت دانشی بے علت است ؛ طاعت حق کار صاحب دولت است

(اگرچہ عقل کی دولت بے علت ہے۔ لیکن حق کی طاعت دولت والوں کا کام ہے)

راہ بنماید یک ساعت ترا ؛ می نماید عالمے طاعت ترا

(اگر تیری راہ تھوڑی دیر کے لیے بھی تجھے دکھلا دی جائے تو تمام دنیا تیری مطیع و فرماں بردار بن جائے)
اے بھائی! طالب کی حیثیت کے ساتھ طلب کی نوعیت بھی بدلتی ہے۔ تمہاری طلب یہ ہے کہ تم شکستہ دلوں کی مدد کرو، کھانے، کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی سے حاجت مندوں کی خدمت کرو، درماندہ اور مظلوموں کو اپنے ہاتھ، قلم، کاغذ اور زبان سے سہارا دو۔

یہ واقعہ تو تم نے سنا ہوگا کہ حضرت رابعہ بصریہؒ کو اتنا بڑا مرتبہ صرف ایک مرتے ہوئے پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ملا۔ کیوں نہ ہو؟ اگر تم نے کسی ضرورتمند مومن کی ایک ضرورت پوری کی تو اللہ تمہاری ستر ضرورتیں پوری کرے گا۔ مَنْ قَضٰى حَاجَةً لِأَخِيْهِ الْمُسْلِمِ قَضَى اللّٰهُ لَهٗ سَبْعِيْنَ حَاجَةً (جس نے اپنے مسلمان بھائی کی ایک حاجت پوری کی اللہ تعالیٰ اس کی ستر حاجتیں پوری کرے گا) لہٰذا اپنے کام میں لگے رہو۔

ہر چہ زیں جا می بری از آنِ تست ❊ نیک و بد در دردِ تو درمانِ تست

(جو کچھ تو یہاں سے جائے گا، وہ تیری ملکیت ہوگی۔ نیک و بد جو کچھ ہے وہی تیرے درد کا درماں ہے)

توشہ زیں جا بر اگر آدم گوہری ❊ کاں بود آں جا کزیں جا می بری

(اگر تو آدم زاد ہے تو توشہ یہاں سے لے جا۔ اس لیے کہ وہاں تو وہی ملے گا جو تو یہاں سے لے جائے گا)
حق تعالیٰ کی توفیق تمہاری رفیق ہو۔

والسلام
۷ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ پنجشنبہ
۲۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء۔ دس بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۴۹)

ازل کا فیصلہ اور عقل کی مجبوری

ملک خضر مذکور کے نام

ایک مدت سے تمہاری خیریت معلوم نہ تھی۔ دل لگا ہوا تھا۔ قمر الدین آئے تو ان کی زبانی تفصیلی حالات معلوم ہوئے۔ خاطر جمع رکھیں۔ دنیا ابتلا اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے سامنے عقل کا جھنڈا سرنگوں رہتا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ہیچ دل را بہ کنہ اوره نیست ⁂ جان و دل از کمالش آگہ نیست

(کسی دل کی اس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہے۔ جان و دل اس کے کمال سے آگاہ نہیں ہیں)

با تقاضائے عقل و نفس و حواس ⁂ کے تواں بود کردگار شناس

(عقل و نفس اور حواس کے ذریعہ خدا کو کب پہچانا جا سکتا ہے)

دشمنوں کو نعمتوں سے نوازا ہے اور دوستوں کو بلاؤں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ عقل تو قیاس کرنے کا ایک آلہ ہے۔ اور خدا اور اس کے کرشمے قیاس کی حدود سے باہر ہیں۔ لہٰذا عقل مجبور محض ہے۔ خدائی کی بنیاد مشیئت پر رکھی گئی ہے۔ بندوں کے قیاس پر نہیں۔

اے بھائی! عقل کا تقاضا یہ ہے کہ دوست کو نوازا جائے، آسائش اور راحت پہنچائی جائے۔ اور دشمن کو اپنے نزدیک بھٹکنے نہ دیں۔ بس چلے تو بلا اور مصیبت میں مبتلا کریں۔ مگر یہاں اللہ تعالیٰ کی مشیئت اس کے برعکس ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ تمام مصیبتیں اور بلائیں اپنے دوستوں کی گود میں اور ساری نعمتیں اور مرادیں دشمنوں کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ عقل کا حکم یہ ہے کہ دشمن کو قتل کر دیا جائے۔ اس کو ظاہر ہونے نہ دیا جائے اور اگر ظاہر ہو جائے تو اسے ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ دشمن کو پیدا کرتا ہے، پالتا اور پرورش کرتا ہے۔ اور مرادوں سے نوازتا ہے۔ ہلاک نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ جب قیاس کی گنجائش اس

کی ذات اور اس کی مشیت میں نہ رہی تو عقل بھی، جو قیاس کے لیے ایک آلہ ہے، اس کی ذات اور اس کے زوال کے سمجھنے کے معاملہ میں قاصر ہے۔ عقل تو محض اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ بندہ اپنی بندگی کے طور طریقے کو سمجھے، خدا کو سمجھنے کے لیے نہیں۔ بلاشبہ عقل ایک ترازو ہے۔ لیکن صراف کی ترازو سے پہاڑ کو نہیں تولا جا سکتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

عقل باید تا عبودیت بود ٭ جانت باید تا ربوبیت بود

(عقل چاہیئے تاکہ عبودیت کو پہچان سکے۔ جان چاہیئے تاکہ جان دے کر اس کی ربوبیت کو جان سکے)

اے بھائی! جب جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام تقدیر کے راز سے بے خبر ہیں تو بیچاری عقل کی رسائی وہاں تک کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تو چہ دانی ز آفرینش حق ٭ چہ شناسی بیان بینش حق

(تجھے اللہ کی مخلوق کے متعلق کیا خبر۔ تو اس کے اسرار و بیان کو کیا سمجھے؟)

تو کہ در حبس آبی و تانی ٭ کے جہانِ نہانِ او دانی

(تو جو کہ پانی اور روٹی کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کی پوشیدہ دنیا کو کب جان سکتا ہے)

اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ جو کچھ پیش آئے اس کے سامنے گردن جھکا دیں۔ اسی کا نام بندگی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

بیت

بندہ آں بہتر کہ بر فرماں رود ٭ از خداوند آنچہ خواہد آں رود

(بندہ وہی بہتر ہے جو حکم بجا لائے۔ اور جو کچھ مالک چاہے اس پر عمل کرے)

اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس جانب بھی نظر ہونی چاہیئے۔ جو سب سے پہلے لوح محفوظ پر لکھا گیا۔ جس کا آخری جملہ یہ ہے کہ مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ۔ (پیار کا دعوٰی ہے تو میرے فیصلے پر راضی رہو، میری بلاؤں پر صبر کرو۔ اور اگر یہ نہیں منظور تو جاؤ میرے سوا کوئی دوسرا معبود تلاش کر لو) سچ ہے اس جملہ سے عارفوں کے جگر خون ہوتے ہیں۔

اے بھائی! جب کام بندے کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتا ہے تو بندگی کے سوا چارہ کیا ہے۔ اگر کام بندہ کی مراد کے مطابق ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق انبیاء اور اولیاء ہوتے۔ اس لیے

کر بندگی میں سب سے زیادہ یہی لوگ مخصوص ہیں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

سرد و گرمِ زمانہ ناخوردہ ؎ نہ رسی بر درِ سراپردہ

(زمانے کا سرد و گرم سہے بغیر۔ اس کے خیمہ کے دروازے تک نہیں پہنچ سکتے)

کرنا کیا ہے؟ جب بندگی یہی ہے تو تقدیر کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتے رہنا چاہیئے۔ اور مراد سے ہاتھ دھو لینا چاہیئے۔ اس لیے کہ ہوگا وہی جو وہ چاہے گا۔ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے) ایسی صورت میں بندے کو مراد سے کیا تعلق؟ اس کی رضا کے علاوہ نہ کچھ مراد ہے اور نہ کچھ آرزو، بندگی اور پھر اپنی مراد، یہ دونوں تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

گہ با کفِ پُر سیم و گہے درویشم ؎ گہ واپس جملہ خلق گہ در پیشم

(کبھی ہتھیلی چاندی سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور کبھی فقیر بے نوا ہوتا ہوں۔ کبھی تمام لوگوں کے پیچھے اور کبھی سب کے آگے ہوتا ہوں)

گہ با دلِ پُر نشاط و گہ دل ریشم ؎ من بو قلمونِ روزگارِ خویشم

(کبھی مسرتوں سے لبریز اور کبھی زخم خوردہ دل رکھتا ہوں۔ میں اپنے زمانے کا عجوبہ ہوں)

بندگی اور مراد دونوں یک جا نہیں ہو سکتے۔ بندگی ہو گی تو مراد نہیں۔ مراد کے پیچھے چلو گے تو بندگی نہیں۔

اے بھائی! تمام پراگندگی اور غم و اندوہ آج اسی طلب مراد اور ترک بندگی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا صرف بندگی اختیار کرو۔ اپنی مراد کا پیچھا چھوڑ دو۔ پراگندگی کا لفظ بے معنی ہو جائے گی۔ اس کی جناب میں بندگی کے لیے جھک جاؤ۔ اور اس دعا کو روز و شب کا وظیفہ بنا لو۔ رَبِّ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا فَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذَّنْبَ الْعَظِیْمَ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِیْمُ (اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے۔ تو میرے گناہ کو بخش دے۔ بلاشبہ بڑے گناہ کو بڑا رب ہی معاف کر سکتا ہے۔) بیشک خدا خدا ہے۔ اس کی خدائی میں نہ ہم دخل دے سکتے ہیں نہ تم، نہ کوئی اور۔

مثنوی

بندۂ او باش تا باشی کسے ؎ در سگِ او باش ایں باشد بسے

(اس کا بندہ رہ تاکہ تو انسان بن جائے۔ اگر اس کے کتے میں شریک ہو جا تو یہ بھی بہت بڑی بات ہے)

گر تو در آئی بود سوئے تو باز ٭ تو ازیں دولت توانی کرد ناز

(اگر تو اندر آ جائے تو (کامیابی) کا باز تیرے ہاتھ پر ہوگا۔ پھر تو اس دولت پر ناز کر سکتا ہے)

یقیناً وہ مالک بلا شرکتِ غیرے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدائی میں شریک ہو سکے۔

مثنوی

کاملاں در راہ حق خوں خوردہ اند ٭ بندگی و حق گذاری کردہ اند

لاجرم در بندگی سلطان شدند ٭ مہترِ خلقِ جہاں ایشاں شدند

(کاملوں نے حق کی راہ میں خون پی کر بندگی اور حق گذاری کی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ بندگی میں بادشاہ ہو گئے۔ اور دنیا کے لوگوں کے سردار بن گئے)

والسلام

۸/ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز جمعہ

۲۸/ دسمبر ۱۹۷۹ء ۵ بجے شام

لطیف آباد، حیدر آباد، سندھ (پاکستان)

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۵۰)

حکمِ خداوندی پر راضی ہونا اور عقل کو معذور سمجھنا

ملک خضر مذکور کے نام

عزیز من! سلام ودعا

تمہارے دو خطوط یکے بعد دیگرے ملے۔ ایک محمود نے لاکر دیا اور دوسرا بدیع نے پہنچایا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔

اے بھائی! اَلْمَعْلُوْمُ لَا يَتَغَيَّرُ وَالْمَقْسُوْمُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ (جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور جو مقسوم ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی) یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر ایک شخص کے بارے میں جو معلوم ہے اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ اور جو کچھ ہر ایک کے لیے ازل میں مقدر ہو چکا ہے۔ مثلاً ہر شخص دنیا میں کیا کرے گا، کیا کھائے گا کیا پہنے گا وغیرہ اس میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی ہے۔ جب یہ طے شدہ امر ہے تو الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، حلال حرام، طاعت ومعصیت، سب کے نتائج معلوم ومقسوم ہیں۔ اس کے بدلنے کی فکر اور اس سے اثر پذیری بے کار اور بے سود ہے۔ حکم خداوندی اور تقدیر خداوندی کے سامنے گردن جھکا دینے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

آدمی بہر بے غمی را نیست ❊ پا بے در گل جز آدمی را نیست

(آدمی بے غمی کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ آدمی کے سوا کوئی پا بہ گل (مکلف) نہیں ہے)

شادی ز اہل عصر بیگانہ است ❊ آدمی را خود اندوہ از خانہ است

(خوشی اہل زمانہ کے لیے ایک اجنبی چیز ہے۔ آدمی کو غم خود اپنے گھر ہی سے ملتا ہے)

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور دعوت ایمان دیتے رہے۔

مگر کیا ان کے تشریف لانے سے کوئی کمی بیشی واقع ہوئی؟ نہیں، وہی ہوا جس کا حکم ازل میں ہو چکا تھا۔

مثنوی

ہر چہ استاد در نبشتہ براند ❊ طفل در مکتب آں تواند خواند

(استاد نے جو کچھ لکھ کر بچوں کو دیا ہے۔ مکتب میں بچے اسی کو پڑھ سکتے ہیں)

چونکہ وہ حکیم مطلق ہے۔ اس لیے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ نظام عالم کو کسی واسطہ اور ذریعہ سے چلاتا ہے۔ لہٰذا یہ جتنے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے وہ سب نجات عالم کا ذریعہ اور واسطہ تھے۔ مقسوم اور مقدور کے مطابق جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ اس میں کمی بیشی ممکن نہیں ہے

کز پئے جانت حکم یزدانی ❊ شب نبشت آں کہ روز می خوانی

(تیری جان کے لیے حکم خداوندی نے رات کو جو لکھا ہے، اسی کو تو دن کے وقت پڑھتا ہے)

لہٰذا ذہن وقیاس کی ہزاروں الجھنوں کے باوجود عقل وقیاس سے بیزار ہو کر، اسی تقدیر کے عقیدہ کو اپنا لو۔ اس لیے کہ یہی جزو ایمان ہے۔

ہاں! تقدیر کو بے عملی کے لیے سہارا بنا کر زندگی کی گمراہیوں کو نہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ ہم تو بندہ ہیں۔ ہمیں بندگی کرنی چاہیئے۔ لیکن مقدر کے متعلق جتنی گفتگو ہوئی وہ عقیدہ ہے۔ مومن کا یہی عقیدہ ہونا چاہیئے: تاکہ اس کا ایمان صحیح رہے۔ عقیدہ ازل کے حکم میں حجت نہیں ہے۔ اس لیے اپنی پسند اور اپنی عقل سے بیزار ہو کر اپنی خواہش اور اپنی عقل کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کے حکموں کے تابع کر دینا چاہیئے۔ ہمیشہ توبہ اور استغفار کرتے رہنا چاہیئے کہ اس کی اطاعت میں لگے رہنے کا نام ہی بندگی ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

گر سر دیں داری اے بے پا و سر ❊ راہِ دیں اینست کیں رہ درگذر

(اے بے سر و پا انسان! اگر تجھے حصول دین کا خیال ہے تو دین کا راستہ تو یہ ہے۔ وہ دنیا کا راستہ ہے اسے چھوڑ دے)

گوشۂ گیر زیں سرائے مجاز ❊ توشۂ آں جہاں در وحی ساز

(اس سرائے مجاز یعنی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر۔ اور اُس جہان یعنی آخرت کا توشہ قرآن کے ذریعہ تیار کر)

تم نے اپنے خط میں اپنے یہاں کے قاضی صاحب کا بھی ذکر کیا تھا کہ مولانا صدرالدین کے نام جو

خطوط گئے ہیں ان پر ان کو کچھ اعتراض ہے۔ چنانچہ وہ بحث فرما رہے تھے۔

اے بھائی! اگر اس بیچارے میں سعادت کی کوئی بو ہوتی اور مردوں کے دین سے اگر کچھ حصہ ملا ہوتا تو آج وہ بے چھری کے ذبح کیوں کیا جاتا۔ ارشادِ نبوی ہے ۔ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا فَكَأَنَّمَا ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ (جو قاضی بنایا گیا اسے گویا بغیر چھری کے ذبح کیا گیا) چونکہ وہ وعید شرعی کے ذریعہ ذبح ہو چکا ہے اس لیے مردہ ہے۔ کہاں وہ اور کہاں اس کا دین؟ اس معاملہ میں وہ تو ابھی شیر خوار بچہ کی طرح ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ یوں سمجھو کہ ابھی وہ بطنِ مادر میں ہے۔ نہیں بلکہ نطفۂ پدری میں ہے۔ نہیں نہیں بلکہ اس سے بھی دور عالمِ عدم میں ہے۔ اسے تو ابھی مخنثوں کے دین کی بھی خبر نہیں۔ تو مردانِ خدا کے دین کی خبر اُسے کیا ہو گی۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ ؎

بگذار فضول کز ابوجہل ❊ در دینِ محمدیؐ نہ باید!

(فضول لوگوں کا تذکرہ چھوڑو۔ دینِ محمدی میں ابوجہل کی ضرورت نہیں ہے)

مثنوی

اے کہ حق کردہ زیر بار ترا ❊ باچنیں کارہا چہ کار ترا

(جب اللہ تعالیٰ نے تجھے بوجھ کے نیچے دبا دیا ہے۔ پھر ایسے بڑے کاموں سے تجھے کیا سروکار)

علم کز بہر کاخ و باغ بود ❊ ہم چو مر دُزد را چراغ بود

(وہ علم جو محل اور باغ کے حصول کے لیے ہے۔ اس کی مثال اس چراغ کی ہے جو چور کے ہاتھ میں ہے)

اے بھائی! کفارِ مکہ بھی اسی طرح اپنی دانش، قوت، بیان، بصیرت اور گویائی و شنوائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جھٹلایا اور ان کے حق میں فرمایا۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (یہ تو گونگے بہرے اور اندھے ہیں) دنیا دار علماء کو علماء آخرت بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں معذور جانتے ہیں۔ کیونکہ بینائی، گویائی اور فہم وفراست رکھنے والے لوگ بہرے، گونگے اور اندھے کو معذور سمجھتے ہیں۔

مثنوی

ہر کہ اندر حجابِ جاوید است ❊ مثل او ہم چو بوم و خورشید است

(جو شخص ہمیشہ کے حجاب میں ہے۔ اس کی مثال الو اور آفتاب کی ہے)

دیدۂ عقل برگزیند حق ❊ دیدۂ رنگ بیں نہ بیند حق

(عقل کی آنکھ حق کو قبول کر لیتی ہے۔ رنگ پر نظر رکھنے والی آنکھ حق کو نہیں دیکھتی ہے)

کہتے ہیں کہ اسلام اس وقت تک تر و تازہ تھا جب تک دنیا دار علماء کا وجود نہیں تھا۔ جب سے

علماء دنیا ظاہر ہوئے ہیں اسلام میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بزرگ نے شیطان کو دیکھا کہ بیکار بیٹھا ہوا ہے۔ تعجب سے پوچھا کہ او ناہنجار تو فارغ ہو کر کیوں بیٹھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب سے علمائے ظواہر پیدا ہوئے ہیں مجھ کو اپنے کام سے فراغت مل گئی ہے۔

اے بھائی! جانتے ہو علمائے دنیا کون لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کی روٹی کھاتے ہیں۔ ملوک وسلاطین اور امراء کی چوکھٹوں کو اپنا قبلہ بناتے ہیں۔ اور ان کی دنیا دارانہ سیاست میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو علم کو جو وسیلۂ آخرت ہے، حصول دنیا کا وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ یہ بیت ایسے ہی لوگوں کے حق میں ہے۔ ؎

علم کز بہر کاخ و باغ بود ٭ ہم چو مر دزد را چراغ بود

(علم اگر محل اور باغ کے حصول کے لیے ہے تو اس کی مثال اس چراغ کی ہے جو چور کے ہاتھ میں ہے)

قاضی جی کی بات سن کر افسوس ہوا۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ شیخ سلیمان نے آخر ایسی گفتگو کی زحمت کیوں گوارا کی؟ سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تئیس ۲۳ سال تک مسلسل دین کی دعوت لوگوں کو دیتے رہے۔ مگر ابو جہل، ابو طالب اور ان جیسے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا؟ جو بیچارہ شریعت کی وعید کا مذبوح ہو وہ تو مردہ ہے۔ ظاہر ہے مردہ شیخ سلیمان کی بات کیسے سن سکتا تھا؟ ایسی صورت میں احتراز ہی بہتر ہے۔

والسلام
۹ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز شنبہ
۲۹ر دسمبر ۱۹۷۹ء ڈھائی بجے دن
لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۵۱)

حکمِ خداوندی کی تقدیر پر صبر کرنے کے بیان میں

بنام خواجہ خضر

عزیزم سلمہٗ! دعاءِ مخصوص

فرزند صفی کے خط سے حادثہ کی بتمام وکمال کیفیت معلوم ہوئی۔ مگر اسی خط کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ دو ایک دن میں نجات مل جائے گی۔ اسی بنا پر یہ خیال تھا کہ اب تک چھٹکارا مل گیا ہوگا اور پریشانیاں دور ہوگئی ہوں گی۔ لیکن آج جب کہ ۲۵۔ ذی الحجہ ہے فرزند صفی کا دوسرا خط ملا جس میں لکھا ہے کہ اب تک وہی حالت ہے۔ اس خبر نے دل کو مضطرب کردیا جو بتقاضائے بشریت ہے۔ لیکن حکم خداوندی اور تقدیر الٰہی پر راضی رہنا چاہیئے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے حوالہ کردینا چاہیئے۔ انشاء اللہ بہت جلد تمام الجھنیں دور ہوجائیں گی اور مسرت وشادمانی کے اسباب مہیا ہوجائیں گے۔ فتح ونصرت بھی ہوگی اور بلاؤں سے نجات بھی ملے گی۔ جیسا کہ کہا ہے ؂

گر قہر سزائے ماست آخر ❊ ہم فضل برائے ماست آخر

(میری سزا کے لیے اگر قہر میرا حصہ ہے تو (عفو ودرگذر کے ساتھ) فضل وانعام بھی میرا ہی حصہ ہے)

بندگی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ مالکِ حقیقی کے ہر حکم پر راضی رہیں اور گردنِ اطاعت تقدیرِ الٰہی کے سامنے جھکادیں جیسا کہ اُس بے چارے نے کہا ہے۔ ؂

چہ کند بندہ کہ گردن نہ نہد فرماں را ❊ چہ کند گوے کہ تن در ندہد چوگاں را

(غلام فرماں برداری کے لیے گردن نہ جھکائے تو اور کیا کرے۔ گیند کھلاڑی کے بلوں سے ٹھوکریں کھاکر گردش نہ کرے تو اور کیا کرے)

اے بھائی! دنیا بلا اور مصیبت کی جگہ ہے اور ہر زمانے کی تبدیلی سے پیدا ہوتی ہے۔ زمانے کی تبدیلی لازمی ہے اس سے مفر نہیں۔ چنانچہ ہر زمانے میں بندہ کو کبھی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اور کبھی مصیبتوں میں مبتلا کرکے آزمایا جاتا ہے۔ بندے کو ایک حال پر نہیں چھوڑا جاتا بلکہ گردش زمانہ کا یہ نظام ہمیشہ سے جاری ہے

جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

گہ باکفِ پرسیم و گہے درویشم ٭ گہ بادلِ پر نشاط و گہ دل ریشم

گہ واپسِ جملہ خلق گہ درپیشم ٭ من بوقلمونِ روزگارِ خویشم

(کبھی دولت سے کھیلتا ہوں اور کبھی فقیرِ بے نوا ہوں۔ کبھی دل مسرتوں سے لبریز ہوتا ہے اور کبھی زخموں سے گھائل۔ کبھی تمام خلائق سے الگ تھلگ اور کبھی مجلسوں میں پیش پیش۔ سچ ہے میں زمانے کے ہاتھوں پلٹے کھا رہا ہوں)۔

دادا جان کے سر پر نبوت کا تاج رکھا اور مملکت بہشت کے تخت پر جلوہ افروز کیا اس کے باوجود ابتلاء و آزمائش سے الگ نہیں رکھا، یوں سمجھو کہ تاج و تخت اور بادشاہی صبح کے وقت عنایت ہوئی اور ابھی شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ برہنہ کر کے بہشت سے نکال کر اس دنیائے رنج و بلا میں ڈال دیئے گئے۔ تو پھر ان کی اولاد جس کا مسکن و مولد ہی دنیا ہے، جو بلاؤں کا گھر ہے، وہ ان بلاؤں اور مصیبتوں سے کیوں کر محفوظ رہ سکتی ہے۔ ؎

او ظلم نہ کند بہ تحقیق و یقیں ٭ لیکن منِ بیچارہ چنیں مظلوم

(بلاشبہ وہ حقیقی معنوں میں یقیناً ظلم نہیں کرتا، مگر افسوس! اس کے باوجود میں مظلوم ہوں)۔

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور مقدرات کے راز سے تو جبریل اور میکائیل بھی آگاہ نہیں ہیں۔ پھر قضاؤ قدر کے اسرار و رموز سے یہ عقل بیچاری کیسے باخبر ہو سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس معاملہ کو اسی پر چھوڑ دیا جائے اور اس آیۂ کریمہ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم جس چیز کو ناپسند کرتے ہو وہی تمہارے حق میں بہتر ہوتی ہے) پر نظر رکھو۔

ذرا پیغمبر یوسف علیہ السلام کے ابتدائی واقعہ پر غور تو کرو کہ ایک معصوم نابالغ بچہ کو ان کے بھائی کوئیں میں بلا قصور ڈال دیتے ہیں۔ پھر کوئیں سے نکلوا کر مصر کے بازار میں غلام بنا کر بیچ ڈالا جاتا ہے پھر اس غلامی کے بعد تخت شاہی پر بٹھا دیتے ہیں۔ ؎

اے جہانے جاں ہمہ حیرانِ تو ٭ صد ہزاراں عقل سرگردانِ تو

(اے اللہ! سارا عالم تیرے کرشموں سے حیران ہے۔ لاکھوں عقل تیری کنہ کو سمجھنے سے قاصر اور سرگرداں ہے)

یعنی سلامتی سرے سے نہ ہونے میں ہے یا پھر ابدی زندگی میں ہے۔ ان دونوں کے بیچ کی حالت، جو ہم دنیا والوں کی ہے، یعنی دو عدم کے بیچ کی زندگی یہ تو سراسر بلا، مصیبت اور عذاب ہی ہے۔ پھر نجات کیسے ممکن ہو۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے ؎

چوں موے شدم زرنج ہر بے دادے ٭ در دہر نہ بود است چو من ناشادے

برخیزد اگر جہد بہ من تا بادے ٭ چوں چنگ زہر رگِ من زمن فریادے

دہر ظلم کی تکلیف کے اثر سے میں سوکھ کر بال کی طرح ہو گیا ہوں۔ دنیا میں میری طرح کوئی بھی ناشاد نہ ہوگا۔ ہواؤں کے تیز و تند جھونکے اگر مجھ تک پہنچیں تو ستار کی طرح مجھ سے میری اک اک رگ فریاد کرے)

لیکن چونکہ حکم ہے اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ نِصْفُهٗ شُکْرٌ وَ نِصْفُهٗ صَبْرٌ (ایمان کے دو حصے ہیں ایک شکر کا اور دوسرا صبر کا) اس لیے بندگی کی تکمیل کی یہی ایک صورت ہے کہ اس کی نعمتوں پر شکر کا حق ادا کرو۔ اور اس کی مصیبتوں اور بلاؤں پر صبر اختیار کرو۔ ایسا کرنے ہی سے بندگی کی بجاآوری کا حق ادا ہوگا۔ اور ایمان کے دونوں پہلوؤں کو استقامت حاصل ہوگی۔ اور مردانِ راہ کی اقتدا کا موقع ملے گا۔ پھر تم ان وعدوں کے مستحق ہو جاؤ گے جو صابروں اور شاکروں کے لیے کیے گئے ہیں۔

اے بھائی! ذرا غور تو کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ساری دنیا میں اپنے فضل و کرم سے کیسی کیسی اور کتنی کتنی نعمتیں بکھیر دی ہیں، دنیا والے جن کی گنتی سے عاجز ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے :۔
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو کامیاب نہ ہو سکو گے) ذرا اس پر بھی تو غور کرو کہ ان نعمتوں کے بدلے میں وہ تم سے مانگتا کیا ہے۔ بس یہی نا کہ میری نعمتوں پر شکر کرو اور میری مصیبتوں اور بلاؤں پر صبر کرو۔ اسی کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

ناکساں را بہ لطف خود کس کرد ﴿ شکر و صبرے ز بندگاں بس کرد

(جو کچھ نہ تھا اسے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ بنا دیا۔ پھر اپنے بندوں سے اس کے صلہ میں صرف صبر و شکر کے معاملہ پر اکتفا کیا)

؎ ہر چہ از ہدیہ داری اے درویش ہدیہ حق شمر نہ کدیہ خویش

(اے فقیر! جو کچھ بھی تجھے اس کریم کے در سے ملا ہے، اسے اپنا حق نہ سمجھ بلکہ اس کی جانب سے ہدیہ سمجھ)

دعا ہے کہ عاقبت و خاتمت بخیر ہو۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۷۸-۱-۱

مکتوب ــــــ ۵۲

محبّت وشوق کے بیان میں

بنام ملک شمس الدین

برادرعزیز شمس الدین! دعا،

بعد از تقدیم مراسم دعا معلوم ہو کہ خواجہ سلیمان کی معرفت آپ کا خط اور تحفۂ نقد و جنس پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ان تحفوں کو میرے لیے قبول فرمائے اور اچھا بدلہ عطا کرے۔ آپ نے اپنی تحریر و تقریر میں اس دعا گو سے محبت و شوق کا اظہار بارہا کیا ہے۔ اے بھائی! کسی کو دیکھ کر فریفتہ ہو جانا اور اس سے محبت کرنا یہ تو ایک عام سی بات ہے مگر صرف کسی کا نام سنکر فریفتہ ہو جانا عجیب سی بات ہے اور عجیب راز ہے۔

قطعہ

سرِ عشقش نہ گشت مدرکِ خلق ؛ زاں کہ بیرونست از قیاس وگماں

ایں عجب تر کہ نامِ اعظمِ او ؛ در دو عالم نہ گفت کس بزباں

(اللہ کے عشق کا راز مخلوق کی فہم و ادراک سے باہر ہے۔ اس لیے کہ وہ ذات اقدس وہم وگماں اور خیال و قیاس کی پہنچ سے بالاتر ہے۔ اور یہ بھی سخت تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا آج تک دونوں جہاں میں کوئی بھی یقینی طور پر پتا نہ دے سکا)

ذرا غور تو کیجیے کہ یوسف علیہ السلام کے سب بھائی مصر میں موجود تھے مگر ان میں سے کسی کو بھی یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو محسوس نہ ہوئی۔ لیکن کنعاں جو مصر سے اسّی فرسنگ (تقریباً ۵۵۰ میل) پر واقع تھا وہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو پہنچتی ہے۔ ایسا کیوں؟ یہ صرف اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام محب اور عاشق صادق تھے۔ اور محبوب و معشوق کی بو صرف محب و عاشق ہی پاتا ہے۔ دوسروں کو یہ کہاں نصیب! خواہ وہ ہم جلیس ہی کیوں نہ ہو۔

برادر عزیز! محبت کا یہ مسئلہ اور اس کے احکام بذات خود نہایت ہی عجیب و غریب ہیں جو اہل محبت و عشق ہی کا حصّہ ہیں۔ ظاہر اور صورت پرست لوگ اس سے بہت دور ہیں۔ ان لوگوں کا اگر اس پر صرف اتنا ایمان

ہو کر یہ بھی چکھنے کی چیز ہے تو یہی بہت ہے۔ اسی معنی میں کہا ہے۔ ؎

عقل و فرماں کشیدنی باشد ÷ عشق و ایمان چشیدنی باشد

(عقل اور فرمان کی باتیں ماننے کے لائق ہیں۔ عشق و ایمان کی باتیں چکھنے کے لائق ہیں۔)

یہی وہ باتیں ہیں جن کو بزرگوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ ہمارے پہلو سے لگے بیٹھے ہیں لیکن ہم سے ان کی دوری اتنی ہے جتنی مغرب و مشرق کی دوری۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو ہم سے بظاہر اتنی دور ہیں جتنی دوری مغرب و مشرق میں ہے لیکن حقیقۃً وہ ہمارے پہلو میں ہیں" ایسے ہی موقع کے لیے ایک ضرب المثل ہے۔ لَابُعْدَ مَعَ الْمُحَبَّةِ وَلَاقُرْبَ مَعَ الْعَدَاوَةِ (محبت میں دوری کوئی دوری نہیں۔ اور عداوت ہے تو نزدیکی کا کوئی اعتبار نہیں) سچ ہے جہاں محبت ہے وہاں دوری کیا بگاڑے گی۔ اور جہاں محبت نہیں ہے تو ظاہری قربت کیا فائدہ پہنچائے گی۔

نقل ہے کہ ایک اعرابی دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ مگر حسرت اس بات کی ہے کہ گھر بہت دور ہے اس لیے حاضری سے مجبور ہوں۔ آہ! میرا حشر کیا ہوگا؟ ارشادِ نبوی سنو! فرمایا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ہر آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے (یعنی محبت کرنے والا ہمیشہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس خوش خبری کو سننے کے بعد اس اعرابی کی مسرتوں کے کیا کہنے! بے حد مسرور ہوا اسی موقع کے لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

قطعہ

مانہ گدائیم چوں سلطانِ عشق ÷ از مدد حسن تو سلطانِ ماست

در سحر از غیب شنودیم دوش ÷ دردو جہاں دردِ تو درمانِ ماست

(جب سلطان عشق تمہارے حسن کے واسطے سے ہمارا بادشاہ ہے تو پھر میں اپنے کو گدائے بے نوا کیسے سمجھوں۔ کل صبح کے وقت میرے کانوں میں غیب سے یہ آواز سنائی دی۔ کہ تیرا درد ہی دونوں جہاں میں میرے غم کا مداوا ہے)

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد صحابۂ کرام کو اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی جتنی کہ اس دن ہوئی۔ جس دن حضورؐ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ بلاشبہ یہ حدیث تمام دل جلوں کے لیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے لیے داروئے شفا ہے۔ اور بادیہ محبت کے سرگرداں دیوانوں کے لیے دست گیری کرنے والی ہے۔ ؎

محرابِ جہاں جمالِ رخسارۂ ماست ÷ سلطانِ جہاں دردلِ بیچارۂ ماست

(دنیا کی اس محرابی فضا میں ہمارے ہی رخسار کا جمال ہے۔ سلطان جہاں ہمارے دلِ مجبور میں جلوہ فگن ہے)

بہر حال یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اگر واقعتہً محبت ہے تو پھر جہاں چاہیں رہیں محبت کے اصول پر حکماً اپنے محبوب کے ساتھ ہی شمار کئے جائیں گے۔ مغرب و مشرق کی کوئی قید نہیں۔ پھر مسافت کی دوری سے کیا خوف۔

قطعہ

منزل ہمتت بہ عالم قدس ٭ کے قدم گاہ جبرئیل بود

بے وسایط رسد بہ مقصد صدق ٭ چونکہ عشقش ترا دلیل بود

(تیری ہمت کی منزل عالم قدس ہے جہاں جبرئیل کے بھی پر جلتے ہیں + ظاہری اسباب کے بغیر بھی تو صدیقوں کے مقام تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ محبوب حقیقی کا عشق دلیل راہ ہو +)

اے بھائی! جب آپ کی عقیدت اور حسن ظن مجھ فقیر سے اس قدر ہے تو میں نے بھی قبول کیا۔ اپنے بزرگوں کی ایک ٹوپی بھیج رہا ہوں۔ لوگوں کی ایک دعوت کیجئے۔ اور چند درویش جو بھی وہاں موجود ہوں ان کی موجودگی میں اس ٹوپی کو پہنیے اور شکرانہ کی دو رکعت نماز ادا کیجئے اور رات دن میں ہر وقت باوضو رہیئے۔ ہر وضو کے بعد دو رکعت شکرانۂ وضو ادا کرتے رہیئے۔ اور روز شب میں جب بھی موقع ملے خواہ عصر کی نماز کے بعد ہی کیوں نہ ہو اس فقیر کے مکتوبات و ملفوظات میں جو کچھ بھی آپ تک پہنچے ہیں ان کو پڑھتے رہئے اور ہمیشہ مطالعہ میں رکھئے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق ان پر عمل بھی کیجئے۔ ؎

تقصیر مکن، ہیچ تو کردن طاعت ٭ کا نہا کہ ببایست ترا جملہ بداد ست

(اطاعت میں کمزوری نہ دکھاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صلاحیتیں تم کو دی ہیں)۔ اور مکتوبات کو اس اصول پر کہ اَلْعِلْمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (علم بھی دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے) اس طرح پڑھیں کہ گویا خود اس فقیر کی زبان سے سن رہے ہیں۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۲-۱۰-۷۸

مکتوب ——— ۵۳

بیوفائی دنیا اور اس کی مذمت کے بیان میں

بجانب ملک مذکور

کار عالم جز طلسم و پیچ نیست ٭ جز خرابی در خرابی ہیچ نیست

از طلسمِ او نشد آگہ کسے ٭ درمیانِ خاک و خوں دارد بسے

(دنیا کے تمام کام فریب نظر اور الجھنوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ مسلسل اور پیہم بربادی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے دنیا کی جادو نظری سے کوئی بھی باخبر نہ ہوا۔ یہ دنیا تو وہ ہے جو خاک و خون میں لپٹائے رکھتی ہے۔)

اے بھائی! دنیا مکار اور غدار ہے، بہروپیا ہے، شہد دیکھا کر زہر دینے والی ہے۔ اگر کسی کو صبح کے وقت نوازتی ہے تو رات کے وقت اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہے۔ اگر صبح کے وقت خطرے سے نکالتی ہے تو شام کو پاؤں پکڑ کر کھینچ لیتی ہے۔ اس کا آبگینہ غبار آلود ہوتا ہے اور اس کا پیالہ نیش زنبور سے خالی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ لوگوں نے کہا ہے۔ ے

از جامِ او مچش کہ در انجام زہرہاست ٭ گل برگِ او مبو، کہ در آں زہر و خارہاست

دہر ستیزہ کار نہ دارد وفائے کس ٭ دیدیم و آزمودہ شنیدیم بارہاست

(اس کے جام سے ایک گھونٹ بھی نہ پی کہ اس کے نتیجہ میں زہر ہی زہر ہے۔ اس کے پھول کی پتیوں کو نہ سونگھ کہ اس کے نتیجے زہر اور کانٹے ہیں۔ یہ جھگڑالو دنیا نے آج تک کسی کے ساتھ وفا نہ کی، بارہا دیکھا، آزمایا اور سنا ہے۔)

اے بھائی! ہوشیار رہو یہ دنیا بوڑھی دلالہ ہے۔ اس نے کتنے نوجوان بادشاہوں کو دلہن بن کر قتل کیا اور اپنے عاشقوں کو ذلیل و خوار کیا۔ اس نے جب کبھی کسی کو کچھ دیا، واپس لے لیا۔ اور اگر کبھی کسی پر کچھ عنایت کی تو دوگنا تاوان وصول کیا۔

مثنوی

دہد، بستاند و عارے نہ دارد ٭ بجز داد و ستد کارے نہ دارد

چہ بخشد مر ترا ایں سفلہ ایام ٭ کہ یک یک باز بستاند سرانجام

(دے کر واپس لے لیتی ہے اور اس کو اس میں ذرا بھر بھی شرم نہیں آتی۔ لینے دینے کے سوا اس کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ یہ کمینہ زمانہ تمہیں کیا دے گا۔ جب کہ ایک ایک کرکے واپس لے لینے کی اس کی عادت ہے+)

اے عزیز! دنیا ایک ساحرہ ہے۔ اس کی تمام زیب وزینت خواب کے مانند ہے۔ اس کا لباس، اس کی غذا سب خیالی ہے۔ اس کی لذت وخواہش کا انجام نجاست ہے۔ مگر افسوس! پھر بھی ایک عالم ہے کہ اس کے پیچھے سرگرداں اور پریشان ہے۔

رباعی

حالِ دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانئے ❊ گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانئے
باز گفتم حال آں کس گو کہ دل دروے بربست ❊ گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانئے

(ایک دانشمند سے میں نے دنیا کا حال دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ ایک خواب ہے یا ہوا ہے یا کوئی افسانہ ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس شخص کا حال بتاؤ جس نے اس سے دل لگایا۔ اس نے جواب دیا ایسا آدمی نہیں بلکہ بھوت ہے یا دیو یا دیوانہ ہے)

تعجب اور بالائے تعجب ہے کہ وہ دنیا جس میں شادمانی بغیر ماتم، خوشی بغیر غم، زندگی بغیر موت اور آب ودانہ تکلیف وبلا کے بغیر ملنا محال ہے پھر بھی ایک عالم ہے کہ اس کی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہونے کی وجہ سے سینکڑوں فتنہ ووبال میں مبتلا ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔

مثنوی

(۱) دنیائے دوں چوں سنگے سر کشید ❊ نیک وبد را تا بہ گرددوں در کشید
(۲) جملہ را تا حشر بر پیچید دست ❊ ہیچ کس از مکر ودام او نجست
(۳) خاکِ عالم جمع کن چوں خاک بیز ❊ بر سرِ دنیا ومردم خاک ریز
(۴) زانکہ گر یک لقمہ آں باشد ترا ❊ صد بلا از بعد آں باشد ترا

(۱) کمینی دنیا نے گھڑیال کی طرح سر نکالا۔ نیک وبد کو زمانے کے چکر میں ڈال دیا+ (۲) مستانہ وار سب کو قیامت تک الجھائے رکھی گی۔ اس کے مکر وفریب کے جال سے کوئی بھی باہر نہ نکل سکا+ (۳) ساری دنیا کی خاک جمع کرو پھر اس کو دنیا اور دنیا والوں کے سروں پر ڈال دو+ (۴) یہ اس لیے کہ دنیا داری کا ایک لقمہ بھی اگر تم نے کھا لیا۔ تو یاد رکھو کہ اس کے بعد سینکڑوں بلاؤں میں تم مبتلا ہو جاؤ گے+

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عالم تھا جس کے علم کا ذخیرہ چار سو صندوقوں میں محفوظ تھا۔ اس کا مشغلہ عبادت

کرنا اور علم کی اشاعت کرنے کے سوا کچھ اور نہ تھا لیکن صرف اتنی بات تھی کہ اس کا دل دنیا کی محبت سے آلودہ تھا۔ اُس زمانے کے پیغمبر پر وحی آئی کہ اس دُنیا دار عالم سے کہہ دیجئے کہ اگرچہ تم اطاعت و بندگی میں مشغول ہو اور علم کی اشاعت کے لیے چار سو صندوق رکھتے ہو۔ اس کے باوجود تمہاری عبادت اور خدمت اس وقت تک قبول نہ ہو گی جب تک تمہارا دل دنیا کی محبت سے خالی نہیں ہو جاتا۔ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

(۱) چوں تو دنیا دوستی، حق ذرۂ ❊ از تو نہ پذیرد، چہ باشی غرۂ!

(۲) چوں زدل دنیات دور افگندہ نیست ❊ جائے تو جز دوزخِ سوزندہ نیست

(۳) صد جہانِ علم بامعنی بہم ❊ دوزخ آرد باز با دنیا بہم

(۱) جب تک تمہاری دوستی دنیا سے ہے اللہ تعالیٰ ایک ذرہ بھی تمہاری جانب سے قبول نہیں فرمائے گا تم ہو کس گھمنڈ میں۔

(۲) چوں کہ تمہارا دل دنیا سے دور نہیں ہے، اس میں لگا ہوا ہے اس لیے تمہاری جگہ دوزخِ سوزندہ کے علاوہ کہیں اور نہیں ہے۔

(۳) علم کی سینکڑوں دنیا اور اس کے معنی میں اگر دنیا کی آمیزش ہے تو اس کا نتیجہ دوزخ اور صرف دوزخ ہے)

لیکن اے بھائیُ! ان سب برائیوں کے باوجود دنیا میں ایک بڑی خوبی بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ آخرت کی کھیتی ہے۔ خاص کر نیکی کمانے والوں کے لیے۔ تم عزیز پر خدا کا ہزار ہزار شکر واجب ہے اس لیے کہ اکثر آنے والوں نے تم عزیز کے متعلق متواتر یہ خبر دی ہے اور ان سب کا تمہارے متعلق یہی خیال ہے کہ تم نے دنیا کو آخرت کی کھیتی ہی بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ذوق و شوق کو اور زیادہ کرے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی محترم آل کے صدقے میں۔ چنانچہ حصول دنیا کی یہی ایک صورت ہے جس کو رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (صالح آدمی کے لیے پاک مال کتنا اچھا ہے) امید ہے کہ انشاء اللہ تم بھی ان ہی میں سے ہو گے۔ یعنی اس حدیث شریف کے مطابق دنیا بری نہیں کہی جائے گی اگر آخرت کے لیے ہو۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

چوں چنیں گردی ترا دنیا نکوست ❊ پس برائے دیں تو دنیا دار دوست

(جب تم سعید و صالح ہو گئے تو تمہارے حق میں دنیا بہتر ہے۔ دین کے لیے دنیا سے دوستی رکھ سکتے ہو۔)

اے بھائیُ! جس قدر بھی تم سے ہو سکے ہاتھ سے، زبان سے، قلم اور کاغذ سے، روپے پیسے اور

سازوسامان سے اس دنیا کی کھیتی میں آخرت کی کھیتی کرو۔ خواہ تمہارے پاس کفن کے لیے بھی کچھ نہ بچے تو پروانہ کرو۔ ؎

جملہ در بازو فروکن پائے راست ٭ گر کفن را ہیچ نہ گذاری رواست

(دین کی راہ میں سب کچھ ختم کردو۔ پھر اطمینان سے پاؤں پھیلا کر سو۔ پاس میں کفن کے لیے بھی اگر کچھ نہ بچے تو کوئی پروا نہیں۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۳-۱-۷۸

مکتوب ——— (۵۴)

بقدر ضرورت حاصل ہو جانے پر قناعت کرنا

بجانب خواجگی خاص پوری

کاتب حروف شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا

اے بھائی! غرض یہ ہے کہ دنیا کے عیوب اور اس کی بلاؤں کے متعلق اگر کوئی شخص تمام عمر دفتر کے دفتر سیاہ کرتا رہے تب بھی ختم نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بقدر ضرورت دنیا حاصل ہونے کے بعد بھی قناعت نہیں اختیار کر سکتا تو پھر اسے چاہیئے کہ بقدر حاجت حاصل ہو جانے پر قناعت اختیار کرے۔ تاکہ دنیا کی بلاؤں اور اس کے فتنوں سے نجات حاصل ہو۔ اور موت و قبر کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھ سکے۔

مثنوی

(۱) ہیچ کس را در جہانِ بحر و بر ❊ از قناعت نیست ملکِ بیشتر

(۲) ہر کہ در راہِ قناعت مرد شد ❊ ملکِ دنیا بر دلِ او سرد شد

(۳) نفس قانع گر گدائی می کند ❊ در حقیقت پادشاہی می کند

(۴) چوں ترا نانے نمر قانے بود ❊ ہر سر موئے تو سلطانے بود

(۵) ہر کہ او از دار دنیا پاک شد ❊ نورِ مطلق گشت اگرچہ خاک شد

(۱) اس دنیائے بحر و بر میں ہر شخص کے لیے قناعت سے بہتر کوئی مملکت نہیں ہے۔

(۲) جو شخص قناعت کی راہ کا مرد ہوا، اس کی نظر میں دنیا کی حکومت کی کوئی حقیقت نہیں۔

(۴) اگر تمہارے پاس کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑے ہیں تو ایسی صورت میں تمہارے جسم کا رُواں رواں بادشاہ ہے۔

(۵) جو شخص دنیا داری سے پاک ہوا بلاشبہ انوار الٰہی سے وہ منور ہوا اگرچہ دنیا والوں کی نگاہ میں خاک ہی کیوں نہ ہو۔

ایک درویش نے سکرات موت کی حالت میں اس کمبل کو جو اس کے جسم پر پڑی تھی اتار پھینکا۔ لوگوں نے

کہا یا حضرت! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ جواب دیا کہ بھائی! جیسا اس دنیا میں آیا ہوں ویسا ہی جانا چاہتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ اہل دل کو اسی میں راحت و آرام ہے۔ وہ دنیا کی بلاؤں اور فتنوں سے بہت دور رہے۔ فقیر کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فقیر کو چاہیئے کہ فاقے سے رہے اس لیے کہ جس رات کو وہ فاقہ کرتا ہے اس رات خود اس کو معراج حاصل ہوتی ہے۔ اہل تصوف کا قول ہے مِعْرَاجُ الْفَقْرِ لَیْلَۃُ الْفَاقَۃِ (فقیر کی معراج اس کے فاقے کی رات ہے) اب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ درویشی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ جس کسی نے کہا ہے خوب کہا ہے۔

مثنوی

گرچہ چندانے سلیماں کار داشت ؛ کز زمیں تا عرش گیر و دار داشت

مسکنت را قدر چوں بشناخت او ؛ قوت از زنبیل بافی ساخت او

سلیمان علیہ السلام کا اقتدار اس قدر اعلیٰ تھا کہ زمین و آسمان کی حکومت ان کے زیر نگیں تھی۔ مگر مسکینی کی حقیقت جب ان پر واضح ہوگئی تو تھیلی سے بُنائی کر کے رزق حاصل کرنے پر قناعت کی۔

اے بھائی! فقیری رازوں میں سے ایک راز ہے، تم نے دیکھا! شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملک اور ملکوت میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب پیش کئے گئے مگر آپ نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اور فرمایا اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرے لیے باعث فخر ہے)

آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائک بنایا۔ اور آٹھوں بہشت کو ان کے تصرف میں دے دیا۔ مگر جب ان کی نظر فقر کے راز پر پڑی تو آٹھوں بہشت کو گیہوں کے ایک دانے کے عوض بیچ ڈالا۔ کسی نے کہا ہے ؎

جانِ آدم چوں بہ سرِ فقر سوخت ؛ ہشت جنت را بہ یک گندم فروخت

آدم علیہ السلام کی روح جب فقر کے رموز و اسرار سے واقف ہوئی تو انھوں نے آٹھوں جنت کو ایک دانۂ گندم کے عوض فروخت کر دیا۔

اے بھائی! جب کبھی بھی شیطان دل میں کوئی وسوسہ ڈالے، نفس میں گھبراہٹ پیدا ہو، دنیا والے برا بھلا کہیں، فرعون و قاروں کی نعمتیں اور لذتیں سامنے آئیں اور تمہارا دل بھی اس کی طرف کچھ مائل ہو تو ایسی صورت میں اِس خط کو پڑھ لیا کرو۔ تسلی ہو جائے گی۔

مثنوی

عمر روزے پنج وشش می بگذرد ❊ خواہ ناخوش، خواہ خوش می بگذرد

چوں چنیں می بگذرد عمرے کہ ہست ❊ چیست جز یاد از چنیں عمرے بدست

(جب عمر پانچ چھ دنوں میں گذر جاتی ہے تو پھر خوشی میں ہوں جب بھی اور ناخوش ہوں جب بھی وہ تو گذر ہی جائے گی۔ جب اسی طرح زندگی کو گذرنا ہے تو پھر عمر کا حاصل یادِ ماضی کے سوا اور کیا ہے؟

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۷۸-۱-۴

مکتوب ــــ (۵۵)

حکمِ خداوندی پر صبر اور نزولِ بلا پر راضی رہنے کے بیان میں

بجانب رضی الملک محمود عوضی

برادرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اے بھائی! حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ سے حکایۃً ذکر ہے کہ لوح محفوظ میں سب سے پہلے جو چیز لکھی گئی وہ یہ تھی۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا، مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نَعْمَائِیْ لَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ۔ (بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ جو میرے فیصلے پر راضی نہیں، میری نعمتوں پر شاکر نہیں، میری بلاؤں پر صابر نہیں اسے چاہیے کہ میرے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کرلے)

اے بھائی! بصیرت رکھنے والے اور خداوندانِ معرفت اس حدیث کی تنبیہ اور ہیبت سے خوف زدہ ہوکر یہی چاہتے ہیں کہ وہ نیست و نابود ہوکر عدم ہی میں رہیں۔ مگر چونکہ عدم کا دروازہ بند ہے اس لیے مجبور ہیں کیا کریں پھر کہتے ہیں کہ ؎

جانے دارم کہ بارِ عشق تو کند ٭ تا در سر کارت نہ شود، نہ گریزم

(ایک جان رکھتا ہوں اسے تیرے عشق کی نذر کرتا ہوں۔ جب تک وہ تیری محبت میں کام نہ آجائے تیرے در سے نہیں ٹلوں گا)

نقل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں سے پوچھا کہ تم کون لوگوں میں سے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم مومن ہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ ایمان کی کون سی علامت تم میں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بلاؤں میں صبر کرتے ہیں، نعمتوں میں شکر بجالاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہوا رب کعبہ کی قسم تم لوگ مومن ہو۔

ایک عارف سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو رضا کی انتہا کو پہنچ گئے ہوں گے؟ جواب دیا کہ انتہا کو تو نہیں پہنچا ہوں البتہ اس کا ایک مقام حاصل ہوگیا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر مجھے پل صراط بنا دیا جائے تاکہ تمام

مخلوق ہم پر سے گذر کر بہشت میں پہنچے اس کے بعد دوزخ کو مجھ سے بھر دیا جائے تو قسم ہے اس رب العزت کی کہ میں اس پر راضی رہوں گا۔ ؎

ہر کرا یک خلعت دست داد ⁂ ہر دمش صد گونہ دولت دست داد

(جس شخص کو محبت الٰہی کا ایک ذرہ بھی نصیب ہوا تو گویا ہر سانس میں اس کو سینکڑوں دولت ہاتھ آئی)

گر محبت ذرۂ پیدا شود ⁂ کوہ از نیروے او دریا شود

(جس شخص میں حقیقی محبت کا ایک ذرہ بھی پیدا ہو جائے تو اس کی قوت سے پہاڑ بھی دریا ہو جائے)

ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کس سے راضی ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس شخص سے جو مُصیبت میں اسی طرح خوش رہتا ہے جس طرح نعمت میں۔ اسی کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

گر شود ایں درد دامن گیر تو ⁂ پس بود ایں درد دایم پیر تو

(محبت کا روگ اگر تجھے لگ گیا تو یہی روگ تیری رہنمائی کرے گا)

حدیث شریف میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں کے لیے کوئی ایسا کام دریافت کریں جس پر عمل کرنے سے وہ ہم لوگوں سے راضی ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ پروردگارا! جو کچھ تیرے بندوں نے کہا اسے تو نے سنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ! ان لوگوں سے کہدو کہ یہ لوگ ہر حال میں ہم سے خوش رہیں تو پھر میں بھی ان لوگوں سے راضی رہوں گا۔

مثنوی

بندہ آں بہتر کہ بر فرماں رود ⁂ کہ خداوند آنچہ خواہد آں رود

(بندے کے لیے یہی بہتر ہے کہ مالک کے حکم پر چلے۔ اور جو اللہ چاہے اس پر عمل کرے)

اے بھائی! بندگی کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ خود کو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی کر لیا جائے۔ اس لیے کہ تقدیرِ الٰہی تو نہ بدلی ہے اور نہ بدلے گی۔ پھر نالہ و فریاد، آہ و بکا، اور شور و شیون سے کیا حاصل؟ یہ تو گناہ ہی گناہ ہے۔ بلکہ یہ خطرہ ہے کہ مالک کہیں یہ حکم نہ دیدے کہ اگر میرا فیصلہ پسند نہیں تو فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ (جاؤ میرے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کر لو) — خبردار! خبردار!! ہوشیار رہو اور اس زہر کو شربت سمجھ کر خوشی خوشی گھونٹ جاؤ۔ اور مردانِ دین کی اتباع کرو اور مخنثانِ دنیا کے طریقوں سے بچو۔ سنو یہ شعر سنو ؎

عاشقاں نقلِ غمت با بادۂ احمر خورند ⁂ گرچہ غم تلخ است ہر یادِ تو چوں شکر خورند

(تیرے عشاق تیرے غم کا پیالہ سرخ شراب کی طرح پیتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ غم میں تلخی ہوتی ہے، تیری یاد میں مست

ہو کر شکر کی طرح پیتے ہیں ا

گویند مرا کہ با غمِ دوست ﴿ ایں صبر جو صبر چوں گوارد

بیمار بہ طبع تندرستی ﴿ گر زہر خورد شکر شمارد

(کہتے ہیں کہ مجھے دوست کے غم میں صبر جو مصبر کی طرح بدمزہ ہے گوارا ہے۔ جس طرح ایک بیمار جو صحت کا طالب ہے زہر کو بھی شکر سمجھ کر کھاتا ہے ا

اے بھائی! جس نے تقدیر الٰہی پر نظر رکھی وہ حق کے نظارے میں مشغول ہو گیا۔ سارے جہان کی بلا اگر اس کی گردن پر رکھ دی جائے تو وہ غم کے اس پہاڑ کو ایک ذرہ کے برابر سمجھے گا۔ اور جس کی نظر اپنی طرف ہوئی تو وہ نالہ و فریاد میں مشغول ہوا۔ بلا کا ایک ذرہ اسے ایسا معلوم ہوگا جیسے پہاڑ ایک تنکے پر رکھ دیا جائے اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔

مثنوی

نوش داں ہر چہ زہر او باشد ﴿ زشت و نیکو، ہمہ نکو باشد

سوے تو نام زشت نام نکوست ﴿ ورنہ محض عطاست ہر چہ ازوست

(محبوب کی جانب سے زہر بھی ملے تو اسے آب حیات سمجھو۔ بھلائی یا برائی جو بھی ہو ان سب کو اچھا ہی سمجھو۔ اچھائی یا برائی تو تمہاری اپنی وجہ سے ہے ورنہ اس کی طرف سے جو کچھ ملے سب عطا ہی عطا ہے۔)

ذکر ہے کہ ایک شخص عاشقی کے الزام میں پکڑا گیا۔ اور پانچ سو کوڑے اسے لگائے گئے۔ مگر وہ شخص ہنستا رہا۔ دیکھنے والوں نے کہا عجیب آدمی ہے کوڑے پر کوڑے کھا رہا ہے اور ہنس رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تم لوگوں کو کیا خبر؟ جس وقت مجھ پر کوڑے برس رہے تھے میرا محبوب میری نظروں کے سامنے تھا۔ میں اس کے نظارے میں ایسا محو تھا کہ مجھے کوڑے لگنے کی اصلاً خبر نہ تھی اور نہ احساس درد تھا۔

زنانِ مصر کا قصہ بھی کچھ اسی طرح مشہور ہے کہ حسن یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ایسی مدہوش ہوئیں کہ اپنی انگلیاں تراش لیں اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔

مثنوی

آں کہ از تیر او شرف دارد ﴿ دیدگاں از پے ہدف دارد

ہر بلاے کہ دل نماید ازو ﴿ از یکے تا ہزار شاید ازو

(جو بھی اس کے تیر نظر کا نشانہ بنا ہمیشہ اس کی نظر دوبارہ نشانہ بننے کی منتظر رہتی ہے۔

لہ عطا، قلمی نسخہ

جس طرح کی بلا بھی اس کے دل پر گذرتی ہے ویسی ویسی ہزار بلاؤں کا وہ طالب ہوتا ہے)

اے بھائی! جانتے ہو صبر کیا چیز ہے؟ صبر یہ ہے کہ اگر کوئی بلا یا مصیبت بندے کو پہنچے تو ناخوش نہ ہو۔ وَلِلّٰہِ مَآ اَعْطٰی وَلِلّٰہِ مَآ اَخَذَ فَمَنْ اَنْتَ فِی الْبَیْنِ ط (جو کچھ دیا وہ اللہ ہی کا تھا اور جو لیا وہ بھی اسی کا، پھر بیچ میں تم کون ہو) لہٰذا اپنے کو درمیان سے الگ کرلو اور مومن ہو جاؤ۔ اور ایمان کو جان کی طرح عزیز رکھو بلکہ سو جانیں اگر ہوں تو اس پر قربان کر دو تاکہ ایمان باقی رہے۔ بیوی بچے، ماں باپ، بھائی بہن جو بھی ہوں سب کو نچھاور کر دو۔

مثنوی

تشنۂ او میر گر تو زندۂ ❊ خاکِ ایں در باش گر تو بندۂ

ذرۂ دردِ خدا در دل ترا ❊ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

(اگر تو زندہ ہے تو رضائے الٰہی کی پیاس میں مر اور اگر تو اس کا بندہ ہے تو اس کے در کی خاک ہو جا۔ اگر تیرے دل میں محبت الٰہی کے درد کا ایک ذرہ بھی ہے تو وہ دونوں جہان کے حصول سے کہیں بہتر ہے۔)

حدیث ہے کہ اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ نِصْفُہٗ شُکْرٌ وَنِصْفُہٗ صَبْرٌ (یعنی ایمان کے دو حصے ہیں آدھا شکر آدھا صبر۔) بلا اور آزمائش کی بھی دو صورتیں ہیں یعنی کبھی نعمتوں سے نواز کر آزماتے ہیں اور کبھی مصیبت میں مبتلا کرکے۔ اگر نعمتوں سے نوازتے ہیں تو شکر کے طالب ہیں اور مصیبتوں میں صبر چاہتے ہیں۔ اسی کو کسی نے اسی طرح کہا ہے ؎

ناکساں را بہ لطفِ خود کس کرد ❊ شکر و صبرے ز بندگاں بس کرد

(بے حقیقت کو اپنی نوازشوں سے حقیقت بنا دیا۔ اور اس کے عوض بندے سے صرف شکر و صبر کا مطالبہ کیا۔)

اے بھائی! اگر اللہ کا کوئی بندہ نعمتوں میں شکر کرتا ہے اور بلاؤں میں صبر، تو جان لو کہ اس میں ایمان اور توحید دونوں ہے۔ اور اگر کسی کو ایمان و توحید کا دعویٰ کرتے ہوئے دیکھو اور اس میں یہ دونوں صفتیں موجود نہ ہوں تو سمجھو کہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ یعنی دعویٰ کے ساتھ اگر گواہ نہ ہو تو پھر دعویٰ کی حقیقت معلوم۔ اگر قاضی کے اجلاس میں کوئی شخص دعویٰ دائر کرے اور کوئی گواہ نہ پیش کرے تو مدعی کو کیا ملے گا؟ کچھ بھی نہیں ؎

نیست کس را از حقیقت آگہی ❊ جملہ می میرند بادستِ تہی

(حقیقت کی کسی کو خبر نہیں۔ لہٰذا سب لوگ خالی ہاتھ جان دے رہے ہیں۔)

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے فرمایا کہ اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ (ایمان میں صبر کا مقام ایسا ہے جیسے سارے بدن میں سر) یہ تو معلوم ہے کہ جس جسم پر سر نہ ہو وہ

کیا ہوگا۔ اسی طرح اس ایمان کا حال ہے جس میں صبر نہ ہو۔ اسی مناسبت سے کسی نے کہا ہے ؎

دور دور است در بلا خوردن ٭ بندہ بودن و بندگی کردن

(بلاؤں اور مصیبتوں کے جھیلنے کا نام زندگی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بندہ ہونا اور بندگی کا اظہار کرنا بھی زندگی ہے)

اے بھائی! بلاؤں میں وہ راز پوشیدہ ہے جو نعمتوں میں نہیں۔ یہی قانون الٰہی ہے۔ جو کچھ کامیابی کا راز ہے وہ بلاؤں کی اوٹ میں ہے۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ٭ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

(جتنی بلائیں بھی اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ ان سب کی تہ میں اپنی نوازشات کے خزانے چھپا رکھے ہیں)

بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ جناب ایوب علیہ السلام پر پیہم بلائیں اس قدر نازل ہوئیں کہ جسم پر جو کچھ گوشت تھا وہ ختم ہو گیا۔ مگر جناب ایوب علیہ السلام نے اُف تک نہ کی۔ جب جسم پر گوشت کا ایک ریشہ بھی باقی نہ رہا اور بلا انتہا کو پہنچ گئی۔ تو حضرت ایوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ بلاؤں کا سلسلہ اب ختم ہوا چاہتا ہے۔ کانپ گئے۔ اس لیے کہ جب بلا ختم ہو سکتی ہے تو عطا بھی ختم ہو سکتی ہے۔ اس لیے بلا کے زوال پر عطا کے زوال کے تصور سے لرز گئے اور فریاد کی۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ (اے میرے اللہ مجھے روگ لگا چاہتا ہے حالانکہ تو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے)

اے بھائی! فرعون کو چار سو برس تک آرام و آسایش بے مانگے ملتی رہی۔ لیکن اگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک پیاس کے ساتھ جو صبر و شکر، درد اور بلائیں ملی تھیں مانگتا تو ذرہ برابر نہ ملتی۔ جیسا کہ اس شعر میں کہا ہے ؎

فرعون را نہ دادیم اے دوست درد سر ٭ زیرا کہ او نہ داشت سرِ دردہائے ما

(اے دوست! فرعون کو میں نے اپنا درد سر نہیں دیا۔ اس لیے کہ اس کا دماغ میرے درد کے لائق نہیں تھا) یعنی بلاؤں کو برداشت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا پر جس روز بلا نازل نہ ہوتی تو وہ مناجات میں مشغول ہو جاتیں اور فریاد کرتیں کہ اے میرے اللہ! تو نے روٹی تو دی، لیکن بلا نہ دی جو اسے ہضم کر جائے۔

اے جبہ و دستار رکھنے والو! اور مرد ہونے کا دعویٰ کرنے والو! ہمت و طاقت ان کی دیکھو جو ایک عفت مآب خاتون ہیں۔ اور اپنے جبہ و دستار پر شرم کرو۔ اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے ؎

در باز سر از مردی در صفِ قتالِ او ٭ کز بہر سرے دررہ برکم بہ نہ باید بود

(اس کی طلب کی جنگ میں مردانہ وار سر کی بازی لگا دینی چاہیئے۔ صرف سر کے ڈر سے ہرگز پیچھے نہیں رہنا چاہیئے)

اور یہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ فقر و غنا میں سے کسی ایک کو اختیار کریں لیکن خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب عارفوں کے سردار تھے، فقر اختیار کیا اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ دنیا بلاؤں کا گھر ہے مگر فقر ہی میں دوستی کے تمام راز پوشیدہ ہیں۔ ؎

دو جہاں را بزیرِ پا آری ٭ گر ہوا را بزیرِ پا آری

(دونوں جہان سے تو مرتبہ میں بلند ہو جائے گا بشرطیکہ اپنی تمام خواہشات کو اپنے پاؤں سے روند دے)

چونکہ فرعون اور نمرود کو محبت الٰہی کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں انھیں صاحبِ دولت اور صاحبِ جاہ بنا دیا۔ اس لیے کہ لوگ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دوستوں اور یگانوں کے ساتھ کچھ اور ہے، اور بیگانوں اور دشمنوں کے ساتھ کچھ اور۔

ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا اِسْتَعِدَّ لِلْبَلَاءِ (بلاؤں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے جو کچھ بھی رکھا ہے وہ بلاؤں کے پردے میں رکھا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ٭ زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ است

(اللہ تعالیٰ نے جو بلا بھی اس قوم پر نازل کی ہے اس کے نیچے اپنی نوازشات کے بیش بہا خزانے چھپا رکھے ہیں) اور ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُجَرِّبُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلَاءِ كَمَا يُجَرِّبُ اَحَدُكُمُ الذَّهَبَ بِالنَّارِ (اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بلا کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھتا ہے اس طرح جیسے سونا آگ پر پرکھا جاتا ہے۔)

نقل ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زکریا علیہ السلام کے سر پر آرہ کا چلانا کوئی بلا نہ تھی۔ کیونکہ اسی وقت بلا ختم ہو گئی۔ سچ پوچھو تو بلا و مصیبت یہ ہے جو ہمارے سر ڈالی گئی ہے۔ کبھی فرماتے ہیں۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو ہرگز پیدا نہیں کرتا)، گویا ساری کائنات میرے لیے ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (امر آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے) میری بے بسی کی انتہا نہیں۔ اور اس کے بعد پیار کا یہ انداز ہے کہ میرے نام کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ لَعَمْرُكَ يَا مُحَمَّدُ (آپ کی عمر کی قسم یا محمدؐ) ساتھ ہی ساتھ تازیانۂ ناز بھی جاری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوٰى (کیا آپ کو یتیم پا کر میں نے آپ کی مدد نہیں کی؟)۔ کبھی تو عرش کو فرش بنا کر مجھے مہمان بلایا گیا اور کبھی ایک مٹھی بھر جَو کے لیے ایک یہودی کے دروازے تک پہنچایا۔

رباعی

گہ باکفِ پرسیم وگہے درویشم ❊ گہ بادل پرنشاط وگاہ دل ریشم
گہ دربسِ جملہ خلق وگہ پیشم ❊ من بوقلمون روزگار خویشم

(کبھی دولت سے کھیلتا ہوں اور کبھی فقیر بے نوا ہوں۔ کبھی دل مسرتوں سے لبریز ہوتا ہے اور کبھی زخموں سے چور۔ کبھی تمام مخلوق خدا سے الگ تھلگ اور کبھی مجلسوں میں پیش پیش۔ سچ ہے میں زمانہ کے ہاتھوں پلٹے کھا رہا ہوں)

اے بھائی! اللہ کا بندہ جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس نے سب سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا۔ دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اس لیے گواہ کے بغیر چارہ نہیں۔ ورنہ دعویٰ بیکار۔ محبت الٰہی کے دعوی کے ثبوت کے لیے دو ہی چیزیں ہیں وہ یہ کہ اس کی نعمتوں پر شکر اور اس کی بلاؤں پر صبر۔ کسی نے کہا ہے ؎

ناکساں راز لطف خود کس کرد ❊ شکر و صبرے ز بندگاں بس کرد

(بے حقیقت کو اپنی نوازشوں سے حقیقت بنا دیا۔ پھر بندے سے صبر و شکر کے مطالبہ پر معاملے کو ختم کر دیا)

اے بھائی! خدائے بزرگ و برتر کی جناب میں سب سے پیارا، سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ مکرم اور سب سے اعلیٰ مرتبہ والا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں۔ اور فرزندوں میں سب سے زیادہ عزیز، سب سے زیادہ شریف، سب سے زیادہ عالی رتبہ امیر المومنین حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ لہٰذا مصائب و آلام میں جب شیطان وسوسہ ڈالے تو ان ہی بزرگوں کی زندگی کو یاد کیا کرو۔ یہ اس لیے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ فَلْیَذْکُرْ مُصِیْبَتِیْ (جس کسی کو جب کوئی مصیبت پریشانی کا سبب بنے تو وہ میری مصیبت کو یاد کرے) مومن کے لیے یہی بہت کافی ہے۔ اتنا ہی میں قرار و سکون آ جانا چاہیئے۔ جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے ؎

ہر بلائے کہ جان نماید ازو ❊ در یکے در ہزار شاید ازو

(جب بلائیں اس کے جان پر گذرتی ہیں تو پھر وہ ایک نہیں بلکہ ہزاروں بلاؤں کا طالب ہوتا ہے)

اے بھائی! اتنا کچھ لکھنے کی غایت و غرض تمہارے دل کو تسکین اور تسلی دینا تھی۔ ورنہ مجھے تمہاری قوت و ہمت پر پورا اعتماد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مصائب و آلام کے تمام زہر گھونٹ جاؤ گے۔ اور تقدیر الٰہی کے سامنے جھک جاؤ گے اور اس کے فیصلے پر راضی رہو گے۔ میرے یہ خطوط وساوس شیطانی کے دور کرنے میں تمہارے لیے معاون ثابت ہوں گے۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ اصل کام جَو کی روٹی اور سرکہ کھانا پھٹی کمبل اوڑھنا اور پیوند لگے کپڑے پہننا نہیں ہے۔ بلکہ اصل کام اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی ہونا ہے۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

مثنوی

حکم حق سوے تو چوں کرد نگاہ ٭ جاں برآر از پے نثار نہ آہ
آہ تادم زند چوں تو مرداں ٭ آہ را ہم زراہ وا گرداں

(اللہ تعالیٰ کے کسی حکم نے بھی جب تمہاری طرف نظر کی تو شکریہ میں جان کو نچھاور کر دینا چاہیئے نہ کہ آہ بھرنا چاہیئے تم جیسے مرد کی زبان پر جب آہ آنا چاہے تو اس آہ کو راستہ ہی سے لوٹا دینا چاہیئے۔

مصیبت کے اس باب کو ہم اللہ تعالیٰ کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ کلام مجید میں اس بزرگ و برتر کا ارشاد ہے۔ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ایمان والوں پر جب کوئی مُصیبت آتی ہے تو بے اختیار وہ پکار اٹھتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔)

مثنوی

ہیچ کس[1] را جز تحیر راہ نیست ٭ آمد و شد جان کس آگاہ نیست
کارِ عالم جز طلسم و پیچ نیست ٭ جز خرابی در خرابی ہیچ نیست

(ہر دل کے لیے تحیر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس لیے کہ جان کے آنے اور رخصت ہو جانے کی کسی کو خبر نہیں دنیا کے کام طلسم اور الجھن کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دنیا میں خرابی در خرابی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

والسلام
مترجم
محمد نعیم ندوی
۷۸-۱-۷

---

[1] دل۔ قلمی نسخہ

مکتوب — (۵۶)

نفس کو شکست دینے کے بیان میں

بنام مولانا محمود سنکامی

ے ذرۂ دردِ خدا دردل ترا ÷ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

(محبت الٰہی کے درد کا ایک ذرہ بھی اگر تیرے دل میں ہو تو وہ کونین کے حصول سے بہتر ہے)

(اے بھائی! دل کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں ایک کامیابی کی خوشی کی اور دوسرے ناکامی کے غم کی مگر اس دل کا کیا کہنا جو ان دونوں کیفیتوں سے خالی ہو۔ اَلْقَلْبُ بَیْتُ اللّٰہِ (دل اللہ کا گھر ہے) دل کو کہا گیا ہے۔ ایسے دل میں شیطان کا گذر نہیں۔

مثنوی

اے دریغا جان وتن در باختیم ÷ قیمتِ جاں ذرۂ نہ شناختیم

تشنہ می میریم در طوفاں ہمہ ÷ وانکہ آب از چشمۂ حیواں ہمہ

[افسوس صد افسوس جسم وجاں کو ہم نے برباد کر دیا۔ جان کی حقیقت ذرہ برابر ہم نے نہیں پہچانی
طوفان کے درمیان پیاسا مر رہا ہوں۔ حالانکہ ہر جگہ آبِ حیات کے چشمے ابل رہے ہیں]

اے بھائی! لوگ جس حال میں زندگی گذارتے ہیں موت بھی اسی حالت میں آئے گی۔ کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ اور کل جب قبر سے اٹھائے جائیں گے تو کَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ (جس حال میں مرے ہیں اسی حال میں اٹھائے جائیں گے)۔ ایسی موت سے اللہ کی پناہ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ÷ تا ابد راہِ وصالت آں بود

زاں کہ ہر چیزے کہ سودائے تو آنست ÷ چوں بمردی نقد فردائے تو آنست

(دنیا میں تیرے خیالات جس طرح کے ہوں گے۔ آخرت میں ابدی زندگی بھی اسی طرح کی ملے گی۔
یہ اس لیے کہ دنیا میں جس چیز کے حصول کے لیے تو دیوانہ بنا رہا ہے، مرنے کے بعد وہی نقد سودا تجھے ملے گا،

خبردار! ایسا نہ ہو کہ غفلت کی وجہ سے تمہاری راہ کھوٹی ہو۔ چاہیئے کہ محبت الٰہی کے درد سے دل کبھی خالی نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کوشش کرتے رہو کہ اس درد میں اضافہ ہوتا رہے۔ اس لیے کہ آدمی کی قیمت اسی سوز و گداز سے ہے۔ ورنہ آدمی آدمی نہیں حیوانِ مطلق ہے۔ ؎

ہر کرا ایں دردِ عالم سوز نیست ٭ نیست درماں گر ترا ایں درد نیست

(جس کسی کے دل میں محبت الٰہی کی یہ عالم سوز آگ نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ رات ہی رات ہے دن نہیں ہے)

ہر کرا ایں درد نیست او مرد نیست ٭ نیست درماں گر ترا ایں درد نیست

(جو شخص اس درد کا حامل نہیں، وہ مرد نہیں۔ اگر تجھ میں یہ درد موجود نہیں ہے تو پھر کوئی تیرا علاج نہیں ہے)

اے بھائی! تم اس امر کی زیادہ کوشش نہ کرو کہ بہت زیادہ نمازیں پڑھو یا بہت زیادہ روزے رکھو۔ اس لیے کہ اکثر یہ دونوں نفس کو موٹا کر دیتے ہیں۔

(۱) نہ شوی در نہاد خود سالار ٭ بہ نماز و بہ روزہ بسیار

(۲) زاں کہ ہر چند گرد تر گردی ٭ زیں دو ہر لحظہ خواجہ تر گردی

(۳) گر ہمی لنگنت کند فربہ ٭ سیر خوردن ترا ز لنگن بہ

(۱) تو نماز و روزہ کی کثرت سے سردار نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس لیے کہ اگرچہ تو بظاہر عاجز ہوگا۔ لیکن ان دونوں کی وجہ سے ہر لحظہ بزرگ سمجھا جائے گا۔

(۳) اگر یہ ورزش تجھے موٹا بنا دے تو اس سے تیرے لیے سیر ہو کر کھانا بہتر ہے۔

بلکہ اس بات کی کوشش کرو کہ یہ تمہارا نفس جو ایک کتا ہے اور تمہاری راہ روکے ہوئے ہے یہ راہ سے ہٹ جائے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ میں تو ایک عاجز بندہ ہوں میں اس موذی کو راہ سے کیسے ہٹاؤں۔ تو یہ درست ہے۔ صورت حال بھی کچھ اسی طرح کی ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیئے۔ اور نہایت ہی عاجزی و انکساری کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگنی چاہیئے۔

مثنوی

خالقا تا ایں سگم در باطن است ٭ راہِ جانم سوئے تو نا امن است

یا بحکم شرع در کارش نگن ٭ یا بکلی در نمک سارش فگن

(اے میرے خالق! میرا نفس جو ایک کتا ہے جب تک وہ میرے باطن میں بیٹھا ہے اس کی موجودگی میں میری جان کے لیے تیری راہ محفوظ نہیں ہے۔ اے میرے اللہ! تو اسے شریعت کے کاموں میں لگا دے یا

اے بھائی! سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی مناجات میں یہ کہا کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَیْکَ (اے میرے اللہ! تجھ تک پہنچنے کی کیا صورت ہے؟) جواب ملا کہ دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَالَ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ) معلوم ہوا کہ نفس کافر ہی تو ہے جو راہ روکے ہوئے ہے۔ اور جب تک یہ نفس کافر راہ سے نہیں ہٹے گا دل بیدار نہیں ہوگا۔ افسوس تو یہی ہے کہ اس کی جگہ بھی دل ہی ہے، جو جلوہ گاہ محبوب ہے مٹی نہیں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں طالبانِ حق نالہ و فریاد کرتے ہیں۔

مثنوی

کاشکے ہرگز نزادے مادرم ٭ تا نہ کردے کشتہ نفس کافرم

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من ٭ تا نہ بودے جنبش و آرامِ من

(اے کاش! میری ماں مجھے پیدا نہ کرتی، تاکہ میں اپنے نفس کافر کا مقتول نہ ہوتا۔

اے کاش! کہیں میرا نام و نشان نہ ہوتا تاکہ نہ مجھ میں کوئی حرکت ہوتی اور نہ آرام و سکون ہوتا)

اے بھائی! یہ تو معلوم ہے کہ اس راہ کے طالب کا اصل کام نفس سے ٹکر لینا ہے اور یہی جہاد اکبر ہے۔ محض نماز روزہ یہ تو نفس کی فربہی کا سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شراب خانے میں بیٹھا شراب پی رہا ہے، اور کوئی زنار باندھے بت خانے میں پڑا ہے۔ غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ان سبھوں نے نفس کافر سے جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اِنَّ فِی الْخَمْرِ مَعْنیً لَیْسَ فِی الْعِنَبِ۔ (بیشک شراب میں جو لذت ہے وہ انگور میں نہیں) کسی نے کہا ہے ؎

بر درختِ بقائے روحانی ٭ از رہِ کفر در مسلمانی

(انسان جب بقائے روح کی بلندی پر کفر کی راہ سے گذر کر پہنچتا ہے تب مسلمان ہوتا ہے)

اسی مضمون کو کسی دوسرے نے اس طرح کہا ہے ؎

در بت کدہ در آو بنشین ٭ بربند بروے خرقہ زناز

(بہتر یہ ہے کہ تو بتکدے میں آجا اور فقیری کے خرقہ کے عوض زنار باندھ لے)

سچ ہے اس حقیقت سے وہی لوگ آشنا ہیں جو عارف باللہ ہیں اور ارباب معانی ہیں۔ دوسرے لوگ اسے کیا جانیں۔

مثنوی

طالباں در راہ حق خوں خوردہ اند ٭ بندگی و حق گذاری کردہ اند

لاجرم در بندگی سلطاں شدند ؛ مہتر خلق جہاں ایشاں شدند

(طالبانِ حق نے حق کی راہ میں خون جگر پیا ہے۔ تب کہیں جا کر بندگی اور حق گذاری کا حق ادا کیا ہے۔ بلاشبہ اسی بندگی کی بدولت سلطانی کے درجہ پر پہنچے ہیں۔ اور مخلوقات کی سرداری ان کو نصیب ہوئی ہے)

اے بھائی! جب تک عشق کا درد دل میں پیدا نہ ہو گا کوئی شخص طالب صادق نہیں بن سکتا۔ اور جب دل ہی نہ ہو تو یہ درد کہاں پیدا ہو گا؟۔ اور جب درد ہی نہیں، تو اس کا درماں (یعنی جلوۂ الٰہی) وہ کہاں نصیب ہو گا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مثنوی

(۱) چوں نہ داری درد درماں کے رسد ؛ چوں نہ تو بندہ فرماں کے رسد

(۲) تا ز دردِ خود نہ گردی سوختہ ؛ کے کند آتش ترا افروختہ

(۳) درد پیش آری و درماں باشدت ؛ جاں دہی امید جاناں باشدت

(۱) جب تم درد ہی نہیں رکھتے تو دوا تم تک کیسے پہنچے گی۔ جب تم غلام ہی نہیں ہو تو کوئی فرمان تم کو کیسے ملے گا۔
(۲) جب تک اپنے دل کے درد کی آگ میں نہ جلو گے۔ عشق کی آگ تمہیں منور کیسے کرے گی۔
(۳) پہلے اپنا درد پیش کرو پھر تمہیں اس کی دوا ملے گی۔ جان حوالے کرو پھر کہیں مالکِ جان کی جلوہ گری کی امید ہو گی)

اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس کافر نے راہ روک رکھی ہے پہلے اسے راہ سے ہٹانا چاہیئے تاکہ منزل نظر آنے لگے۔ کسی نے کہا ہے ؎

مثنوی

ازیں کافر کہ ما را در نہاد است ؛ مسلماں در جہاں کمتر فتاد است

ترا تا نفس کافر در کمین است ؛ کجا تو رہبری آں جا کہ دین است

(اسی نفس کافر کی وجہ سے جو طبیعتوں میں داخل ہے، دنیا میں مسلمان بہت کم ہیں۔
جب تک یہ نفس کافر تیری گھات میں ہے۔ تو اس جگہ کہاں پہنچ سکتا ہے جو تیری منزل ہے۔)

اے بھائی! اسی لیے ایک سالک کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ پہلے نفس کافر کو راستہ سے ہٹائے، خواہ کچھ بھی ہو، کعبہ میں ہو یا بتخانہ میں، آتش کدہ میں ہو یا شراب خانہ میں اس کام کو مقدم رکھے۔ بزرگی اسی میں ہے جیسا کہ کہا ہے۔

رباعی

در بتکدہ گر خیال معشوقۂ ماست ؛ رفتن بہ طواف کعبہ از عقل خطاست
گر کعبہ از و بوے ندارد کنش است ؛ با بوے وصال او کنش کعبۂ ماست

(محبوب حقیقی کا خیال اگر بتکدہ میں رہ کر قائم رہتا ہے تو ایسی صورت میں کعبہ کے طواف کے لیے جانا ازروئے عقل غلط ہے۔ کعبہ میں اگر محبوب کی خوشبو نہیں ہے، تو وہ بتخانہ ہے۔ اور اگر بتخانہ میں اس کے وصال کی خوشبو آتی ہے تو ہمارے لیے وہی کعبہ ہے)

یعنی اس گروہ کی نظر میں صورت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ معنی کا اعتبار ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ترک صورت گیر در عشق و صفت ❊ تا بتابد آفتابِ معرفت

ہر کرا آں آفتاب ایں جا بتافت ❊ آنچہ آں جا وعدہ بود ایں جا بیافت

(عشق میں صورت اور صفت کو ترک کرو تاکہ معرفت کا آفتاب تمہارے سامنے روشن ہو۔ جس کے سامنے دنیا ہی میں معرفت کا آفتاب روشن ہو گیا۔ بلاشبہ جس چیز کا وعدہ اس سے کیا گیا تھا، اس کو اسی دنیا میں مل گئی)۔

جس درویش یا مسافر میں یہ صفت پاؤ اس کی صحبت کو غنیمت جانو۔ اور جان و دل سے اس کی خدمت کرو، تاکہ دل قوی ہو۔ اور اگر اس کا موقع نہ ملے تو حسرت و غم کے ساتھ اپنی جھونپڑی میں بیٹھ کر اپنی کم نصیبی کا رونا رو۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری کرو اور آنکھوں سے خون کی ندیاں بہا دو اور یہ کہو۔

رباعی

گر بپذیری مرا بندۂ مقبول توام ❊ ور نہ پذیری مرا چاکرِ معزولِ توام

یار تو قبولِ تو مرا کارے نیست ❊ اینک کہ بہر دو حال مشغولِ توام

(تو اگر مجھے قبول کرے تو میں تیرا مقبول غلام ہوں۔ اور اگر قبول نہ کرے تب بھی تیرا بر طرف کیا ہوا غلام ہی رہوں گا۔ مجھے تیرے قبول کرنے، نہ کرنے سے کوئی غرض نہیں۔ میں تو ہر حال میں تیرے ہی خیال میں مشغول ہوں)

سچ ہے، غلام کو غلامی کرنے سے کام ہے نہ کہ خدائی کرنے سے۔ جانتے ہو بندگی کیا ہے؟ یہ ہے کہ وہ کرو جس کا حکم دیا جائے۔ اور جانتے ہو بندہ ہونا کیا چیز ہے؟ وہ یہ ہے کہ مالک حقیقی جس حال میں رکھے ویسے رہو۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

مثنوی

(۱) بندہ آں بہتر کہ بر فرماں رود ❊ کز خداوند ہر چہ خواہد آں بود

(۲) بندہ را تا ایں ادب نبود نخست ❊ بندگی از وے کجا آید درست

(۳) ہر کہ در بے حرمتی گامے نہاد ❊ در شقاوت خویش را دامے نہاد

(۱) بندہ کے لیے یہی بہتر ہے کہ مالک کے ہر حکم پر چلے۔ جس طرح مالک کے لیے یہ ہے کہ جو وہ چاہے وہی ہو۔
(۲) بندہ میں جب تک یہ ادب نہیں ہوگا۔ بندگی کا حق اس سے کس طرح ادا ہوگا۔
(۳) جس نے مالک کے حکم کے خلاف ایک قدم بھی باہر رکھا اس نے اپنی شقاوت کے لیے خود ہی جال بچھا لیا۔

اے بھائی! بندہ کے لیے تمام بلائیں اس کی اپنی خواہشات اور تمناؤں کی وجہ سے ہیں۔ یعنی غلامی بھی ہو۔ اور اپنی مراد و آرزو بھی پوری ہو، دونوں باتیں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے کہ الوہیت شرکت کو کبھی قبول نہیں کرتی۔ وہ کہتا ہے آمَّا اَنَا وَ اَمَّا اَنْتَ (یا میں یا تو) یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے) اس آیت کریمہ کے بعد بندوں کی تمام خواہش اور آرزو خاک میں مل جاتی ہے۔ ؎

دل و عقل از جلالِ او خیرہ ؛ تن و جاں از کمالِ او خیرہ

(دل و عقل جلالِ الٰہی کی تابش سے ماند پڑے ہیں۔ روح اور جان کمالِ باری تعالیٰ کو دیکھ کر حیران ہیں۔)

اے بھائی! انبیاء اور اولیاء، سلاطین اور امرا سب کے سب بہت سی چیزیں ایسی ہیں جسے وہ چاہتے ہیں کہ ہو لیکن نہیں ہوتیں۔ اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جسے وہ چاہتے ہیں کہ نہ ہو لیکن ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہی لازم ہے کہ جس بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اس پر ہم راضی ہو جائیں۔ اور سرِ تسلیم خم کرلیں۔ اور بندگی اختیار کریں۔ اس لیے کہ جس طرح موت سے چھٹکارا نہیں، بندگی سے بھی نجات نہیں۔ وہی ہوگا جو اس کی مرضی ہوگی۔ سبحان اللہ! کیسی شان ہے اس پاک بے نیاز کی۔

والسلام

لطیف آباد۔ حیدر آباد

محمد نعیم ۷۸-۱۰-۱۰

مکتوب ــــ ۵۷

دنیا بلاؤں کا گھر ہے

بنام خواجہ سلیمان

برادرِ اعز خواجہ سلیمان سلام و دعا

یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ بشیر آئے اور کیفیت بیان کی۔ اے بھائی! آدمی دنیا میں مبتلا ہے اور اسی ابتلا کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا ان گوناگوں بلاؤں کو برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ آدمی کی اپنی مراد کب پوری ہوتی ہے؟ جب تک اس کی رضا نہ ہو۔ دیکھو! دنیا میں قدم رکھنے کی ابتدا ہی بلا سے ہوتی ہے۔ آدمی جب شکمِ مادر میں ہوتا ہے تو اس کی غذا خون ہوتی ہے تو دنیا جو بلاخانہ ہے، یہاں آنے کے بعد کیا کھائے گا۔ اس لیے راضی برضائے الٰہی رہنے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے گردن جھکا دینے کے سوا دوسری کوئی تدبیر نہیں۔

مثنوی

سردو گرمِ زمانہ ناخوردہ ∴ نہ رسی بردرِ سراپردہ

ہر بلائے کہ جاں نماید ازو ∴ در یکے در ہزار شاید ازو

(زمانے کا سرد و گرم برداشت کئے بغیر اللہ تعالیٰ کے پردۂ خاص تک کوئی کیسے پہنچ سکتا ہے۔ جو بلا بھی محبوب کی جانب سے جان پر آتی ہے، ایک کیا؟ ہزار بھی آئے تو اسے قبول کر لینا چاہیے)۔

اے بھائی! پہلی سطر جو لوحِ محفوظ پر لکھی گئی یہ تھی۔ مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَآئِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نِعْمَآئِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَآئِیْ (جو شخص میری قضاء و قدر پر راضی نہیں ہوتا، میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا، میری بلاؤں پر صبر نہیں کرتا اسے چاہیئے کہ میرے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کرے) اس عبارت کی ہیبت و تنبیہ سے اچھے اچھوں کے پتے پانی ہو گئے اور دل کباب ہو گئے۔ نہ دن کے وقت کسی کو قرار ہے اور نہ رات کو نیند۔ اس عبارت کے بعد کاروبارِ دنیاوی مثلاً تجارت و زراعت وغیرہ جو زندہ

رہنے کا سامان ہیں ان کی نظروں میں کہاں سما سکتے ہیں۔ وہ تو موت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ کہاں وہ عارف باللہ لوگ اور کہاں عام مسلمان۔

اے بھائی! مسلمان ہونا اور مسلمان مرنا آسان کام نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر حال میں تقدیر پر صابر و شاکر رہنا چاہیئے اس کے علاوہ کوئی تدبیر نہیں ہے تاکہ ہر مسلمان ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

لطیف آباد - حیدر آباد

۱۱-۱-۷۸

مکتوب ـــــ ۵۸

منصب قضا کی مذمت میں

صدر العلماء مولانا حمید الملّت والدین کے نام

شرف منیری کی جانب سے صدر العلماء مولانا حمید الملت والدین سلام وتحیتہ مطالعہ فرمائیں

معلوم ہوا ہے کہ آپ نے عہدۂ قضاء کی ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ اس کے خطرات کو جانتے ہوئے اتنی بڑی ذمہ داری کیسے قبول کر لی، تعجب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم معرفت کے حصول کے سلسلہ میں آپ کے دل میں کوئی خلل واقعہ ہوا ہے۔ ورنہ علم معرفت کے فوائد وثمرات سے محرومی کا کام آپ ہرگز نہ کرتے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ میں ہرگز مشغول نہ ہوتے۔ یہ تو معلوم ہے جیسا کہ لوگوں نے کہا ہے۔

مصرع   علمے کہ راہ بہ حق نہ نماید جہالت است

(وہ علم جو اللہ کی راہ نہ دکھلائے جہالت ہے)

مثنوی

علم را چوں تو خوانی از بازی ❊ آلت وساز جاہ ازاں سازی

علم سوئے درِ الٰہ برد ❊ نہ سوئے نفس ومال وجاہ برد

(علم کو جب تم نے حصول دنیا کے لیے پڑھا تو تم نے اس کے ذریعہ دنیاوی ساز وسامان اور جاہ ومرتبہ حاصل کیا۔ صحیح علم تو وہ ہے جو اللہ کے دروازے تک لے جاتا ہے۔ نہ کہ نفس پرستی، مال اور مرتبے کی طرف لے جاتا ہے)

مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کل قیامت کے دن اپنا حشر قاضیوں کے ساتھ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ افسوس! صد افسوس! کہ اتنے علم ودانش کے باوجود اتنے پرخطر کام کی طرف قدم اٹھایا۔ ایسے علم سے خدا کی پناہ جو بندہ کو خدا سے جدا کر دے۔ اور اس کی راہ کے لیے حجاب بن جائے۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

مثنوی

نان وجامہ سپید ایں منزل ❊ نہ فزاید مگر سیاہی دل

حرف کو کاغذے سیاہ کند ❊ دل کہ تیرست کے چوں ماہ کند

(اس منزل میں روٹی اور سپید پوشی دل کی سیاہی میں اضافے کے سوا کچھ بھی نہیں۔
حروف جو کہ کاغذ کو سیاہ کرتے ہیں، تاریک دل کو کیونکر منور کر سکتے ہیں۔)

ہوشیار! ہوشیار! عمر کا آخری حصہ ہے۔ مہلت بہت کم ہے کسی طرح اپنے کو اس زمرہ سے باہر نکال لیجئے اور جو کچھ ہو چکا اس کے لیے توبہ اور استغفار کیجیئے۔ جھگڑے والی کتابوں کے مطالعہ سے اور لوگوں کی دشمنی سے کترا کر نکل جایئے۔ اور مشائخ طریقت اور اہل تصوف کے ملفوظات کو سامنے رکھئے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جایئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ قلب نفس پرستی سے ہٹ کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے اور خدا پرستی میں لگ جائے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا کہ باشد یادِ غیرے در حساب ❊ ذکرِ مولیٰ باشد از تو در حجاب
چوں ہمہ یادِ تو از مولیٰ بود ❊ ہمچوں مجنونت ہمہ لیلیٰ بود

(جب تک اغیار کی یاد تیرے ذہن و فکر پر چھائی ہوئی ہے مولیٰ کے ذکر سے تو حجاب میں رہے گا۔
اور جب تو ہمہ وقت مولیٰ کی یاد میں لگا رہے گا تو مجنوں کی طرح ہر چیز تیرے لیے لیلیٰ ہو جائے گی)

اے بھائی! اللہ کی راہ میں مجھے جو آپ سے تعلق رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لکھوں مگر چونکہ آپ مال و جاہ کے گرویدہ ہو چکے ہیں جو ان میں سے ایک بت کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا زنار کی۔ ایسی صورت میں شاید میری تحریر پسند نہ آئے اور لکھنا بے سود ہو اس لیے ان چند سطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مثنوی

(۱) رہ رواں رفتند و تو در ماندہ ❊ حلقہ بر سر زن کہ بر در ماندہ
(۲) راہ زد مشغولیِ عالم ترا ❊ نیست پروائے خدا یک دم ترا
(۳) آخر از خوابِ عمل بیدار شو ❊ یکدم از مستِ ہوا ہشیار شو
(۴) چوں نمی آئی بسر از خویش تو ❊ چوں توانی شد خدا اندیش تو
(۵) چند گویم ہر کہ مردِ دیں بود ❊ دردلش یک ذرۂ درد ایں بود
(۶) سر بسر سرگشتگاں در کارِ او ❊ تو چنیں آزاد از اسرارِ او

(۱) تمام ساتھی آگے نکل گئے اور تو پیچھے رہ گیا، ماتم کر! کہ تو دروازہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔

(۲) دنیاوی مشغولیتوں نے تیری راہ روکی۔ لہٰذا تجھے خدا کی کوئی پروانہ رہی۔

(۳) اب بھی اپنی بے عملی کے خواب سے بیدار ہو، اور خواہشات کی مستی سے ہوشیار ہو۔

(۴) جب تجھے خود اپنا خیال نہیں ہے تو پھر تو خدا اندیش کیسے ہو سکتا ہے۔

(۵) میں تجھے کس طرح سمجھاؤں کہ وہ لوگ جو دین کے مردان راہ ہیں، جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی یہ درد ہے۔

(۶) وہ لوگ تو سرگشتہ و پریشاں ہمہ وقت اللہ کی طلب میں لگے ہوئے ہیں، اور تو اسرار الٰہی سے اس قدر غافل اور آزاد ہے۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

لطیف آباد۔ حیدرآباد

۱۲۔ جنوری ۱۹۷۸ء

مکتوب ——— ۵۹

دعویٰ محبت اور دوستی کے اظہار میں

برادر اعز محمد دیوانہ ! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دیوانوں میں شامل کرے۔
شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا مطالعہ کریں ——— آں برادر کے چند خطوط ملے۔ اور مرزا یادگار کے خطوط بھی برابر ملتے رہے۔ جزاک اللہ بالخیر۔ خطوط میں شوق و محبت کا ذکر تھا۔ اَلْمُحِبُّ لَا یَکُوْنُ اِلَّا مُشْتَاقًا (جو محب ہوتا ہے وہ مشتاق ہوتا ہے) تم کو دعویِ محبت ہے تو اے بھائی! محبت تو ایک دعویٰ ہے اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ اسی لیے لوگوں نے کہا ہے کہ دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے لیکن دعویٰ کے لیے دلیل پیش کرنا نہایت دشوار کام ہے۔

اے بھائی! یہی تو ایک اہم مسئلہ ہے جس سے کمر ٹوٹتی ہے۔ اس لیے ہوشیار رہو، کسی مدعی کو ثبوت پیش کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ وہ تو تم نے سُنا ہی ہوگا کہ جب حضرت خلیل علیہ السلام کو منجنیق پر بٹھایا تو انھوں نے کہا حَسْبِیَ اللّٰہُ (میرے لیے اللہ کافی ہے) یہ بھی تو ایک دعویٰ تھا۔ فوراً دلیل کا مطالبہ ہوا۔ ابھی شعلوں تک پہنچے بھی نہ تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور پوچھا ھَلْ لَکَ حَاجَۃٌ (کیا آپ کو مدد کی ضرورت ہے؟) حضرت خلیل نے فوراً سوال کیا اِمَّا اِلَیْکَ (کیا میں تم سے مانگوں؟ نہیں ہرگز نہیں)

اے برادرِ عزیز تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اظہار کیا اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا (میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں مومن تھا) حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دلیل طلب کی۔ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ حَقِیْقَۃٌ فَمَا حَقِیْقَۃُ اِیْمَانِکَ (ہر ایک شے کی حقیقت ہوتی ہے پس تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟) حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دعوی کی دلیل میں اپنا حال پیش کیا۔ اَعْرَضْتُ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا اَسْھَرْتُ لَیْلِیْ وَاَظْمَاتُ نَھَارِیْ وَاسْتَوٰی عِنْدِیْ ذَھَبُھَا وَفِضَّتُھَا وَحَجَرُھَا وَمَدَرُھَا۔ (میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پھیر لیا اور میں نے رات کو شب بیداری کی اور دن کو روزہ رکھا۔ میرے نزدیک سونا، چاندی، پتھر اور ڈھیلا سب برابر ہوگیا) حضرت حارثہؓ اگر یہ دلیل پیش نہ کرتے تو دربارِ رسالت میں ان کی آبرو کیا رہ جاتی۔

اے بھائی! ایک واقعہ اور سنو۔ ایک عزیز فقیروں کی ایک جماعت میں پہنچ گئے۔ اور کہا السلام علیکم۔ فقرا نے سوال کیا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا فقیروں کا غلام ہوں۔ ان فقیروں میں سے ایک نے ایک فقیر کو حکم دیا کہ اٹھو اور اس غلام کو بازار میں بیچ آؤ۔ وہ انھیں بازار لے گیا اور بیچ ڈالا۔ خریدار جب ان کو اپنے گھر لے گیا۔ اس نے جب ان کی خدمت گذاری اور دیگر احوال کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اور کہا سبحان اللہ تم جیسا آدمی غلام کیسے بن گیا؟ پھر کہا اے بزرگوار اب مجھے اس راز سے آگاہ کیجیے، اور جائیے اپنے کام میں مشغول ہو جائیے میں نے آپ کو آزاد کر دیا۔ انھوں نے کہا اے میرے مالک! میں نے فقیروں کے گروہ کے سامنے ایک دعویٰ کیا تھا کہ میں فقیروں کا غلام ہوں۔ انھوں نے میرے اس دعویٰ کی دلیل طلب کی۔ دلیل تو وہی ہو سکتی تھی جسے آپ نے دیکھا۔

اے بھائی! خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو معنی کی راہ اختیار کرو۔ اور محض دعویٰ کرنے سے دور بھاگو۔ ورنہ فوراً دلیل کا مطالبہ شروع ہو جائے گا۔ بلاشبہ یہ میرا اور تمہارا کام نہیں ہے۔ جواں مردوں کا کام مخنثوں سے انجام پانا محال ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْحُرُوْبِ رِجَالًا وَلِلْقَصْعَةِ رِجَالًا۔ (اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو میدان جنگ کے لیے پیدا کیا ہے اور کچھ لوگوں کو پیالہ چاٹنے کے لیے) وہ لوگ جو تلوار چلاتے ہیں اور تلوار کھاتے ہیں، دوسرے ہیں۔ اور جو پیالہ چاٹتے ہیں وہ دوسرے ہیں۔

مثنوی

گردنے بایدت عزازیلے ٭ تا زند دستِ لعنش سیلے

آں کہ از تیر او شرف دارد ٭ دیدگاں از پئے ہدف دارد

(تجھے عزازیل جیسی گردن چاہیے، تاکہ لعنت کا ہاتھ اس پر پڑتا رہے +

جو محبوب کے تیر نظر کا نشانہ بنا، اس کی نگاہ ہمیشہ دوبارہ نشانہ بازی پر لگی رہتی ہے۔)

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۱۳-۱-۷۹

مکتوب ——— (۶۰)

ابتلا اور خوف ورجا کے بیان میں

بندہ آں بہتر کہ برفرماں رود ٭ کہ خداوند آنچہ خواہد آں رود

(بندے کے لیے یہی بہتر ہے کہ مالک کے ہر حکم پر چلے۔ جس طرح مالک کے لیے یہ ہے کہ جس طرح وہ چاہے وہی ہو)

برادرِ عزیز! کاتب حروف کی جانب سے سلام و دعا

سنا گیا ہے کہ آزمائش کے طور پر کچھ بلائیں سامنے آئی تھیں جس کی وجہ سے تم کو کچھ تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ بھائی! دنیا جب دارِ ابتلا اور خانۂ بلا ہے تو اس میں مبتلا ہونے سے کون بچ سکتا ہے۔ ؎

عالمے پر تفرقہ است از پیش و پس ٭ ندہد او یک ذرہ جمعیت بکس

(دنیا آگے پیچھے ہر طرف سے تفرقہ سے بھری ہوئی ہے، یہاں ذرہ برابر بھی کسی کو اطمینان نصیب نہیں۔)

اے بھائی! باوا آدم اس قدر اعزاز و احترام کے باوجود جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، بہشت ایسی ناز و نعم کی جگہ میں ابتلا سے محفوظ نہ رہ سکے تو ان کی اولاد اس دنیا میں جو بلاؤں کا گھر ہے، ہزاروں گناہ اور آلودگیوں کے ساتھ بلاؤں سے کیوں کر سلامت رہ سکتی ہے۔ لیکن اس کی مرضی نے سب کی مرضی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے یعنی وہی ہوگا جو وہ چاہتا ہے۔ مَا شَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَآءْ لَمْ یَکُنْ (جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہیں ہوا) خواہ تم چاہو یا میں چاہوں کچھ نہ ہوگا۔ وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔ ؎

آں کند جملہ کہ خود خواہد مدام ٭ وانچہ باید خلق را نہ کند تمام

(ہمیشہ وہی کرتا ہے جو وہ خود چاہتا ہے، جو مخلوق کو چاہیئے وہ اسے پورا نہیں کرتا۔)

لَیْسَ لِلّٰہِ شَرِیْکٌ ۔ (اللہ کا کوئی شریک نہیں) بلاشبہ اس کی الوہیت میں کسی کی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔

اے بھائی! انبیاء اور اولیاء صلوٰۃ اللہ علیہم کا حال یہی رہا ہے۔ کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں انھوں نے چاہا کہ ہو اور وہ نہ ہوئیں۔ اور کتنی چیزیں ہیں جن کے لیے انھوں نے چاہا کہ نہ ہوں اور وہ

ہوئی۔ ان کے علاوہ سلاطین و امراء اور ملوک وزرا وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ ھٰکَذَا الرُّبُوْبِیَّۃِ وَالْعُبُوْدِیَّۃ (ربوبیت اور عبودیت اسی کا نام ہے) بلاشبہ رب رب ہے اور عبد عبد ہے۔ ؎

زود بر مرادِ ما کارے ❊ بندہ بودن چنیں بود آرے

(ہماری خواہش کے مطابق کوئی نہیں ہوتا، ہاں! بندہ ہونا اسی کا نام ہے۔)

اے بھائی! اگر کام بندہ کی خواہش کے مطابق ہوتا تو بلاشبہ یہ منصب انبیاء اور اولیاء کو حاصل ہوتا جو بندگی میں خاص الخاص کا درجہ رکھتے ہیں۔ جب بندگی اس کا نام ہے تو پھر ہم جیسے غلاموں کو کیا کرنا چاہیئے؟ یہی ایک صورت ہے کہ تقاضائے مشیئت کے سامنے سر جھکا دیں اور جو اس کی رضا ہو اس پر راضی ہو جائیں اپنی مراد سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور اپنی نامرادی کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ اس لیے کہ مراد اور بندگی دونوں یک جا نہیں ہو سکتے۔ ؎

کس چہ داند تا چہ حکمت می رود ❊ ہر وجودے را چہ قسمت می رود

(کسی کو کیا خبر کہ منشائے الٰہی کیا ہے؟ اور کس کی قسمت میں اس نے کیا لکھا ہے)

اے بھائی! یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نامرادی جو بظاہر ناکامی معلوم ہو رہی ہے حکمت الٰہی میں وہی بندہ کی صلاح و فلاح کا سبب ہو۔ یقیناً وہی بہتر جانتا ہے۔ وَلِلرَّحْمٰنِ اَلْطَافٌ خَفِیَّۃٌ (پروردگار کی نوازشات پوشیدہ ہوتی ہیں)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف نگاہ کرو۔ ایک بے گناہ نابالغ بچہ کو اس کے بھائی کوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور بوڑھا باپ اپنے پیارے لختِ جگر کی جدائی میں سالہا سال تڑپتا رہتا ہے۔ پھر اس بچہ کو کوئیں سے نکال کر مصر کے بازار میں غلامی کے لیے بیچ ڈال دیتے ہیں۔ یہیں سے فتنہ شروع ہوتا ہے یعنی مالکہ فریفتہ ہوتی ہے ایسے میں عصمت محفوظ رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ پھر غلامی سے نکال کر مصر کی بادشاہت سپرد کی جاتی ہے اور وہ بھائی سب جن سے یہ عظیم گناہ سرزد ہوا تھا ان سبھوں کے سر پر نبوت کا تاج رکھا جاتا ہے۔ تقدیر کا تماشا دیکھو! وہم و گماں کی یہاں کیا گنجائش ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

خونِ صدیقاں ازیں حسرت بریخت ❊ وآسماں بر فرقِ ایشاں خاک ریخت

گرچہ رہ جستند ہر سوئے ازیں ❊ پے نہ بردند اے عجب موئے ازیں

(صدیقوں کا خون اسی حسرت میں بٹایا اور آسمان نے ان کے سروں پر خاک ڈالی + اگرچہ ان لوگوں

نے اس سے چھٹکارے کے لیے راہیں تلاش کیں مگر بال برابر بھی چھٹکارے کی صورت نظر نہ آئی۔عجب تماشا ہے)

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کے بھیدوں کی جب جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کو کچھ خبر نہیں تو ہم اور تم اور ہماری طرح دوسرے لوگوں کو کیا خاک خبر ہو سکتی ہے۔ ملائکہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا اس کے بعد انھیں جنت سے نکلوا دیا گیا۔پھر ندا کرائی گئی وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی)

نقل ہے کہ کل قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام جب اپنی اولاد کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اولاد آدم کے ہجوم کی وجہ سے بہشت کے دروازے پر ایک اژدہام ہوگا۔فرشتے آواز سن کر تعجب کریں گے اور کہیں گے سبحان اللہ! یہ وہی آدم ہے جسے بہشت سے برہنہ نکالا گیا تھا۔اب بات واضح ہوگئی کہ قضاو قدر کا مسئلہ سب کی سمجھ سے باہر ہے ؎

تابدانی تو کہ در پایانِ کار ٭ نیست کس الا کہ سرگردانِ کار

(یہ بات تمہیں معلوم ہونی چاہیئے کہ عمل کا نتیجہ عمل کی سرگردانی کے سوا کچھ نہیں۔اس کا علم کسی کو نہیں ہے)

اے بھائی خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیئے۔اور تقدیر و قضا کے خوف سے ہر گز خالی نہیں رہنا چاہیئے کہ اَلْمُؤْمِنُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ فرما دیا گیا ہے (یعنی مومن کا مقام خوف و رضا کے درمیان ہے) بزرگوں نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ مومن کی امید ایسی ہونی چاہیئے کہ آسمان اور زمین کے برابر گناہ کرنے کے بعد بھی بخشائش سے ناامید نہ ہو۔اور خوف کا یہ عالم ہو کہ ساتوں آسمان اور زمین کے برابر اطاعت و فرماں برداری کے باوجود مواخذہ سے مطمئن نہ ہو۔ ؎

ایں قدر زو صبر کن کا ساں بود ٭ تا خوش و ناخوش ترا یکساں بود

(یہاں تک صبر کر کہ تیرا کام آسان ہو جائے، اور خوشی و ناخوشی تیری نظر میں دونوں برابر ہوں)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میری امید کا یہ عالم ہے کہ اگر کل قیامت کے دن یہ ندا کرائی جائے کہ آج کے دن ایک شخص کے علاوہ کوئی دوسرا جنت میں نہیں جائے گا تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔اسی طرح میرے خوف کا یہ حال ہے کہ اگر کل قیامت کے دن یہ آواز آئے کہ آج کے دن دوزخ میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر صرف ایک آدمی۔تو میں سمجھوں گا کہ وہ آدمی میں ہی ہوں گا۔

اے بھائی! جب مالک مطلق ہے تو حق تصرف بھی مطلق ہی ہوگا۔اگر بخش دے، دوزخ سے آزاد کر دے، بہشت میں پہنچا کر دل شاد کرے یا گرفت میں لے کر دوزخ میں ڈال دے۔اس کے ان سب کرشموں کو اس کا فضل ہی کہا جائے گا۔اور اگر مواخذہ کرے اور پھر دوزخ سے آزاد کر دے تو یہ اس کا عدل ہوگا۔اس لیے کہ تصرف اپنی ملکیت میں ہے جو چاہے کرے۔ ؎

بد ما نیک شد چو پذیرفتی ٭ نیک ماگشت بد چو بگرفتی

(میری برائیاں نیکی بن گئیں، جب تونے قبول کرلیا۔ نیکیاں میری برائی ہوگئیں جب تونے مواخذہ کیا)

اے بھائی! یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ کے لیے صرف دو راہ ہے خوف اور امید، لہذا یا تو فضل ظاہر ہوگا یا عدل۔ اگر فضل نمودار ہو تو رہائی ہے اور اگر عدل ظاہر ہو تو گرفتاری ہے۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

گر فضل کنی یقین برستیم ہمہ ٭ در عدل کنی وائے بہ رسوائی ما

(اگر تو فضل کرے تو تمام الجھن سے چھٹکارا نصیب ہو اور سب کی رہائی ہو، اور اگر عدل کرے تو حسرت ہے ہماری رسوائی پر)

خلاصہ یہ کہ اپنے ہاتھ اور زبان سے اور اپنے کاغذ و قلم سے لوگوں کے دلوں کو راحت پہنچاؤ اور فرصت کو غنیمت جانو۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی ۱۵-۱-۷۸ء

لطیف آباد۔ حیدر آباد

وقت ایک بجے شب

مکتوب — ۶۱

کام فضل سے بنے گا نہ کہ عدل سے

مثنوی

از درِ خویشم مگرداں ناامید ٭ از سرِ لطفے سیاہم کن سپید

در رہِ بیم و امید افتادہ ام ٭ در سیاہ و در سپید افتادہ ام

(اے میرے اللہ! مجھے اپنے دروازے سے ناامید نہ لوٹا، بلکہ اپنی ایک ذرا سی مہربانی سے میرے اعمال کی سیاہی کو سپیدی سے بدل دے۔ میں امید و بیم کے دوراہے پر پڑا ہوا ہوں۔ میں سیاہ و سپید کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔)

اے بھائی! تم جہاں بھی رہو، ناامیدی کو پاس بھی پھٹکنے نہ دو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کام اطاعت گذاروں کی طاعت سے مقدس ہیں۔ اور معصیت کرنے والوں کی معصیت سے پاک ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسباب و علل کا وہاں گذر نہیں۔ ؎

نے ہمہ آں جائے گر طاعت خرند ٭ عجز ورزند، ضعف ہر ساعت خرند

(وہاں ہر جگہ بندگی کی خریداری نہیں ہوتی بلکہ وہاں تو عجز و انکساری قبول کرتے ہیں اور ضعیفوں کی خریداری ہوتی ہے)

بزرگوں نے بھی ایسے ہی موقع کے لیے کہا ہے اَلْفَضْلُ لِمَنْ فَضَّلَ اللّٰہُ لَا بِالْعَمَلِ وَلَا بِالْجَوْہَرِ (فضل اسی کے لیے ہے جسے خدا عطا کرے۔ یہ نہ تو عمل کی وجہ سے ہے نہ جوہر کی وجہ سے) اس لیے کہ فضل اگر عمل کی وجہ سے ہوتا تو یقیناً گذشتہ امتوں کو امت محمدیہ پر زیادہ فضیلت ہوتی کیونکہ ان لوگوں کی عمریں سات سات سو بلکہ ہزار ہزار برس کی ہوتی تھیں۔ لہٰذا عمل خیر بھی ان کا اسی کے مطابق ہوگا۔ اور امتِ محمدیہ کی عمر عام طور پر ساٹھ یا ستر سال ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے عمل اور کام اُن کے مقابلہ میں کم ہی ہوں گے۔ اس کے باوجود امت محمدیہ کو تمام دوسری امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح اگر فضل کا معاملہ جوہر سے ہوتا، تو حضرت آدم علیہ السلام پر شیطان کو فضیلت ہونی چاہیئے تھی۔ شیطان کا جوہر آگ ہے جو از قسم نور ہے۔ اور آدم علیہ السلام کا جوہر خاک ہے، جو ظلماتی ہے۔ اس کے باوجود حضرت آدم

کو شیطان پر بے حد فضیلت دی گئی ہے۔ اس سے ہم یہ سمجھے کہ فضل نہ تو عمل سے ہے اور نہ جوہر سے۔ یعنی عمل و جوہر فضل کے لیے علت نہیں بنتے۔ لہذا ثابت ہوا کہ فضل اسی پر ہوتا ہے جسے اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔

اے بھائی! جب وہ مالک مطلق ہے تو بلاشبہ اس کو تصرفِ مطلق حاصل ہے۔ لہٰذا اگر وہ کسی کو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچائے تو وہ یقیناً بغیر کسی عمل، علم اور کام کے پہنچ جائے گا۔ اور برخلاف اس کے اگر وہ کسی کو اسفل السافلین میں ڈالنا چاہے تو وہ بغیر کسی معصیت اور خیانت کے سب سے نچلی سطح پر پہنچ جائے گا۔

مثنوی

گہ آری خلیلے ز بتخانہ اے ❊ کنی آشنائی ز بیگانہ اے

گہے از چناں گوہر خانہ خیز ❊ چو بوطالبے را کنی سنگ ریز

(کبھی کسی کو بتخانہ سے تو خلیل بنا کر نکالتا ہے اور کبھی کسی بے گانے سے آشنائی کرتا ہے + اور کبھی ابو طالب جیسے گوہر گرانمایہ کو ایک سنگ ریزہ سے تشبیہ دیتا ہے۔

ایسا ہی ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کوئی عمل سرزد ہونے سے پہلے بغیر کسی طاعت و عمل کے اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا۔ اور ایسا ہی ہوا کہ اسی گھر کے ایک فرد ابوجہل کو اس سے کوئی عمل وجود میں آئے بغیر کوئی معصیت سرزد ہونے سے پہلے ہی اسفل السافلین میں ڈھکیل دیا۔ یہی اس کی شانِ بے نیازی ہے کہ هٰؤُلَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَلَا أُبَالِي وَهٰؤُلَاءِ فِي النَّارِ وَلَا أُبَالِي. (اسے نہ تو جنت میں جانے والوں کی پرواہ ہے نہ جہنم میں جانے والوں کی)، اسے کسی کا خوف نہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے خوف تو غیر کی ملکیت میں تصرف کرنے سے ہوتا ہے کہ باز پرس ہوگی۔ جب اس کا تصرف اپنے ملک اور اپنی ملکیت میں ہے تو پھر ڈر کس کا؟ سب اس سے ڈرتے ہیں وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اگر تمام عالم صدق میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رتبے کے برابر ہو جائے تو لَا يَزِيْدُ فِيْ مُلْكِهٖ شَيْئًا (اس کی ملکیت میں کچھ زیادتی نہیں ہوگی)، اور اگر سارا جہان فرعون کی طرح اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا دعویٰ کرنے لگے تو لَا يَنْقُصُ مِنْ مُلْكِهٖ شَيْئًا (اس کی ملکیت میں کوئی کمی نہیں ہوگی)

مثنوی

ایں چہ درگاہ ایست قفلش بے کلید ❊ ایں چہ دریا ایست قعرش ناپدید

اربدیں دریا درآئی یک دمے ✤ حیرتِ جاں سوز بینی عالمے

(یہ کیسا عالی شان دربار ہے جس کے دروازوں کے قفل کی کنجیاں نہیں ہیں۔ یہ کیسا دریا ہے جس کی گہرائی کی کوئی تھاہ نہیں ہے + اگر اس دریا میں تو ایک سانس بھی لے تو حیرت وسوز کے عالم میں ایک دوسری ہی دنیا دیکھے گا۔

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

لطیف آباد حیدر آباد

۷۸-۱-۱۶

مکتوب ——— (۶۲)

مسلمان اور مسلمانی کے بیان میں

نمی دانم کرا مانم بدیں سیرت گرفتارم ؎ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(مجھے معلوم نہیں کہ میرا کیا حال ہے البتہ اتنا جانتا ہوں کہ نہ ہندو ہوں نہ مسلمان، نہ مرتد ہوں نہ بدکار)

اے بھائی! مسلمان ہونا ایک دشوار کام ہے اور مسلمانی کا حاصل کرنا دشوار تر۔ اس لیے جب تک فرصت ہے ایمان کا غم کھانا چاہیئے۔ یعنی جب ہم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تو اس بات کا دعویٰ کیا کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس دعویٰ کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے سوا کسی سے نہ ڈریں اور کسی سے کوئی امید نہ رکھیں۔ اگر ہم دوسروں سے ڈریں یا امید رکھیں تو یہ دعوے کی دلیل نہ ہو گی۔ اور دعویٰ کے لیے اگر کوئی دلیل نہ ہو تو دروغ بیانی ہے۔ اسی طرح زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا ایمان نہیں۔ لہٰذا ایمان لسانی کل قیامت کے دن کوئی کام نہ دے گا۔ اگر ایمان لسانی قیامت کے دن کام دے پھر تو تمام منافقین نجات پا جائیں گے۔ رحمت ہو اس شخص کی جان پر جس نے کہا ہے ؎

صوفیِ سبز پوش و شیخی چلہ دار ؎ ایں جملہ شدی و مسلماں نہ شدی

(صوفیٔ سبز پوش بنے یا شیخ چلہ دار ہوئے، یہ سب کچھ ہوئے، مگر افسوس مسلمان نہ ہو سکے)

اے بھائی! اس کو یوں سمجھو کہ اگر ایک کافر طبیب ہم سے یہ کہے کہ فلاں چیز نہ کھاؤ، تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ یقیناً ہم اسے چھوڑ دیں گے اور نہیں کھائیں گے۔ مگر ذرا سوچو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر صلوٰۃ اللہ علیہم اس دنیا میں تشریف لائے اور سب نے یہی کہا حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) پھر بھی ہم رات دن طلبِ دنیا میں مشغول ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک کافر طبیب کی باتوں پر تو ہمیں اعتماد ہے لیکن اللہ کے پیغمبروں کی باتوں پر شاید ہمیں یقین نہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ایمان کہاں ہے؟ ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم ؎ چند خود را تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

(بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے میری پیشانی گھس گئی ہے، اب کہاں تک دینِ مسلمانی کی تہمت اپنے

اوپر لگائے رکھوں)

اسی طرح ایک دوسری مثال پر غور کرو۔ اگر کوئی مخلوق ہمیں دیکھ رہی ہو تو ہم اس کی نظروں کے سامنے کوئی گناہ ہرگز نہیں کریں گے۔ لیکن افسوس! صد افسوس!! سینکڑوں گناہ ہم روزانہ کرتے ہیں اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا رہتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ ہمیں مخلوقِ خدا سے تو ڈر لگتا ہے لیکن خود خدا سے کوئی خوف نہیں۔ پس جو شخص مخلوق سے ڈرے اور خدا سے نہ ڈرے تو وہ مومن ہوگا یا کافر؟

مصرع — فردات کند خمار کہ امشب مستی

(آج کے رات کی مستی کا خمار کل دن کو اترے گا)

اے بھائی! ہر شخص کا یہی تقاضا ہے کہ کچھ لکھو۔ کیا لکھوں؟ بہر حال یہ چند سطریں لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ اس کو غور سے پڑھو بہت صاف اور ظاہر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہرزہ سرا لوگوں سے اور اپنے شیر خوار بچوں سے اس کو دور رکھو۔

اے بھائی! اہل بصیرت کی نظروں میں ایسے لوگ جو مردانگی کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ تو ابھی شکم مادر ہی میں ہیں بلکہ نطفہ کی شکل میں صلب پدر میں ہیں یا ابھی عدم ہی میں ہیں۔ ذَرْهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ (انھیں چھوڑ دو کہ وہ اپنی گمراہیوں میں بھٹکتے رہیں) ؎

ہر کہ شد لحظہ ز خود خوشنود ؛ سالہا بند شد بہ دوزخ بود

(جو شخص ایک لحظہ بھی اپنے سے خوش ہوا ہے وہ اپنے اس عمل سے خود کو دوزخ میں قید کر چکا ہے)

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۱۷—۱—۷۸

مکتوب ——— ۶۳

طلبِ عشق کے بیان میں!

رسیدم من بہ دریائے کہ موجش آدمی خوار است
نہ کشتی اندر آں دریا نہ ملاحے عجب کاراست

(میں ایک ایسے سمندر تک جا پہنچا جس کی ہر موج آدم خوار ہے۔ اس سمندر میں نہ کشتی ہے نہ کوئی ملاح 'عجب معاملہ ہے)

اے بھائی! کشتیِ نجات تو عشق الٰہی ہے اور فضل الٰہی اس کشتی کا ملاح ہے۔ مصرع

شاگرد باش عشق ترا اوستاد بس

(استادِ عشق کی شاگردی اختیار کرلو۔ ہر کام پورا ہوجائے گا)

اے بھائی! اس راہ میں خوف و خطر بہت زیادہ ہے۔ میرے مکتوبات و ملفوظات کو بغور پڑھا کرو اُمید ہے کہ ان موجوں کے تھپیڑوں سے جو آدم خوار ہیں، اللہ تعالیٰ سلامتی کے ساتھ گذار دے۔ اور ہر عقدہ جو اس دریا کے عبور کرنے میں پیش آئے اس کے حل کرنے میں ان مکتوبات و ملفوظات سے مدد لو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مکتوبات کے الفاظ و معانی کو سمجھتے ہو۔ اور تمہیں اس کے قوانین و اشارات سے بھی واقفیت حاصل ہوچکی ہے۔ اسے یہ تصور کرکے پڑھا کریں، گویا کاتب حروف کے سامنے بیٹھ کر سن رہے ہیں۔ کیونکہ اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (کہا گیا ہے قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے)

اے بھائی! خاطر جمع رکھو۔ کہ تم خوش نصیب ہو اس لیے کہ تم نے اپنی ہمت سے دریائے محبت کو عبور کرنے کا حوصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل امجاد کے وسیلے سے کامیابی و کامرانی عطا کرے۔ ؎

نہنگ آں بہ کہ با دریا ستیزد ❊ گز آبِ سرد ماہی می خورد 'خیزد

(وہ گھڑیال بہتر ہے جو دریا کی موجوں سے لڑتا ہے، جو مچھلی ٹھنڈا پانی پیتی ہے وہ اوپر آجاتی ہے)

بھائی! اس دریا کے لعل و جواہر بہت زیادہ قیمتی اور عجیب و غریب ہیں اس لیے ان موتیوں اور لعل و جواہر کے طالب کو ایسا غواص ہونا چاہیئے جو عاشق صادق اور جاں باز ہو نہ کہ ہر خسیس اور مخنث 'منحوس اور شکم پرست

اس کا دعویٰ دار ہو سے رو بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست (جاؤ کھیلو کودو، عاشقی تمہارا کام نہیں ہے، عاشق اور لوگ ہیں اور مخنث اور لوگ۔ عاشقوں کا دین و مذہب کچھ اور ہے اور مخنثوں کا دین و مذہب کچھ اور

قطعہ

در زہد بود منبر و محراب بہ تحقیق ⁂ در عشق بجز بادہ و زنار نہ باشد
چوں روئے دل آرام بود قبلۂ عشاق ⁂ پس منبرِ عشاق بجز دار نہ باشد

(زہد کے لیے منبر و محراب کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن مذہب عشق میں شراب و زنار کے سوا کچھ نہیں۔
چونکہ محبوب حقیقی کا چہرہ عاشقوں کا قبلہ ہے۔ اس لیے عاشقوں کا منبر سولی کے علاوہ کچھ نہیں ہے)

عاشق دیوانہ ہوتا ہے۔ اگر عشق نہیں تو دیوانگی لاحاصل ہے۔ ہر چند کہ ایک دن ایک ساعت کے برابر ہے بہرحال یہ گذر ہی جاتے ہیں۔ اصل زندگی تو وہ ہے جو محبت الٰہی میں بسر ہو۔ ؎

آں یک نفس کہ می رود از عمر گوہر لیست ⁂ کورا خراج ملک دو عالم بود بہا

(یہ ایک سانس جو گذرتی ہے زندگی کا وہ بے بہا موتی ہے جس کا خراج دونوں عالم ہو سکتا ہے۔)

شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس طرح سانس لینے کی کوشش کرو کہ زمین و آسمان میں ہر سمت اللہ ہی اللہ نظر آئے۔ یہ ایک لمحہ تمہارا اتنا قیمتی ہوگا کہ اس کی بدولت تم تمام عمر تونگر رہو گے۔ ؎

گر زہمہ عمر خود باتو برآرم دمے ⁂ حاصل من آں دم است باقی ایام رفت

(میں اپنی تمام عمر میں اگر ایک لمحہ بھی تیرے ساتھ گذاروں تو وہی لمحہ حاصل زندگی ہوگا۔ اور باقی تمام عمر رایگاں گئی)

اے بھائی! وہ اپنے عشق کی خلعت ہر کس و ناکس کو نہیں دیتا ہے، جب تک کوئی اس کے عشق کے لائق نہ ہو۔ اور جو لائق ہوتا ہے اسے خود وہ نوازتا ہے۔ جو لوگ عشق کے محرم راز ہیں وہی لوگ جانتے ہیں کہ عشق کی حقیقت کیا ہے؛ جو لوگ اس معاملہ میں نامحرم اور مخنث ہیں انھیں عشق کی کیا خبر؟ عشق کی حقیقت عاشق ہی جانتا ہے۔ ؎

در کوئے عشق بادہ بہ ابرار کے دہند ⁂ وز جام شوق جرعہ بہ اغیار کے دہند

(راہ عشق میں شراب عشق و مستی زاہدوں کو کہاں دیتے ہیں، اور شوق کے جام سے اغیار کو ایک گھونٹ بھی کب دیتے ہیں)

عشق کی خلعت بے بہا جو صرف خواص کا حصہ ہے عوام کو اس وقت تک نہیں دیتے جب تک برسرِ بازار سولی پر نہ چڑھالیں۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ بہشت کی طالب تو ساری دنیا ہے مگر عشق کا طالب کوئی نہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ

بہشت نفس کا حصہ ہے اور عشق قلت و جان کا۔ کوڑیوں کے طالب تو بہت ہیں، زر و جواہر کا طالب ایک بھی نہیں۔ اے بھائی! اٹھو اور اپنے کو عشق کے حوالہ کر دو۔ جب تم نے اپنے کو عشق کے حوالہ کر دیا تو سمجھ لو کہ منزل تک پہنچ گئے۔ ؎

آتشے راہمی کند تسلیم ٭ داغ نمرود، راغ ابراہیم

(آگ کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عشق کی آگ میں جلتے ہیں۔ دیکھو، نار نمرود گلزار ابراہیم میں تبدیل کیوں کر ہوگئی)

ہوشیار! ہمت پاک رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے، اس کے ہونے کا تصور طالب حق کے لیے بت خانہ اور زنار ہے۔ اس راہ میں محراب و منبر عاشقانِ الٰہی کی قتل گاہ ہے۔ اسی موقع کے لیے کسی نے کہا ہے۔

قطعہ

در باز سراز مردی درصفِ قتالِ او ٭ کز بہر سرے در رہ کم بہ نباید بود

سر باختہ آں رہ رو از سجدۂ غیر او ٭ گر مرد رہِ اولیٰ در کم بہ نباید بود

(محبوب کے حصول کی جنگ میں سر کی بازی لگا دو۔ صرف ایک سر کی طلب پر ہار کر مت بیٹھ جاؤ + اس راہ کا ایک سر پھرا ایسا بھی تھا جس نے سجدۂ غیر کے لیے سر دے دیا۔ اگر تم بھی اس کی راہ کے مرد ہو تو اس سے پیچھے نہ رہو۔)

تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پردے اور حجاب جو اپنی راہ میں لگا رکھے ہیں کیا ہیں؟ سنو! یہ بھی اس کا کرم ہے۔ اس طرح کہ عاشق کی نظر روز روز پردہ کی اوٹ سے دیکھنے کی وجہ سے پختہ ہو جائے۔ تاکہ رفتہ رفتہ جب نظر عادی ہو جائے تو اس کو بے حجاب دیکھنے کی تاب لا سکے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

نظم

(۱) پیرے زخرابہ بروں جست ٭ یک کوزہ زیادہ بود در دست

(۲) یا کوزہ و خرقہ و سجادہ ٭ در پائے بت فتادہ سرمست

(۳) ہم زہد بباد عشق بر داد ٭ ہم توبہ زبہر وصل بشکست

(۱) ایک بوڑھا میخانہ سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں صرف ایک پیالہ زیادہ تھا

(۲) اپنے کوزہ، خرقہ اور مصلیٰ کے ساتھ، مستی کی حالت میں ایک بت کے قدموں میں گر گیا

(۳) اور زہد و عبادت کو عشق پر نچھاور کر دیا، وصل کے شوق میں توبہ بھی توڑ ڈالی۔)

نقل ہے کہ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے بھائی جبرئیل! هَلْ رَأَيْتَ الرَّبَّ (کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے؟) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ سَبْعُوْنَ حِجَابًا مِنْ نُوْرٍ لَوْ دَنَوْتُ وَاحِدًا لَاحْتَرَقْتُ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی چھو جاؤں تو جل کر خاک ہو جاؤں)

اے بھائی! اس مجموعۂ آب و گل کی ذرا ہمت اور دلیری تو دیکھو کہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کی قوت کی وجہ سے اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (تو مجھے اپنا جلوہ دیکھا میں تجھے دیکھوں گا۔) کی ضد کرتا ہے۔) بھلا آب و گل کی حقیقت کیا اور یہ سوال کہاں۔

مثنوی

نیست مردم نطفۂ از آب و خاک ⁂ ہست مردم سرو قدا و جانِ پاک

صد جہانِ پُر فرشتہ در وجود ⁂ نطفۂ را کے کند آخر سجود

(آدمی محض پانی اور مٹی سے بنا ہوا ایک نطفہ نہیں ہے بلکہ سرتا پا وہ مظہر الٰہی ہے سینکڑوں عالم کے فرشتے محض ایک نطفہ کو سجدہ کیسے کر سکتے ہیں۔)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

لطیف آباد حیدر آباد

وقت ۲ بجے شب

۱۷ر جنوری سنہ ۱۹۷۸ء

مکتوب ——— ۶۴

اس حدیث کی تشریح میں

یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا

اے بھائی! تمہارا خط ایک مدت کے بعد پہنچا۔ مطالعہ کیا۔ دوا استعمال میں ہے۔ مفید ثابت ہوئی۔ جواب سے مطلع کرو۔

اے بھائی! جب خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّةَ۔ (اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا) کے خطاب سے نوازا گیا تو آپ نے بصیرت کی نگاہ سے اس کو دیکھا اور غور کیا۔ معلوم ہوا کہ ہزاروں ہزار لوگ اس جمال کے وصال کی طلب میں اَرِنِیْ اَرِنِیْ۔ (مجھے اپنا جلوہ دکھا مجھے اپنا جلوہ دکھا) کی رٹ لگا رہے ہیں تو بہ تقاضائے غیرت خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش محمد کا رب محمد کو نہ پیدا کرتا)۔ بات یہ ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے غیرت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ اور محبت جتنی قوی ہوگی غیرت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

اسی طرح ایک بزرگ نے ایک عالم کیف میں کہا کہ خداوندا کل قیامت میں تو میرے سوا سب کو اندھا اٹھا تاکہ میرے علاوہ کوئی دوسرا تجھے نہ دیکھ سکے۔ اور پھر دوسرے وقت یہ کہا کہ خداوندا کل قیامت میں تو مجھے اندھا اٹھا تاکہ میری یہ آنکھیں بھی تجھے نہ دیکھ سکیں۔ تاکہ دل میں کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

مثنوی

(۱) کارِ عاشق اضطرارے اوفتد ؂ واں زفرط دوستدارے اوفتد
(۲) لاجرم دیوانہ را گرچہ خطاست ؂ ہرچہ می گوید بہ گستاخی رواست
(۳) خیر وشر چوں جملہ زیں جا می رود ؂ گفتۂ دیوانہ زیبا می رود

(۱) عاشق کے کاروبار اضطراری ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ فرطِ محبت میں ہوا کرتے ہیں۔

(۲) بلاشبہ دیوانگی کے عالم میں دیوانہ کچھ ایسی گستاخ باتیں بھی کہہ جاتا ہے جو ناروا ہیں۔ لیکن سب معاف ہے۔
(۳) دیوانہ ایک ایسے مقام میں ہوتا ہے جہاں پہنچ کر خیر و شر کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے دیوانہ کی گفتگو بھلی معلوم ہوتی ہے)

اس حدیث کو ایک دوسری طرح سے یوں سمجھو جیسا کہ خود خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ خَلَقَ نُوْرِیْ مِنْ نُوْرِہٖ (اس نے میرا نور اپنے نور سے پیدا کیا) اس جملہ کے دو حصے ہیں لفظ نوری اور نورہٖ پر غور کرو۔ وضاحت ہو جائے گی۔ یعنی میرا نور جب تک تخلیق نہیں ہوا تھا اسی کے نور کے ساتھ تھا تخلیق کے بعد جدائی ہوئی اس کو غیرت نے قبول نہیں کیا اور فرمایا یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ الخ یعنی اگر تخلیق کا فعل درمیان میں نہ ہوتا تو دونوں ایک ہوتے۔

اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جب محب کو محبوب کے وجود سے کوئی حصہ نہیں ملتا تو اس کے فراق میں تڑپنے کو تمنا کہتے ہیں۔ اور محبت کی شریعت میں تمنا کا وجود کہاں ہے یہ تو ناجائز ہے۔

قطعہ

اندر خور عشق چوں نیابی ٭ اے خستۂ عشق نیم جانے
آں بہ کہ زخجلتت نہ ماند ٭ در بودِ وجود تو نشانے

(اے خستۂ عشق نیم جاں جب عشق سے تجھے کچھ حصہ نہیں ملا،
تو راہِ ندامت میں تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ اپنے وجود کے نشان کو مٹا دے)

اس حدیث کو ایک دوسری مثال سے یوں سمجھو کہ ایک شخص نے اپنے کسی دوست کو کھانے پر مدعو کیا۔ اس دوست کے طفیل میں دس بیس اور بھی لوگ بطور مہمان آ گئے۔
ان طفیلیوں سے میزبان کے گھر میں کچھ بے ادبی سرزد ہوئی۔ جس کی وجہ سے اصل مہمان کو سخت ندامت و شرمندگی اٹھانی پڑی۔ اسی ندامت و شرمندگی کے عالم میں مہمان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ اے کاش! میں بھی مہمان نہ ہوتا۔ جب یہ ایک عام قاعدہ ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں جملہ کائنات کو وجود بخشا۔ جیسا کہ فرمایا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْکَوْنَیْنِ۔ (اگر آپ نہ ہوتے تو میں کونین کو عالم وجود میں نہیں لاتا) یعنی سارے عالم کا وجود آپ ہی کے طفیل میں ہے۔ اب کائنات میں اگر کسی سے کوئی بے ادبی سرزد ہوتی ہے اور وہ بات جو نہ ہونی چاہیئے اس سے وجود میں آتی ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ موجب کائنات ہیں اللہ جل شانہٗ

کے حضور میں انھیں شرمندگی محسوس ہوگی اور اسی شرمندگی کے عالم میں آپ نے فرمایا یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش! محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا)۔ اسی معنی کی طرف مولانا حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تواریخ میں اشارہ کیا ہے۔ لیکن وہ عاشق فانی یعنی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ اس حالت کو سمجھنا چاہیئے جس میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا اور ایک بزرگ کا مقولہ بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ اِنْ اُنْشَرَ بِالْمِنْشَارِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَقُوْلَ شَیْئًا کَانَ لَیْتَهٗ لَمْ یَکُنْ (میں یہ پسند کروں گا کہ مجھے آرے سے چیر دیا جائے لیکن مجھے ہرگز یہ گوارہ نہیں کہ ایک بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، اور میں یہ کہوں کہ کاش! ایسا نہ ہوتا)

اے بھائی! یہ ایک خاص مقام کی بات ہے کہ جب ایک مرد اپنے کمال کو پہنچتا ہے، تو لذتِ دنیاوی اور شہوات نفسانی سے دور ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مفلس ہو یا تونگر، تندرست ہو یا بیمار ہر حال میں دوست سے راضی رہتا ہے۔ وہ ہر موقع پر اپنے محبوب کی رضا کا طالب رہتا ہے۔ اسی لیے وہ کبھی یہ نہیں کہتا کہ کاش کہ ایسا ہوتا یا کاشکہ ایسا نہ ہوتا۔ وہ تو ہر حال میں اپنے محبوب کی رضا کا طلبگار رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی صفت اپنے اندر پاتا ہے جو محبوب کی رضا کے خلاف ہو تو وہ اس صفت کو کبھی قبول نہیں کرتا بلکہ ہمہ وقت اس صفت کے ازالے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اور حالت اضطرار میں اپنی زبان سے یہ کہتا ہے کہ یَا لَیْتَ هٰذِهِ الصِّفَةَ لَمْ تَکُنْ (اے کاش یہ صفت مجھ میں نہ ہوتی)

اے بھائی! اگر ایسا نہ ہو تو تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کے معنی بدل جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شراب پیئے یا زنا کرے تو یہ نہ کہے یَا لَیْتَ لَمْ اَشْرَبْ یَا لَیْتَ لَمْ اَزْنِ (یعنی اے کاش! میں شراب نہ پیتا یا زنا نہ کرتا) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معصیت کا ارتکاب بھی رضائے الٰہی پر موقوف ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ اس لیے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ وہ کفر و معصیت کو پسند نہیں کرتا لہٰذا اس جگہ رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کا یہ کہنا یَا لَیْتَ فُلَانًا لَمْ یَکْفُرْ وَ یَا لَیْتَ الْمَعَاصِیَ لَمْ تَکُنْ (اے کاش! فلاں کفر نہ کرتا یا اے کاش گناہ سرزد نہ ہوتا) بے معنی ہو جائے گا۔ رضائے الٰہی کے یہی معنی ہیں کہ ہر حال میں اس کی رضا حاصل ہو۔

والسلام
محمد نعیم ندوی
۷۸-۴-۲۲
۱۲- بجے شب

مکتوب ۶۵

ہمت کی بلندی اور طلب الٰہی میں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

چہ بے حاصل کسے کو ہست و باغ و چار جو خواہد
اگر حاصل شود آں گل رخ و آب مے گونش

(کتنی لایعنی بات ہے کہ عاشق اپنی ہستی، اپنے وجود اور باغ و بہار کا طلب گار ہو، جب کہ وہ رخِ روشن یعنی محبوب اور اس کی محبت کا جام اسے حاصل ہو)

اے بھائی! جو کچھ اس کائنات میں ہے وہ سب فانی ہے۔ ان کو اپنی راہ کا بت و زنار سمجھو اور کون و مکاں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ اپنی ہمت کو بلند تر رکھو۔ اور وہ کہو جو کسی نے کہا ہے۔؎

بے وصالِ تو جاں چہ کار آید ✽ بے جمالت جہاں چہ کار آید

(تیرے وصال کے بغیر زندگی اجیرن ہے۔ اور تیرے جمال کے بغیر دنیا بے کار ہے)

مردِ راہ حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی سچی بات اپنی مناجات میں کہی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِذَا اَدْخَلْتَنِیَ الْجَنَّۃَ وَ قُلْتَ رَضِیْتُ عَنْکَ یَا مَالِکُ فَجَعَلْنِیْ تُرَابًا وَھَبِ الْجَنَّۃَ لِاَرْبَابِھَا۔ (اے میرے اللہ! جب تو مجھے جنت میں داخل کرے اور یہ کہے کہ اے مالک میں تجھ سے راضی ہوں تو اس کے بعد مجھے مٹی بنا دے اور جنت ان لوگوں کے حوالے کر دے جو اس کے طلب گار ہیں) واہ! واہ! مردوں کی ہمت اسی کو کہتے ہیں۔

مثنوی

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد ✽ ہمچو خورشید از بلندی فرد شد
ہر کہ از ہمت دریں رہ آمدست ✽ گر گدائی می کند شاہ آمدست

(جو ہمت والا ہے وہی مرد ہے۔ آفتاب کی طرح بلندی میں بے مثال ہے + جس شخص نے ہمت کر کے عشق کی اس وادی میں قدم رکھا ہے۔ اگر وہ فقیر ہے تو اس کی فقیری بھی شاہی سے بہتر ہے)

اور مست الست یزدانی یعنی حضرت عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ یہاں بھی کھانا پینا اور وہاں بھی کھانا پینا۔ عجیب تماشا ہے ۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ شاید کلام الٰہی کے اس حصّہ پر تمہاری نظر نہیں پڑی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَیْتُ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ (رضائے الٰہی میں ایک نعمت اور ہے جو صالحین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وہ جلوۂ الٰہی ہے جس کو آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ بلکہ کسی انسان کے دل میں اس کا وہم و گمان بھی نہ گذرا) کیا اس کے بعد بھی کھانے پینے کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے ؟ ایسا سمجھنا بڑی بے ہمتی کی بات ہے۔ سچ ہے جس نے کہا ہے۔

مثنوی

ہر کہ او را یوسف گم کردہ نیست ؛ گرچہ ایماں آورد، آوردہ نیست

گر ہمہ عالم شود زیر و زبر ؛ تو مکن از سایۂ یوسف گذر

(جو شخص اپنے یوسف گم کردہ کے فراق میں مضطرب نہیں ہے۔ وہ ایمان تو لایا ہے مگر اس کا ایمان درجۂ کمال تک نہیں پہنچا ہے + اگر تمام عالم تباہ و برباد کیوں نہ ہو جائے تب بھی اپنے یوسف کے سایہ سے جدائی اختیار مت کر)

اے بھائی! بہشت کی نعمتوں کے طالب اور کرامتوں کے طلب گار اس دنیا میں بہت ہیں۔ لیکن خود انعام دینے والے اور مکرم بنانے والے مولیٰ کے طلب گار بہت کم ہیں۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے

ے کعبۂ عشاق مولیٰ آمدست ؛ وانِ مجنوں روے لیلیٰ آمدست

تا توانی با خرد بے گانہ باش ؛ عقل را غارت کن و دیوانہ باش

(عاشقوں کا کعبہ رب کعبہ ہے۔ مجنوں کی نظر ہمیشہ لیلیٰ کے چہرہ پر رہتی ہے + جب تک تجھ سے ہو سکے عقل سے بیگانہ رہنے کی کوشش کر۔ قافلۂ عقل لٹا دے اور دیوانہ ہو جا)

اس کا طالب تو یہ دولت رکھتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا دَاوٗدُ اِذَا رَاَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (اے داؤد جب میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کا خادم بن جاؤ) سبحان اللہ! ذرا غور تو کرو یہ حکم کس کو دیا جا رہا ہے۔ جناب داؤد علیہ السلام کو، جو خود پیغمبر ہیں۔ جس شخص کے خادم داؤد علیہ السلام ہوں اس کے مرتبے کا کیا کہنا۔ ملائکہ اس کے حاشیہ بردار ہوں گے۔ انس و جن کو اس کے مرتبے کی کیا خبر۔ امام احمد غزالیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ے تا جامِ جہاں نمائے در دست من است ÷ از روے خرد چرخ بریں پست من است

تا قبلہ نیست، قبلہ ہست من است ÷ ہوشیار ترینِ خلقِ جہاں مست من است

(عشق کا جام جہاں نما جب تک میرے ہاتھ میں ہے۔ میری نظر میں آسمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ عدم کا قبلہ کوئی قبلہ نہیں، وجود کا قبلہ میرا قبلہ ہے۔ دانشمندانِ جہاں بھی میرے ہی دیوانے ہیں)

اے بھائی! طالب کے دو درجے ہیں۔ اگر طالب اس حیثیت سے ہے کہ وہ طالب ہے تو طالب و مطلوب کا فرق اس میں باقی ہے۔ اگرچہ وہ عالم وحدت کا مسافر ہے لیکن منزل تک نہیں پہنچا ہے۔ ابھی دوئی اس میں باقی ہے اس لیے ایک کو دو دیکھتا ہے۔

رباعی

تا مرد ز خود فانیِ مطلق نہ شود ÷ اثبات نفی او محقق نہ شود

توحید حلول نیست نابودنِ تست ÷ ورنہ بگزاف آدمی حق نہ شود

(جب تک آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر فنا نہ کرے اس وقت تک لا الٰہ کی نفی ثابت نہیں ہوگی الا اللہ کا اثبات تو دور کی بات ہے۔ توحید حلول نہیں ہے بلکہ فنا ہونے کا نام ہے۔ جب تک تم نے اپنی نفی نہیں کی توحید تمہارے اندر کیسے ہوگی۔ اور یہ بھی فضول بات ہے کہ آدمی خدا ہو جائے)

اے عزیز! عشق کا گھوڑا نہایت ہی طاقتور ہے۔ وہ ایک ہی جست میں دونوں عالم سے آگے نکل جاتا ہے۔ اور لامکاں کی سیر کرنے لگتا ہے۔ اس کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

رباعی

در عالم اگر بکار آئی تو! ÷ در دفترِ عشق گر شمار آئی تو

جبریل امیں رکابدار تو بود ÷ بر مرکبِ عشق اگر سوار آئی تو

(لامکاں کی سیر تو کر سکتا ہے، عشق کے دفتر میں تیرا نام لکھا جا سکتا ہے، جناب جبریل تیرے رکاب دار ہو سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہے جب تو عشق کے گھوڑے پر سوار آئے)

طالب کو چاہیئے کہ عشق کے بوجھ کو اٹھانے والا بنے تاکہ اس کو ایک نہ ایک دن معشوق کی جناب میں باریابی کا شرف حاصل ہو سکے۔ لیکن یاد رکھو کہ اس منزل کی راہ سولی کے تختہ پر ہو کر گذرتی ہے۔

رباعی

گر رہ گذرِ عشق تو بر دار بود ÷ آساں بود اے پسر نہ دشوار بود

از خار چہ باک آں راکو را ؎ معشوق دلش میانِ گلزار بود

(اگر تیرے عشق کی راہ سولی پر ہو کر گزرتی ہے، یہ تو بہت آسان کام ہے کوئی مشکل نہیں۔ ایسے آدمی کو کانٹوں کا کیا خوف جس کا معشوق سامنے گلزار کے بیچ میں ہو)

اے عزیز! وہ معشوق حقیقی تم سے دور نہیں ہے۔ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) تم نے خود دوری اختیار کر رکھی ہے۔ کیونکہ تم نے اپنے وجود کے پردے کو چاک کر کے باہر آؤ گے، دیکھ لو گے کہ معاملہ کیا ہے۔ پھر یہ پکار اٹھو گے۔

رباعی

معشوق عیاں بود نمی دانستم ؎ بامن بہ میاں بود نمی دانستم

گفتم بہ طلب مگر بجائے برسم ؎ خود تفرقہ آں بود نمی دانستم

(میرا معشوق تو ہر جا جلوہ گر تھا خود مجھے معلوم نہ تھا۔ وہ تو میرے درمیان تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ سوچتا تھا کہ اس کی طلب میں ایسی جگہ پہنچوں جہاں وہ مل جائے۔ مگر دوری کا یہ تصور خود اپنا قصور تھا مجھے معلوم نہ تھا) وہ راز جو مشتاقوں کے اشتیاق کا سبب ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے اثر سے ہے۔ اَنْتَ لَا اَنَا وَ لَا غَيْرِيْ (تم کچھ بھی نہیں ہو۔ صرف میں ہوں اور میرے علاوہ کچھ بھی نہیں) ؎

تو او نہ شوی، و ے اگر جہد کنی ؎ جائے برسی کز تو توئی برخیزد

(تو وہ ہو جائے یہ تو ممکن نہیں، ہاں! اگر تو کوشش کرے تو ایسے مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ تو خود کو کھو دے اور وہی وہ رہ جائے)

؎ عجب مدار زبارانِ عشق و تخمِ محبت ؎ چوں سبزہ از گلِ محمود اگر ایاز برآید

(کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر عشق کی بارش اور محبت کی بیج سے۔ سبزے کی طرح، محمود کی زمین سے ایاز کی روئیدگی ہو)

والسلام

مترجم

محمد نعیم ندوی

۲۶ — ۴ — ۷۸

۱۲ بجے شب۔ لطیف آباد

حیدر آباد۔ سندھ

مکتوب ــــــــ (۶۶)

رموزِ معرفت کو چھپانے، اس سلسلہ میں گفت گو سے زبان کو بند رکھنے، پندارِ خودی سے دور رہنے اور بت و زنار کی حقیقت دریافت کرنے کے بارے میں

برادرِ عزیز! تمہارا خط ملا۔ پڑھا، رموز و اشارات معلوم ہوئے۔ اور نظم و نثر کے مضامین سے بھی آگاہی ہوئی۔ اے بھائی! بزرگانِ سلف کی اقتدا باعثِ برکت ہے۔ اسرارِ ربوبیت کا افشا کرنا کفر ہے۔ اہلِ طریقت کا تو کہنا یہ ہے ؎

زمستی گر بگوید رمزِ عشقش ؛ جزائش در طریقت دار باشد

(عشق و مستی میں اگر راز کی باتیں منھ سے نکل جائیں، تو طریقت میں اس کی سزا پھانسی کا تختہ ہے)

ربوبیت کے رموز و اسرار، شرح و بسط کے ساتھ بولنا یا تفصیل سے لکھنا حرام ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔ البتہ رغبت اور شوق دلانے کے لیے اشارے اور کنائے میں کہنے کی اجازت ہے۔

رباعی

دانی کہ چرا اہلِ صفا خاموش اند ؛ در نکتۂ دل بمحوِ خودی کوشند

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ؛ سر می بازند و سرِ حق می پوشند

(جانتے ہو! صوفیائے کرام نے لبوں پر مہرِ خاموشی کیوں لگا رکھی ہے۔ اس لیے کہ وہ نکتۂ دل کی محویت میں مشغول ہیں۔ محبوب کے ہاتھوں سے ہر لمحہ جامِ شوق پیتے ہیں۔ جان و یدیتے ہیں لیکن جاناں کے راز کو ظاہر ہونے نہیں دیتے۔)

اے بھائی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ یہاں تو پیے جاتا ہے اور اس طرح کہ ڈکار تک نہ آئے۔ اس سلسلہ میں کچھ بولنا، کچھ لکھنا اور ارادت و مکاشفہ یہ سب کے سب ڈکار لینے کے مترادف ہیں۔ مرد تو وہی ہے کہ سمندر کا سمندر گھونٹ جائے اور ڈکار تک نہ لے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ غلامی ایسے ہی بلند ہمت والوں کی حاصل ہے۔ وہ ایسے حوصلہ اور ہمت والے لوگ ہیں جو کمال کے کسی اونچے سے اونچے درجہ

پر بھی پہنچ کر آسودہ نہیں ہوئے۔ بلکہ مزید کی طلب کرتے رہے۔

خواجہ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان العارفین قدس اللہ سرہ العزیز کو لکھا کہ یہاں ایک شخص ایسا ہے کہ حلق سے ایک قطرہ فرو کرتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔ سلطان العارفین قدس اللہ سرہ العزیز نے جواب میں لکھا کہ یہاں تو ایک شخص ایسا ہے جو سمندر گھونٹ جاتا ہے اور اس کے باوجود ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (اور زیادہ) کا نعرہ لگاتا ہے۔

مثنوی

ہست دریائے محبت بے کنار ٭ لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

تا نہ باشد ایں چنیں دردِ ترا! ٭ ننگ باشد گفتنِ مردِ ترا

(دریائے محبت کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ بے شک اس ایک کی پیاس ہزاروں کی پیاس کے برابر ہے۔ جب تک تو ایسے درد کا مالک نہیں ہوتا۔ تجھے مرد کہنا بڑے ننگ کی بات ہے)

اللہ جب ایسی شکل پیدا ہو جائے کہ بولے اور لکھے بغیر کوئی چارہ نہیں تو اجازت ہے۔ جیسا کہ عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "کیا کیا جائے! جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان رموز کو نہ تو بولوں اور نہ لکھوں۔ لیکن کیا کروں کچھ اس طرح کا اضطراب ہوتا ہے کہ مجبور ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ نہ بولوں اور نہ لکھوں مگر ایسا نہیں کر سکتا مجبور ہوں"۔ سچ ہے۔ وہ محرم راز تھے۔ مگر اپنے حال سے معذور بھی۔ اس حقیقت کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

ہر چہ از دیوانہ آید در وجود ٭ عفو فرمانید از دیوانہ زود

(دیوانوں سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے۔ اس کو دیوانگی پر محمول کر کے معاف کر دیتے ہیں۔)

لیکن جو شخص ابھی خود اپنے پندار میں پھنسا ہوا ہے وہ تو کچھ بھی نہیں۔ نہ حالت تفرقہ میں ہے نہ جمع میں، نہ کثرت میں ہے نہ وحدت میں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

تا تو با خویشی عدد بینی ہمہ ٭ چوں شدی فانی احد بینی ہمہ

(جب تک تم اپنے وجود کی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہو تمہیں ہر چیز میں کثرت نظر آئے گی۔ جب تم نے اپنے کو فنا کر دیا تب وحدت کا راز عیاں ہو جائے گا)

پس اگر عالم وحدت میں کسی کی زبان سے یا قلم سے ایسی باتیں ظاہر ہوں تو اسے معذور سمجھو۔

؎ لاجرم دیوانہ را گرچہ خطاست ٭ ہر چہ می گوید بہ گستاخی رواست

(بلاشبہ دیوانے کی حرکتیں اور باتیں عام طور پر غلط ہوتی ہیں۔ لیکن اگر اس کی زبان سے کوئی گستاخی کا لفظ

نکلتا ہے تو دیوانگی کا عذر ایسا ہے کہ سب معاف ہے)

اے بھائی! تمام مشائخ رضوان اللہ علیہم جن کا مقام طبقۂ صوفیا میں مسلم ہے اور جن پر کسی نے طعن نہیں کیا ہے ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی شخص توحید کے رموز و غوامض یا اس طرح کے اسرار کو بلا حجاب یا بلا اشارہ صاف صاف بیان کرتا ہے تو هٰذِهٖ شَطْحِيَّاتٌ لَا رَدَّ فِيهَا لَا قُبُوْلَ (یہ شطحیات ہے۔ یعنی یہ ایسی باتیں ہیں کہ نہ تو اس کی تردید کی جاسکتی ہے اور نہ قبول کیا جاسکتا ہے۔)

بزرگان سلف نے اپنے شہروں سے سفر کیا ہے اور دوسروں تک پہنچ کر مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کی خدمت انجام دی ہے۔ لیکن یہ بات اس وقت ہوئی ہے جب وہ حضرات اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے ہیں اور تمام صفتوں کے کمال سے اپنے کو آراستہ کر چکے ہیں۔ تب کہیں جاکر دولت و نعمت سے مالا مال ہو کر اس مقام کو پہنچے جس کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے۔

واسطہ این قوم را برخاست است ٭ قومِ ایشاں لاجرم بس راست است

چوں نمی بینند غیرے جز مجاز ٭ جملہ زو شنوند زو گویند باز

(اس قوم کا رابطہ اپنے محبوب سے بلا واسطہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہی قوم سیدھے راستے پر ہے۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو مجاز کے پردے کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے۔ لیکن ان عالی مقام بزرگوں کے کیا کہنے۔ وہ تو جو کچھ سنتے ہیں محبوب کی زبان سے سنتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اسی کی زبان سے کہتے ہیں)۔

اے بھائی! جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں ان کے کام وہ لوگ جن سے اللہ نے نظریں پھیر لی ہیں کیوں کر انجام دے سکتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مردوں کے کام مخنثوں سے انجام نہیں پا سکتے۔ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (ہر شخص کے لیے وہی آسان کام ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) جب یہ حال ہے تو پھر بارگاہِ ناز میں اس کتے کی کیا حقیقت ہے جس کے دل میں کوئی وسوسہ گذرے۔ اسے تو خود ایک ایسا آدمی چاہیئے، جو نفس کے زنار کے تار کو اس کی گردن سے نکال کر پھینک دے۔ اور نئے سرے سے مسلمان بنائے۔ اگر اللہ تعالیٰ سفر کے مواقع فراہم کرے تو وہ ایسے ہی شخص کی طلب میں ہو سکتا ہے اور اسی نیت سے ہو سکتا ہے۔ اس وقت تک تو یہی نیت ہے۔

اے بھائی! آپ لوگ اور دوسرے عزیزان، ملک العارفین، ملک المشائخ اور اسی طرح کے دوسرے القاب سے مجھے مخاطب کرتے ہیں۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ میری جو حقیقت ہے وہ مجھے معلوم ہے۔ اور اچھی طرح معلوم ہے۔ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ۔ (خبر آنکھوں دیکھی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی) اپنے کفر و شرک، نفاق و زنار اور قیدِ نفس کے مقابلے میں، توحید اور مسلمانی کا کیا مقام ہے اور

اس میں کیا فرق ہے؟ اس حقیقت کو دریافت کرنے میں تیس[۳] چالیس[۴] سال گذر گئے۔ حقیقت ایمان اور حقیقت توحید تک کب پہنچوں گا۔ اس تلاش میں شاید قبر تک پہنچنے کی نوبت آجائے۔ مجھے تو اب تک یہی مشاہدہ ہوا ہے اور یہی معلوم ہوا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کیا ہے۔ ؎

ہنوز از کافِ کفرِ خود خبر نیست ٭ حقایق ہائے ایمان را چہ دانی

(ابھی تک اپنے کفر کے کاف تک کی تم کو خبر نہ ہو سکی۔ تو پھر ایمان کی حقیقتوں کو تم کیا خاک سمجھ سکتے ہو)

ہزاروں رحمتیں اس شخص پر ہوں۔ جس نے کفر ولفاق، بت وزنار اور نفس کی حقیقت کو سمجھا اور وہ باطنی راہ بھی طے کر چکا ہے جب ہی تو اس قدر مناسب حال شعر کہا۔ ٹھیک ہے جیسا دیکھا ویسا اظہار کر دیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ بلاشبہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ خود اس بیت میں کہا ہے۔ ؎

نمی دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم ٭ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم[۱]

(مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کون ہوں اور کس مقام پر ہوں۔ البتہ اپنی سیرت یہ ہے کہ نہ میں ہندو ہوں نہ مسلمان۔ نہ مرتد ہوں نہ بدکار) لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امید ہے کہ ایک دن وہ موحدوں اور مومنوں کے طفیل میں ایمان حقیقی اور توحید سے ضرور نوازے گا۔

اے بھائی! اگر زبانی توحید اور زبانی ایمان کل قیامت میں کافی ہوگا تو پھر تمام منافقوں کے لیے رہائی یقینی ہے اور بہشت میں داخلہ بھی لازمی ہے۔ بات طویل ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے تو اپنی اس تحریر میں بھی اخلاص کے بجائے نفس کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ عاقبت وخاتمت بخیر فرمائے۔ آمین

والسلام
مترجم
محمد نعیم ندوی
۲۹-۴-۷۸
۱۲ بجے شب۔ لطیف آباد

---

[۱] چہ بدکارم۔ قلمی نسخہ

مکتوب ——— (۶۷)

حکمتِ خداوندی اور بندوں کی مجبوری کے بیان میں

دوست عزیز! السلام ودعا،

معلوم ہوا کہ آں عزیز دولت آباد سے واپس آ گئے۔ اللہ نے چاہا تو خیریت وعافیت ہی ہوگی اور عاقبت بھی محمود ہوگی۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ کی خواہش تمام خواہشوں پر غالب ہے۔ وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔ ؎

گرگ از رمہ بردآنچہ مرادِ دل او بود ٭ گو بادیہ پیمائے ہمیں مردِ شباں را

(بھیڑیا اپنی خواہش کے مطابق ریوڑ سے جسے چاہتا ہے اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اس کے باوجود کہ چرواہا اس کی حفاظت میں بادیہ پیمائی کرتا رہتا ہے) مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ (اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا) انبیاء، اولیاء، امراء اور سلاطین کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے یعنی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جسے وہ چاہتے ہیں کہ نہ ہو، لیکن وہ ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام ربوبیت ہے اور اسی کو خداوندی بھی کہتے ہیں۔ اور دوسری جانب عبودیت اور بندگی کے سوا چارہ نہیں۔ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم بر سول اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ درخواست پیش کرتے رہے کہ ابوطالب کو ایمان عطا ہو۔ جواب ملا اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ (جس کو آپ ہدایت کرنا چاہتے ہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔) اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے جب شفقت پدری سے مجبور ہو کر یہ دعا کی اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ (اے میرے اللہ! بیشک میرا لڑکا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے) جواب ملا۔ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (وہ تمہارا اہل نہیں ہے) یعنی وہ بیٹا تو تمہارا ہے مگر تمہارا اہل نہیں۔ دعا قبول ہو تو کیسے ہو۔

اے عزیز! کشود کار اگر بندے کی خواہش پر ہوتا، تو ان حضرات انبیاء کو ہوتا، جن کا درجہ بندگی میں بہت بلند ہے اور جو بندگی میں اخص الخواص ہیں۔ کیا کیا جائے۔ جب بندگی اسی کا نام ہے تو پھر تقدیر اور مشیئتِ الٰہی کے سامنے سر کو جھکا دینا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہے اس پر راضی ہو جانا چاہیئے

اپنی مراد اور آرزو سے دستبردار ہو جائیں۔ ناکامی اور نامرادی سے موافقت پیدا کر لیں۔

مثنوی

این قدر رہ صبر کن آساں بود ٭ تا خوش و ناخوش ترا یکساں بود

عمر روزے پنج و ششش می بگذرد ٭ خواہ ناخوش خواہ خوش می بگذرد

(اتنا صبر کرو کہ راہ آسان ہو جائے۔ خوشگوار اور ناشگوار سب یکساں ہو جائے۔
زندگی کے یہ چند دن گذر ہی جاتے ہیں۔ بھلے برے جس طرح بھی ہو گذر ہی جاتے ہیں۔)

اے بھائی! ممکن ہے کہ بندے کی بھلائی، اس کی نامرادی ہی میں پوشیدہ ہو۔ کیونکہ پروردگار عالم اپنے بندے کے صلاح و فلاح کو بندے سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے ساتھ خفیہ نوازشات بہت زیادہ ہیں۔

مثنوی

داند آں کس کہ خردہ داں باشد ٭ کانچہ او کرد خیر آں باشد

نوش داں ہر چہ زہر او باشد ٭ زشت و نکو ہمہ نکو باشد

(عقل و سمجھ رکھنے والا شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جو خدا کرتا ہے وہی بہتر ہوتا ہے۔ ظاہر میں زہر کا پیالہ ہی کیوں نہ ہو اسے شربت سمجھو۔ اچھے برے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔)

اے بھائی! ذرا یوسف علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو۔ ایک نابالغ بچے کو بلاقصور اس کے بھائی کوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر بوڑھا باپ جو خود پیغمبر ہے فراق کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ وہ کوئیں سے نکالا جاتا ہے اور غلام بنا کر بازار میں بیچ ڈالا جاتا ہے۔ پھر زلیخا کو اس کی جملہ فتنہ سامانیوں کے ساتھ مائل کر دیا جاتا ہے اس نوجوان کی دستگیری اس کی عصمت کرتی ہے۔ رحمت خداوندی گود میں اٹھا لیتی ہے۔ اور غلامی سے نکال کر مصر کے تختِ شاہی پر بٹھا دیتی ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اس عظیم گناہ کے باوجود رحمت حق ان بھائیوں کو بھی محروم نہیں چھوڑتی بلکہ ایک ایک کر کے سب کو نبوت کا تاج پہناتی ہے۔ اور سب کے سب اسطرح حیاتِ دوام سے نوازے جاتے ہیں۔ ان کے قصے کو احسن القصص کہہ کر بیان کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کتنی عجیب و غریب اور حیرت انگیز داستان ہے جو لوگوں کے وہم و گمان سے باہر ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

سر کہ آں جا رسید سر بنہد ٭ عقل آں جا رسید بر بنہد

(یہ وہ مقام ہے جہاں ہر سر پہنچ کر جھک جاتا ہے۔ اور عقل وہاں پہنچ کر بیکار ہو جاتی ہے۔)

اسے بھائی! تقدیر کے راز سے تو جبریل ومیکائیل بھی آگاہ نہیں ہیں۔ میری اور تمہاری یا ہماری طرح دوسرے لوگوں کی کیا حقیقت ہے، جو اس راز کو سمجھیں۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے تو مسجود ملائکہ بنایا اور بہشت کی سکونت عطا کی۔ اس کے بعد ایسا بھی ہوا کہ بہشت سے بغیر لباس کے باہر نکال دیا۔ اور تمام عالم میں یہ ندا کردی کہ عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔)

مثنوی

ہیچ کس از سرِّ کار آگاہ نیست ؛ زاں کہ آں جا ہیچ کس را راہ نیست

(اس کے کاموں کے راز کی کسی کو خبر نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کسی کا گذر نہیں)

نقل ہے کہ کل قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اپنے فرزندوں کے ساتھ جب بہشت کے دروازے پر پہنچیں گے تو اتنے بڑے ہجوم وہنگامے کو دیکھ کر فرشتے متعجب ہو کر کہیں گے سبحان اللہ! کیا یہ وہی مرد ہے؟ جسے بہشت سے برہنہ نکالا گیا تھا۔

اسے بھائی! ذرا اس اعزاز پر غور تو کرو کہ ایک وقت وہ تھا کہ شبِ معراج میں سرورِ کونین، سلطان الانبیاء، تاج الاصفیاء، براق پر سوار ہو کر لقائے الٰہی کے لیے روانہ ہو رہے تھے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار ارواحِ انبیاء جلو میں ہٹو بڑھو کی ندا کر رہی تھیں۔ پھر ایک وقت ایسا بھی گذرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار ہیں۔ جس کی زین بھی خرمے کی چٹائی کی ہے اور اسی حال میں آپ راستہ طے فرما رہے ہیں۔ لیکن ایک وقت وہ بھی آیا کہ روئے زمین کی کنجی جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کی جاتی ہے اور اس اختیار کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ آپ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک وقت ایسا بھی گذرا کہ چند سیر جَو کے لیے ایک یہودی کے دروازے پر جانا پڑا تو اس نے یہ کہہ کر تیر ونشتر چبھوئے کہ لَیْسَ لَکَ ضَرْعٌ وَّلَا زَرْعٌ مِنْ اَیْنَ تَقْتَضِیْ (آپ کو کس برتے پر قرض دوں۔ آپ کے پاس نہ اونٹ ہیں نہ بکریاں، نہ کھیتی ہے نہ باغ۔ آپ کہاں سے ادا کریں گے)

اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

گہ با کفِ پُر سیم وگہ درویشم ؛ گہ با دلِ بر نشاط وگہ دل ریشم
گہ واپس جملہ خلق گہ در پیشم ؛ من بوقلمون روزگارِ خویشم

(کبھی میری مٹھی سونے چاندی سے بھری ہوتی ہے اور کبھی میں مفلس وقلاش ہوتا ہوں۔ کبھی دل مسرت وشادمانی سے لبریز ہوتا ہے اور کبھی زخمی ورنجیدہ۔

کبھی تمام مخلوقات سے الگ تھلگ رہتا ہوں اور کبھی انجمن میں۔
گویا میں اپنے زمانے کی رنگارنگی کے درمیان رہتا ہوں۔

اے بھائی! معلوم یہ ہوا کہ اللہ کی غلامی اور اپنی مراد کی تکمیل کی خواہش یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جب ایسا ہے تو اپنی نامرادی پر طبیعت کو راضی کر لینا چاہیئے۔ تاکہ دل کو سکون حاصل ہو۔ اس لیے کہ آج جو مخلوق کو شرمندگی، غم و ملال لاحق ہے وہ اسی طلب مراد کی وجہ سے ہے۔ اور یہ محال ہے کہ جو ہم چاہیں وہ ہو۔ ظاہر ہے کہ محال کا طلب کرنے والا پریشان نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۲۰-۵-۷۸

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ

ڈیڑھ بجے شب

مکتوب ——— (۶۸)

فقیروں اور مسکینوں سے محبت کے بیان میں

برادر اعز عزیز الوجود ملک الامرا سلمہ اللہ

اسے بھائی! ! یہ ایک مومن کے لیے ایمان کی دولت کے بعد تمام نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی اور تمام دولتوں میں سب سے بڑی دولت اللہ تعالیٰ کے مسکین اور فقیر بندوں کی محبت ہے۔ اس کی عظمت کا پتا اس سے چلتا ہے کہ سلطانِ انبیاء اور تاج اولیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست تھی کہ

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ مَعَ الْمَسَاکِیْنِ

(اے میرے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ، اور مسکین ہی دنیا سے اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر)

مثنوی

گرچہ چندانی سلیماں کار داشت ٭ کز زمیں تا عرش گیر و دار داشت
قوت از زنبیل بافی ساخت او ٭ مسکنت را قدر چوں بشناخت او

(باوجود اس کے کہ سلیمان علیہ السلام کا کام اتنا وسیع تھا کہ زمین سے عرش تک ان ہی کی حکومت تھی۔ پھر بھی مسکینی کی حقیقت جب ان کو معلوم ہوئی تو انھوں نے زنبیل بافی کر کے اپنی محنت سے اپنی روزی حاصل کی)

اے بھائی! درحقیقت اللہ تعالیٰ کے یہی مسکین بندے بادشاہ ہیں۔ ان کی بادشاہت اور ان کی سلطنت اتنی وسیع ہے کہ نہ دنیا میں سما سکے نہ آخرت میں۔ اور اگر کوئی سوال کرے کہ آخر اس کی وسعت کہاں سما سکتی ہے، تو کہہ دو کہ اس کے لیے صرف ایک ہی وسیع صحرا ہے جسے صحرائے وحدت کہتے ہیں۔ اور ایک ہی فضا ہے جسے فضائے ربوبیت کہا جاتا ہے، چوں کہ ان کے ملک اور بادشاہی کی وسعت اتنی بڑی ہے اس لیے درویشی اور مسکینی کی چادر اوڑھ لی ہے، تاکہ کسی کو ان کے ملک و سلطنت کی خبر نہ ہو۔ تمام ناموں میں سے یہی نام اپنے لیے پسند کیا۔ تاکہ مخلوق کے شور و ہنگاموں سے بچے رہیں۔ کسی نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔ ؎

تا خلق نہ دانند کہ وے کیست بہ تلبیس ❊ در بتکدہ بہ نشست و زنار کمر کرد

(تاکہ لوگ نہ سمجھ سکیں کہ اس لباس میں کون ہے۔ بت کدہ میں بیٹھ گئے اور کمر سے زنار لپیٹ لیا۔)

اے بھائی! یقین جانو کہ جس شخص نے آج اپنے سینے کی زمین میں محبت کا بیج بویا تو خوش خبری ہے اس شخص کے لیے کہ کل قیامت کے دن اس کے ساتھ یہ ہوگا۔ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا حَشَرَ اللّٰہُ فِیْهِمْ اَیْ جَمَعَهُمُ اللّٰہُ فِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (جس نے کسی قوم سے محبت کی، اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کے ساتھ اس کا حشر کرے گا۔ یعنی قیامت کے دن ان ہی لوگوں کے ساتھ اس کو اکٹھا کیا جائے گا) ؎

خلق در ہر نوع ہر راہے کہ مُرد ❊ چوں ہمہ جا دید آں خواہند برد

(لوگ جس خیال اور مشرب پر مرتے ہیں، سب اسی حالت میں اٹھائے جائیں گے)

اس کی تائید میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جسے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دربار رسالت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور گذارش کی کہ یا رسول اللہ ایسے شخص کے متعلق کیا ارشاد ہے جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن کسی وجہ سے ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ ارشاد گرامی ہوا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (وہ شخص اس کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے) محبت کی وجہ سے۔ اور اس مضمون پر یہ آیت کریمہ بھی شاہد ہے۔ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے)

یہاں کیا جاتا ہے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے صلے میں اتنے بڑے انعام کا ذکر کیا تو صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو اسلام قبول کرنے کے بعد اتنی بڑی خوشی اور ایسی مسرت کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی، چنانچہ اس خوشی میں صحابہ کرام نے اس سوال کرنے والے کو بطور شکریہ کپڑوں اور پیسوں سے بہت کچھ نوازا۔ تمام صحابہؓ کرام کا یہی کہنا تھا کہ اتنی بڑی دولت و نعمت کی خوش خبری ہمیں اور تمام مسلمانوں کو تمہاری وجہ سے ملی جو قیامت تک باقی رہے گی۔ اس شعر میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

تشنہ از دریا جدائی می کند ❊ بر سرِ گنجے گدائی می کند

(پیاسا ہونے کے باوجود دریا سے جدائی اختیار کرتا ہے۔ خزانے پر بیٹھ کر بھی گدائی کرتا ہے)

اے بھائی! ایسے ہی موقع کے لیے مشائخ طریقت رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مشرق و مغرب کے آخر کنارے پر رہتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ لوگ میرے پہلو میں ہیں۔ یعنی محبت کی وجہ سے وہ لوگ میرے پہلو میں ہیں۔ ہر چند کہ وہ لوگ بظاہر ہم سے اتنی دوری پر ہیں۔

لیکن اے بھائی! دعویٰ کے ساتھ دلیل کی طلب بھی ہوتی ہے اس لیے کہ محض دعویٰ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کے لیے گواہ نہ ہو۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص فقیروں کی ایک ٹولی میں شریک ہوا۔ ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ آنے والے نے جواب دیا کہ میں فقیروں کا غلام ہوں۔ فقیروں کی جماعت میں سے ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ جاؤ اس غلام کو بازار میں بیچ ڈالو۔ وہ شخص اسی وقت اٹھا اور اس کو اپنے ساتھ بازار لے گیا اور وہاں بیچ ڈالا۔ خریدار جب اسے گھر لے گیا اور حالات کا جائزہ لیا تو سخت متعجب ہوا۔ اور صورت حال دریافت کی اور کہا کہ مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو۔ اس کے بعد تم آزاد ہو جہاں چاہو جاؤ۔ تو انھوں نے وضاحت کی اور کہا کہ بھائی! میں نے ایک دعویٰ کیا تھا کہ میں فقیروں کا غلام ہوں۔ فقراء نے اس دعوے کی دلیل کی طلب میں میرے ساتھ یہ کچھ کیا۔ جو تم نے دیکھا۔ یعنی میں غلامی کے دعوے کے مطابق بک گیا۔

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۴-۵-۷۸

مکتوب —— (۶۹)

حق کے راز چھپانے کے بارے میں

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تمہارا بھیجا ہوا مصلیٰ ملا۔ قبول کیا گیا جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (اللہ تعالیٰ اس کا اچھا بدلہ عطا کرے) عالم دیوانگی کے متعلق تم نے جو کچھ لکھا ہے وہ مطالعہ سے گذرا۔ ہم نے اسے اس شعر پر محمول کیا ؎

ہر چہ از دیوانہ آید در وجود ؏ عفو فرمائند از دیوانہ زود

(دیوانہ سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے۔ اسے اس کی دیوانگی پر محمول کر کے معاف کر دیتے ہیں)

اے بھائی! تعجب کی بات نہیں۔ شاید مکتوب سے ظاہر میں کوئی ایک معین شخص مراد ہو لیکن باطن میں اس سے کوئی دوسرا نیک بخت مراد ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ تقدیر کے کرشمے اس سے کہیں زیادہ تعجب کی باتیں ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی کسی کو کاتب بناتے ہیں اور کسی کو مکتوب الیہ۔ لیکن حقیقت کی خبر نہ کاتب کو ہوتی ہے اور نہ مکتوب الیہ کو۔ ؎

گر ترا دانش و گر نادانی ست ؏ آخر کارِ تو سر گردانی ست

(اگر تمہیں دانشوری حاصل ہے یا جہالت۔ دونوں کا نتیجہ حیرانی و پریشانی ہے)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ دست و قلم پر کاتب ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے حالانکہ ان کو مقصود کی کوئی خبر نہیں۔ اسی طرح کاغذ پر لکھے جانے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ حالانکہ کاغذ بیچارے کو کچھ خبر نہیں کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔ میرا اور تمہارا ایسا ہی حال ہے۔ ایک پکاتا ہے، دوسرا کھاتا ہے ایک بنتا ہے دوسرا پہنتا ہے۔ ایک کو کسی کام کے لیے نشانہ بناتے ہیں تو دوسرے کو اس کا حصہ دار ٹھہراتے ہیں۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ط (اللہ تعالیٰ نے روزی میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔) کسی کو کیا حق ہے کہ ان کے اختیار میں دخل اندازی کرے۔

اے بھائی! تقدیر کے معاملے کی جبریل اور میکائیل کو بھی خبر نہیں۔ پھر میری اور تمہاری کیا حیثیت ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ (اسلامتی کی طرف اللہ تعالیٰ کی دعوت

عام ہے، لیکن ہدایت خواص کے لیے مخصوص ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) ؎

ہیچ کس از سرِ کار آگاہ نیست ٭ زاں کہ آں جا ہیچ کس را راہ نیست

(اس کے کاموں کے راز سے کوئی بھی آگاہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہاں تک کسی کا گذر نہیں ہے)

اے بھائی! سبھی آدمی برابر نہیں۔ خَلَقَ اللّٰهُ لِلْحُرُوْبِ رِجَالًا وَّ لِلْقَصْعَةِ وَ الثَّرِیْدِ رِجَالًا[1]۔ کسی کو ایسی ہمت دی کہ اپنی طلب کی کمند ہر روز کنگرۂ عرش پر ڈالتا ہے اور کسی کا یہ حال کہ دو روٹی مل گئی تو پیٹ بھر لیا گویا اسی میں دونوں جہان کی حکومت اسے مل گئی۔ ایسے میں اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ تقدیر ازلی یہی ہے۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے ؎

نیست کس را از حقیقت آگہی ٭ جملہ می میرند با دستِ تہی

(حقیقت کی خبر کسی کو نہیں۔ سب خالی ہاتھ دنیا سے جاتے ہیں)

جس طرح جسمانی رزق کا تعلق قسمت سے ہے اسی طرح روح اور قلب کے رزق کا بھی تعلق قسمت سے ہے۔ جب یہ دونوں مقسوم و معلوم ہیں تو وَ الْمَعْلُوْمُ لَا یَتَغَیَّرُ وَ الْمَقْسُوْمُ لَا یَزِیْدُ وَ لَا یَنْقُصُ۔ (اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور اس کی تقسیم میں کمی بیشی نہیں ہوتی) یہی وہ مقام ہے جہاں قلم ٹوٹ جاتا ہے اور زبان بندی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو ارادہ کرتا ہے اس کی تکمیل کا حکم دیتا ہے) کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

کرا زہرۂ آں کہ از بیم تو ٭ کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(تیرے خوف کے مقابلے میں کس کی ہمت ہے کہ زبان کھولے۔ تسلیم و رضا کے سوا چارہ ہی کیا ہے)

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جو کچھ تمہارے خط میں ہے وہی تمہارا حال اور ذوق بن جائے گا۔ اور مجھ ناچیز کو بھی یہ امید ہے کہ اس کے طفیل میں مجھے بھی کچھ حاصل ہوگا۔ کیوں کہ اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِكُلِّ حَشِیْشٍ ڈوبنے والا تو ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے۔ مجھ بے چارے کو کتابت کا نشانہ بنایا گیا ہے تاکہ جو چاہے اس دسترخوان سے کھائے۔ غریب نانبائی اپنے ہاتھ پاؤں جلا کر پکاتا ہے اور کھانے والے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی ۵-۸-۸۸

لطیف آباد۔ ساڑھے بارہ بجے شب

---

[1] کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ کے لیے پیدا کیا ہے اور کچھ لوگوں کو حلوے مانڈے کے لیے

مکتوب ——— (۷۰)

خدائے بزرگ و برتر کے حکم کے مقابلہ میں عقل کی عاجزی اور درماندگی

دوست عزیز! بہ سلام ودعا مخصوص

اے بھائی! اس دنیا میں نعمتیں دشمنوں کے لیے مخصوص کردی گئی ہیں۔ اور بلا ومصیبت دوستوں کے لیے۔ اس معاملہ میں قیاس وعقل عاجز ہے۔ اس لیے کہ علوم عقلیہ کے حصول کا آلہ قیاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہم وقیاس سے بالاتر ہے۔ وہاں عقل وقیاس کا گذر نہیں۔ وہاں تو سارا معاملہ مرضی پر موقوف ہے کیا دیکھتے نہیں؟ کوئی صاحب عقل کوئی کام بلاضرورت انجام نہیں دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے لاکھوں بلکہ ان گنت مخلوق پیدا کئے۔ مگر اس کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ عقل کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ صاحب عقل بغیر فائدے کے کسی سے دوستی نہیں کرتا۔ اور بغیر نقصان کے دشمنی نہیں۔ عقل کا حکم یہی ہے۔ لیکن اس کی ذات کسی نفع کی محتاج نہیں۔ پھر بھی اس کو اپنے مخلوق سے محبت ہے۔ اس کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اس کے باوجود وہ کسی کو دشمن نہیں ٹھہراتا۔

عقل کا تقاضا ہے کہ دوست کو نوازا جائے اور دشمنوں کو ستایا جائے۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر تمام تر بلائیں اور مصیبتیں دوستوں کو دیتا ہے۔ اور مرادیں دشمنوں کی برلاتا ہے۔ عقل کا حکم یہ ہے کہ کسی کو دشمن نہ بنائیں اور اگر کوئی ہو جائے تو اسے قتل کردیں۔ اللہ رب العزت اپنے دشمنوں کو خود پیدا کرتا ہے، خود ہی اس کی پرورش کرتا ہے اور ہلاک نہیں کرتا۔ باوجودیکہ وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ جب قیاس کو اس کی ذات میں کوئی راہ نہیں ہے۔ اور عقل عاجز ودرماندہ ہے، نتائج عقل اس کے حکم کے مقابلہ میں ناکارہ اور بے کار ہیں، تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عقل کی حدیں کیا ہیں۔ ؎

عقل کل یک سخن از دفتر او ✤ نفس کل یک پیادہ بر در او

(عقل کل کی ساری پونجی اس کے دفتر کی ایک معمولی بات ہے۔ نفس کل اس کے دروازے کا ایک پیادہ ہے) ان اصولوں کو یوں کہا گیا ہے۔ اَلْعَقْلُ یَحُوْلُ حَوْلَ الْکَوْنِ فَاِذَا نَظَرَ اِلَی الْمُکَوِّنِ ذَابَ الْعَقْلُ۔ (عقل مخلوقات کے گرد گردش کرتی ہے اور جب یہ خالق کی طرف مائل ہوتی ہے

تو پیچھے رہ جاتی ہے)

عقل خود مخلوق ہے اور مخلوق کی صفت عاجزی ہے۔ جو مخلوق ہو اور عاجز بھی ہو اسے خالق پر کیونکر تصرف حاصل ہو سکتا ہے؟ اس کی پرواز تو مخلوق ہی کے گرد ہو سکتی ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقل کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اس کا مصرف کیا ہے؟ بلاشبہ عقل اظہار بندگی اور بندگی کا صحیح طریقہ معلوم کرنے کے لیے عطا ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر عقل نہ ہوتی تو انسان بندگی کرنے سے عاجز رہتا۔ عقل اس کام کے لیے ہرگز نہیں کہ انسان اس کے ذریعہ خدا کی خدائی میں دخل دے۔

نظم

(۱) عقل باید تا عبودیت بود ؛ جانت باید تا ربوبیت بود

(۲) اے شدہ از شناختِ خود عاجز ؛ کے شناسی خدائے را ہرگز

(۳) چوں تو در علمِ خود زبوں باشی ؛ عارفِ کردگار چوں باشی

(۱) عقل چاہیئے تاکہ اس کی بندگی کا اظہار ہو سکے۔ جان اس لیے عطا ہوتی ہے تاکہ اس کی ربوبیت کا اظہار ہو سکے۔

(۲) اے وہ شخص! جو اپنی شناخت میں عاجز و درماندہ ہے تو پھر خدا کی ذات کو اپنی عقل کے حدود میں کیسے گھیر سکتا ہے۔

(۳) جب تو خود اپنی شناخت میں عاجز و درماندہ ہے تو پھر خدا کی معرفت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔)

یہ درست ہے کہ عقل، حقیقت تولنے کا ایک ترازو ہے۔ بنئے کا ترازو بھی وزن بتاتا ہے لیکن کیا پہاڑ کا وزن بنئے کے ترازو پر تولا جا سکتا ہے؟

اے بھائی! تقدیر کے راز سے تو جبریل و میکائیل بھی بے خبر ہیں۔ عقل بیچاری کیا جانے انسانی سوجھ بوجھ اور فہم و ادراک کا وہاں کہاں گذر؟

مثنوی

عقل عقل است جان جان است او ؛ آں کہ زیں برتر است آں است او

عشق را دادہ بندِ عشق کمال ؛ عقل را ہم بہ عقل کردہ عقال

(وہ ذات عقول کی عقل اعلیٰ ہے اور جانوں کی جان ہے۔ بلکہ اس سے بھی وہ ذات گرامی اعلیٰ ہے۔ عشق کو اس نے عشق کامل کی قید میں ڈالا۔ عقل کی گردن میں عقول کی رسی ڈالی۔)

اے بھائی! سب سے پہلی سطر جو لوحِ محفوظ پر لکھی گئی وہ یہ تھی۔ اَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ مَنْ لَّمْ یَرْضِ بِقَضَآئِیْ وَ مَنْ لَّمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَآئِیْ۔ (میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں۔ صرف میں ہی ہوں۔ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔ جو اس فیصلے پر راضی نہ ہو اور مصیبتوں پر صبر نہ کرے وہ چاہے تو وہ میرے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کرے)

اے بھائی! جب ایسا اعلان ہو تو جو کچھ پیش آئے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ یہی تو بندگی ہے۔ اور دن رات یہی زبان پر جاری رکھنا چاہیئے۔ رَبِّ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا فَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ ذَنْبَ الْعَظِیْمِ اِلَّا الرَّبُّ الْعَظِیْمُ (اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے۔ پس تو میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ اس لیے کہ گناہوں کو تو ہی معاف کر سکتا ہے) اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

بر درِ حق بگرد زور مگرد ؛ کہ بزاری شوی دریں رہ مرد

(اللہ تعالیٰ کے دروازے پر پڑے رہو۔ زور آوری مت کرو۔ اس لیے کہ الحاح و زاری ہی کے ذریعہ اس راہ میں مردانگی آسکتی ہے۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۷۸ – ۵ – ۹

لطیف آباد۔ حیدر آباد

ایک بجے شب

مکتوب ـــــ (۷۱)

مَردوں کی تعریف اور مخنّثوں کی مذمت میں

رباعی

قومے متحیر اند در راہِ یقین ⁂ قومے دیگر اند ماندہ اندر غمِ دین
می ترسم ازاں بانگ بر آید روزے ⁂ کہ اے بے خبراں راہ نہ آنست نہ ایں

الیقین کی راہ میں ایک جماعت متحیر ہے۔ لیکن ایک دوسری جماعت بھی ہے جو دین کے غم میں مبتلا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں ایک دن یہ آواز نہ آئے۔ کہ اے بے خبرو! اصل راہ نہ وہ ہے اور نہ یہ۔)

تم عزیز کا خط ملا جس میں بڑی موانست پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ تو معلوم ہے کہ اَلْقُلُوْبُ تَتَقَاضیٰ وَالضَّمَائِرُ تَتَنَاجیٰ وَاللّٰہُ بِفَضْلِہٖ یَسْھَبُ اَسْبَابَ الْمُلَاقَاتِ (جب دل متقاضی ہوتا ہے تو دوسری طرف روح متلاشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسبابِ ملاقات آسان کردے)

اے بھائی! کیا لکھا جائے اور کیا کہا جائے! مَردوں کا دین کچھ اور ہے اور مخنثوں کا دین کچھ اور۔

قطعہ

در زہد بود منبر و محراب بہ تحقیق ⁂ در عشق بجز بادہ و زنار نہ باشد
بر دار بود یار اگر عاشقِ فردی ⁂ ورنہ بنشیں، یار ز گفتار نہ باشد

(زاہدوں کی نظر میں تو دین کا ماحصل محراب و منبر ہی ہے۔ مگر عاشقوں کے یہاں شرابِ محبت اور زنار جنوں کے سوا کچھ نہیں + اگر واقعتاً تو عاشق کامل ہے تو پھر تیری جگہ دار پر ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو جا گوشہ نشینی اختیار کرلے اس لیے کہ صرف باتوں سے دوستی کا حق ادا نہیں ہوتا۔)

اے بھائی! کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذوق کے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ

لِلْحَرْبِ رِجَالًا وَّلِلْقَصْعَةِ وَالثَّرِيْدِ رِجَالًا - (یعنی کسی کو میدان جنگ کے لیے پیدا کیا اور کسی کو محض حلوے مانڈے کے لیے تخلیق کیا) ہزاروں مومنوں اور موحدوں کو جب مقبرے تک لے جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک طالب حق کا جنازہ نظر آتا ہے۔ جس طرح طالبانِ دنیا کے مقابلے میں طالبانِ آخرت تھوڑے ہیں۔ اسی طرح طالبان بہشت کے مقابلے میں طالبانِ حق جنہیں اہل اللہ کہا جاتا ہے بہت کم ہیں۔ بلاشبہ اسی طرح ہے۔ لہٰذا ہم لوگ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ صرف شیخی اور کشف و کرامات کے طلبگار ہیں اور جاہ و مرتبہ کے عاشق ہیں۔ افسوس! مخنثوں کو مردانِ راہ کی باتوں سے کیا تعلق؟ قُوْتُ كُلِّ طَيْرٍ عَلٰى قَدْرِ حَوْصِلَتِهٖ وَهَلْ رَاَيْتَ حِجَابًا قَطُّ يُزَاحِمُ الْمُلُوْكَ عَلٰى سُلْطَانِهِمْ (ہر پرندے کی غذا اس کے حوصلہ کے مطابق ہے۔ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ بادشاہ کو اس کے تخت پر بیٹھنے میں دربار کا پردہ حائل ہوا ہو؟)

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قیام گاہ سے اچانک غائب ہو گئے۔ لوگ تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک جگہ مخنثوں کے درمیان انہیں کے لباس میں بیٹھے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر لوگ گھبرا گئے اور پوچھنے لگے۔ حضور! آخر یہ کیا حال ہے؟

شیخ نے جواب دیا۔ میں شکل و صورت سے عورت نہیں ہوں۔ اور معنی میں مرد بھی نہیں ہوں۔ ایسے میں یہی بات سمجھ میں آئی کہ میں مخنث ہوں۔ اس لیے ان کی جماعت میں آ بیٹھا۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائے۔

مثنوی

گرچہ غافل بریں عمل نخدد ÷ لیک عاقل جز ایں نہ پسندد
راہِ دیں صنعت و عبارت نیست ÷ جز خرابی در و عمارت نیست

(جن کا دل غافل ہے وہ اس عمل پر ہنسیں گے۔ لیکن عقل مند آدمی اس کے سوا کسی دوسری چیز کو پسند نہیں کرے گا + صنعت و عبارت دین کی راہ نہیں ہے۔ اس عمارت میں خرابی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے)

اے بھائی! نماز اور روزے، تلاوت اور وظیفے، خلوت اور گوشہ نشینی، بلاشبہ یہ اچھے عمل ہیں۔ جو مومنوں کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن طالب حق کی شان ہی کچھ اور ہے۔ اور ان کا کام بھی کچھ اور ہے۔ ان کا معاملہ دنیا اور عقبیٰ تک محدود نہیں ہوتا اور نہ باطن اور روح تک ان کا سلسلہ ختم ہوتا ہے بلکہ ان کی منزل ہی کچھ اور ہے۔

مثنوی

ہر کرا بوے رسد از سوے او ❊ ہر دو عالم چیست خاکِ کوے او

اے مخنث کو ہر ایں جا بار نیست ❊ عشقِ حق را با مخنث کار نیست

(جس کسی کو محبوب کی بو مل جاتی ہے۔ اس کی نگاہ میں دونوں عالم اس کی گلی کی خاک ہے + جو مخنث ہیں، ان کی پہنچ اس مقام تک نہیں ہے۔ مخنثوں کو عشقِ الٰہی سے کچھ سروکار نہیں)

اے بھائی! اَلْاِیْمَانُ عُرْیَانٌ (ایمان کھلی ہوئی چیز ہے) شیخ و مقتدا بننا، پیری اور مریدی کرنا یہ سب کے سب عالم وحدت میں آلائشات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ظاہری زیب و زینت کے سوا کچھ نہیں۔ اسی کی جانب کسی نے اشارہ کیا ہے۔

رباعی

در مذہب عشق خود پرستی نہ خرند ❊ ہوشیار رواں متاعِ مستی نہ خرند

در عالمِ معرفت اگر داد دہی ❊ بے نام و نشاں برد، کہ ہستی نہ خرند

(عشق کے مذہب میں پندار و خود پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہوش کے ساتھ راہ طے کرنے والا، غفلت و مستی پسند نہیں کرتا + معرفت کی دنیا سے اگر کچھ داد لینا ہے۔ تو اس عالم رنگ و بو سے بے نام و نشاں ہو کر چلا جا۔ اس لیے کہ ہستی کو نہیں خریدتے ہیں +)

جناب داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو ارشاد ہوا وہ تو تم نے سنا ہوگا۔ یَا دَاوٗدَ مَنْ طَلَبَنِیْ وَجَدَنِیْ وَمَنْ طَلَبَ غَیْرِیْ لَمْ یَجِدْنِیْ (اے داؤد! جس نے صرف میری طلب کی وہی مجھے پاتا ہے۔ اور جسے میرے علاوہ کی طلب ہوئی وہ مجھے نہیں پا سکتا) ؎

مردی باید نہ سر اورا نہ پائے ❊ جملہ گم گشتہ درد، او در خدائے

(اس راہ میں ایسا مرد چاہیے جس کو نہ ابتدا کی خبر ہو نہ انتہا کی۔ سارا عالم اپنے میں گم کرلے اور اپنے کو خدا میں گم کردے)

شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تُبْصِرَ الْحَقَّ فِیْ قَلْبِکَ مَوْجُوْدًا فَطَہِّرْ قَلْبَکَ مِنْ غَیْرِہٖ فَاِنَّ الْمَلِکَ لَا یَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ الْخُرَافَاتُ وَالْاَفْحَشَۃُ وَاِنَّمَا یَدْخُلُ بَیْتًا فَارِغًا لَیْسَ فِیْہِ اِلَّا ھُوَ

وَلَا تَكُوْنُ اَنْتَ مَعَهٗ فِيْهِ (تم نے جب خدا کو اپنے دل میں دیکھنے کا ارادہ کیا تو چاہیئے کہ پہلے اپنے قلب کو اس کے غیر سے پاک کر دو۔ بیشک بادشاہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتا جہاں خواہشات اور خرافات موجود ہوں۔ وہ تو ایسے ہی گھر کو اپنی خلوت گاہ بناتا ہے، جہاں اس کے علاوہ کوئی نہ ہو۔ یہاں تک کہ تم بھی نہ ہو۔)

اے بھائی! بہشت کے طلب گار بہت ہیں، لیکن حق کے طالب تھوڑے ہیں۔ مگر جو ہیں وہ بہت زیادہ عزیز ہیں۔ کیوں نہ ہوں؟ اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا دَاوٗدُ اِذَا رَأَيْتَ لِيْ طَالِبًا فَكُنْ لَهٗ خَادِمًا (اے داؤد! جب کسی کو تم میرا طالب دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ)

اے بھائی! ان ہی لوگوں کے لیے یہ آیا ہے۔ اور ان ہی کو زیب بھی دیتا ہے۔ اَنْتَ لِيْ وَاَنَا لَكَ شِئْتَ اَمْ اَبَيْتَ (تم ہمارے ہو، ہم تمہارے ہیں۔ چاہے لو، چاہے انکار کر دو) یہ وہی لوگ ہیں جن کا کام بنا ہوا ہے۔ اور دربارِ خاص کی باریابی انھیں نصیب ہے۔ جیسا کہ کہا ہے ؎

گر از وراہ بود سوے تو باز ✤ تو ازیں دولت توانی کرد ناز

(محبوب حقیقی کی جانب سے اگر تجھ پر راہ کھول دی جائے۔ تو اس پر جتنا بھی ناز کر زیبا ہے)

لیکن یہ سب تو مردانِ راہ کی باتیں ہیں۔ ہمارے لیے اور ہم جیسے دوسروں کے لیے تو عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ (تمہارے لیے بڑی بی کا دین ہے) سے حصہ ملا ہے اور بس۔ ہم لوگوں کو ان بلند مقامات کے بارے میں بولنے اور لکھنے کے علاوہ ملا ہی کیا ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

شمعم کہ جہاں بر ناکس وکس افروزم ✤ روشن دارم جہان وخود می سوزم
من پند دہم کہ دل بہ ناکس مدہید ✤ خود می نہ کنم آں چہ بہ خلق آموزم

(میں شمع ہوں کہ دنیا میں ہر کس وناکس کو روشنی پہنچاتا ہوں۔ دنیا کو منور رکھتا ہوں لیکن میرے نصیب میں جلنا ہے + میں دوسروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر کس وناکس سے دل مت لگاؤ۔ مگر میں خود اس پر عمل نہیں کرتا جس کے لیے دوسروں کو نصیحت کرتا ہوں)

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ اس بولنے اور لکھنے سے توبہ۔ کیا کروں خط کا جواب تو لکھنا ہی پڑتا ہے۔ اس نیے کچھ نہ کچھ لکھنا اور بولنا پڑتا ہے۔ یہ اور اس سے قبل جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے مقصود اگر طلب رضائے حق نہیں ہے تو سب سے توبہ اور استغفار ہے۔

اے بھائی! تاہم اگر کوئی ایسا دن نصیب ہو کہ عشقِ الٰہی کا درد دامن گیر ہو جائے، تو جلد سے جلد

حضرت عشق کے مرید ہو جاؤ تاکہ عشق ہی تمہارا پیر ہو جائے لَا شَیْخَ اَبْلَغُ مِنَ الْعِشْقِ ۔ ع

شاگرد باش عشق ترا اوستاد بس

(عشق کے شاگرد ہو جاؤ۔ تمہارے لیے وہی استاد کافی ہے)

اس حقیقت سے عشق کے طلب گار ہی آشنا ہیں کہ عشق کس حال کا نام ہے۔ اس کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

در عالم پیر ہر کجا برنا الیست ؛ عاشق باد کہ عشق خود سودا الیست

(دنیا میں پیر کی کمی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عشق پیدا کرو۔ کیوں کہ عشق خود ایک سودا ہے) اور پھر یوں کہا ؎

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رود

دست در پائے کبوتر زدہ ناگاہ رسید

(غریب چیونٹی نے یہ آرزو کی کہ کسی طرح کعبہ پہنچے۔ کبوتر کے پیر کو ہاتھ لگایا اور پہنچ گئی)

اے بھائی! جانتے ہو کہ کبوتر کیا ہے؟ وہ محبوبِ حقیقی کا عشق ہے۔ ؎

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے ؛ حل نہ شد بے عشق ہر گز مشکلے

(ہر دل کی دوا عشق کا درد ہے۔ عشق کے بغیر کوئی مشکل آج تک حل نہ ہوئی)

والسلام

شاہ محمد نعیم ندوی

۷۸-۵-۱۲

لطیف آباد حیدرآباد۔ سندھ

پونے چار بجے صبح

مکتوب ——— (۷۲)

مخلوق کی حاجت روائی اور بندگانِ خدا کو آرام پہنچانے کا تذکرہ

عزیز الوجود، ملک المفرح! سلام ودعا!

زکریا کے لڑکے کی معرفت تمہارا خط اور ایک چادر اور ایک رومال ملا۔ تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنْكَ وَجَزَاكَ بِالْخَیْرِ (اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اچھا بدلہ دے)

اے بھائی! اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) جس قدر ممکن ہو اس حدیث پر عمل کریں۔ یعنی اپنے ہاتھ سے، زبان سے، قلم اور کاغذ سے، روپے اور جنس سے جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کے دلوں کو راحت پہنچائیں۔ اور اس کو سب سے اہم کام تصور کریں۔ یہ تو معلوم ہے کہ دنیا پر عیب، اس کی آفتیں اور بلائیں کس قدر ہیں۔ وہ اتنی ہیں کہ موٹی موٹی ضخیم کتابیں لکھی جانے کے باوجود اس کا عشر عشیر بھی بیان نہیں ہو سکتا۔ تاہم دنیا سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی کھیتی ہے۔

ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا، خدا کی طرف جانے والی کتنی راہیں ہیں؟ فرمایا۔ "عالم میں جتنے ذرات ہیں، ان میں کا ہر ایک ذرہ خدائے بزرگ و برتر کی جانب ایک راہ پیش کرتا ہے۔ لیکن سب سے قریب اور زیادہ فائدہ مند راستہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچایا جائے۔ ہم نے اسی کے ذریعے راستہ پایا اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔"

اے بھائی! شریعت کا حکم بھی یہی ہے۔ مَنْ قَضٰی لِاَخِیْہِ الْمُسْلِمِ حَاجَۃً قَضَی اللّٰہُ لَہٗ سَبْعِیْنَ حَاجَۃً (جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ایک حاجت پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے) وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ کَسَا مُؤْمِنًا کَسَا اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَلْفَ حُلَّۃٍ وَقَضَی اللّٰہُ لَہٗ اَلْفَ حَاجَۃٍ وَکَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ عِبَادَۃَ سَنَۃٍ وَغَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوْبَہٗ کُلَّھَا وَاِنْ اَکْثَرَ مِنْ نُجُوْمِ السَّمَآءِ وَاَعْطَاہُ اللّٰہُ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ عَلٰی جَسَدِہٖ نُوْرًا وَّرَفَعَ اللّٰہُ عَنْہُ عَذَابَ الْقَبْرِ وَکَتَبَ لَہٗ بَرَاءَۃً مِّنَ النَّارِ وَجَوَازًا عَلَی الصِّرَاطِ وَاَمَانًا مِنَ الشَّدَائِدِ۔

(جو شخص ایک مومن کو کپڑا پہناتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ہزار جوڑے عنایت کرے گا، اس کی ہزار ضرورتیں پوری ہوں گی۔ ایک سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ ستاروں کی گنتی سے زیادہ اگر اس کے گناہ ہوں گے، تو وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس کے جسم کے ہر روئیں کے برابر انوارالٰہی اس کو عطا ہو گا۔ عذاب قبر اس سے اٹھا لیا جائے گا۔ دوزخ کے عذاب سے اس کو چھٹکارا مل جائے گا۔ پل صراط سے وہ بے خطر گذر جائے گا۔ اور قیامت کے دن کی سختیوں سے اسے نجات ملے گی۔)۔ نماز، روزے اور نوافل کی ادائیگی سے یہ دولت کہاں نصیب ہوگی۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ اس شہر کا بادشاہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ رات بھر جاگ کر عبادت کرتا ہے، نمازیں اور نوافل ادا کرتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ بیچارہ اپنی راہ بھول گیا ہے۔ اور دوسروں کے کام کو اپنے سر لے لیا ہے۔ لوگوں نے کہا یا شیخ یہ کس طرح۔ جواب دیا کہ اس کے لیے سلوک کی راہ یہ ہے کہ اپنی دولت اور نعمت سے بھوکوں کا پیٹ بھرے۔ ننگوں کو طرح طرح کے کپڑے پہنائے، برباد دلوں کو آباد کرے اور ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرے۔ نماز، نوافل اور شب بیداری تو فقرا کا کام ہے۔ ہر آدمی کو اپنے منصب کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔

اے بھائی! ٹوٹے ہوئے دل کو شاد کرنا یا کسی برباد کو آباد کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہو۔ شاید تمھیں معلوم نہیں کہ تمام ٹوٹی ہوئی چیزیں اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہیں۔ مگر صرف دل کا معاملہ ایسا ہے کہ شکستہ ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔

نقل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ تجھے میں کہاں تلاش کروں؟ جواب ملا۔ عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِيْ (یعنی ٹوٹے دلوں کے پاس، جو میری رضا کے لیے ہوں) جناب موسیٰ نے عرض کیا۔ پروردگارا! آج ہم سے زیادہ شکستہ دل کون ہے؟ جواب ملا تو پھر ہم وہاں موجود ہیں۔

اے بھائی! یہ تو تم نے سنا ہوگا کہ جناب رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا یہ مقام اور ان کو یہ دولت کس چیز کے بدلے میں ملی تھی۔ یہی نا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔ البتہ اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ جب کسی کو کچھ دیں تو اس کے سوال کرنے سے پہلے دیں۔ کیوں کہ ارشاد ہے۔ اَلسُّوَالُ اِنْ قَلَّ ثَمَنُ النَّوَالِ وَاِنْ جَلَّ۔ (احسان جتنا بڑا بھی ہو۔ سوال اس کا بدلہ بن جاتا ہے۔ خواہ کتنا ہی قلیل سوال کیوں نہ ہو۔) دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی دے یا جس قدر بھی دے اسے تھوڑا ہی سمجھے۔ کیوں کہ پوری دنیا کی بہ نسبت وہ تھوڑا ہی ہے۔

حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا۔ اگر تمام دنیا مجھے حاصل ہو، تو اُسے میں ایک لقمہ بنا کر کسی فقیر کے منھ میں ڈال دوں پھر بھی از راہ شفقت میں یہ سمجھوں کہ اس بیچارے کو میں نے کچھ بھی تو نہیں دیا۔

والسلام

مترجم

شاہ محمد نعیم ندوی

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

۷۸–۵–۱۲

بوقت ڈیڑھ بجے شب

مکتوب ——— (۷۳)

روح کی صفات اور اس کی تاثیر کے بیان میں

اے بھائی! روح جو خلیفۂ حق ہے، جب تجلیِ حق سے منور ہوتی ہے، تو وہ اپنی خلافت کے دعویٰ میں انا الحق پکار اٹھتی ہے۔ اس لیے کہ اس وقت اسے تمام موجودات اپنے منصبِ خلافت کے سامنے سجدہ ریز معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت اسے علم ہوتا ہے کہ حضوریِ حق کا کیا مقام ہے۔ اس کی نظر اس حدیث پر ہوتی ہے اِذَا تَجَلَّى اللّٰهُ بِشَیْءٍ خَضَعَ لَهٗ (جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر جلوہ فرماتا ہے تو اس کے سامنے جھک جاتی ہے) اور پھر تحیر کے عالم میں یہ کہتی ہے ؎

ھَا اَنَا اَمْ اَنْتَ هٰذَا اِلٰهَیْنَ ٭ حَاشَاكَ حَاشَاكَ عَنْ اِثْبَاتِ اثْنَیْنِ

(یا میں ہوں یا تو ہے۔ دو خدا ہر گز نہیں۔ میں دوالوہیت کے اقرار سے پناہ مانگتا ہوں۔

فَاَیْنَ ذَاتُكَ حَیْثُ كُنْتُ اَرٰی ٭ فَقَدْ بَیَّنَ ذَاتِیْ حَیْثُ اِلٰی اَیْنَ[1]

(بیشک تیری ذات ویسی نہیں جیسی میں سمجھتا تھا۔ مجھے اپنی ذات کے متعلق معلوم ہوا کہ میں کہاں ہوں)

یہ نہایت ہی خطرناک وادی ہے۔ ہزاروں راہی تمام وادیاں طے کرنے کے بعد جب اس مقام پر پہنچے تو قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

قطعہ

افگندہ دلم رفت بہ منزل گاہے ٭ کانجا نہ برد بہ صد دلیل آں راہے
چوں من دو ہزار عاشق اندر ماہے ٭ می کشتہ شوند و بر نیاید آہے

(میرا دل مجھے ایسی جگہ ڈال کر اپنی منزل کی طرف چلا گیا جہاں سینکڑوں کو نشانِ راہ کے باوجود راہ نہ مل سکا۔ وہاں میرے جیسے ہزاروں عاشق قتل ہو جائیں اور آہ کی آواز تک بلند نہ ہو)

روح کے متجلی ہونے کا یہی وہ مقام ہے، جہاں انوارِ حق اپنی تجلی سے راہی کو اس قدر متحیر کر دیتے ہیں اور اپنا مفتون بنا لیتے ہیں کہ راہی آگے چلنے سے رک جاتا ہے۔ ہاں! اگر روح

---

[1] یہ اشعار حضرت منصور کے ہیں۔ مخ المعانی صفحہ ۱۰۱

مَا زَاغَ الْبَصَرُ (نگاہ نے ادھر اُدھر نہیں دیکھا) کی صفت سے متصف ہوچکی ہے، تو تائید علیٰ شامل حال ہوتی ہے اور مردِ راہ راستہ کی تمام فتنہ سامانیوں کے باوجود گذرتا جاتا ہے اور دولتِ حقیقی سے مالا مال ہوتا ہوا مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت اس کو پتا چلتا ہے کہ کرامت کا عاشق کون ہے اور کرامت بخشنے والے کا عاشق کون ہے۔ نعمت کا طالب کون ہے اور نعمت عطا کرنے والے کا طلبگار کون ہے؟

اے عزیز! روح کا معاملہ دوسری مخلوقات سے جدا ہے۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

مثنوی

(۱) نیست بالائے تو مخلوقے دگر ❊ نیست بیرونِ تو معشوقے دگر

(۲) چوں برونی تو ز عقل و معرفت ❊ نے تو در شرح آئی و نے در صفت

(۳) ہرچہ در توحید مطلق آمدہ است ❊ آں ہمہ در تو محقق آمدہ است

(۱) تجھ سے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے۔ تجھ سے باہر کوئی معشوق نہیں ہے۔ (۲) جب عقل و معرفت کے حدود سے نکل کر تو دیکھے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ نہ تو تیری کوئی شرح ممکن ہے اور نہ کوئی توصیف ہوسکتی ہے۔ (۳) توحید مطلق کے بارے میں جو کچھ ہے، وہ سب خود تیرے اندر ثابت ہے۔

ایک بزرگ کے سامنے لوگوں نے روح کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بلند کرے، اس بارے میں کیا خوب بات انھوں نے کہی ہے۔ ؎

شہر و وطن ماز نشاں بیرون است ❊ بر ہرچہ مثل زنی بیرون است

ایں راز نہفتہ زاں نہاں بیرون است ❊ یعنی کہ خدا از دو جہاں بیرون ست

(میرا شہر اور میرا وطن نشان و پتے سے باہر ہے، مثالوں اور تشبیہات سے باہر ہے۔ یہ پوشیدہ راز عنوان پوشیدگی سے باہر ہے۔ مطلب یہ کہ خدا دونوں جہان کے حدود سے باہر ہے)

اور ایک عزیز نے کہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْاَرْوَاحَ مِنْ نُّوْرٍ رَاٰیْهَا وَ لَوْلَا اَنْ سَتَرَهٗ بِنُوْرِ وَجْهِهٖ یَسْجُدُ لَهَا کُلُّ مَلِكٍ یَرَاهَا (روحوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خاص نور سے بنایا، پھر اپنے چہرہ کے نور سے اس پر پردہ ڈالا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ملائکہ جہاں کہیں بھی روحوں سے ملتے، سجدہ کرتے) اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (جب ہم نے اس کو برابر کرلیا تو اس میں اپنی روح پھونکی) اسی کی طرف اشارہ ہے

اور اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) خواجہ ابو سعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں۔

رباعی

اے دریغا! جانِ قدسی کز ہمہ پوشیدہ است ٭ دیدہ است کز روئے او نام او کہ شنیدہ است
ہر کہ بیند حسن او اندر جہاں کافر شود ٭ اے دریغا کیں شریعت گفت ما ببریدہ است

(افسوس! روح کی حقیقت سب سے پوشیدہ ہے۔ دیکھنا تو درکنار اس کا نام بھی کسی نے نہیں سنا ہے۔ اس کے حسن کو جو شخص اس دنیا میں دیکھ لے کافر ہو جائے۔ افسوس شریعت کا یہ پہلو جس کا ذکر میں نے کیا لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہے) ایسی ہی موقع پر عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

(فرما دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے) پر بات تمام ہو جاتی ہے۔ اور تمام اہل معرفت نے بھی اس کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اے عزیز! قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں امر کا لفظ ہے۔ اب غور کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہی تو ہے جس سے ساری چیزیں پیدا ہوئیں۔ یعنی جب امر ہوتا ہے ابداع اور تخلیق ہو جاتی ہے۔ پھر روح بھی تو ایک امر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ جب ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ امر تو امر ہی ہوگا، مامور نہیں ہو سکتا۔ فاعل ہوگا مفعول نہیں ہو سکتا۔ قاہر ہوگا مقہور نہیں ہو سکتا اس سے آگے گفتگو کی مجال نہیں۔ اگر دیوانگی پر شریعت کی بندش نہ ہوتی تو مزید کچھ کہتا۔ اور زبان پر حدود کا قفل نہ ہوتا تو بتاتا کہ روح کی حقیقت کیا ہے؛ لیکن غیرت الوہیت اس کی اجازت نہیں دیتی اَنَا اللّٰہُ غَیُوْرٌ (میں اللہ ہوں بہت ہی غیرت والا) اس کے بعد کس کی ہمت ہے کہ روح کی تشریح کرے۔ چنانچہ گفتگو حرام کر دی گئی ہے۔ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

رباعی

اے دریغا! جانِ قدسی در درونِ دو جہاں ٭ کس نہ دیدندش عیاں و کس نزداد ستش نشاں
گر کسے گوید کہ دیدم در مکانِ لامکاں! ٭ بر درخت غیرت او آویختہ شد پیش ازاں

(افسوس! جان پاک کو دونوں عالم میں کھلی آنکھوں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ اور نہ اس کا کوئی پتا نشان پایا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اسے لامکان کے مقام پر دیکھا ہے۔ تو کہنے سے پہلے ہی اسے غیرت کے

درخت پر سولی پر چڑھا دیا جائے گا)۔

اے بھائی! كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) کی معرفت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اس نے خدا کو بھی پہچان لیا) کی حقیقت عارف میں پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ اہل حق پر پوشیدہ نہیں ہے۔ ؎

می تواں از خلق متوازی شدن پس برملا ؛ شعلہ در دست و مشک اندر گریباں داشتن

(عوام کے سامنے تو اسی طرح رہنا چاہیئے کہ ہاتھ میں مشعل ہو اور گریباں میں مُشک)

اس سے زیادہ اس مسئلہ پر نہیں لکھا جا سکتا اور اتنا ہی پر اکتفا کرنا واجب ہے۔ ع

کسے سِرِّ ش نمی داند زباں درکش زباں درکش

(زباں بند کرو زباں بند کرو۔ اس لیے کہ اس کے راز کو کوئی نہیں جانتا)

اے عزیز! اللہ تعالیٰ تمہیں ان حقیقتوں تک پہنچائے۔ بہت ہوشیار رہنا چاہیئے اس لیے کہ علم کی رہنمائی میں ان رموز تک پہنچنا ناممکن ہے۔ بلکہ علم و عقل اس راہ میں رہزن کا کام کرتے ہیں۔ مذاہب فلاسفہ اور بہتر[۲] فرقے آخر کیوں پیدا ہوئے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ یہ سب محض علم و عقل کی گمراہی کے نتائج تھے۔ کسی عقلمند نے کہا ہے۔

رباعی

در علم بسے شورے و شیون باشد ؛ در عقل بسے رہبر و رہزن باشد

در بتکدہ ہا درآ و خاموش بباش ؛ کیں جاست خاموش برہمن باشد

(علم کی راہ میں بہت شور و ہنگامے ہیں۔ عقل کی رہ نمائی میں بہت سے رہ زنی کرنے والے راہی شامل ہوتے ہیں بت کدے میں داخل ہو جاؤ اور خاموش رہو۔ اس لیے کہ یہاں بت خاموش ہی برہمن ہے۔

تمہیں معلوم ہے علم کا منصب کیا ہے؟ علم بارگاہِ الٰہی کا نقیب ہے۔ عملے کی نگہداشت، فوج کی تنظیم و ترتیب یہ کام علم کا ہے۔ لیکن فرماں روائی کے رموز و اسرار سے بیچارے نقیب کو کیا واسطہ۔ اسی طرح عقل ایک ترازو ہے جس پر سونا چاندی تو تولے جا سکتے ہیں، پہاڑ کا تولنا ممکن نہیں۔

آخرت کے احوال، دین کی وہ حقیقتیں ہیں جو اصول سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے ذات و صفاتِ الٰہی اور افعالِ خداوندی عام لوگوں کے لیے تو یہ ہے کہ اسے پورے یقین کے ساتھ مان لیں۔ لیکن اس کے رموز و اسرار کا مشاہدہ تو صرف انھیں حاصل ہے جو سِرٌّ بَيْنَهُمْ (اس میں اسرار ہیں) کی دولت سے مالا مال ہیں۔ پھر اگر کوئی بے وقت، نامناسب حال ان امور میں غور و فکر کرے تو خطرہ ہے کہ کہیں حرام

کا مرتکب نہ ہو جائے۔ سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ۔ یا رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ مِنْ غَیْبِ الْعُلُوْمِ (اے اللہ کے رسول مجھے غیب کے علوم کی تعلیم دیجئے) جواب ملا۔ مَا ذَا عَدَدْتَ لِلْمَوْتِ (یعنی جاؤ موت کی تیاری کرو) کہ یہ چیزیں بحث کی نہیں ہیں۔ اور یہ تمہارے بس کا کام نہیں ہے۔

قیامت کے اسرار، ارواح کا علم، تقدیر کا مسئلہ جو اصول دین سے تعلق رکھتے ہیں، اسے بحثوں کے ذریعہ جاننا اور بحثوں کے انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کرنا حرام ہے۔ البتہ اجمالی طور پر کچھ گفتگو کرنا حرام نہیں۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بزرگوں نے کہیں کہیں اسرار و رموز کی جانب کچھ اشارے کئے ہیں۔ اور کچھ لکھا بھی ہے۔ محض تنبیہ اور ترغیب کے لیے۔ یہی اصولی بات ہے، جسے ہر فقیر کو جاننا چاہیئے۔ اور ہوشیار رہنا چاہیئے تاکہ گفتگو میں یا لوگوں کے کہنے سننے سے گمراہی میں نہ پڑے۔

یَا مَنْ لَا یَعْلَمُ مَا هُوَ اِلَّا هُوَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عَنِ الذَّلَلِ وَ تَجَلُّلِ وَعَنْ کُلِّ مَا لَا یَرْضٰی عَنْ قَوْلٍ وَّ فِعْلٍ وَّ اَقُوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(اے وہ ذات جسے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے سوائے اس کے کہ وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے اے اللہ میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں، گمراہی سے اور ایسی تمام باتوں سے اور ایسے تمام کاموں سے جسے تو ناپسند کرتا ہے۔ اور میں اقرار کرتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)

ایک بزرگ سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک دور وہ تھا کہ میں اسے تلاش کرتا پھرتا تھا مگر اپنے سوا کچھ نہیں پاتا تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے وہ گھڑی بھی آئی کہ میں خود کو ڈھونڈتا ہوں تو اسی کو پاتا ہوں۔ ؎

گذشتست آں کہ خود مستم ز بویش اے صبا اکنوں

خرابم ہم بہ بوے خود کہ از من می زند بویش

(اے صبا مجھ پر ایسی گھڑی بھی گذری ہے کہ اس کی خوش بو سے آج تک مست ہوں۔ میری خرابی خود میری اپنی بو سے ہے۔ ورنہ میرے اندر خود اس کی بو موجود ہے) جب کہ فرمان باری تعالیٰ بھی یہی ہے کہ اَنْتَ لَا اَنَا وَ لَا غَیْرِیْ (حقیقت میں نہ تو میرا عین ہے اور نہ میرا غیر ہے) بس اس سے زیادہ کیا لکھا جا سکتا ہے۔

مثنوی

دردِ چندانے کی دارے می فرست ٭ لیک دل را نیز یارے می فرست

دل کجا بے یا ربّ دردے کشد ٭ کیں چنیں دردے نہ ہر مردے کشد

(اے محبوب تو جتنا درد چاہے بھیج مگر میرے دل کے لیے غمخوار بھی بھیج۔ دل میں کہاں صلاحیت ہے کہ تیری مدد کے بغیر ترے غم کو برداشت کرے۔ یہ ایسا غم ہے جسے برداشت کرنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی۔ لطیف آباد

۱۷ مئی ۱۹۷۸ء (۱۱½ بجے دن)

مکتوب ——— سہے

محبّت کے کمال اور ہمت کی بلندی کے بیان میں

رباعی

چوں شمع محبتِ توافروختہ شد ؛ پروانۂ نفسِ من درو سوختہ شد
بشکن قفسِ وجود، رو باک مدار ؛ مرغے کہ رمیدہ بود آموختہ شد

(جب تیری محبت کی شمع روشن ہوئی تو میرے نفس کا پروانہ اس میں جلنے لگا + وجود کے پنجرے کو توڑ ڈال اور بلا خوف وخطر اڑجا۔ وہ پرندہ جو بھاگا ہوا تھا اب تربیت یافتہ ہو گیا ہے)

اے بھائی! اس بات کو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر کی محبت تمام مقامات کی انتہا ہے۔ اور تمام مقامات سے بلند مقام رکھتی ہے۔ اور جب یہ مقام حاصل ہو گیا تو پھر کسی اور مقام کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقام نہیں ہے۔ اور یہ جو توبہ اور زہد، اُنس اور شوق وغیرہ کے مقامات ہیں وہ تو محبت الٰہی کے ثمرات ہیں۔ جو مقام محبت تک پہنچنے سے پہلے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرمایا کل قیامت کے دن ہر اُمت کو اس کے پیغمبر کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ مثلاً یا اُمتِ موسیٰؑ، یا امتِ عیسیٰؑ اور یا امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، لیکن جو محبانِ خدا ہیں، ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ انھیں پکارا جائے گا۔ یَآ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ یہ وہی لوگ ہیں جو آج قیامت کے دن بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہ صرف محبت الٰہی میں کر رہے ہیں۔ ان کو نہ دوزخ کا خوف ہے اور نہ جنت کی پروا۔ یہی لوگ ہمت کے بادشاہ ہیں۔ ان کی ہمت کی بلندی کے مرتبے کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ ان کی ہمت کے سامنے لفظ کن کے تحت جو کچھ بھی ظاہر ہوا ہے اس کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ ؎

نے در غمِ دوزخ وبہشت اند ؛ ایں طائفہ را چنیں سرشت اند

(یہ طائفہ دوزخ وبہشت کے غم میں نہیں ہے۔ اس گروہ کی خمیر کچھ اسی طرح تیار کی گئی ہے)

اے بھائی! جو شخص محبوبِ حقیقی سے حجاب میں ہے ۔ دراصل وہی بلاؤں میں مبتلا ہے ۔ خواہ تمام کائنات کے خزانے کی کنجی اس کی آستین میں کیوں نہ ہو ۔ اور جو شخص محبوب کے لطف و عنایت میں ہے درحقیقت نوازش و اکرام میں وہی خواہ وہ نانِ شبینہ کا محتاج کیوں نہ ہو ۔

اے بھائی! اگر طاعت و عبادت اس لیے کرتا ہے کہ بہشت میں جائیں گے اور دوزخ سے نجات ملے گی ۔ اگر غور کرو تو معلوم ہو گا یہ تو حظِ نفس کے لیے ہے خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ۔ اللہ کے عاشقوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات کا خیمہ اور قرب کا محل دوزخ میں بنوائے تو یہ لوگ دوزخ کی آگ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں ۔ اور اگر فردوسِ بریں میں ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے حجاب ہو تو ان کا یہ حال ہو کہ ان کی فریاد سے دوزخ والے بھی چیخ اٹھیں ۔ اور ان کی حالت پر اہلِ دوزخ کو رحم آنے لگے ۔ توریت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو میری پرستش جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے کرے؛ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر میں دوزخ و بہشت نہ پیدا کرتا تو ان لوگوں کے نزدیک میں پرستش کے لائق نہ ہوتا ۔

نقل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سفر کے سلسلہ میں عابدوں کی ایک جماعت کے پاس پہنچے جو اپنی عبادت میں مشغول تھے ۔ ان سے دریافت فرمایا کہ اس عبادت سے تم لوگوں کا مقصد کیا ہے؛ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ سے ڈرتا ہوں اور بہشت کی امید رکھتا ہوں ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا گویا تم ایک مخلوق سے ڈرتے اور دوسری مخلوق سے امید رکھتے ہو ۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے ۔ اور عابدوں کی ایک دوسری جماعت کے پاس پہنچے ۔ ان سے بھی یہی سوال کیا کہ تمہاری عبادت کی غایت و غرض کیا ہے؛ ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہیں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلاشبہ تم ہی لوگ اللہ کے دوست ہو ۔ مجھے تم ہی لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ میں تمہارے پاس رہوں گا ۔

مثنوی

گر شود یک ذرہ خلّت حاصلت ❊ باز خندد آفتابے در دلت

ہر کرا دل در مودت زندہ شد ❊ در خصوصیت خدا را بندہ شد

(اگر تجھے محبت الٰہی کا ایک ذرہ بھی حاصل ہو جائے تو پھر آفتابِ محبت تیرے دل میں مسکرائے گا ۔ جس شخص کا دل اللہ کی محبت سے زندہ ہو گیا ۔ وہ بلاشبہ خدا کے خاص بندوں میں شامل ہو گیا ۔)

یہاں پر ایک نکتے پر غور کرو اور خیال رکھو کہ کسی مومن کا دل محبت الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ معرفت اور ایمان سے خالی نہیں۔ لیکن محبت کا یہ درجہ اور غلبہ کہ اپنی خبر نہ رہے، اور خود اپنی ذات سے منہ موڑ لے، اور رسم و عادات کے قیود سے آزاد ہو جائے۔ اسی کو عشق کہتے ہیں اور یہ ہر کسی کو نصیب نہیں زیادہ تر لوگ محبت کے اس اعلیٰ درجہ سے محروم ہیں۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

(۱) عشق وصفِ نہادِ سلطان است ⁂ سِرّے او راز پاسباں مطلب

(۲) روحِ قدسی فدائے عشق بود ⁂ عشق رالبس تو رائیگاں مطلب

(۳) عشق ہر کائنات سلطان است ⁂ قرب او را از این و آں مطلب

(۱) عشق فطرت الٰہی کی صفت ہے۔ اس کے راز کو اس کے پاسبانوں سے مت پوچھو۔

(۲) مخصوص پاک روحیں عشق پر فدا ہو جاتی ہیں۔ عشق کو عوام میں فضول مت تلاش کرو۔

(۳) پوری کائنات میں عشق کا درجہ سلطان کا ہے۔ اس لیے ہر کس و ناکس سے اس کے قرب کے بارے میں مت پوچھو۔

بزرگوں کا قول ہے کہ محبت کا کمال یہ ہے کہ بندہ خدا کو اپنے دل کی پوری توجہ کے ساتھ دوست رکھے۔ اس طرح کہ اس کی کوئی توجہ ماسوا اللہ کی طرف نہ ہو اور دل میں اللہ کے سوا کسی کی جگہ نہ ہو۔ اس کیفیت کو استغراق کہتے ہیں۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اس کے دل کا محبوب بھی صرف وہی ہوتا ہے۔ وہی معبود ہوتا ہے، وہی مقصود ہوتا ہے اور وہی منظور ہوتا ہے۔ پھر ایسا شخص پکار اٹھتا ہے۔ مصرع

ع در ہر چہ نگہ کنم توئی پندارم

(میں جدھر بھی نگاہ کرتا ہوں تو ہی تو نظر آتا ہے)

سبحان اللہ! کتنی پاک ہے تیری ذات۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو میری آنکھوں میں ہے۔ کہنے والے نے اَنَا لَیْلٰی وَ لَیْلٰی اَنَا (میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہے) شاید اسی مقام میں کہا ہوگا۔ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اہل بصیرت نے کہا ہے کہ عشق بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والوں کے لیے عشق کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ؎

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رود ⁂ دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(غریب چیونٹی کو یہ ہوس تھی کہ کسی طرح کعبہ تک پہنچے۔ اس نے ہمت کی اور کبوتر کے پیر کو ہاتھ لگایا۔ اور پہنچ گئی) یہاں کبوتر سے عشق ہی مراد ہے۔

شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار جواہر نبوت بیگانوں کو آشنا بنانے کے لیے بھیجا۔ لیکن جو بیگانے تھے وہ آشنائی کا ایک ذرہ بھی حاصل نہ کر سکے۔

لے کاش! اگر وہ اپنے عشق کا ایک ذرہ عام لوگوں کے لیے بھی بھیج دیتا، تو پھر سب آشنائی پر مجبور ہو جاتے۔

قطعہ

منزلِ ہمتت بہ عالم قدس ٭ کے قدم گاہِ جبرئیل بود
بے وسایط رسی بہ مقصد صدق ٭ چوں ز عشقش ترا دلیل بود

(تیرے عشق کی ہمت کی منزل عالم قدس ہے۔ جہاں جبرئیل علیہ السلام کے بھی قدم نہیں پہنچ سکتے۔ بغیر کسی ذریعہ کے تو صدیقیت کے مقصد تک پہنچ سکتا ہے، بشرطیکہ اس کا عشق تیرے لیے دلیل راہ بنے)

ایک عزیز نے کہا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے۔ لیکن عشق کی باتوں کو ذرہ برابر بھی آگے نہ بڑھا سکے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ عشق کا ایک قطرہ ہمارے لیے سمندر بن گیا۔ ؎

بازارِ حسن جملۂ خوباں شکستہ اند ٭ رہ نیست کز تو ہیچ خریدار بگذرد

(حسن کے بازار کو تمام عشاق نے لوٹ لیا ہے۔ اس کے باوجود اس قدر ہجوم ہے کہ تیرے خریدار کو تجھ تک پہنچنے کے لیے راہ نہیں ملتی)

لیکن عشق کی خبر میں اندوہ وغم کے سوا کچھ نہیں۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْحُزْنِ وَدَآئِمَ الْفِکْرِ۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیہم غم اور ہمیشہ فکر میں رہا کرتے تھے) اسی کو اس طرح کہا گیا ہے ؎

دم درکشم و جملۂ غمت نوش کنم ٭ تا از پسِ من بکس نہ ماند غمِ تو

(تیرے غم کا وہ پیالہ جو تیری جانب سے ملے اسے ایک ہی سانس میں گھونٹ جاؤں تاکہ میرے بعد کسی دوسرے کے لیے تیرا غم باقی نہ رہے۔)

کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن جب عاشقان حق اپنی قبروں سے سر اٹھائیں گے تو اپنا جائزہ لیں گے کہ کہیں ان کے غم واندوہ میں کچھ کمی تو نہیں ہوگئی۔ اگر ذرہ برابر بھی کمی پائیں گے تو وہ اتنا نالہ وفریاد کریں گے کہ دوزخ والوں کو ان پر رحم آجائے گا۔ اسی موقع پر کہا گیا ہے۔

مثنوی

(۱) گر تو ہستی اہلِ درد و مردِ راہ ٭ درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ

(۲) ورنہ گیرد دامنت ایں درد زود ٭ گفت ایں دردت نہ دارد ہیچ سود
(۳) گر شود ایں درد دامن گیرِ تو ٭ بس بود ایں درد دایم پیرِ تو

(۱) اگر تو راہِ عشق کا مرد ہے اور اہل درد ہے۔ تو درد کی طلب کر، درد کی طلب کر، درد کی طلب کر۔

(۲) اور اگر اس کا درد تیرے دامن کو نہ پکڑے۔ تو سمجھ لے کہ کوئی دوسرا درد سود مند نہ ہوگا۔

(۳) اور اگر یہ درد تیرے لیے دامنگیر ہو جائے۔ تو بس یہی درد تیرے لیے کافی ہے۔ یہی درد تیرا رہنما اور پیر ہے)

والسلام
محمد نعیم ندوی
۳۱ - ۵ - ۷۸
لطیف آباد۔ حیدر آباد
بوقت ایک بجے دن۔ روز چہار شنبہ

مکتوب ــــــ (۷۵)

محبوب کے قہر اور مطلوب کے استغنا کے بیان میں

سعدی بجفا ترک محبت نتواں کرد ٭ بر در بہ نشینم گر از خانہ براند

(اے سعدی! محبوب کی جفا کی وجہ سے ترکِ محبت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ گھر سے نکال دے تو دروازے پر بیٹھ رہیں گے)

وفا اور جفا، خفگی اور عطا محبت کی دنیا میں برابر ہیں۔ ؎

بندہ ام خواہ قبولم کن و خواہ رد زانکہ ٭ عزت و خواری در کوے وفا یکسان است

(میں تو غلام ہوں چاہے قبول کرو چاہے رد کرو۔ عزت و خواری وفاداری کے مشرب میں یکساں ہے)

اَلْمَحَبَّةُ لَا یَزِیْدُ بِالْوَفَاءِ وَلَا یَنْقُصُ بِالْجَفَاءِ (محبت میں نہ تو وفا سے زیادتی ہوتی ہے اور نہ جفا سے کمی) ؎

خواہیم بکش خواہ بزن خواہ بدار ٭ یک رویہ شد است مرمرا با تو کار

(مار ڈالو یا زد و کوب کرو یا اپنے پاس رکھ لو۔ مجھے سب منظور ہے۔ اس لیے کہ میرا معاملہ تجھ سے یکطرفہ ہوا ہے)

اے بھائی! اگر کوئی شخص جفا و وفا اور منع و عطا کے درمیان کوئی فرق کرتا ہے، تو اس کا عشق خام اور اس کی محبت ناتمام ہے۔ ایسا شخص طالبِ نصیب ہے، طالب حبیب نہیں۔

رباعی

می گفت بگوش سرّے من دلدارے ٭ شمشیر جفا کشیدہ چوں عیارے

آں کس کہ بر دو کون لذت جوید ٭ اندر خورِ عشقِ ما نہ یابد بارے

(محبوب نے میرے کان میں ایک راز کی بات کہی۔ جب کہ جفا کی تلوار عیاروں کی طرح کھینچے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ جو شخص دونوں جہان میں لذت ہی لذت تلاش کرے اس کو میرے عشق کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔)

اسے بھائی! محبت بادشاہ ہے اور بادشاہ شرکت قبول نہیں کرتا۔ عشق غیور ہے، دوئی کو وہ کسی حالت میں برداشت نہیں کرتا۔ اَنَا لَیْلٰی وَلَیْلٰی اَنَا (میں ہی لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ بھی میں ہی ہوں) کا مطلب یہی ہے۔ خود کو چاہا اور دوست کو بھی چاہا اسی کا نام شرکت ہے۔ وحدت میں شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کا کہنا تو یہ ہے اَمَّا اَنَا وَ اَمَّا اَنْتَ (یا میں رہوں یا تم رہو)

ع شوریدہ بود کارِ ولایت بہ دو تن

(دو شخصی حکومت میں کاروبار مملکت تباہ و برباد ہو جاتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے دل کے معاملہ میں ٹھیک ٹھیک طور پر واضح کر دیا ہے کہ میں نے حرام کر دیا ہے کہ ایک ہی دل میں میری محبت بھی ہو اور دوسرے کی بھی۔

ع یا خانہ جائے رخت بود یا خیالِ دوست

(خانۂ دل میں حصول دنیا کے اسباب و مقاصد کو جگہ دو یا محبوب کے تصور کو)

جو شخص اپنی مراد کی طلب میں ہے، وہ ابھی اپنے میں ہے۔ اور جو اپنے ہی خیال میں مگن ہے وہ خود کو محبوب رکھتا ہے۔ اس لیے اس کا محبوب خدا نہیں ہو سکتا۔

مثنوی

محو باید بود در ہر دو سرائے ⁂ پائے از سرنا پدید و سر ز پائے

چوں دریں رہ پا و سر در باختی ⁂ قدر بے قدریِ خود بشناختی

(دونوں جہان میں محبوب کے تصور میں ایسا محو ہونا چاہیئے کہ اپنے سر و پیر کی بھی خبر نہ ہو۔ جب تم اس راہ میں اپنے سر و پا سے بے نیاز ہو جاؤ گے تب تم اپنی بے قدری کی قدر پہچان سکو گے)

امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر مجھ کو جنّت و جہنم میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا جائے تو میں جہنم کا انتخاب کروں۔ اس لیے کہ جنت تو اپنے نفس کی خواہش ہے اور جہنم دوست کی جانب سے ہے۔ ؎

گر سلسلۂ زلفش بر دوزخیاں بند ند ⁂ در پنج نمازِ خود دوزخ بہ دعا خواہم

(اگر اس کی زلف کی زنجیر سے دوزخیوں کو باندھا جائے تو میں اپنی پانچوں وقت کی نمازوں میں دوزخ کی دعا مانگوں)

اسے بھائی! یہ راہِ عشق بھی عجیب راہ ہے۔ یہاں محبت کرنے والوں کا کام اتنا خوفناک

اور سخت ہے کہ ہر نامراد اس کو سن بھی نہیں سکتا اور نہ ہر مخنث اس کو برداشت کر سکتا ہے۔ ؎

محرمِ دولت نہ بود ہر سرے ❊ بارِ مسیحا نہ کشد ہر خرے

(ہر سر محرمِ اسرار نہیں ہو سکتا ہے۔ مسیحا کا بوجھ ہر گدھا نہیں اٹھا سکتا)

یہاں مجنوں کی ضرورت ہے جو ملامت کے پتھر کھا سکے۔ فرہاد کی ضرورت ہے تا کہ کوہِ بے ستون کی چٹانیں توڑ سکے۔ زلیخا کی ضرورت ہے جو یوسفؑ کے نام کو جاری رکھ سکے۔

ع رو بازی کن کہ عاشقی کارِ تو نیست

(جاؤ، کھیلو جا کر۔ اس لیے کہ عشق کرنا تمہارا کام نہیں ہے)

كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ لِلْحُرُوْبِ رِجَالٌ وَّ لِلْقَصْعَةِ وَالثَّرِيْدِ رِجَالٌ (جس کا جیسا نصیب ہے وہ اسی راہ کو اختیار کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ میدان جنگ کے لیے پیدا کیے گئے اور کچھ لوگ حلوہ مانڈھے کے لیے) فضول باتیں کرنے والے دنیا میں بہت ہیں۔ اور زبانی دعویٰ کرنے والوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں۔ لیکن اہل نظر کی نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

ما دنیا وانیم و بر درازی دانیم ❊ ما عشق حقیقی از مجازی دانیم

ہم دنیا اور اہل دنیا کو خوب جانتے ہیں۔ ہم عشق حقیقی کو عشق مجازی کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔

اہل بصیرت سب کچھ دیکھتے اور سب کو پہچانتے ہیں تاہم لوگوں کو تقدیر سے معذور سمجھ کر وہ خاموش رہتے ہیں۔ نصیب کی بات میں کسی کو کیا دخل۔ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ (جس بات کا ہونا مقدر ہو چکا ہے، قدرت کا قلم اس کے معاملہ میں خشک ہے۔)

الغرض اے بھائی! مردانہ وار عشق کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور جام عشق نوش کرو۔

ع بار ستم دستاں بزند ہر کہ در افتاد

(راہ عشق میں جس نے قدم رکھا وہ رستم سے ہاتھ ملاتا ہے)

عاشقوں کے لیے دریا پایاب ہے، پہاڑ کی حقیقت ایک تنکے کے برابر ہے۔ وفا اور جفا، منع اور عطا ان کی نگاہوں میں برابر ہیں۔ مقامِ صدق کی یہی پہچان ہے۔ ؎

داری سرِ ما وگرنہ دور از برِ ما ❊ ما دوست کشیم و تو نہ داری سرِ ما

(میرے ہی دھیان میں مگن رہو ورنہ ہم سے دور ہو جاؤ۔ میں دوست کو قتل کر ڈالتا ہوں اور تمہیں تو ابھی میرا خیال تک نہیں ہے)

لطیف آباد۔ ۱۸۔ جولائی ۱۹۷۸ء روز سہ شنبہ وقت گیارہ بجے دن
مطابق ۱۱۔ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

والسلام
مترجم
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۷۶)

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور اسباب و علل سے عقل کی دوری کے بیان میں

فقیر حقیر احمد یحییٰ منیری المقلب بہ شرف کی جانب سے سلام و دعا کے بعد مطالعہ کریں۔

اے بھائی! تم جس حال میں بھی اور جس کام میں بھی مشغول ہو شکستہ دل اور نا امید نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کام اطاعت گذاروں کی اطاعت یا گنہگاروں کی معصیت سے منزہ اور پاک ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسباب و علل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اسی موقع پر بزرگوں نے کہا ہے۔ اَلْفَضْلُ لِمَنْ فَضَّلَ اللّٰہُ لَا بِالْعَمَلِ وَلَا بِالْجَوْھَرِ (اللہ تعالیٰ نے جس کسی پر فضل کیا تو اس فضل کا تعلق نہ عمل سے ہے نہ جوہر سے) فضل الٰہی کا تعلق اگر عمل سے ہوتا تو اگلی امتوں کو اس اُمت (یعنی امت محمدیہ) پر فضیلت ہوتی۔ اس لیے کہ ان کی عمریں سات سات آٹھ آٹھ سو سال ہوتی تھیں لہٰذا ان کو عمل کا موقع زیادہ تھا۔ بلاشبہ ان کے عمل اور ان کے کام زیادہ تھے۔ برخلاف اس کے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر عام طور پر ساٹھ ستر سال کی ہوتی ہے۔ لامحالہ ان کو عمل کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ ان تمام اسباب کے باوجود امت محمدیہ کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اسی طرح اگر فضل الٰہی کا تعلق کسی جوہر سے ہوتا تو آدم علیہ السلام پر شیطان کو زیادہ فضیلت ہونی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ شیطان آگ سے بنا ہے جو نورانی ہے۔ اور آدم علیہ السلام کا جسم مبارک خاکی ہے، جو ظلماتی ہے۔ اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان پر از حد فضیلت حاصل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی بنا پر ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فضل کا تعلق نہ عمل سے ہے نہ جوہر سے۔ یہ صرف خدائے بزرگ و برتر کے فضل پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہے بے عملی کے باوجود اعلیٰ علیین تک پہنچا دے۔ اور وہ بغیر کسی کام اور عمل کے وہاں پہنچ جائے گا۔ اور جس کو چاہے بغیر کسی جرم اور گناہ کے اسفل السافلین میں بھیج دے۔ اسے جانا ہی ہوگا۔ خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی کے سب سے اعلیٰ مقام پر پہنچائے گئے بغیر کسی طاعت و عمل کے۔ (ظاہر ہے وجود قدسی میں آنے سے پہلے ان کا کوئی جوہر تھا نہ کوئی عمل)، دوسری طرف ابوجہل کو دیکھو کہ اسے اسفل السافلین میں بغیر کسی جرم اور معصیت کے ڈال دیا گیا۔ بلاشبہ اس کے وجود سے قبل نہ اس کا کوئی عمل تھا اور

نہ جوہر۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے معاملہ پر غور کرو کہ بت خانہ میں تھے مقبول ہوئے اور ابی کعب منافق مسجد میں رہنے کے باوجود معتوب و مخذول رہا۔

مثنوی

اے بہانے جاں ہمہ حیرانِ تو ؛ صد ہزاراں عقل سرگردانِ تو

اے زجسم و جاں نہاں دیدار تو ؛ گم شدہ عقل و خرد در کار تو

(اے وہ ذات جس کی تلاش میں ایک دنیا حیران ہے۔ ہزاروں عقل تیری کھوج میں پریشان ہے۔ اے وہ ذات جس کو نہ آنکھیں دیکھ سکیں اور نہ روح مشاہدہ کر سکے جس کی کنہ کو سمجھنے سے عقل و خرد بھی عاجز ہے)
لِاَنَّهُ الْمَالِكُ الْمُطْلَقُ فَلَهُ تَصَرُّفُ الْمُطْلَقِ ۔ (یہ اس لیے کہ وہ مالک مطلق ہے لہٰذا اس کا تصرف بھی مطلق ہوگا) ؎

آں کہ دل ہائے آشنا دارند ؛ دل ز چون و چرا جدا دارند

(جن کے دل حقیقت سے آشنا ہیں وہ اپنے دل کو چون و چرا سے الگ رکھتے ہیں)

کراز ہرۂ آں کہ از بیم تو ؛ کشاید زباں جز بر تسلیم تو

(کس کی مجال ہے کہ تیرے خوف سے تسلیم و رضا کے علاوہ زباں بھی کھول سکے)

الغرض گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ اعمال و افعال کی مفلسی کے باوجود نظر اس کے فضل پر رکھو۔ فرعون کے ساحروں کے واقعہ پر غور کرو۔ ان کے پاس اطاعت و بندگی اور عبادت و ریاضت کی کون سی دولت تھی کہ آن واحد میں ایمان و عرفان کی اعلیٰ منزل پر پہنچ گئے۔ اسی طرح اصحاب کہف کے واقعہ کو دیکھو کہ ان کے پاس کون سا مجاہدہ یا کون سی عبادت تھی کہ تھوڑے سے عرصہ میں بے گانگی کی زندگی سے نکال کر اپنوں کے حلقہ میں شامل کر لیا۔ یعنی اسفل السافلین سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچا دیا تاکہ دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے کہ اس بے نیاز کا کوئی کام علت اور سبب پر منحصر نہیں ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جیساکہ کہنے والے نے کہا ہے۔

مثنوی

گہ آری خلیلے زبت خانۂ ؛ کنی آشنائی ز بیگانۂ

گہے از چناں گوہرِ خانہ خیز ؛ چو بوطالبے را کنی سنگریز

(کبھی کسی کو بت خانہ سے نکال کر اپنا خلیل بناتا ہے۔ اور کبھی بے گانوں سے آشنائی کرتا ہے۔

کبھی جواہر خانہ میں سے ابوطالب جیسے کو سنگریزہ بنا کر باہر کر دیتا ہے)

اے بھائی! یہاں عقل کے حکم کو دخل نہیں اس لیے کہ عقل قیاس کرنے کا ایک آلہ ہے لہٰذا خدائے بزرگ و برتر کو قیاس کے ذریعہ سمجھنا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ خدا کی خدائی مشیئت سے ہے نہ کہ بندوں کے قیاس پر موقوف ہے۔ غور کرو کہ تمام عقلمند لوگ اس وقت تک کوئی کام نہیں کرتے جب تک کہ ان کی کوئی غرض یا ضرورت وابستہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کئے مگر ان میں سے کسی ایک کی بھی اس کی ذات کو ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کی ذات بے نیاز ہے۔

اسی طرح عقل کا تقاضا یہ ہے کہ فائدہ کے بغیر دوستی نہ کی جائے اور بغیر مضرت کے دشمنی نہ کی جائے۔ مگر ذات باری تعالیٰ ان باتوں سے بلند ہے وہ کسی سے دوستی یا محبت کسی منفعت کی وجہ سے نہیں کرتا اسی طرح کسی سے دشمنی کسی مضرت و نقصان کی وجہ سے نہیں کرتا۔ عقل کا تقاضا ہے کہ دوست کو اپنی طرف بلاتے ہیں، اور نوازشیں کرتے ہیں۔ اور دشمن کو بلا میں ڈال دیتے ہیں اور دور رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ اپنے دوستوں کو بلا میں ڈالتا ہے اور دشمنوں کی مرادیں پوری کرتا ہے۔ اتنی گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں عقل و قیاس کو کوئی دخل نہیں۔

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کے کاموں کے راز سے جب جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام بے خبر ہیں۔ تو عقل بے چاری کی کیا مجال کہ اس کی ذات و صفات کے کنہ کو انسان کے فہم و ادراک میں لا سکے۔ اسی حقیقت کو کسی نے اس طرح واضح کیا ہے ؎

زیں چنیں کارے کہ در پیش آمدہ است ٭ علم مفلس، عقل درویش آمدہ است

(اس طرح کے کام جو درپیش آتے رہتے ہیں۔ علم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اور عقل بے مایہ ہے)

اے بھائی! عقل عبودیت کو سمجھنے کا ایک آلہ ہے۔ اس کی مدد کے بغیر بندگی کرنا بے سود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اسرار معلوم کرنا بیچاری عقل کے بس کی بات نہیں۔ سارے جہان کے عقلاء اور حکماء اس مقام میں سرگرداں رہے ہیں۔ اور تمام علماء اور عرفاء کی حیثیت طفل مکتب کی رہی ہے۔ اسی موقع پر کہا گیا ہے۔

؎ ایں چہ درگاہ است قفلش بے کلید ٭ ویں چہ دریا است قعرش ناپدید

گرچہ رہ جستند ہر سوے ازیں ٭ پے نہ بردند اے عجب موے ازیں

(یہ ایک ایسا دربار ہے جس کے تالے کی کنجی نہیں۔ یہ ایک ایسا دریا ہے جس کی گہرائی کا کوئی پتا نہیں۔ لوگوں نے ہر جانب سے اگرچہ راہ تلاش کی۔ مگر افسوس! بال برابر بھی آگے نہ بڑھ سکے)

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ انسان کے اعمال و افعال علامات ہیں، اس فیصلے کا جو سعادت و شقاوت

کے بارے میں ازل ہی میں اس کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ اسے علت اور سبب مانا جائے (یعنی اعمال بد ہیں تو اسے جہنّم میں جانا ہی پڑے گا یا خیر ہیں تو جنت ضرور ملے گی) ایسا کیوں؟ سنو! سبب ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ سبب پہلے ہو اور مشیت بعد میں۔ اعمال و افعال انسانی آج ہو رہے ہیں، تقسیم اور مشیئت ازل میں ہو چکی۔ پھر اعمال و افعال مشیئت کے لیے سبب کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کے باوجود اس کو سبب بھی کہتے ہیں۔ اور یہ محض مجازی طور پر بولا جاتا ہے۔ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں۔

بہر حال! دل کو مضبوط رکھو۔ اگرچہ ضعیف و ناتواں، عاجز و بے کس اور طاعت و بندگی سے خالی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن نگاہِ امید اس حقیقت پر لگی رہنی چاہیئے اس لیے کہ ان کے یہاں معاملہ ان کے فضل پر موقوف ہے۔ یہی خیال اور یقینِ کامل کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے جہاں تک ممکن ہو کوشش کرتے رہو۔

مثنوی

اندریں رہ اگر چناں نہ کنی ﷺ دست و پائے بزن، زیاں نہ کنی

گرچہ دولتِ داد یش بے علت است ﷺ طاعت حق کار صاحب دولت است

(اس راہ میں اگر (بندگی کا) پورا پورا حق تم ادا نہیں کر سکتے پھر بھی کوشش کرتے رہو۔ اور عمر کو ضائع نہ کرو۔ اگرچہ انصاف کی دولت اس کی جانب سے بغیر کسی علت اور سبب کے ملتی ہے۔ پھر بھی طاعت و بندگی میں لگے رہو۔ کیونکہ صاحب دولت اطاعت و بندگی کو نظر انداز نہیں کرتے)

لہٰذا کسی حال میں بھی اپنے کو مہمل اور معطل نہیں چھوڑنا چاہیئے کہ سیدھی راہ یہی ہے۔ جس نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے ؎

نے ہمہ آں جائے گر طاعت خرند ﷺ عجز تیر و ضعف ہر ساعت خرند

(ان کے دربار میں ہمیشہ طاعت ہی کی خریداری نہیں ہوتی۔ ہر آن عاجز و کمزور خریدے جاتے ہیں)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ پاکستان

۲۹۔ شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۷۸ء روز شنبہ

مکتوب ــــــــ (۷۷)

اِنسان کے راز اور اس کو نہ سمجھنے کے بیان میں

آنچہ تو گم کردہ، کثر کردہ ✽ ہست اندر تو، تو خود را پردہ

(افسوس! جس چیز کو تو نے گم کیا ہے، بہت برا کیا ہے۔ ارے نادان! وہ تو تیرے اندر موجود ہے، لیکن تو اپنا پردہ آپ ہے)

افسوس! اے بھائی لوگوں نے دلوں پر بشریت کا تالا لگا رکھا ہے۔ فکر سلیم کو غفلت کے قید خانے میں ڈال رکھا ہے۔ اور ایک دنیا ہے کہ اپنی حقیقت سے غافل و محجوب ہے۔ ایک دن جب موت کے دروازے پر یہ تالا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ (جب تمہاری آنکھوں سے ہم پردہ ہٹائیں گے) کی کنجی سے کھولا جائے گا اور غفلت کی بندھنیں فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (تو اس دن تمہاری آنکھیں پتھرا جائیں گی)، کے فرمان سے کھولی جائیں گی۔ تو انسان چیخ اٹھے گا اور فریاد کرے گا۔ مگر بے سود۔ اسی مضمون کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مثنوی

اے دریغا! جان و تن در باختیم ✽ قیمتِ جاں ذرہ نہ شناختیم

تشنہ میریم در طوفاں ہمہ! ✽ وانگہ آب از چشمۂ حیواں ہمہ

(افسوس صد افسوس! جسم و جاں کو ہم نے لہو و لعب میں برباد کر دیا۔ اور جان کی قدر و قیمت کو ذرہ برابر بھی نہ سمجھ سکے۔ طوفانوں میں رہ کر بھی پیاسے ہی رہے۔ حالانکہ اس وقت آبِ حیات پاس ہی تھا)

اے بھائی! دیکھا تم نے کہ مقدس و مطہر فرشتوں نے خاک کے پتلے کو سجدہ کیوں کیا؟ اور پھر وہی خاکی پتلا اللہ جل شانہ، کا خلیفہ کیوں بنا؟ جس کسی نے کہا ہے خوب کہا ہے۔

مثنوی

تا نیامد جانِ آدم آشکار ✽ رہ نہ دانستند سوے کردگار

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ÷ زو کلیدِ ہر دو عالم شد پدید

(جب تک دنیا میں آدم کا ظہور نہیں ہوا تھا اس وقت تک اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ کسی کو معلوم نہ تھی۔ آدم جب ظاہر ہوئے تو حق کی راہ بھی سامنے آئی۔ دونوں عالم کی کنجی انھیں کے ذریعہ ملی۔)

سبحان اللہ! اس خاک کے پتلے میں کیسا راز پنہاں ہے کہ نہ تو قلم اس کو لکھ سکتا ہے اور نہ زبان بیان کر سکتی ہے۔ عقل کی مجال نہیں کہ اس کے گرد گھومے اور نہ علم اس کا احاطہ کر سکے۔ گویا انسان ایک راز ہے، اس تک پہنچنے کے لیے تمام راہیں مسدود ہیں۔ اس بات کو اگر سمجھنا چاہو تو اس شعر کو سمجھو ؎

بیت

محرابِ جہاں، جمالِ رخسارۂ ماست ÷ سلطانِ جہاں، در دلِ بیچارۂ ماست

(ہمارے حسین چہرہ کا جمال ہی تمام جہان کا محراب ہے۔ مالکِ کائنات ہمارے مجبور دل میں جلوہ فگن ہے)

یہ حقیقت مخنثوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ ان کو تو اس میں علول کی بو محسوس ہوگی۔ یقیناً مردان راہ کا دین کچھ اور ہے اور مخنثوں کا دین کچھ اور۔ ایسے لوگوں کو یہ جواب دو۔

مثنوی

کاے مخنث گوہر ایں جا بار نیست ÷ عشقِ حق را با مخنث کار نیست

قصۂ دیوانگاں آزادگی ست ÷ جملہ گستاخی و کار افتادگی ست

(اے مخنثو! تم میں وہ جوہر ہی نہیں جو یہاں بار پا سکے۔ جو لوگ عشقِ الٰہی سے خالی ہیں تو ایسے مخنثوں سے حق کو کوئی واسطہ نہیں۔ دیوانوں کا قصہ مآلِ نفع و نقصان سے آزادی ہے۔ ان کا کام اپنے محبوب کے در پر گستاخانہ پڑے رہنا ہے)

اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ اِلٰہِیٌّ (عشق، اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانگی اختیار کرنے کا نام ہے) عقل والے اور ہیں، عاشقوں کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

مثنوی

عاقلاں را شرع تکلیف آمدہ ÷ بے دلاں را عشق تشریف آمدہ

پیش آں کس کہ عشق رہبر اوست ÷ کفر و دیں ہر دو پردۂ در اوست

(عقل والوں کے لیے شرع کی پابندی لازمی ہے۔ اور اللہ کے دیوانوں کے لیے عشق کا تحفہ ہے + وہ لوگ جن کی رہبری عشق کرتا ہے۔ ان کی نظر میں کفر و دیں دونوں محبوب کے در کے حجابات ہیں)

وہ علم جو تم رکھتے ہو، وہ نماز جو تم ادا کرتے ہو، وہ روزہ جو تم رکھتے ہو، اس کے ذریعہ عشق کی راہ میں قدم رکھنا

ممکن نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مثنوی

ایں ہمہ علم جسمِ مختصر است ٭ علم رفتن براہِ حق دیگر است

راہِ دیں صنعت وعبارت نیست ٭ جز خرابی درد عمارت نیست

(تمام علوم کا سرمایہ محسوسات اور مختصر مادی دنیا ہے۔ حق کی راہ میں سفر کرنے کا علم ہی دوسرا ہے۔ صنعت وعبارت دین کا راستہ نہیں ہے۔ اس میں تو خرابی ہے تعمیر نہیں ہے)

اے بھائی! یہاں معاملہ درد و محبت کا ہے۔ جب تک کسی کا سینہ اس درد کو قبول نہیں کرتا اور مرنے سے پہلے مر نہیں جاتا اس وقت تک وہ شخص اس راہ میں چلنے کے قابل نہیں ہوتا۔ وہ عشق کی راہ کی بلاؤں کو برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ذرۂ دردِ خدا دردل ترا! ٭ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا!

ہر کرا ایں درد نیست او مرد نیست ٭ نیست درماں گر ترا ایں درد نیست

(اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرہ تیرے دل کے لیے دونوں جہاں کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ جس کے دل میں یہ درد نہیں ہے تو وہ مرد نہیں ہے۔ اگر یہ درد نہیں ہے تو تیرا کوئی علاج بھی نہیں ہے)

اے بھائی! یہ جواں مردوں کی راہ ہے۔ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ انسان جب مال و مرتبہ، زن و فرزند، جان و تن سب کچھ کھو دیتا ہے تب کہیں جا کر اس راہ میں پہلا قدم رکھتا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

ہرچہ جز حق، بسوز وغارت کن ٭ ہرچہ جز دیں از و طہارت کن

از تن وجاہ وعقل وجاں بگذر ٭ در رہِ او دل بدست آور

(حق کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے جلا کر خاک کر ڈالو اور برباد کر دو۔ دین کے علاوہ جو کچھ ہے اس سے طہارت حاصل کرو۔ جاہ ومرتبہ، جسم وجان اور عقل کے حدود سے آگے نکل جاؤ۔ اس کی راہ میں محبت کرنے والا دل حاصل کرو)

عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام نا آشناؤں کو آشنا کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ مگر وہ سب کے سب بیگانے کے بیگانے ہی رہے۔

آشنا نہ بنے۔ اگر عشق کا ایک ذرہ بھی وہ اپنی جناب سے ان میں تقسیم کر دیتے تو سب کے سب آشنا بن جاتے۔

مثنوی

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے ❊ حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلے

ہر کہ در سرِ محبت بندہ شد ❊ تا ابد ہم محرم و ہم زندہ شد

(عشق کا درد ہی دلوں کی دوا ہے۔ عشق کے بغیر اس راہ کی کوئی مشکل حل نہیں ہوئی۔ جس نے اسرارِ محبت سے بندگی حاصل کی۔ اس کو ابدی زندگی بھی ملی اور وہی محرم راز بھی ہوا)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ پاکستان

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء روز دوشنبہ

بوقت ایک بجے شب، مطابق ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ

مکتوب ——— (۷۸)

دنیا کی نفی اور معرفتِ الٰہی کے اثبات کے بیان میں

گوشۂ گیر زیں سرائے مجاز ٭ توشۂ آں جہاں در دمی ساز

(اس سرائے فانی سے کنارہ کشی کر کے کوئی گوشہ اختیار کر لو۔ اور اس میں بیٹھ کر دوسری دنیا کے لیے توشہ تیار کرو)

اے بھائی! درویشی میں بہت سے ہنر ہیں اور گوناگوں راحتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے برعکس تونگری میں عیب ہی عیب ہے۔ غم والم کا مرکز ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ مال وجاہ کی محبت نے لوگوں کو اندھا اور بہرا بنا دیا ہے۔ ان کا یہ حال ہے کہ دولتمندی کے ہر عیب کو ہنر تصور کرتے ہیں اور درویشی کے ہر ہنر کو عیب سمجھتے ہیں۔ فرعون ونمرود کا بھی یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے ان دونوں نے خدائی کا دعویٰ کیا۔

مثنوی

صد جہانِ علم با معنی بہم ٭ دوزخ آرد بار با دنیا بہم

چوں ز دل دنیات دور افگندہ نیست ٭ جائے تو جز دوزخِ سوزندہ نیست

(علم کی سینکڑوں دنیا کو تم اپنے دامن میں سمیٹ لو، اگر اس کے حصول کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہے، تو اس کا عوض دوزخ ہے۔ تیرے دل سے اگر دنیا کی محبت دور نہیں ہوئی تو تیری روح کے لیے دوزخ کی تپش کے سوا کچھ نہیں)

ایسے ہی موقع پر لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ والوں کی پہچان یہ ہے کہ ترک دنیا کرے اور دنیا والوں کی صحبت سے دور رہے۔ ؎

ہست دنیا دشمنِ حق بے مجاز ٭ دشمن حق کے گذارد دوست باز

(بلاشبہ دنیا اللہ والوں کی دشمن ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر وہ اپنے دوستوں کو حق کی راہ کب اختیار کرنے دے گی)

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ترک دنیا نہیں ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ترک دنیا اور معرفت حق ان ہی دونوں سے کلمۂ شہادت مرکب ہے۔ یعنی نفی واثبات سے۔ نفی سے مراد ترک دنیا ہے۔ اور اثبات سے مراد معرفت خداوندی ہے۔ پس جس شخص نے دنیا کی نفی کی اس نے نفی کی تکمیل

کی اور جس شخص نے خدا کی معرفت حاصل کی اس نے اثبات کو مکمل کیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اسی کا اعلان ہے۔

اے بھائی! جب یہ حال ہو کہ زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں اور دنیا کے سامنے سجدہ کریں، امراء اور بادشاہوں کو اپنا قبلہ بنائیں۔ اس کو تو ایمان زبانی اور کفر دلی کہتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

مصحف بکف گرفتہ کفرے درو نہفتہ ✤ بطال مست خفتہ بر بستر ریائی

(ہاتھ میں قرآن ہے، اپنے کفر کو اس میں چھپائے ہوئے ہے یعنی باطل پرست مستی کے عالم میں ریاکاری کے بستر پر سو رہا ہے)

اب بات واضح ہو گئی ہوگی۔ حال یہ ہے اکثر لوگ معرفت خداوندی کا دعویٰ کرتے ہیں اور دنیا ان کو راہ حق سے ہٹا کر دور لے گئی ہے لیکن ان لوگوں کو اس کی اصلا خبر نہیں۔ نمرود اور فرعون کا بھی تو یہی حال تھا۔

رباعی

دنیا طلباں کہ دشمن درویش اند ✤ بیگانہ ز حق آشنائے خویش اند

گمراہ فتادہ و گرفتار شکم ✤ چوں در نگری بمعرفت بدکیش اند

(طالبان دنیا درویشوں کے دشمن ہیں۔ یہ حق کے آشنا نہیں بلکہ اپنے آشنا ہیں۔ یہ گمراہ ہیں۔ ان کے پیٹ نے ان کو گرفتار کر رکھا ہے۔ ان پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ معرفت حق کے معاملہ میں بداندیش ہیں)

اے بھائی! اس موقع پر اس بات کا ضرور خیال رکھو، تاکہ غلطی میں مبتلا نہ ہو۔ وہ یہ کہ ترکِ دنیا سے مراد فضولیات کا ترک کرنا ہے نہ کہ ضروریات کا یعنی لازمی ضروریات زندگی کا ترک کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ جس طرح فضولیات کی طلب ناپسندیدہ ہے، بلکہ حجابِ راہ ہے۔ اسی طرح ضروریات کا ترک کرنا بھی ناپسندیدہ اور مانعِ راہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو غذا، کپڑا اور مکان کی روزانہ ضرورت پڑتی ہے۔ اگر سرے سے ان چیزوں کو ترک کر دیا جائے تو یقیناً انسان دوسرے کا محتاج ہو جائے گا۔ بلکہ حرص و طمع میں گرفتار ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ دونوں بلا اور ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں۔ اس لیے کہ جس طرح فضولیات کی طلب بہت سے فسادات کا سبب بنتی ہے اسی طرح ضروریات ناگزیر کا ترک بھی گوناگوں فساد میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اس موقع پر اگر کوئی یہ بے کار بحث چھیڑ دے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک مثال موجود ہے کہ انھوں نے گھر کا جملہ سامان بیت المال میں لا کر ڈال دیا اور جب رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ "اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کافی ہیں" اس طرح وہ تارک کل ہوئے۔ پھر ضروریات زندگی پر کیسے زور ڈالا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے

کہ پہلے اپنے حال پر غور کرو۔ اگر تمہارا حال صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا ہے کہ تم ایسا کرنے کے بعد اسے نباہ بھی سکو گے تو بلا شبہ تم کر سکتے ہو۔ لیکن ساگ، بگین بیچنے والوں کو یہ کہاں حق پہنچتا ہے کہ بادشاہ کا مقابلہ کریں۔

اے بھائی! اہل معرفت کی صحبت اور ان کی کفش برداری کے بغیر کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ اپنے جہل مرکب اور ذہن کی بے راہ روی سے اس طرح کا کام اختیار کرے۔ سچ کہا ہے جس نے کہا ہے۔

مثنوی

کور ہرگز کے تواند رفت راست ؛ بے عصاکش کور را رفتن خطاست

راہ دور است و پر آفت اے پسر ؛ راہ رو را می بباید راہبر

(اندھا خود سے سیدھی راہ کیوں کر چل سکتا ہے؟ لاٹھی پکڑنے والے کے بغیر اس کا چلنا غلطی ہے۔ راہ دور ہے اور بلاؤں اور مصیبتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس لیے راہی کو چاہیئے کہ ایک راستہ بتانے والے راہبر کو ساتھ رکھے۔)

اس لیے چاہیئے کہ دانشمندوں اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ اور جاہلوں اور بدکاروں کی صحبت سے دور رہو۔ یہ تمام مجاہدات اور ریاضتیں جو صوفیاء کرام کے یہاں مروج ہیں وہ اسی لیے تو ہیں تاکہ مرید دانا لوگوں کی صحبت کے لائق ہو جائے۔ اور جب کوئی مرید ان دانشوروں کی صحبت کے لائق ہو گیا تو اس کا ایک دن بلکہ ایک ساعت جو اس نے ان دانشمندوں کی صحبت میں گذارا ہے، سو سال تک بے صحبت رہنے اور ریاضت و مجاہدہ کرنے سے کہیں بہتر اور مفید ہے۔ آخر یہ تو سنا ہو گا ؎

سگِ اصحاب کہف روزے چند ؛ پے نیکاں گرفت مردم شد

(اصحاب کہف کا کتا چند دنوں تک نیکوں کے ساتھ رہا تو آدمی کے زمرے میں داخل ہو گیا)

اور کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے صحابی برسوں بت خانے میں بت پرستی کرتے رہے۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی میں گذار دیا۔ لیکن چند روز سلطان الاولیاء علیہ السلام کی صحبت غیب سے ان کو نصیب ہوئی تو ان میں سے ہر ایک کو دین اسلام کی قیادت میسر آئی۔ آفتاب و ماہتاب بن کر ابھرے اور شاہی کے درجے تک پہنچے۔ یہ امتیاز حاصل ہوا کہ اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ (میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے)

؎

مثنوی

لاجرم در بندگی سلطاں شدند ٭ مہتر خلق جہاں ایشاں شدند

تازدوزخ فردوآزاد آمدند ٭ در بہشت عدن دل شاد آمدند

(بلاشبہ انھوں نے جب بندگی اختیار کی تو انھیں شاہی ملی۔ دنیا بھر کے مخلوق کی سرداری ملی + دوزخ سے نجات ملی۔ اور بہشت عدن میں شاداں وفرحاں داخل ہوئے)

اے بھائی! جس کسی نے جو کچھ بھی پایا ہے، صحبت ہی سے پایا ہے۔ ہاں! مگر اس قسم کے فہم وادراک کے لیے بھی وقت درکار ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ؎

صحبتِ نیکاں زجہاں دور گشت ٭ خانۂ عسل، خانۂ زنبور گشت

(نیکوں کی صحبت دنیا والوں سے دور رکھی گئی ہے۔ شہد کے چھتے میں ڈسنے والی مکھیوں کا گھر ہے)

آج اپنے حال پر سر میں گرد ڈالنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اپنا ماتم جتنا بھی کیا جائے کم ہے۔ اور وہی بات دوہرانی ہے جسے خسرو علیہ رحمۃ نے کہی ہے۔ ؎

در مجلس وصالت دریا کشند مستاں

چوں دورِ خسرو آمد مے در سبو نہ ماندہ

(اے دوست! تمہارے وصل کی مجلس میں لوگ سمندر کا سمندر گھونٹ گئے۔ مگر جب خسرو کی باری آئی تو خم خالی پڑا تھا)

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۲۔ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۴۔ نومبر ۱۹۷۸ء

بوقت گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

مکتوب ——— (۷۹)

دوستوں پر سختی اور دشمنوں پر الطافِ خداوندی کے بیان میں

قطعہ

گر آری خلیلے ز بت خانۂ ؛ کنی آشنائی ز بیگانۂ
گہے از چناں گوہرِ خانہ خیز ؛ چو بو طالبے را کنی سنگ ریز

(کبھی بت خانے سے خلیل ؑ کو پیدا کرتا ہے۔ کبھی بے گانوں سے آشنائی کرتا ہے۔ کبھی ایسے گھرانے کے ایک فرد ابو طالب کو تو نے ٹھکرا دیا جہاں سے لعل و گہر پیدا ہوتے رہے)

اے بھائی! دنیا کی تمام نعمت اور راحت اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے مخصوص کر رکھی ہیں۔ اور بلا و محنت، دوستوں کے لیے۔ چنانچہ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج جو سلوک وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کر رہا ہے وہی کل (قیامت) اپنے دشمنوں کے ساتھ کرے گا۔

فرعون را نہ دادیم اے دوست دردِ سر ؛ زیرا کہ او نہ داشت سر دردہائے ما

(اے دوست! فرعون کو ہم نے یہ درد سر نہیں دیا۔ اس لیے کہ وہ اپنے سر میں ہمارا درد نہیں رکھتا تھا)

اے بھائی! عقل کے فیصلے یہاں بے کار ہو جاتے ہیں۔ کہنے سننے یعنی افہام و تفہیم کی یہاں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیوں کہ عقل قیاس کرنے کا آلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قیاس سے بلند و بالا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے قیاس و عقل کا پابند نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کوئی عقلمند اس وقت تک کوئی کام انجام نہیں دیتا جب تک اس کو اس کی ضرورت اور حاجت نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کر دیئے جب کہ ان کی اس کو کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی حاجت نہیں۔ وہ تمام چیزوں سے بے نیاز ہے اس لیے اس کے کاموں میں عبث اور غیر عبث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ بے منفعت دوستی نہ کی جائے اور بے عداوت دشمنی نہ کی جائے اور لوگوں کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بغیر کسی نفع کے محبت کرتا ہے اور بغیر

ضرر کے عداوت۔ سے

شعر

ہیچ دل را بکنہہ اورہ نیست ٭ جان وعقل از کمالش آگہ نیست

(کسی کا دل اس کے کنہہ کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ روح اور عقل اس کے کمال سے آگاہ نہیں ہے)

شعر

ایں چہ درگاہیست قفلش بے کلید ٭ ویں چہ دریائیست قعرش ناپدید

(یہ کیسی درگاہ ہے کہ جس کے تالے کی کنجی نہیں۔ اور یہ کیسا سمندر ہے کہ جس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں)

بلاشبہ عقل ایک ترازو ہے مگر اے بھائی! بنئے کی ترازو سے پہاڑ نہیں تولا جا سکتا۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز سے جبرئیلؑ اور میکائیلؑ بھی بے خبر ہیں تو انسان کی بیچاری عقل اور اس کا فہم و ادراک کہاں پہنچ سکتا ہے۔؟

دل و عقل از جلال او خیرہ ٭ تن و جاں از کمال او خیرہ

اربدیں دریا در آئی یک دمے ٭ حیرت جاں سوز بینی عالمے

(عقل و دل جلال الٰہی کے سامنے حیرت زدہ ہیں۔ جسم و جاں اس کے کمال کے سامنے متحیر ہیں۔ رمز الٰہی کے سمندر میں اگر تو ایک لمحہ کے لیے بھی قدم رکھے تو تحیر و استعجاب کی حالت میں تو ایک اور ہی عالم کا مشاہدہ کرے گا)

ذرا یوسف علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو کہ ایک نابالغ بچہ کو بغیر کسی قصور کے اس کے بھائی کو کوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور بوڑھے والد کو جو خود پیغمبر ہیں ان کے فراق میں بغیر کسی جرم کے تڑپایا جاتا ہے۔ پھر کوئیں سے نکال کر مصر کے بازار میں بیچا جاتا ہے۔ پھر زلیخا کو ان کی آزمائش کے لیے سبب بنایا جاتا ہے۔ پھر اس غلامی کے بعد تختِ شاہی پر بٹھائے جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تماشا یہ ہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام گناہ عظیم کے مرتکب ہونے کے باوجود تاجِ نبوت سے نوازے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ انسان کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔

مثنوی

ایں چنیں کارے کہ در پیش آمدست ٭ علم مفلس عقل درویش آمدست

غرقہ در دریائے حیرت آمدیم ٭ پائے تا سر عین حسرت آمدیم

(اس طرح کے واقعات جو اکثر پیش آتے رہتے ہیں ان کو سمجھنے سے علم قاصر ہے اور عقل بیچاری عاجز۔

دریائے حیرت میں ڈوب کر آیا ہوں۔ مگر ناکام و نامراد۔ سر سے پاؤں تک حسرت ہی حسرت)

اس واقعہ پر بھی غور کرو کہ سلطان الانبیاء تاج الاصفیا صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں براق پر سوار ملائے اعلیٰ کی سیر فرماتے ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام جلو میں ہوتے ہیں۔ روئے زمین کے خزانوں کی کنجی قبضۂ اختیار میں دی جاتی ہے۔ اور حکم ہوتا ہے جو چاہو کرو۔ تم سے کسی قسم کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اس سے ہمارے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ دوسری جانب ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپؐ کو چند سیر جَو کے لیے ایک یہودی کے دروازے پر بھیجا جاتا ہے۔ یہودی اپنے طعن و تشنیع سے قلب مطہر پر چرکے لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کو میں قرض کیسے دوں۔ جب کہ آپ کے پاس اونٹ اور بکری تک نہیں ہے۔ تو آپ یہ قرض کہاں سے ادا کریں گے؟ اس میں جو راز ہے وہ یہ ہے جیسا کہ کہا ہے:

مثنوی

گہ باکفِ پُر سیم و گہے درویشم ❊ گہ بادلِ پُر نشاط و گہ دل ریشم
گہ واپسِ جملہ خلق و گہ در پیشم ❊ مِن بوقلمونِ روز گارِ خویشم

(کبھی میری مٹھی سونے چاندی سے بھری ہوتی ہے اور کبھی مفلس و قلاش رہتا ہوں۔ کبھی میرا دل خوشی میں مست اور کبھی گھائل رہتا ہے۔ کبھی لوگ مجھے پیچھے ڈھکیل دیتے ہیں اور کبھی ان کے آگے ہوتا ہوں میں اپنے زمانے کا تماشا بنا ہوا ہوں۔)

حالات کے یہ نشیب و فراز اور محبوب حقیقی کا یہ عشوہ و ناز، پھر عنایت عام میں دشمنوں پر اکرام و نوازش کچھ اس انداز سے ہیں کہ عقل حیران و سرگرداں بلکہ انگشت بدنداں ہے۔ بارگاہ سے قربت رکھنے والوں کے ہوش ٹھکانے نہیں۔ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ عبدیت کا تقاضا ہے کہ زبان بند رکھی جائے اور ہر حال میں گردنِ تسلیم خم کی جائے۔ نعمتوں میں رکھیں تو سہی، محنت کشی میں ڈالیں تو بھی سہی، تندرست و توانا رکھیں وہ بھی ٹھیک اور امراض میں مبتلا کریں تو بھی ٹھیک۔ غرض کہ ہر حال میں بندگی کا سر نیچا ہے اور قدم جمائے رکھا جائے۔ ازل میں جو مقدر ہے اسے ہونا ہے۔ وہ جو چاہیں گے۔ بیکار غم کھانا اور فکر مند ہوتا ہے۔ اس سے کوئی حاصل نہیں۔ جیسا کہ اس بیچارے نے کہا ہے ؎

چہ کند بندہ کہ گردن نہ نہد فرماں را ❊ چہ کند گوے کہ تن در نہ دہد چوگاں را

(بندہ کے لیے فرماں برداری کے سوا چارہ کیا ہے۔ گیند کھلاڑی کے بلوں کی ٹھوکریں نہ کھائے تو کیا کرے)

اے برادر! وہ کاتب تقدیر کاتب حقیقی ہے۔ جب کاتب کاغذ پر "ق" لکھ دیتا ہے تو پھر وہ

دق، ہی رہتا ہے دک، نہیں ہو سکتا۔ ؎

ہر چہ استاد در نوشتہ براند ☆ طفل در مکتب آں تواند خواند

(استاد نے جو لکھ کر دے دیا بچے مکتب میں اسی کو پڑھیں گے۔

اے بھائی! معرفت اور بصیرت والے جب اس مقام پر پہنچتے ہیں، کمر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ تقدیر نے ازل میں جیسے ابوجہل لکھ دیا ہے وہ ہرگز ابوبکر صدیق نہیں ہو سکتا۔ یہاں عقل بیچاری کیا کر سکتی ہے۔

مثنوی

عاشقاں سوے حضرتش سرمست ☆ عقل در آستیں وجاں در دست

بے نیازیش راچہ کفر وچہ دیں ☆ بے زبانیش راچہ شک چہ یقیں

(عشاق جان ہتھیلی پر رکھ کر اور عقل کو آستین میں چھپا کر مستی کی حالت میں اس کی جانب بڑھتے ہیں۔ اس کی بے نیازی کے سامنے کفر و دیں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور اس کے سکوت کے مقابلہ میں شک اور یقین برابر ہے)

اس سے زیادہ نہیں لکھا جا سکتا۔ کیونکہ تذکرہ قضا و قدر کے اسرار کا ہے۔ اس کے لیے فرمان یہ ہے۔

إِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَامْسِكُوا۔ (جب قضا و قدر کا ذکر آئے تو خاموش رہو)

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۵۔ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مطابق ۷، نومبر ۱۹۷۸ء روز سہ شنبہ

بوقت ایک بجے شب۔ لطیف آباد

حیدر آباد۔ سندھ۔ پاکستان

مکتوب ——— (۸۰)

گفتنی اور ناگفتنی باتوں کے بیان میں

رباعی

چوں محرم اسرار شدی اندر کار ⁂ رازے کہ نہانی ست نہانش می دار

ہر بند ہواز دل زباں از گفتار ⁂ در محو خودی سعادت خود پندار

(جب تم اپنے کام میں واقف اسرار ہو جاؤ تو جو راز چھپانے کا ہے اسے چھپائے رکھو، خواہشات سے دل کو پاک کردو۔ اور اپنی زبان میں تالا لگا دو۔ اور اپنی خودی میں محو رہنے کو اپنی سعادت سمجھو۔)۔

اے بھائی! حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت علما و امت کے لیے یہ ہے کہ کَلِّمُوا النَّاسَ مِمَّا یَعْرِفُوْنَ وَادْعُوْا مِمَّا یُنْکِرُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُکَذِّبَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (لوگوں سے وہی گفتگو کرو جسے وہ جانتے ہیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دو جن کے سننے کی ان میں تاب نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی بھی، وہ تکذیب کریں) اس تنبیہ اور تاکید نے علما اور صوفیا ء کے دلوں میں اضطراب اور تکلیف کی وہ کیفیت پیدا کردی ہے جو کل قیامت کے دن دوزخ دشمنوں کے ساتھ کرے گا۔ علماء کو ہرگز نہیں چاہیے کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں سب کا سب عوام کے سامنے کہہ ڈالیں۔ کَلِّمُوْا عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ (لوگوں سے گفتگو ان کے فہم و ادراک کے مطابق کیا کرو) یہ جملہ اہل علم کے لیے باعث تنبیہ ہے اس لیے کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں اگر وہ سب عوام کے سامنے کہہ دیں تو ایسی صورت میں صلاح سے زیادہ فساد کا امکان ہے۔ اور فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہوگا۔ اگر سب کچھ کہنا جائز ہوتا تو مشائخِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اپنے کلام میں اشارے اور کنائے سے کام نہ لیتے۔ اور اپنی عبارتوں میں مخصوص اصطلاحات استعمال نہ کرتے یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ جو بات کہنے کی ہے اسی کو کہا جائے اور جو نہ کہنے کی ہے اسے اسرار کے پردوں میں چھپا رہنے دیا جائے۔ چنانچہ یہ حقیقت ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھی کہ اگر تمام باتیں عوام میں کہہ دینے کی ہوتیں تو قرآنِ کریم میں حروف مقطعات نہ لائے جاتے۔ لہٰذا حروف مقطعات کی تشریح کے باب

میں متکلمین نے صاف صاف لکھا ہے کہ هٰذَا سِرٌّ بَیْنَ اللّٰهِ وَحَبِیْبِهٖ (یہ راز ہے اللہ اور اس کے محبوب کے درمیان)

قوت القلوب میں امام ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ اَلْعُلُوْمُ ثَلٰثَةٌ عِلْمٌ ظَاهِرٌ وَعِلْمٌ بَاطِنٌ وَّعِلْمٌ بَیْنَ اللّٰهِ وَ عَبْدِهٖ - (علم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جو ظاہر کا علم ہے (۲) اور وہ جو باطن کا علم ہے (۳) اور وہ علم جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے)

ایسی صورت میں اصول کا تقاضا یہی ہے کہ علم ظاہر کا تذکرہ اہل ظاہر سے کیا جائے۔ اور علم باطن کا تذکرہ اہل باطن کے سامنے کیا جائے۔ لیکن وہ علم جو بندہ اور خدا کے درمیان مخصوص ہے، وہ نہ تو اہل ظاہر کے سامنے کہنے کا ہے اور نہ اہل باطن کے سامنے بلکہ اگر کوئی شخص اس کی ربوبیت کے راز کو افشا کر دے تو اس پر کفر کا الزام عاید ہوگا اور اگر کوئی شخص خلوت خاص یا توحید کے راز کو فاش کرے تو اس کے لیے قتل کی سزا بہتر ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی ان کو یہی سزا دی گئی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

قطعہ

دیدی کہ بہ شکرِ عشق رمزے ⁂ حلاج بگفت، رفت بر دار
بربند زباں کہ عاشقانش ⁂ در عشق نہ می خرند گفتار

(تم نے دیکھا! شکرانۂ عشق میں حلاجؒ نے صرف ایک راز افشا کیا تھا۔ سولی پر چڑھا دیئے گئے + زبان بند رکھو اس لیے کہ اس کے عشاق عشق کی راہ میں گفتگو نہیں خریدا کرتے)

اے برادر! یہ مثل تو سنی ہوگی کہ جو بندہ گو بندہ بود و یا بندہ گنگ (جب تک تلاش و جستجو میں ہے بولتا ہے اور جب پا گیا تو گونگا ہو جاتا ہے) صُمٌّ بُکْمٌ عارفوں کی صفت ہے۔ سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک راز پڑا ہوا دیکھا۔ جس میں لکھا تھا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (گونگا، بہرہ اور اندھا ہو جانا) فرمایا یہ تو عارفوں کا راز ہے۔ ؎

او علم نہ می شنید لب بربستم ⁂ او عقل نہ می خرید دیوانہ شدم

(وہ علم کی باتیں نہیں سننا چاہتا، میں نے لب بند کر لیے۔ وہ عقل نہیں خریدنا چاہتا، میں نے دیوانگی اختیار کر لی)

جب یہ حال ہے تو لوٹنے کی گنجائش کہاں؟ اگر ہوتی تو لب بربستم اور دیوانہ شدم کا قصہ کیا؟ مگر یہ لوگ سینکڑوں عنوان سے بیان کرتے اور ہزاروں شستہ عبارات میں رات دن تحریر کرتے رہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ عشق و معرفت کا سمندر گھونٹ جاتے ہیں اور سانس تک نہیں لیتے۔ ؎

مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند ❊ تو از چہ مست گشتی چوں جرعۂ نہ خوردی

(مرد لوگ تو ہزاروں دریا پی کر بھی پیاسے ہی گئے۔ تیرا یہ کیا حال ہے کہ ایک گھونٹ بھی نہ پیا اور مست ہے)

رباعی

دانی کہ چرا اہل وفا خاموشند ❊ در نکتۂ دل بہ محو خود می کوشند

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ❊ سر می بازند و سرِ حق می پوشند

(تمہیں معلوم ہے؟ کہ یہ اہل وفا لوگ کیوں خاموش ہیں؟۔ دل کے نکتہ میں محو رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ محبوب کے ہاتھوں ہر لمحہ پیالہ نوش کرتے ہیں۔ سر کی بازی لگا کر راز عشق پوشیدہ رکھتے ہیں)

اس کے باوجود درویشوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کبھی کبھی وہ کچھ راز کی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ جذب و مستی کے عالم میں ان سے سرزد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عاشق سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے وہ اضطرار کے عالم میں ہوتا ہے نہ کہ اختیار کے عالم میں۔ اس لیے وہ لوگ معذور ہیں۔ اَلْعُشَّاقُ لَا يُؤَاخِذُوْنَ بِمَا صَدَرَ مِنْهُمْ (عاشقوں سے اگر عالم جذب میں کچھ سرزد ہو جائے تو اس کی کوئی گرفت نہیں) جیسا کہ کہا گیا ہے۔

مثنوی

قصۂ دیوانگاں آزادگی ست ❊ جملہ گستاخی و کار افتادگی ست

کارِ عاشق اضطرارے اوفتد ❊ واں ز فرطِ دوستدارے اوفتد

عاقلاں را شرع تکلیف آمدست ❊ بے دلاں را عشق تشریف آمدست

(دیوانوں کا قصہ آزادگی کا ہے۔ بلاشبہ یہ گستاخی اور بے ادبی ہے۔ مگر عاشق کا کام اضطرار میں شمار ہوتا ہے۔ وفور محبت میں ایسی حرکتیں ہو ہی جاتی ہیں۔ ماسوا سے فارغ ہو کر ایک عاشق ایسی باتیں بول سکتا ہے۔ ہاں! البتہ عقل کی حدود میں رہنے والا عاقل کب بول سکتا۔ عقل والوں کے لیے شرع کی پابندی ہے۔ مگر جو لوگ دل دے چکے ہیں ان کے لیے تو عشق کی برکتیں ہیں۔)

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام رازہائے سربستہ گفت و شنید سے نہیں کھل سکتے۔ بچوں کا کام یہ ہے کہ بزرگوں کی باتیں سنیں اور یاد رکھیں، لیکن اگر بزرگوں کے کہنے پر ان کا عمل نہیں ہے تو بے سود ہے۔ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں ان کے لیے بے خبر رہنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ؎

در بت کدہ در آ، در بہ نشیں ٭ بر بند بروے خرقہ، زنار

(جاؤ، کسی بتخانے میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ اور اپنے خرقۂ درویشی پر زنار باندھ لو)

لہٰذا دانش مند وہ ہے جو اپنے کاموں میں لگا رہے اور گفتگو سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ کام تو کام کرنے سے بنتا ہے نہ کہ گفتار سے۔ ؎

کارکن کار بگذر از گفتار ٭ کاندریں راہ کار دارد کار

(کام کرو اور فضول باتوں کو چھوڑ دو۔ اس لیے کہ اس راہ میں کام ہی سے کام سنورتے ہیں)

ظاہر ہے راہ چلنے سے طے ہوتی ہے نہ کہ گفتار سے۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ ہونٹوں پر مہر لگالو۔ اور راہ طلب میں اپنی دوا خود بن جاؤ۔ اور عمر کے اس حصہ کا ماتم کرو جو بے کار ضائع ہوا۔ جتنی مہلت باقی ہے، اس میں بھی یہ حال اگر نہیں ہے تو کام ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ جو کچھ کرنا ہے اسی عمر اور اسی دنیا میں کرنا ہے۔ آخرت تو نتیجہ کا میدان ہے۔ افسوس! ؎

درد را دارو کجا خواہیم کرد ٭ عمر شد، ماتم کجا خواہیم کرد

گر مدد گردد احد کارے بود ٭ ور نہ بے شک رنج بسیارے بود

(افسوس! درد کا علاج کہاں کریں گے۔ عمر تو بے کار برباد گئی اب ماتم کہاں کریں گے۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو کام بن سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بلاشبہ نہایت دردناک حشر ہوگا)

یہ رنج و غم، یہ ملامت و نفرت میں خود اپنے اوپر کر رہا ہوں نہ کہ دوسروں پر۔ اپنے ماتم کو اور مصیبت کو اس طرح بیان کر رہا ہوں۔ دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ مجھے تو خود ہزاروں ایسے واعظ درکار ہیں جو مجھے نصیحت کریں اور میرے غم خوار بنیں۔ سمجھ سکتے ہو کہ جو خود اس طرح بلاؤں میں گرفتار ہو اور جو خود اس قدر پریشاں حال ہو وہ اپنی اصلاح کے اہم کام کو چھوڑ کر دوسروں کے لیے غیر اہم کام میں کس طرح مشغول ہو سکتا ہے۔ ایسا کرنا دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے! جو حال۔ اس مدبر، گرفتار بلا کا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ رہی اور اس نے دستگیری نہ کی تو۔ اس معصیت و جفاکشی میں رہائی کی کیا امید ہو سکتی ہے! مجھ غریب کو اگر نجات کی کوئی امید ہے تو محض رحمت خداوندی سے ہے۔ ورنہ کہاں ابوجہل اور فرعون اور کہاں اس مدبر کا حال زبوں۔ افسوس! گریہ وزاری کے سوا کیا چارہ ہے۔ خواجہ عطار پر رحمت خدا کی کیا خوب کہا ہے۔

مثنوی

(۱) یارب از دست و زبانم باز خر ٭ دست در نہ واز بہائم باز خر

(۲) مستیِ بے ہوش ہوشیاریم دِہ ۔ خفتنِ بے خویش بیداریم دہ

(۳) خالقا گر اہل عادت بودہ ام ۔ بارے آخر در شہادت بودہ ام

(۴) در بہ بادِ جہل دادم روزگار ۔ توز عفوت در پذیر و در گذار

(۵) گر نہ خواہد خواست عذرم ہیچ کس ۔ عذر خواہ جرم من عفوے تو بس

(۶) گر در آید یک نسیم از سوے تو ۔ پاے کوباں جاں دہم در کوے تو

(۱) (اے اللہ مجھے میرے ہاتھ اور زبان کی ابتلا سے خرید لے۔ فضل کا ہاتھ بڑھا اور حیوانیت کی زندگی سے خرید لے۔ (۲) مستی اور بے ہوشی کے عالم میں پڑا ہوں مجھے ہوش دے۔ بے خود ہو کر سویا ہوا ہوں مجھے بیداری عطا کر۔ (۳) اے میرے اللہ! اگرچہ یہ سب کچھ بے شعوری اور عادت کی بنا پر مجھ سے سرزد ہوا ہے پھر بھی یہ سب کچھ تجھ جیسے رحیم مالک کے سامنے ہوا ہے۔ (۴) اگر جہالت میں میں نے اپنی عمر برباد کی ہے۔ تو تو معافی دے کر قبول فرمالے۔ (۵) اگر میری عذر داری سننے والا کوئی نہیں نہ ہو۔ ہاں! اگر تیرا عفو میری عذر داری سنے تو میرے لیے کافی ہے۔ (۶) تیری جانب سے اگر نسیم جاں فزا کا ایک جھونکا آجائے تو بے خودی کے عالم میں پاؤں پٹک پٹک کر تیری گلی میں جان دے دوں)

اے بھائی! یہ تو اپنا حال تمہارے مطالعہ کے لیے لکھا ہے۔ نہ یہ کہ الگ سے تم کو کوئی بات کہی گئی ہے۔ اس سے کسی دوسرے گمان میں نہ پڑنا چاہیئے۔ یہ اگر صحیح ہے کہ درماندہ لوگوں کے قصے سے اہل درد کو فائدہ پہنچتا ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ اہل اعتبار لوگ تو کافروں کے کاروبار سے بھی عبرت حاصل کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر اگر کوئی ایک مومن درماندہ کے کاروبار سے بھی عبرت حاصل کرے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ ؎

بر درختِ بقائے روحانی ۔ از رہِ کفر در مسلمانی

(روحانی بقا کے درخت تک کفر کی عبرتوں سے گذر کر راہ پہنچتی ہے)

یقیناً یہ محال نہیں ہے کہ کسی کی پریشانی اور حیرانی کے قصہ سے کسی کو مقصود کی راہ ملے۔ طالبانِ راہ میں ایسی بہت سی مثالیں۔ ؎

یقیں می داں کہ شیرانِ شکاری

دریں رہ خواستند از مور یاری

(یقین کرو کہ اس راہ کے شکار کرنے والے شیروں نے چیونٹی سے بھی مدد طلب کی ہے)

سلیمان علیہ السلام نبوت کے اتنے جاہ وحشم کے باوجود ایک چیونٹی کے سوراخ کے

سرے پر بھو کے پیاسے اس لیے منتظر بیٹھے رہے کہ شاید ربوبیت کے رازوں میں سے کوئی راز معلوم ہو جائے۔ یہ قصہ معروف و مشہور ہے۔

. والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

شب دہم ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مطابق ۱۲؍ نومبر ۱۳۷۸ء

بوقت ۱۲ بجے شب

لطیف آباد۔حیدر آباد سندھ (پاکستان)

مکتوب ——— (۸۱)

بنی آدم کی فضیلت اور عشقِ خداوندی کے بیان میں

اے بھائی! اگروہ صوفیاء کے احکام و مذہب کے سلسلے میں ان کی کتابیں اور تصنیفات سالہا سال تک مطالعہ میں رہی ہیں۔ مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص بلند مقام پر پہنچے، عالی رتبہ حاصل کرے، علم و معرفت سے آراستہ ہو۔ اور ملک و ملکوت کے حالات اس پر منکشف ہوں، مگر وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا پابند نہیں ہے تو ایسا شخص یا تو اباحت کے بیابان میں ہلاک ہوگا یا حلول و اتحاد کی وادی میں بھٹک کر تباہ ہوگا۔ اور اس کا دین برباد ہو جائے۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

مثنوی

ہر کہ در راہِ محمدؐ رہ نہ یافت! ٭ تا ابد گردے ازیں درگہ نہ یافت

دولت آں جا جوئے و دیں آنجا طلب ٭ مرجع اہل یقیں آں جا طلب

(جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تک پہنچنے کی راہ نہ پائی تو وہ قیامت تک اس کی بارگاہ سے گرد کا ایک ذرہ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ دین و دنیا کی دولت اسی بارگاہ سے مانگو۔ اہل یقیں کا وہی مرجع ہے۔ اس کو وہیں تلاش کرو)

چنانچہ بہت سے بیوقوف لوگ اپنے خیال میں شیطان کے بہکانے پر یہ سمجھ کر مغرور ہو گئے ہیں کہ کسی مقتدائے کامل اور کسی رہبر دین کے بغیر محض اپنی عقل ناقص سے اپنے طور پر وہ توحید کو سمجھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ حالانکہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر اس خوں خوار وادی میں پھنس گئے ہیں۔ اس طرح انھوں نے اپنے دین کو برباد کر ڈالا ہے۔ خواجہ عطار پر خدا کی رحمت ہو۔ کیا خوب کیا ہے۔

مثنوی

(۱) پیر رہ کبریتِ احمر آمدہ است ٭ سینۂ او بحرِ اخضر آمدہ است

(۲) راہ دور است و پر آفت اے پسر ؛ راہ رو را می بباید راہبر

(۳) گر تو بے رہبر فرود آئی بہ راہ ؛ گر ہمہ کوہی فرو افتی بہ چاہ

(۴) گر ترا در دست پیر آید پدید ؛ قفل در د ت را کلید آید پدید

(۵) کور ہر گز کے تو اندر فت راست ؛ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

(۱) پیرِ رہ روشن چراغ ہے۔ اس کا سینہ ۔ وسعت میں بحر بے پایاں ہے۔

(۲) اے عزیز! راستہ نہایت خطرناک اور طویل ہے۔ لہٰذا راہ رو کے لیے ایک راہ بر کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) اگر بغیر کسی رہبر کے تم راستہ پر چل پڑو گے۔ خواہ تم پہاڑ کی مانند کیوں نہ ہو کسی نہ کسی خندق میں ضرور گرو گے۔

(۴) ہاں! اگر تمہیں کوئی پیر کامل مل جائے۔ تو سمجھ لو کہ تمہارے درد کے قفل کی کنجی مل گئی۔

(۵) ظاہر ہے، نابینا سیدھی راہ کیسے چل سکتا ہے۔ جب تک کوئی لاٹھی پکڑنے والا نہ ہو اس کا راستہ پر نکلنا غلط ہے۔)

اے بھائی! اگر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حقیقت ہے تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ شریعت ہے۔ کیا خیال ہے؟ اگر ایک شخص ہزاروں سال تک لا الٰہ الا اللہ کہتا رہے مگر محمد رسول اللہ نہ کہے اور نہ اس پر اس کا اعتقاد ہو، ایسی صورت میں کیا وہ مسلمان ہو گا؟ اس کا ایمان درست ہو گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہود و نصاریٰ بھی مسلمان ہوتے۔ کیوں کہ وہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہتے تھے۔ لہٰذا جب محمد رسول اللہ کہے بغیر ایمان نہیں تو اسی طرح بغیر شریعتِ محمد رسول اللہ، اسلام نہیں۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

مثنوی

(۱) چوں تو بیماری از ہوا و ہوس ؛ رحمۃ اللعالمین طبیبِ تو بس

(۲) او دلیلِ تو بس، تو راہ مجو ؛ او زبانِ تو بس تو یاوہ مگو

(۳) شرح او روح عقل روحانی ست ؛ رائے تو یارِ دیو نفسانی ست

(۴) سوے حق بے رکاب مصطفوی ؛ نہ رود پایت ار بسے بدَوی

(۵) خاکِ او باش و بادشاہی کن ؛ آنِ او باش و ہر چہ خواہی کن

(۶) ہر کہ چوں خاک نیست بر درِ او ؛ گر فرشتہ است خاک بر سرِ او

(۱) (چوں کہ تو ہوا و ہوس کا مریض ہے۔ اس لیے تیرے طبیب رحمتِ عالم ؐ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی نہیں۔

(۲) ان کا راستہ تیرے لیے کافی ہے اس راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ مت تلاش کر۔ قرآن کے حکم پر عمل کر اپنی مت ہانک۔

(۳) ان کی جانب سے جو کچھ تشریح کی گئی ہے، وہی عقل و خرد کی روح ہے۔ تیری اپنی رائے تیرے نفس کا شیطان ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی جانب سیر محبوب خدا کی سواری کا رکاب تھامے بغیر ناممکن ہے۔ تو جتنا چاہے دوڑے گا تیرا ایک قدم حق کی طرف نہیں اٹھے گا۔

(۵) سرورِ کائنات کی خاک پا ہوجا اور بادشاہی کر۔ ان کا غلام بن جا پھر جو جی چاہے کر۔

(۶) جو شخص خاک کی طرح ان کے در کا غلام نہیں بنا۔ اس کے سر پر خاک ڈال دو خواہ وہ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔)

اے بھائی! جب تک ہوش و خرد باقی ہے، شریعت کی پابندی کا حکم بھی باقی ہے۔ جو اس کا منکر ہے۔ وہ مشائخِ طریقت اور علمائے حق رضوان اللہ اجمعین کے اجماع اور اتفاق کے مطابق دینِ اسلام سے باہر ہے لیکن اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کام سرزد ہوتا ہے جو علم و عقل کے حدود سے باہر ہے یا کوئی حال ظاہر ہوتا ہے تو اس کو جذب و عشق کا طور کہتے ہیں۔ یہ عطیۂ الٰہی ہے کسبی نہیں ہے۔ یعنی بے اختیار ہوتی ہے، اختیاری نہیں۔ جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے۔ ؎

دردِ ایشاں نیست از کسب از عطاست ؛ کے شود دردِ چنیں از کسب راست

(عاشقانِ الٰہی کا درد کسبی نہیں عطیۂ خداوندی ہے۔ عشق کا درد کسب سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے!) ؎

عقل فرماں کشیدنی باشد ؛ عشق ایماں چشیدنی باشد

(عقل ہے تو شریعت کی پابندی لازمی ہے۔ عشق ہے تو اس سے ایمان کا مزا ملے گا)

ایسے ہی موقع کے لیے یہ کہا گیا ہے۔ اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ اِلٰھِیٌّ (عشق اللہ تعالیٰ کی محبت و دیوانگی کا نام ہے) ظاہر ہے جو عقلمند پر ذمہ داری ہے وہ دیوانے پر نہیں۔ اور جو ہوش میں ہے اس سے دیوانگی کی بات نہیں قبول کی جائے گی۔ جس طرح دیوانوں سے ہوشمندی کی باتیں سرزد نہیں ہوسکتیں۔ خلاصہ یہ کہ دیوانگی کی بنا پر ایسے لوگ معذور سمجھے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ عاشق کے پاس دل نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ جسم جس میں دل نہ ہو اسے مخاطب نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اپنی تفسیر میں امام زاہد نے لکھا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی اس مسئلہ کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ پس ایسے لوگ عالمِ جذب و مستی میں جو کچھ دیکھتے ہیں اسے وہ خود سمجھتے ہیں اگر بے خودی کے عالم میں کچھ اظہار کر دیتے ہیں تو یہ دیوانگی پر محمول ہو گا۔

؛

مثنوی

عاقلاں را شرع تکلیف آمدست ؛ بے دلاں را عشق تشریف آمدست

درد عشق آمد دوائے ہر دلے ؛ حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلے

(عقل والوں کے لیے شریعت کی پابندی ہے۔ جو دل دے چکے ہیں ان کو جذب و عشق کی دولت عطا ہوئی ہے۔ ہر دل کی دوا درد عشق ہے۔ اس کے بغیر کوئی مشکل حل نہیں ہوتی)

چنانچہ جذب و عشق والوں کا معاملہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں رموز ہوتے ہیں۔ اسی عالم میں وہ کبھی شریعت کے خلاف بھی کچھ کہہ جاتے ہیں۔ کیوں کہ دیوانہ تو دیوانہ ہی ہے اور یہی اس کا عذر ہے۔ جو قبول کیا گیا ہے۔ ؎

سرے ست مرا با تو کہ کس محرم آں نیست ؛ گر سر برود سرے تو با کس نہ کشائیم

(اے محبوب میرے اور تیرے درمیان وہ راز ہے جس سے کوئی بھی آشنا نہیں۔ مرا سر بھی جدا کر دیا جائے تو بھی میں کسی سے نہیں کہوں گا)

اے بھائی! یہ مختصر تحریر اس امید پر لکھی گئی ہے کہ اہل استعداد کو غور و فکر کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس سے کافی فائدہ پہنچے گا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَنِ الذُّلِّ وَالتَّحَلُّلِ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (میں اللہ تعالیٰ سے گمراہیوں کی معافی چاہتا ہوں اور لا الہ اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں) جو لوگ اہلِ استعداد نہیں ہیں اور یہ درد اور یہ حال نہیں رکھتے ہیں ان کا اس راہ میں آنا اور فضول باتیں کرنا کہ میں عاشق ہوں، میں اہل وحدت ہوں عین ہلاکت ہے۔ اور دین اسلام سے قدم باہر رکھنا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ کسی نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی

کفر کافر را و دیں دیندار را ! ؛ ذرۂ دردت دلِ عطار را

ذرۂ دردِ خدا در دل ترا ؛ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

(کافر کے لیے کفر اور دیندار کے لیے دین ہے مگر اے اللہ عطار کا دل تو تیرے درد کا ایک ذرہ چاہتا ہے۔ عشق الٰہی کا ایک ذرہ اگر تجھ کو حاصل ہو جائے تو دونوں جہان سے تیرے لیے کہیں بہتر ہے)

عجیب معاملہ ہے۔ آج کل ہر شخص کہتا ہے کہ عشق ایسا ہے اہل وحدت ایسے ہیں اہل وجد ایسے ہیں اور

حال یہ ہے کہ ان کو نہ عشق کی خبر ہے نہ اہل وحدت کی اور نہ اہل وجد کی۔

حق بات تو یہ ہے کہ یہ باتیں نہ تو گفتگو کی ہیں اور نہ چند جزو کاغذ پر لکھے ہوئے کو پڑھنے کی ہیں۔ یہ تو ایک علم ہی دوسرا ہے۔ اور اس سے تعلق رکھنے والی جماعت ہی الگ ہے۔ ؎

ایں ہمہ علمِ جسمِ مختصر است ٭ علم رفتن براہِ حق دگر است

(یہ تمام علم جسم مختصر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنے کا علم ہی دوسرا ہے)

مثنوی

۱ طعمۂ کاں پاکبازاں را دہند ٭ ہرگز آں کے نونیازاں را دہند

۲ حرف کو کاغذے سیاہ کند ٭ دل چو تیرہ است کے چو ماہ کند

۳ اہل دل را ذوق و فہمے دیگر است ٭ کاں زفہم ہر دو عالم برتر است

۴ ہر کرا آں فہم در کار افگند ٭ خویش در دریائے اسرار افگند

(۱) یہ غذا تو پاک بازوں کو دیتے ہیں۔ تو مشقوں کو یہ غذا ہرگز نہیں دیتے۔

(۲) حرف تو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے۔ وہ دل جو تاریک ہے اسے چاند کب بنا سکتا ہے۔

(۳) اہل دل کو ذوق اور فہم ہی دوسرا عطا ہوا ہے۔ وہ فہم تو دونوں عالم سے بہتر ہے۔

(۴) جس شخص کو وہ فہم عنایت ہو گئی۔ وہ اپنے کو اسرار کے دریا میں ڈال دیتا ہے)

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ ذوق یہ فہم عطا ہو گئی وہ قیاس نہیں، مشاہدہ کرتے ہیں اور مشاہدہ کی بات تو مشاہدہ والوں ہی کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ بحث و بیان میں نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

شب ۱۶۔ نومبر ۱۹۷۸ء

مطابق ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

وقت ۱½ بجے شب

شب پنجشنبہ

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ پاکستان

مکتوب ——— (۸۲)

اللہ تعالیٰ کے کام اور احکام کسی علت کے معلول ہیں یا اس سے پاک ہیں

شرف یحییٰ منیری کی جانب سے سلام و دعا کے بعد مطالعہ کریں۔

خط ملا مضمون سے آگاہی ہوئی۔ تم نے یہ سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و احکام کسی علت سے لگاؤ رکھتے ہیں، اور اس سے معلول ہیں یا نہیں؟

اے بھائی یہ مسئلہ علم کلام سے تعلق رکھتا ہے۔ علم کلام میں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اور طرفین سے بڑی بڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ مضبوط دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علم کلام کی کتابوں کے دیکھنے سے اس مسئلہ کا ہر پہلو سامنے آجائے گا۔ لیکن چونکہ سوال کیا گیا ہے اس لیے اختصار کے ساتھ جواب تحریر کیا جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُنَا مِنَ الذُّلِّ وَالتَّخَلُّلِ بِرَحْمَتِہٖ (اے اللہ تو اپنی رحمت سے مجھے ذلت و گمراہی سے بچالے)

اے بھائی! علماء کے درمیان اصل بحث یہ ہے کہ افعال و احکام خداوند کسی چیز کے ساتھ معلل ہیں یا نہیں۔ اس میں دو رائے ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ افعال و احکام خداوندی بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ معلل ہے۔ اور بعضوں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اور کوئی فعل کسی علت کا محتاج نہیں۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ افعال و احکام خداوندی کے لیے کوئی چیز علت نہیں بنتی ان کی دلیل یہ ہے کہ تمام افعال و احکام اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف ہیں۔ اس لیے کہ وہ مختار مطلق ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر عمل کو کسی علت سے جوڑنا تو عقل و قیاس کا تقاضا ہے۔ اور عقل و قیاس کا تعلق بندوں کی اپنی زندگی سے ہے۔ عقل و قیاس تو بندوں کے کسی فعل کو قبیح گردانتے ہیں اور کسی فعل کو حسن۔ لیکن یہی حکم خداوند قدوس کی ذات اور صفات کے ساتھ یا اس کے احکام و افعال کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وہم و قیاس سے بالاتر ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے عقل و قیاس کی مثال و تشبیہ میں ڈھالنا درست نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تشبیہ و تمثیل سے پاک ہے۔ اسی لیے وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ خدا اپنے افعال و احکام میں مختار مطلق ہے۔ وہ اپنی مشیئت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز مخلوق کی نگاہ میں

قبیح ہے وہی اللہ کی نگاہ میں بھی قبیح ہے اور جو چیز بندوں کے نزدیک اچھی ہے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ ایسے لوگ اصحاب تشبیہ میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو تنزیہ و تقدیس کی مستحق ہے نہ کہ تشبیہ کی۔ وہ اپنی الوہیت کے حکم سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے سامنے چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ چیزیں ایسے افراد کے فعل پر عاید ہوتی ہیں، جن کا تعلق کسی فائدے یا نقصان یا اجر سے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔ اجر اور فائدہ، نفع اور نقصان کا تعلق اس ذات سے ہوتا ہے، جو کسی کا محتاج ہو۔ خدائے قدوس کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔

دوسرے گروہ کی یہ رائے ہے کہ احکام و افعال خداوندی بندوں کی مصلحتوں سے معلول ہیں۔ جو بندوں کی مصلحت ہوگی اسی کے مطابق احکام و افعال خداوندی ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے افعال و احکام کا سلسلہ نہ جوڑا جائے تو اللہ تعالیٰ کے افعال و احکام کا عبث اور بے کار ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے کہ جو عمل یا حکم بے غرض ہو وہ عبث کہے جاتے ہیں۔ اور یہ چیز خداوند قدوس کے ساتھ محال ہے۔ باوجود سے کہ وہ قادر ہے، علیم ہے اور حکیم ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عبث کے استحالہ سے بچنے کے لیے یہ ماننا پڑے گا کہ خدائے تعالیٰ کے افعال و احکام بھی غرض سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان اغراض کا تعلق اس کی ذات سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی بندوں ہی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب ایسا مان لیا جائے تو یہ غرض مندی خدا کی نہیں بلکہ بندوں کی ہوگی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے کمال پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے لیے کیا علت تھی؟ دوسری جماعت اس کا جواب یہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل غرض سے خالی نہیں ہوتا مگر وہ غرض و معنی خود بندوں کی فلاح و بہبود کی نسبت سے ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے۔ کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد خود کائنات کی اصلاح تھی۔ یعنی یہ ایک ایسی غرض تھی جس کا تعلق خود مخلوق سے تھا نہ کہ خالق سے۔ اس موقع پر وہ کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں ایک مخفی خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں) مطلب یہ ہوا کہ تخلیق اس لیے کی گئی کہ مخلوق خالق کو پہچانے۔

آخر مسلک والوں کی گفتگو کا ماحصل، جو وہ لوگ کہنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر، علیم اور حکیم ہے۔ فعل و ترک دونوں کا ثبوت اس کی ذات کے ساتھ ہے۔ ان میں سے جب وہ ایک کو اختیار کرتا ہے تو اس کے اختیار کرنے میں اولیٰ ہونے کا پہلو علت ہوتا ہے۔ کیوں کہ قادر، علیم اور حکیم کے لیے بلاضرورت اولیٰ کا ترک اس کے کمال کی صفت کو ناقص کرتا ہے۔ اور یہ اس کے لیے محال ہے۔ اس اولیت کا تعلق بھی اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ بندوں کے اعتبار سے ہوتا ہے یا نفس

واقعہ کے اعتبار سے اور اس حیثیت سے اولیت کے اختیار کا لازم ہونا منافی کمال نہیں بلکہ عینِ کمال ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا گروہ افعال خداوندی کو معلول تو مانتا ہے۔ لیکن پھر اس معلول ہونے کی احتیاج مندی کو مخلوق کی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ دوسرے مسلک والے اول ویل و بیان کا یہی پہلو کفر و معصیت میں بھی پیش کرتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے حق کیا ہے؟

حضرت عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب زبدہ میں بھی کچھ تذکرہ اس مسئلہ پر کیا ہے۔ وہ لکھتے کہ "اگر دل میں یہ خدشہ گذرے کہ خداوند قدوس نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا؟ کیا کسی غرض کی وجہ سے جس کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔ یہ تو محال ہے۔ تو پھر کیا کسی غرض کے بغیر تو یہ محال ہے؟ ہاں! اس کی عادت اور اصول کے پیش نظر اللہ تعالیٰ ایسی صفت سے بھی متصف نہیں سمجھا جائے گا۔

اے بھائی یہ ایک ایسا سوال ہے جس نے اکثر علماء کو حیرت اور تفکر میں ڈال دیا ہے۔ اور ایسا وسوسہ ہے جو جناب داؤد علیہ السلام کو بھی گذرا تھا اور انھوں نے اپنے رب سے سوال کیا تھا۔ یَا رَبِّ لِمَنْ خَلَقْتَ الْخَلْقَ فَقَالَ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (داؤد علیہ السلام نے کہا اے رب! تو نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا؟ جواب ملا، کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مجھے پسند آیا کہ پہچانا جاؤں)

اب اس حقیقت کو یوں سمجھو کہ موجودات کو ایجاد کرنا یہ ذات واجب کی ایک صفت ہے اور یہ صفت ضروریۃ الوجود (یعنی لازمی) ہے۔ جیسا کہ قدیم ہونا اس کی صفت ہے۔ جو ضروریۃ الوجود (یعنی لازمی) ہے۔ اور واجب ہونا اس کی صفت ضروریۃ الوجود ہے (جسے لازمی ہونا ہے) اس طرح جیسے یہ جائز نہیں ہے کہ واجب الوجود قدیم نہ ہو، اسی طرح سے یہ بھی جائز نہیں کہ واجب الوجود موجد نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح اس کے قدیم ہونے میں چون و چرا کی گنجائش نہیں اسی طرح اس کے موجد ہونے میں بھی چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ واجب، موجد اور قدیم تینوں صفات ضروری ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو اس میں علت اور معلول کی بحث بے کار ہے۔ واللہ اعلم۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

شب ۱۸۔ نومبر ۱۹۷۸ء

مطابق شب ۱۶۔ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

شب شنبہ

لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ پاکستان

مکتوب ——— (۸۳)

ترکِ دُنیا اور حصولِ عقبیٰ کے بیان میں

حالِ دنیا را بپرسیدم من از فرزانئے ❊ گفت یا باد ست یا خوابست یا افسانئے
باز گفتم حالِ آں کس گو کہ دل دروے ببست ❊ گفت یا دیو یست یا غولیست یا دیوانئے

(میں نے ایک عقلمند سے دنیا کا حال پوچھا۔ اس نے جواب میں کہا یا ہوا ہے، یا خواب ہے یا کوئی افسانہ ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کا حال پوچھا جس نے اس سے دل لگایا۔ جواب دیا وہ جن ہے یا بھوت ہے یا پھر کوئی دیوانہ ہے)

اے بھائی! بہشت تو پیدا ہو چکی۔ مگر دنیا میں اس کا ملنا محال ہے۔ جب ایسا ہے تو بہشت کا پیدا کرنے والا دنیا کے ساتھ کیسے مل سکتا ہے۔ یہ امر بالکل محال ہے کہ خالق بہشت کو دنیا کے ساتھ حاصل کیا جائے۔ سہ

گر ترا دیں باید از دنیا مناز ❊ ہر دو باہم راست نامد کژ مباز

(اگر تجھے دین چاہیئے تو دنیا پر مت ناز کر۔ دین و دنیا ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے دین کے ساتھ کھیل مت کر۔)

اسی موقع کے لیے تَرْكُ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ عِبَادَةٍ فرمایا گیا۔ (یعنی دنیا کا ترک عبادتوں کی بنیاد ہے) دنیا چونکہ مخلوق کے لیے خالق سے حجاب ہے اسی لیے لعنت سے اسے داغ دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَ مَا فِيْهَا (دنیا اور جو کچھ اس میں ہے لعنت کی ہوئی ہے) مگر اس موقع پر ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اسباب دنیا بقدرِ ضرورت ملعون نہیں ہے۔ ہاں وہ مال جو ضروریات زندگی سے زیادہ ہو اور وہ خیرات اور حسن سلوک میں لوگوں پر خرچ ہو تو وہ بھی ملعون نہیں ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔ سہ

نیست دنیا بد اگر کارے کنی ❊ بد شود گر عزم دنیا رے کنی

(دنیا اگر نیک کام میں صرف ہو تو بری نہیں ہے۔ بری اس وقت ہے جب دولت جمع کرنا مقصود ہو)

اگر دنیا کسی کو حاصل ہو جائے اور وہ اس کو صرف اپنی خواہشات نفسانی پر صرف کرے یا اپنی شان و شوکت اور تنعم و تلذذ پر خرچ کرے یا صرف دولت جمع کرے تو بلا شبہ وہ ملعون ہے۔ ؎

گر دلت آگہ ز معنی آمدست ٭ کار دینت ترکِ دنیا آمدست

(اگر تیرے دل کو حقیقت سے آگاہی ہو گئی ہے تو سمجھ لے کہ تجھ کو دین ترک دنیا ہی سے حاصل ہوگا)

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کا منظور نظر انسان کا دل ہے نہ کہ اس کی ظاہری حالت۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ۔

(بے شک اللہ تعالیٰ کی نظر صورتوں کی جانب نہیں ہوتی اور نہ اعمال کی جانب اس کی نگاہ تو قلوب کی جانب ہوتی ہے) ایسی صورت میں اگر بندے کا ظاہر حصول دنیا میں ملوث ہو تو اسے چاہیئے کہ دل جو اللہ کا منظور ہے اسے دنیا کی محبت سے خالی رکھے۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت دل کی آنکھ کے لیے پردہ ہے جب دل اندھا ہوا تو آخرت کے احوال بھی اس سے پوشیدہ ہو جائیں گے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں تشریف لائے، سب کے سب یہی کہتے رہے کہ حُبُّ الدُّنْيَا رَاْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) ہاں! اگر اس کی محبت دل میں نہیں ہے اور ساری دنیا اس کے قبضے میں ہے اور اس پر اس کو تصرف حاصل ہے تو کوئی ڈر نہیں ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سلیمان پیغمبر علیہ السلام بلا شرکت غیرے ساری دنیا کے مالک تھے۔ مگر چونکہ ان کے دل مبارک میں اس کی محبت نہ تھی۔ گویا ان کے لیے دنیا تھی ہی۔ لہٰذا وہ تمام زاہدوں کے سربراہ تھے۔ برخلاف اس کے اگر کسی کا ہاتھ دنیا سے خالی ہو لیکن اس کے دل میں دنیا کی محبت اور طلب ہو تو تم محبت و طلب کی بنا پر کہو گے کہ وہ دنیا دار ہے۔ لہٰذا وہ دل جس میں طلب اور محبت دنیا کی ہے، وہ ویران گھر ہے۔ خانۂ ویران میں ہم اور تم تو رہنا پسند نہیں کرتے تو سارے جہانوں کا مالک اللہ رب العزت کیسے پسند کرے گا کہ وہ اسے قبول کرے ؎

آں چہ آدم را ز گندم او فتاد ٭ عقل را از نفس مردم او فتاد

(جس نے آدم کو گندم کے ایک دانے کی وجہ سے جنت سے نکلوایا اسی نے نفس انسانی کو عقل سے محروم کرا دیا)

اے بھائی! دنیا کی برائی تو اس حد تک ہے کہ ایک بزرگ نے اسے اَلدُّنْيَا كَنِيْفُ اٰدَمَ کہا ہے (یعنی دنیا حضرت آدم علیہ السلام کا بیت الخلاء ہے) حضرت آدم علیہ السلام نے بہشت میں جب گندم کا دانہ کھایا تو انھیں حاجت محسوس ہوئی۔ حکم ہوا اے آدم بہشت اس کی جگہ نہیں ہے۔ دنیا میں جاؤ اور

وہاں فراغت حاصل کرو۔ اسی وجہ سے دنیا کو آدم علیہ السلام کا بیت الخلاء کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں کون شخص ہے جو بیت الخلاء کو دوست رکھے گا، اس سے تنعم و تلذذ حاصل کرے گا، اس کو ذریعۂ منفعت سمجھے گا اور اس کو اپنی شان و شوکت کا سبب بنائے گا؟

مثنوی

یک نفس گوئی غمِ جاں بیش نیست ☆ ہر نفس جز ماتمِ جاں بیش نیست

ہر زمان زخمے زنی بر جان خود　　دردمی دانی مگر درمان خود

(تم سمجھتے ہو کہ غمِ جاں ایک دو نفس ہے لیکن تمہاری ہر سانس ماتمِ جان ہے۔ (کیونکہ) ہر وقت تم اپنی جان کو مجروح کرتے ہو اور اپنے درد کو درماں سمجھتے ہو)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رب العزت نے دنیا کے تین حصے کئے ہیں۔ ایک مومنوں کو دیا دوسرا منافقوں کو اور تیسرا کافروں کو۔ مومن اپنے حصہ سے آخرت کا سامان مہیا کرتا ہے ؎

چوں چناں کردی ترا دنیا نکوست ☆ پس برائے دین، دنیا دار دوست

(جب تم نے ایسا کیا تو دنیا تمہارے لیے بہتر ہے۔ لہذا دین کے لیے دنیا کو دوست رکھو۔)

اور منافق اپنے حصے سے نا ہر داری اور خوبصورتی کا انتظام کرتا ہے۔ اور کافر اپنے حصے سے لذت اٹھاتا ہے اور اسے مصرف میں لاتا ہے۔ پس مومن کو لازم ہے کہ دنیا سے اتنا ہی لے جس کی اسے اشد ضرورت ہے۔ بیت الخلاء آدمی اسی وقت جاتا ہے جب اسے اشد ضرورت ہوتی ہے۔ بلا وجہ کوئی وہاں نہیں جاتا۔ عقلمندوں نے کہا ہے کہ دنیا خواب ہے۔

ایک بزرگ نے اس کی یوں مثال دی ہے کہ مومن دنیا میں اس طرح رہتا ہے جیسے ایک شخص سویا، کچھ خواب دیکھا، اس پر خوش ہوا۔ اسی حال میں اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس خوشی اور ناخوشی کی خواب دیکھنے والے کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔

بیت

ہر چہ بینی جز خیالے بیش نیست ☆ ہر چہ دانی جز محالے بیش نیست

(جو کچھ تم دیکھتے ہو اس کا وجود خیال سے زیادہ نہیں ہے۔ جو کچھ تم جانتے ہو وہ محال سے زیادہ نہیں ہے) اسی طرح تمام دنیا والے گویا سوئے ہوئے ہیں، بیداری تو اس وقت ہوگی جب موت آئے گی۔ اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوْا (لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تب بیداری آئے گی) افسوس

صد افسوس! اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہوگا۔ جس طرح نیند ٹوٹنے کے بعد خواب دیکھنے والے کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا۔

جناب سلیمان علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ ایک چیونٹی نے ان سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کون سی چیز عطا کی ہے؟ فرمایا کہ ہوا کو میرا فرماں بردار اور مطیع بنایا ہے۔ چیونٹی نے کہا حضرت کچھ سمجھے بھی! اس میں تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے سب ہوا ہی ہوا ہے۔

نقل ہے کہ دنیا شیطان کو عطا کیا ہوا علاقہ ہے۔ جب کوئی دنیا کی طرف رخ کرتا ہے تو وہ ملعون کہتا ہے، جانتے ہو یہ کیا چیز ہے؟ یہ وہ چیز ہے جسے میں نے اپنے دین اور ایمان کی بازی لگاکر حاصل کیا ہے میں نے جب اتنی بڑی قیمت ادا کی ہے تب دنیا کا سارا علاقہ مجھے عطا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ ہمارے علاقہ سے کچھ لے تو اسے بھی ایمان اور دین میرے حوالہ کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب سب سے پہلے اشرفی ڈھال گئی تو شیطان نے اسے اٹھایا پھر اپنی پیشانی پر رکھا اور اسے چوما اس کے بعد اشرفی سے مخاطب ہوکر کہا "جو تمہیں دوست رکھے گا وہ میرا غلام ہوگا۔ اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔

بیت

ترک دنیا گیر تا دینت بود ❊ آں بدہ از دست تا اینت بود

(دنیا کو ترک کردو تاکہ تمہیں دین ملے۔ وہ (دنیا) چھوڑ دو تاکہ یہ (دین) ملے۔

والسلام

شب دوشنبہ۔ مورخہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مطابق ۲۰۔ نومبر ۱۹۷۸ء دس بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ پاکستان۔ مترجم

محمد نعیم ندوی

مکتوب ———— (۸۴)

بتوں کی تقسیم اور اس سے پاک ہونے کے بیان میں

بیت

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم ❖ چند خود را تہمتِ دینِ مسلمانی بہم

(بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے میری پیشانی گھس گئی۔ ایسی صورت میں دینِ مسلمانی کی تہمت آخر کب تک اپنے اوپر رکھوں)

اے بھائی! اہل معرفت نے کہا ہے کہ عوام کے تین بت ہیں۔ کھانے پینے کی خواہش اور اس سے محبت، جنسی خواہش اور اس کی محبت، اور زن و فرزند کی محبت۔ اسی طرح خواص کے بھی تین بت ہیں۔ مال کی محبت، جاہ و مرتبہ کی محبت اور ظاہری زیب و زینت کی محبت۔ ان چھ کے علاوہ بھی ایک بت ہے اور وہ ساتواں بت نفس ہے۔ یہ بتِ کافر تمام بتوں کی اصل ہے۔ اَلنَّفْسُ هِيَ صَنَمُ الْاَكْبَرُ (نفس سب سے بڑا بت ہے) اسی لیے شرع میں نفس کافر سے جہاد کرنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰى جِهَادِ الْاَكْبَرِ (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹا) یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ کافر کو تو تلوار سے دفع کیا جاسکتا ہے، شیطان کو لاحول پڑھ کر دور کیا جا سکتا ہے، مگر نفس کافر ایک ایسا دشمن ہے جو دل کے اندر ہے۔ اس کا دور کرنا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس لیے اس کے شر سے محفوظ رہنا مشکل کام ہے۔ کسی صاحب نظر نے کیا خوب کہا ہے۔

بیت

برہمن را بت اندر خانہ باشد من بتر زویم ❖ کہ سر پوشیدہ اندر دل بتِ بدکیش می باشد

(برہمن کا بت تو اس کے گھر میں ہے۔ میں اس سے بھی بدتر ہوں۔ اس لیے کہ میرا بتِ بدکیش خود میرے دل کے اندر پوشیدہ ہے)

اسی بات کو ایک دوسرے عزیز نے اس طرح کہا ہے۔

دزد در خانۂ نفس ہمارے ہیں[1] ؛ زو نگہدار خانۂ دل و دیں
دزد ناگہ خسیس دزد بود دزد خانۂ نفیس دزد بود

(نفس کا چور دل کے اندر ہے۔ اس پر غور کرو۔ اور اس سے خانۂ دل و دیں کو بچائے رکھو۔ اچانک چوری کرنے والا تو معمولی درجہ کا چور ہوتا ہے۔ سب سے بڑا چور تو وہ ہے جو دل میں بیٹھ کر ہمیشہ ڈاکے ڈالتا رہتا ہے)

اے بھائی! ایسی حالت میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انبیاء، اور اولیاء کو زن و فرزند تھے۔ ہاں! تھے اور ضرور تھے۔ لیکن وہ راہ کے ساتھی تھے، ان کے دلوں کے مقصود اور مطلوب نہ تھے۔ وہ ان سے بیگانے رہے یگانے نہ تھے۔

جب اس کا علم ہو گیا کہ عوام و خواص کے بت کیا ہیں، تو یہ جاننا بھی ضرور ہے کہ ہماری اور کافروں کی بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ پوشیدہ اور ظاہر کا فرق ہے۔ یعنی از روئے معنی ہماری بت پرستی پوشیدہ ہے اور کافروں کی بت پرستی ظاہر ہے۔ بس اس سے زیادہ کوئی فرق نہیں۔ لہذا ہمارے حصہ میں بت خانہ و زنار ہی آئے گا نہ کہ جبہ و دستار۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جواں مردی کے ساتھ اپنی اس کمزوری کو سمجھیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پوشیدہ بسے خدمتِ بت کردم ازیں پیش ؛ زنار ہوس می کندم از تو چہ پوشم

(اس سے قبل نفس کی خدمت چھپ چھپ کر بہت کرتا رہا ہوں۔ اور ہوس کا زنار لگاتا رہا ہوں تم سے کیا چھپاؤں)

اے بھائی! جو چیز حق کے درمیان حجاب ہو، حق سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول کرے، حق کے طلب گاروں کی نظر میں وہی بت ہے، چاہے وہ جس شکل میں ہو۔ پتھر کی مورتی کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ کیوں کہ بت پرستی کی جو کیفیت ہے وہ اس میں بھی موجود ہے۔ اس وجہ سے اسے بھی بت پرستی ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اسی معنی میں کسی نے کہا ہے۔

ع بت پرستم، بت پرستم، راست گفتم ہرچہ ہستم

(میں اپنا حال سچ بیان کر رہا ہوں کہ میں بت پرست ہوں، ہاں! میں بت پرست ہوں۔ میں جو کچھ ہوں سچ کہہ رہا ہوں)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے سوال کیا کہ مَا الطَّاغُوْتُ؟ بت کیا ہے؟

---

[1] قلمی نسخہ میں یہ مصرعہ اس طرح ہے ع دزد خانہ است نفس خالی ہیں

جواب دیا۔ مَا اشْتَغَلَكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتُكَ (جو چیز اللہ سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول کرے وہی تمہارا بت ہے) ایک دوسرے بزرگ نے کہا ہے طَاغُوْتُ كُلِّ امْرِءٍ نَفْسُهٗ۔ (ہر انسان کا بت اس کا نفس ہے) اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

در کوے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا ؞ چوں برہمنے پیر بہ بت خانہ بماندیم

(افسوس صد افسوس! ساری عمر بتوں کی کوچہ نوردی میں بسر کر دی۔ ہمیشہ ایک بڈھے برہمن کی طرح بت خانہ ہی میں رہا)

اے بھائی! نفس جو تمام بتوں کا سردار ہے، اس کا حال کیا ہے؟ سنو گے! کم بخت خدائی کرنا چاہتا ہے۔ غور کرو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اس کی ثنا کریں۔ نفس کافر بھی ہم سے اور ہمارے ہم جنسوں سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ سب اس کی تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ اس کے بندے اس کے حکم پر چلیں اور نافرمانی سے بچتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ تمام مخلوق اس کے بخشش و کرم کی تعریف کرے۔ نفس کافر بھی یہی تمام باتیں اپنے لیے طلب کرتا ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ لوگ اسی کی طرف مائل ہوں اور صرف اسی سے ڈریں۔ یہ تمام صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ مگر نفس کافر بھی اسی کا دعویٰ کرتا ہے اور تمام مخلوق سے وہ بھی یہی چاہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ لعین بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ فرعون مردود آخر کیا چاہتا تھا؟ یہی نا کہ جو اس کے نفس نے اس سے طلب کیا اس نے صاف صاف مخلوق کے سامنے دہرا دیا۔ اور کہہ دیا کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں تمہارا رب ہوں) لہٰذا اس گمان میں مت رہو کہ جو کچھ فرعون کے نفس نے اس سے کرایا۔ اس سے ہمارے نفس کی دنیا الگ ہے۔ نہیں، بلکہ ہم سب کے نفس کا بھی یہی حال ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فرعون برملا کہتا تھا۔ اس لیے کہ اس کو کسی کا ڈر نہ تھا کہ کوئی اس کی گردن مارے گا۔ ایک طاقت در حکومت ہاتھ میں تھی۔ اس کے بل بوتے پر یہ سمجھتا تھا کہ کسی میں جھٹلانے کی بھی ہمت نہ ہوگی۔ مگر ہم لوگوں کا نفس بھی سوچتا وہی ہے۔ لیکن چوں کہ اس کو وہ مواقع حاصل نہیں ہیں اس لیے اعلان کرتے سے ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ جھٹلایا جانا بھی ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ فرعون کھلے بند کہتا تھا، جو اس کا نفس چاہتا تھا اور ہم چھپاتے ہیں۔ حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگر خود را تو می گوئی مسلماں گو و لے بارے ؞ مرا نزدیک شو کز دستِ تو زنار بر بندم

(اگر تم اپنے کو مسلمان کہتے ہو تو کہو۔ لیکن ذرا میرے قریب آؤ تاکہ تمہارے ہاتھوں سے اپنے گلے میں زنار باندھوں)

اے بھائی! نفس کافر سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو تو ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر بہت مشکل ہے۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ کسی نے مسلمانی کا دعویٰ کیا، ابھی کچھ دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ نفس کافر نے ہاتھ لگایا اور بڑھ کر سینکڑوں زنار باندھ دیئے۔ سینکڑوں بت لاکر سامنے رکھ دیئے۔ یہی راز ہے جسے کسی نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

ازیں کافر کہ مارا در نہاد ست ٭ مسلماں در جہاں کم تر فتاد ست

(اسی کافر نفس کی وجہ سے جو ہماری فطرت میں داخل ہے۔ دنیا میں چند گنتی کے مسلمان رہ گئے ہیں)
لہذا چاہیئے کہ نفس کافر سے کبھی بھی خیر کی امید نہ رکھیں۔ اور نہ اس سے مطمئن رہیں۔ جب بھی یہ مسلمانی کا دعویٰ کرے، اپنی راست بازی اور پاک دامنی دکھلائے، تو اس کا اعتبار نہ کریں جب تک اس کا امتحان نہ لے لیں۔

سلیمان علیہ السلام کا قصہ یاد ہے؛ پاک دامنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی ہے، نبوت کا تاج سر پر رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود جب ان کے نفس نے طہارت کا دعویٰ کیا تو جب تک اس کا امتحان نہ لے لیا اعتبار نہ کیا۔ چنانچہ آزمائش کی خواہش ہوئی اور امتحان کا سامان اللہ رب العزت سے مانگا۔ دعا کی رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي (اے میرے رب، ایسا ملک عطا کر جس میں میرے علاوہ کسی دوسرے کو اختیار حاصل نہ ہو) لَا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي سے دراصل امتحان کے اسی گوشے کو حاصل کرنا تھا تاکہ نفس نے اگر کوئی مکر چھپا رکھا ہو تو جیسے ہی مرادیں کمال کو پہنچیں اس کا مکر ظاہر ہو جائے۔ چوں کہ ان کی ذات اخص الخواص تھی۔ بلاشبہ ان کے نفس کو طہارت حاصل تھی چنانچہ امتحان کے بعد بھی ویسا ہی حال پایا جیسا کہ پہلے تھا۔ لیکن یہ ان حضرات انبیائے کرام کا خاص معاملہ ہے، جو معصوم پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کے باوجود چوں کہ ان کی آنکھیں معرفت کے سرمہ سے سرمگیں تھیں، اس لیے وہ نفس کافر کے مکر و بلا سے اچھی طرح واقف تھے تاہم امتحان لیے بغیر یقین نہ کیا۔ امتحان کیا تھا؟ یہی ناکہ تمام طاقت وحکومت کے باوجود اپنے نفس کے لیے اس میں کوئی حصہ نہ رکھا۔ حسب معمول زنبیل بنتے۔ دو آنے میں اسے فروخت کرتے۔ ایک آنہ خیرات کر دیتے اور ایک آنے میں فقیروں کے ساتھ مل کر افطار کرتے۔

اے بھائی! جب پیغمبروں نے اپنے نفس کی شرارت سے اس قدر احتیاط برتی ہے تو تم ہی بتاؤ کہ ہمارا تمہارا کیا حال ہونا چاہیئے۔ اسی لیے طریقت کے راہی، حقیقت کے طالب ہمیشہ نفس کافر سے جنگ کرتے رہے ہیں۔ اور اس کی ہلاکت کے ہمیشہ درپے رہے ہیں۔ اور اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ بعضوں نے زنار باندھا اور بت خانے میں جا بیٹھے۔ کسی نے کہا ہے ؎

اے برہمن باردہ، ردکردۂ اسلام را ⁂ باچوں من گم راہ درپیشِ بت ہم بارنیست

(اے برہمن اس شخص کو جسے اسلام نے رد کر دیا ہے اپنی طرف بلالے۔ اس لیے کہ مجھ جیسے گمراہ کو تو بت کے سامنے جانے کی بھی اجازت نہیں ہے) اور اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

نہ می دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم ⁂ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد بدکارم[1]

(میں نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں۔ البتہ میں اس سیرت میں گرفتار رہوں۔ کہ میں ہندو ہوں نہ مسلمان، مرتد ہوں نہ بدکارم[1] اور اس طرح بھی تم نے سنا ہوگا۔

غزل

(۱) بارِ دگر پیرِ ما خرقہ بزنار داد ⁂ نقد تو دنبالہ را بردو بہ کفار داد

(۲) زہد بہ یکسو نہاد راہِ قلندر گرفت ⁂ بہر یکے کوزۂ مے خرقہ ودستار داد

(۳) قبلہ بدل کرد زود معتکفِ دیر شد ⁂ روے بہ محبوب کرد دوست ورا بار داد

(۱) دوسری مرتبہ بھی میرے پیر نے درویشی کے لباس کو زنار کے عوض دے دیا۔ یعنی نقد سامان کفار کے حوالے کر دیا۔
(۲) زاہدانہ روش کو ایک طرف ڈال اور قلندرانہ انداز اختیار کیا۔ شراب کے ایک پیالہ کے عوض خرقہ ودستار دے دیا۔
(۳) قبلہ بدل کر جلد بت کدہ میں معتکف ہو گیا۔ اپنے محبوب کی جانب رخ کیا اور دوست نے اسے قبول کر لیا۔
اس مضمون کے اشعار اور بھی ہیں۔

اے بھائی! ایسے موقع پر بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس طرح کی گفتگو اور ایسا عمل بندہ کے حال کے اختیار سے ہے۔ نعوذ باللہ اس پر اعتقاد نہیں ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھو تاکہ کسی غلط فہمی کے شکار نہ ہو جاؤ۔ کیوں کہ خشک مزاج طالب علم اسی مقام پر ہنگامے بپا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کے سمجھنے کا ان میں حوصلہ ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے مردوں کا دین اور ہے اور مخنثوں کا دین اور ہے یہ تو کرشمۂ الٰہی ہے کہ کسی کو حلوے مانڈے کے لیے اور کسی کو میدان جنگ کے لیے پیدا کیا۔ ہاں! اتنا ضرور ذہن میں رہنا چاہیے کہ مسلمانی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

گر ترا روزے دریں میداں کشند ⁂ ایں رقم بینی کہ بر مرداں کشند

انگہے زیں شیوۂ معنی صد ہزار ⁂ ہستی و دانی و داری استوار

---

[1] چہ بدکارم۔ (میں کیا بدکار ہوں) قلمی نسخہ

(اگر تجھ کو عرفانِ حقائق کے میدان میں کبھی لائیں ، تو تو دیکھے گا کہ ایسی باتیں مردان راہ پر گذرتی ہیں۔ اس وقت اس سلسلے کے لاکھوں معنی کو تو پالے گا۔ سمجھے گا اور یقین کرے گا اور کہے گا کہ یہ سب درست ہیں)

اے بھائی! شیخ، مرید، صوفی، عابد اور زاہد ہونا اس زمانہ میں مشکل نہیں ہے۔ ایسے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ جیسا کہ تم آجکل دیکھ رہے ہو۔ البتہ مسلمان ہونا بہت زیادہ دشوار کام ہے۔ ہزاروں میں کوئی ایک ہو تو بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے۔ ؎

صوفی و سیاہ پوش و شیخ چلہ دار ؛ ایں جملہ شدی و لے مسلمان نہ شدی

(صوفی، سیاہ لباس پہننے والے اور چلہ کھینچنے والے شیخ۔ یہ سب تو ہو گئے۔ مگر افسوس! مسلمان نہ ہو سکے)

شریعت کا فتویٰ ہے کہ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یُصَلُّوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ وَ لَیْسَ فِیْهِمْ مُسْلِمًا ۔ (ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگ نماز پڑھیں گے مگر ان میں ایک بھی مسلمان نہ ہوگا) شاید وہ یہی زمانہ ہے۔ ویسی نماز پڑھنے والے ہم ہی ہیں۔ وہ مسجدیں بھی ہماری ہی ہیں۔ کیونکہ اِس زمانے کی مسلمانی، ان کے کام اور ان کے معاملات پر کافروں کو بھی شرم آتی ہے۔

نقل ہے کہ سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک دن کسی نے تعجب کے ساتھ اس کی طرف دیکھ کر کہا حیرت ہے کہ سلطان العارفین کے پڑوس میں اتنے عرصے سے ہے اور اب تک منکر ہے۔ اس نے کہا اگر اسلام وہ ہے جو بایزید بسطامیؒ رکھتے ہیں تو بے شک میں ابھی تک مسلمان نہیں ہوا۔ لیکن اگر مسلمانی یہ ہے جو تم لوگ رکھتے ہو، تو مجھ کو تمہیں دیکھ کر شرم آتی ہے کہ تم کیوں ایسے ہو؟ پھر تم ہی بتاؤ میں اس ننگ میں کیوں مبتلا ہوں؟

اس خط کا انتہائی غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرو۔ تاکہ شیخی، مریدی اور درویشی جاہلوں کی جو اس زمانہ میں ظاہر ہوئی ہے اور اس سے جو فتنے آج دنیا میں اٹھ رہے ہیں، سب تمہارے سامنے آجائیں۔ شاید یہ سب کچھ اس خبر کے مطابق ہے جو شریعت میں دی گئی ہے کہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شَرَارِ النَّاسِ ۔ (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک تمام لوگوں میں شر نہ آجائے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات اسی کا پیش خیمہ ہیں۔ ایسی صورت میں تو ہمیں اپنا ماتم اور نوحہ کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے؟

والسلام

دس دسمبر ۱۹۷۸ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

شب یکشنبہ بوقت ڈیڑھ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ پاکستان

مترجم۔ محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۸۵)

آخرت کے کاموں کیطرف رغبت کرنے اور حرص وہوس کو چھوڑنے کے بارے میں

رباعی

حالِ دنیا را بپرسیدم از فرزانۂ ⁂ گفت یا بادیست یا خوابیست یا افسانۂ
باز گفتم حالِ آں کس گو کہ دل در وے ببست ⁂ گفت یا دیویست یا غولیست یا دیوانۂ

(میں نے ایک ہوشمند سے دنیا کا حال پوچھا۔ اس نے کہا یہ ہوا ہے یا خواب ہے یا کوئی افسانہ ہے۔ پھر میں نے اس سے اس شخص کا حال پوچھا جس نے دنیا سے دل لگایا۔ اس نے کہا ایسا آدمی جن ہے یا بھوت ہے یا پاگل ہے)

یارِ قدیم امام نظام الدین سلام وتحیت

تمہارا خط جو معانی دقیق اور اشارات لطیف پر مشتمل ہے، ملا۔ بہ رغبت تمام اس کو پڑھا۔ زمانۂ قدیم اور پرانی ملاقاتوں کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ غم ناک دل کے ساتھ یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے۔

رباعی

گرد آمدہ بودیم چوں پرویں یک چند ⁂ ایمن شدہ از فراق واز بیم گزند
ماناکہ نہ بودیم دریں رہ خورسند ⁂ ایزد چون بنات نعش مارا پراگند

(ہم پرویں ستاروں کی طرح ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ کسی تکلیف اور فراق کے خوف سے مطمئن ہو کر۔ ہاں! ہرگز ہم لوگ اس جدائی پر خوش نہ تھے۔ مگر مشیئتِ ایزدی نے آخر ہمیں بنات النعش کی طرح منتشر کر دیا) ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے اس کی تکمیل کا حکم دیتا ہے) قانونِ قدرت یہی ہے کہ اس دنیا میں یکجا ہونے کے بعد پراگندگی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں سر کو جھکا دینا چاہیئے اور راضی بہ رضا رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

چہ کند بندہ کہ گردن نہ نہد فرماں را ؏ چہ کند گوے کہ تن در نہ دہد چوگاں را

(بندہ بیچارہ حکم نہ مانے تو کیا کرے۔ گیند اپنے کو بلے کے حوالے نہ کرے تو کیا کرے۔)

اے بھائی! دنیا میں کون ہے جس نے دوستوں کی جدائی کا درد نہ سہا ہو۔ اور شربتِ فراق کا مزا چکھا ہو۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ کہنے والے پر رحمت خدا کی۔

رباعی

زہرست بجائے بادہ در جامِ فراق ؏ تلخ ست سراسر ہمہ ایامِ فراق

تا من بزیم دعائے بد خواہم کرد ؏ آں را کہ نہاد در جہاں نامِ فراق

(بحالتِ فراق میں جام میں بادہ بھی زہر معلوم ہوتا ہے۔ فراق کے دن کیا ہیں؟ سراسر تلخ گھونٹ ہیں۔ جب تک میں زندہ رہوں گا اس شخص کے لیے بد دعا کرتا رہوں گا جس نے فراق کا لفظ وضع کیا ہے)

خیر! یہ دور تو گذر چکا۔ اب عمر کا آخری حصہ آن پہنچا۔ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ سمجھنا چاہیئے کہ بہشت جو مخلوق ہے، وہ جب دنیا میں نہیں مل سکتی تو اللہ تعالیٰ جو خالقِ بہشت ہے وہ دنیا میں کس طرح مل سکتا ہے۔ اس فراق سے نجات تو دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہی حاصل ہوگی۔ ؎

ترکِ دنیا گیر تا دینت بود ؏ آں بدہ از دست تا اینت بود

(ترکِ دنیا اختیار کرو تاکہ تمہارا دین قائم رہے۔ اُس کو چھوڑ دو تاکہ یہ باقی رہے)

ہر وہ دل جس میں دنیا نے گھر کر لیا ہو، برباد ہے۔ ویران گھر کو جب ہم اور تم پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کیسے پسند فرمائے گا۔ ؏

خانہ جائے رخت بود یا خیالِ دوست

(دل میں اسباب دنیا رہے یا خیالِ دوست)

ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔ تَرْکُ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ عِبَادَۃٍ (ترکِ دنیا تمام عبادتوں کی اصل ہے) اگر وفاداری یا حسن کی وجہ سے دنیا کی کوئی قدر و منزلت ہوتی یا اس کی کوئی قیمت ہوتی تو اہلِ بصیرت اس کو اپنے لیے مخصوص کر لیتے۔ انبیاء اور اولیاء جو تمام مخلوق میں افضل ہیں، اس دنیا کو تین طلاق نہ دیئے ہوتے۔

جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یَخْلُقْ خَلْقًا اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا مُنْذُ خَلَقَھَا لَمْ یَنْظُرْ اِلَیْھَا (بے شک اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان میں دُنیا سے زیادہ کوئی شے مبغوض نہیں ہے۔ اور یہ کہ جب اس کو پیدا کیا تو اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی)

عقلاء کا بھی یہی خیال ہے ۔ اس لیے اب باقی عمر توبہ اور استغفار میں گذارنا چاہیئے ۔ ایام گذشتہ کی غدرداری آخرت کے سفر کی تیاری کرنی چاہیئے ۔ اور رضائے الٰہی کے لیے دوسرے تمام اشغال کو کسی گوشہ میں بیٹھ کر ادا کرنا چاہیئے ۔ کسی نے کہا ہے ۔

مثنوی

ترکِ دنیا گیر و کارِ مرگ ساز ؛ راہ بس دور است رہ را برگ ساز
زانکہ گر دنیا ہمہ بر ہم نہی ؛ باز مانی عاقبت دستِ تہی

(اس دنیا کو چھوڑ دو اور موت کا سامان مہیا کرو ۔ راستہ بہت طویل ہے اس لیے زادراہ تیار کرو ۔ مانا کہ تم نے دنیا کی تمام نعمتیں سمیٹ لی ہیں ۔ آخر کار کوچ کے وقت خالی ہاتھ ہی جانا پڑے گا)

لہٰذا وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا کہ اتنی قلیل دنیا پر راضی رہو تاکہ دین سلامت رہ سکے ۔ بالکل اس طرح جیسے دنیا والے اتنے قلیل دین پر راضی ہو جاتے ہیں جتنے میں ان کی دنیا داری سلامت رہ سکے ۔ ؎

اَرَى رِجَالًا بِاَدْنَى الدِّيْنِ قَدْ قَنِعُوْا ؛ وَلَا اَرَاهُمْ رَضُوْا فِي الْعَيْشِ بِالدُّوْنِ
فَاسْتَغْنِ بِالدِّيْنِ عَنْ دُنْيَاءِ الْمُلُوْكِ كَمَا ؛ اِسْتَغْنَى الْمُلُوْكُ بِدُنْيَاهُمْ عَنِ الدِّيْنِ

(میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ تھوڑے دین پر قناعت کر گئے ہیں ۔ ایسا نہیں دیکھا کہ لوگ تھوڑے دنیا پر راضی ہو جائیں ۔ دین کو لے کر بادشاہوں کی دنیا سے مستغنی ہو جا ۔ جیسا کہ بادشاہ دنیا کو لے کر دین سے مستغنی ہو گئے ہیں ۔)

اے بھائی ! زن و فرزند کا بہانہ تلاش کرنا کبھی قابل شنوائی نہیں ۔ نقل ہے کہ جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ لَا تَجْعَلَنَّ اَكْبَرُ شُغْلِكَ بِاَهْلِكَ وَ وَلَدِكَ فَاِنْ يَّكُنْ اَهْلُكَ وَ وَلَدُكَ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَوْلِيَاءَهٗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ اَعْدَاءِ اللّٰهِ فَمَا هَمُّكَ وَ شُغْلُكَ وَ مِنَ الْاَعْدَاءِ اللّٰهِ (تم اپنی مشغولیتوں کو بہت زیادہ اپنے اہل وعیال اور اولاد کے ساتھ وابستہ نہ رکھو ۔ اس لیے کہ اگر تمہاری اولاد اللہ کے دوستوں میں سے ہے ، تو اللہ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرتا ۔ اور اگر وہ اللہ کے دشمنوں میں سے ہیں تو اللہ کے ساتھ مشغول رہنا اور ان کا غم کھانا یہ کیسا ؟

اے بھائی ! روزی کی فکر کیا ؟ روزی تو تقسیم ہو چکی ۔ اور جو چیز تقسیم ہو چکی تو اب اس میں زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی ۔ جیسا کہ ایک عزیز نے کہا ہے ۔

جَرٰی قَلَمُ الْقَضَآءِ بِمَا یَکُوْنُ   وَقَتْبَانِ التَّحَرُّكِ وَالسُّکُوْنِ
جُنُوْنٌ مِّنْكَ اِنْ تَسْعٰی لِرِزْقٍ   وَیُرْزَقُ فِیْ عَشَاوَۃِ الْجَنِیْنِ

(وہ باتیں جو ظہور پذیر ہونے والی ہیں ان کے متعلق فیصلے کا قلم جاری ہو چکا۔ اور حرکت وسکون جو آنے والا ہے آگر رہے گا۔ ایسی صورت میں یہ تیری دیوانگی ہے جو رزق کے لیے مارا مارا پھرتا ہے۔ حال یہ ہے کہ بچے کو رحم مادر میں بھی روزی ملتی ہے)

اے بھائی! دنیا کا غم تو اس لیے ہے کہ آخرت کا غم نہیں ہے۔ ع دریغ باشد یوسف بہرچہ بفروشی۔ (افسوس کہ یوسف کو تم نے کس چیز کے عوض بیچ دیا) کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے، اس حال میں کہ دنیا میں مشغول رہیں۔ اور کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ (جس طرح کی زندگی تم نے بسر کی ہے اسی پر مرو گے) کا معاملہ سامنے آجائے۔ اور جب دنیا ختم ہو تو پھر نعوذ باللہ تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ (جس طرح مرو گے اسی طرح اٹھائے جاؤ گے) کی شکل میں ظاہر نہ ہو۔

جب تک فرصت حاصل ہے، دنیا کی طرف دیکھنے سے انکار کرو۔ کیوں کہ دیکھنے ہی سے غفلت اور ہلاکت آتی ہے۔ ہمیشہ کی حسرت اور ندامت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ آخر اس بربادی سے کیا فائدہ؟

بیت

برد غفلت روزگارم چوں کنم ⁂ بر نیاید ہیچ کارم چوں کنم

(افسوس ساری عمر غفلت میں گذر گئی اب میں کیا کروں۔ کوئی مقصد پورا نہیں ہوا کیا کروں)

اللہ تعالیٰ تمہاری عاقبت اور خاتمت بخیر فرمائے۔ آمین

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۱۰۔ دسمبر ۱۹۷۸ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

بوقت ۴ بجے شام روز یکشنبہ

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

مکتوب ——— (۸۶)

دنیا کو دشمن سمجھنے اور عاقبت کو دوست رکھنے کے بیان میں

رباعی

حالِ دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانۂ ❖ گفت یا بادلیست یا خوابیست یا افسانۂ
باز گفتم حال آں کس گو کہ دل درو بے بست ❖ گفت دیولیست یا غولیست یا دیوانۂ

(میں نے ایک ہوشمند سے دنیا کا حال پوچھا۔ اس نے کہا یہ ہوا ہے یا خواب ہے یا افسانہ ہے۔ پھر میں نے اس شخص کا حال پوچھا جس نے دنیا سے دل لگایا۔ اس نے جواب دیا ایسا آدمی جن ہے یا بھوت ہے یا پاگل ہے)

برادر اعز! سلام دعا،

اے بھائی! نقل ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو میدان حشر میں لائیں گے، جس نے بندگی کے تمام آداب بجالائے تھے مگر ساتھ ہی ساتھ دنیا کو بھی عزیز رکھتا تھا، ندا کرائی جائے گی کہ اللہ کا یہ وہ بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حقیر سمجھ کر ڈال دیا تھا اس نے اس کو اختیار کیا اور عزیز رکھا۔

مثنوی

صد جہانِ علم با معنی ہم ❖ دوزخ آرد بار با دنیا ہم!
چوں ز دل دنیات دور افگندہ نیست ❖ جائے تو جز دوزخِ سوزندہ نیست

(علم کی سینکڑوں دنیا اگر تجھ میں یک جا ہو جائے۔ اس سے اگر دنیا مقصود ہے تو اس کا عوض دوزخ ہے تیرے دل سے اگر دنیا کی محبت دور نہیں ہوئی ہے تو تیری قسمت میں دوزخ کی تپش کے علاوہ کچھ نہیں ہے)

ایک طبیب جو کافر ہے، ہم میں سے کسی کو گوشت روٹی کھانے سے اگر منع کرے اور بتائے کہ یہ چیزیں اس کے لیے مضر ہیں تو وہ ہرگز نہیں کھائے گا اور ان چیزوں سے پرہیز کرے گا۔ لیکن اس

کے مقابل میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے اور سب نے دنیا کی محبت کو نقصان دہ اور مضر کہا اور تمام گناہوں کی جڑ بتایا۔ مگر اس پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ یعنی کافر طبیب کی بات پر اعتماد کیا لیکن پیغمبروں کی نصیحت سمجھ میں نہ آئی۔ اس کے باوجود مسلمانی کا دعویٰ ہے۔ کہاں ہم اور کہاں مسلمانی۔

مثنوی

درد را دارو کجا خواہیم کرد ؛ عمر شد ماتم کجا خواہیم کرد!

ترک دنیا گیر تا دینت بود ؛ آں بدہ از دست تا اینت بود

(درد کا علاج ہم کہاں سے کریں گے۔ عمر تو لبسر ہو چکی ماتم کا وقت کہاں ہے۔
دنیا سے علیحدگی اختیار کرو تاکہ دین حاصل ہو۔ اسے ہاتھ سے جانے دو تاکہ یہ ملے۔)

حضرت رابعہ بصریہ اپنی دعاؤں میں کہا کرتی تھیں۔ اے میرے اللہ! میری قسمت میں جو کچھ دنیا سے تو نے حصہ رکھا ہے، وہ اپنے دوستوں کو دیدے۔ اور میری تقدیر میں جو آخرت کا حصہ رکھا ہے وہ بھی اپنے دوستوں میں تقسیم کردے۔ مجھے تو صرف تو چاہیئے اور بس۔

مثنوی

ترکِ دنیا گیر تا سلطاں شوی ؛ ورنہ از چرخی تو سرگرداں شوی

جملہ در بازو فرو کن پائے راست ؛ گر کفن را ہیچ نہ گذاری رواست

(ترک دنیا کرتا کہ تو بادشاہ ہو جا۔ ورنہ دنیا میں چرخی کی طرح سرگرداں رہے گا۔ علایقِ دنیوی سے اپنے بازو کو آزاد کرلے۔ اور دین کی راہ میں سیدھا قدم اٹھا۔ اگر تیرے پاس کفن کے لیے کچھ نہ بچے تو جائز ہے)

امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ دنیا قبول کر۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا جائے کہ اگر نہیں قبول کرے گا تو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ تو میں دوزخ کو قبول کروں گا۔ دنیا کو ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ؎

پاک بازانے کہ درویش آمدند ؛ ہر نفس در محوِ خود پیش آمدند

در حقیقت جملہ اورا خواستند ؛ لاجرم خصم خود را خواستند

(وہ پاک باز لوگ جنہوں نے درویشی اختیار کی۔ ہر لمحہ اپنے نفس کی گم کردگی میں پیش پیش رہے ہیں۔
حقیقت میں انھوں نے اپنا مقصود اپنے رب کو بنایا ہے۔ اور نفس کے معاملہ میں دشمن کا سا سلوک کیا ہے)

اے بھائی! بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں صرف خوشی ہی خوشی ہو۔ ہر خوشی کی تہہ میں ایک غم پوشیدہ ہے۔ شادی بے غم اور خوشی بے ماتم دنیا میں نہیں پیدا کی گئی ہے۔

کہتے ہیں کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا، جو نہایت کریہہ منظر، سیاہ رو، نہایت بدشکل اور پریشاں حال تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ مجھے دنیا کہتے ہیں۔ پھر سوال کیا تیرے کتنے شوہر ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ شمار کے لیے جتنے عدد رکھے گئے ہیں، اگر اتنے ہوتے تو میں گنتی بتاتی۔ وہ تو بے شمار ہیں۔ پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ ان میں سے کسی نے تجھے طلاق دیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ میں نے ہی انھیں قتل کیا ہے۔ وہ سب ناپید ہو گئے اور میں ابھی تک باقی ہوں۔ ؎

زاں کہ یک لقمۂ ناں باشد ترا ؛ صد بلا از بعد آں باشد ترا

کار عالم جز طلسم و پیچ نیست ؛ جز خرابی در خرابی ہیچ نیست

(اگر تمہارے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی ہے تو یاد رکھو کہ اس کے پیچھے تمہارے لیے سیکڑوں بلائیں بھی ہیں۔ دنیا کا کام طلسم و فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس میں خرابی ہی خرابی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے)۔
چنانچہ بہشت میں رہ کر اگر کوئی روئے تو یقیناً یہ تعجب کی بات ہے۔ مگر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر کوئی ہنسے۔ ؎

اے دلِ غافل و مے بے دار شو ؛ چند بدمستی کنی ہوشیار شو

(اے غافل دل ذرا بیدار ہو۔ یہ بدمستی کب تک ذرا ہوشیار ہو)

اے بھائی! جانتے ہو دنیا کا غم کیوں ہے؟ دنیا کا غم اس لیے ہے کہ آخرت کا غم نہیں ہے۔ جس دل میں دنیا ہے وہ خانۂ برباد ہے۔ خانۂ برباد کو جب ہم اور تم پسند نہیں کرتے تو خدا اسے کیسے پسند کر سکتا ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ تمام برائیوں کو جمع کر کے ایک گھر میں مقفل کر دیا جائے۔ تو اس کی کنجی دنیا کی دوستی ہو گی۔ اور اگر تمام نیکیاں اکٹھا کر کے ایک گھر میں جمع کر دی جائیں تو اس کی کنجی دنیا کی دشمنی ہو گی۔

مثنوی

کار خود در زندگانی کن بہ برگ ؛ زاں کہ نتواں کرد کارے روز مرگ

ایں زماں در یاب کاساں باشدت ؛ ورنہ دشواری فراواں باشدت

(اسی زندگی میں اپنی عاقبت کے لیے جو کچھ کرنا ہے، کر لو۔ اس لیے کہ جب موت کی گھڑی آن پہنچے گی تو اس

وقت کچھ نہ کر سکو گے۔ بلکہ آج ہی کر لو، یہ تمہارے لیے آسان ہے۔ ورنہ بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا)

یہ تو تم نے سنا ہی ہے کہ اَلدُّنْیَا کَنِیْفُ اٰدَمَ (دنیا آدمؑ کا پاخانہ ہے) اور جناب آدم علیہ السلام کا قصہ بھی کہ شجر ممنوعہ تناول فرمانے کے بعد بیت الخلاء کی حاجت ہوئی۔ اسی وجہ سے انھیں دنیا میں آنا پڑا۔ لہذا دنیا بیت الخلاء ہوئی۔ چنانچہ عقلمندی کا تقاضا ہے کہ غلاظت خانے سے محبت نہ کی جائے۔ ؎

گر بسوزِ عشق نیست ایماں ترا ❊ ایں حکایت بس بود ایماں ترا

(اگر عشق الہٰی کی سوزش کے لایق تمہارا ایمان نہیں ہے۔ تو یہ حکایت تمہارے ایمان کے مطابق ہو گی)

اور اگر کوئی زن و فرزند کی مجبوری کو بہانہ بنائے تو یہ بات قابل قبول نہیں۔ جناب علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا۔ لَا تَجْعَلَنَّ اَكْبَرَ شُغْلِكَ بِاَهْلِكَ وَوَلَدِكَ فَاِنْ يَكُنْ اَهْلُكَ وَوَلَدُكَ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَوْلِيَآءَهٗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ اَعْدَآءِ اللّٰهِ فَمَا هَمُّكَ وَشُغْلُكَ بِاَعْدَآءِ اللّٰهِ۔ (اپنی بنیادی مشغولیتوں میں اپنے اہل وعیال اور اولاد کو بہانہ نہ بناؤ۔ اولاد اگر اللہ کے دوست ہیں تو وہ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اگر دشمن ہیں تو اللہ کے دشمنوں کے لیے مشغولیت اور فکر کیسی؟)

مثنوی

مرگ در پیش است تو لیس می روی ❊ بہر مردارے چوں کرگس می روی
گہ مسلمانی دہی گہ زر دہی ❊ تا کہ یک لقمہ بریں کافر دہی

(موت سامنے ہے اور تو پیچھے بھاگتا ہے۔ مردار کے لیے گدھ کی طرح دوڑتا ہے۔ کبھی اپنی مسلمانی کو قربان کرتا ہے۔ اور کبھی دولت لٹاتا ہے تاکہ اس نفس کافر کے لیے ایک لقمہ مہیا کر سکے)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

روز عاشورہ ۱۳۹۹ھ مطابق

۱۱ر دسمبر ۱۹۷۸ء روز دوشنبہ

وقت گیارہ بجے دن

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)

مکتوب ——— (۸۷)

حق کی طلب اور مخلوق سے کنارہ کشی کے بیان میں

رباعی

اے آں کہ ہمیشہ در جہاں می پوئی ٭ اس سعی ترا چہ سود دار و گوئی
چیزے کہ تو جویاں نشانِ اوئی ٭ با تست ہمی تو جاے دیگر جوئی

(اے شخص تو ہمیشہ دنیا میں اِدھر اُدھر مارا پھرتا ہے۔ تو ہی بتا کہ اس کوشش کا تجھے کیا فائدہ پہنچا۔ جس چیز کی تجھے تلاش ہے وہ تو خود تجھ میں موجود ہے۔ اور تو اس کو دوسری جگہ ڈھونڈتا پھرتا ہے)

چنانچہ کہا گیا ہے کہ عالم ملک تیرے ساتھ ہے، عالم جبروت تیرے ساتھ ہے اور خدائے بزرگ و برتر تیرے ساتھ ہے۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) پڑھو اور اس پر غور کرو۔

بیت

من او نہ شوم ولیکن بے او ٭ واللہ کہ نہ ام یقینم اینست

(میں وہ نہیں ہوں، یہ درست ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں اس کے بغیر بھی نہیں ہوں۔ اس پر مجھے یقین ہے) یہ کلمہ کہ اَنَا لَا اَنْتَ وَ اَنْتَ لَا غَیْرِیْ (میں تو نہیں ہوں مگر تو میرا غیر بھی نہیں ہے) اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جس نے کہا ہے بہت خوب کہا ہے۔

رباعی

من بندہ بہ جاں رضارت جویم ٭ حیراں شدہ ام کجارت جویم
در جان منی ز راہ معنی ٭ چوں یافتہ ام چرارت جویم

(میں تو غلام ہوں، دل و جان سے تیری رضا تلاش کرتا ہوں۔ حیران ہوں، تجھے کہاں تلاش کروں۔

معنوی حیثیت سے تو میری جان میں ہے۔ جب ایسا ہے کہ میں نے تجھے پا لیا تو پھر تجھے کیوں تلاش کروں)
حقیقت تو یہی ہے مگر ایسی آنکھیں کہاں ہیں جو اسے دیکھیں۔ اور ایسے کان کہاں ہیں جو اس کی باتوں کو سنیں

رباعی

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد ❊ آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال ❊ آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

(وہ عقل کہاں؟ جو تیرے کمال تک پہنچے۔ وہ روح کہاں؟ جو تیرے جلال تک پہنچے۔ میں نے مانا کہ تو نے اپنے جمال سے پردہ ہٹا لیا ہے۔ مگر وہ نظریں کہاں جو تیرے جمال کا مشاہدہ کریں)
آہ اثم آہ!! عجب مقام حیرت ہے۔ باہمہ اور بے ہمہ (سب کے ساتھ اور سب سے جدا) اے میرے اللہ! وہ گھڑی بھی آئے گی، جب یہ معمہ حل ہوگا۔ اے اللہ! یہ راز کھلے گا بھی یا اسی طرح سربستہ رہے گا۔ ایک دنیا ہے جو فریاد و غوغا میں لگی ہوئی ہے۔ ؎

سربیست دراں زلف تو سربستہ نگارا ❊ اما چہ تواں کرد کہ با ما نہ کشائی

(ترے زلف تابدار میں راز بندھے ہوئے ہیں۔ اے میرے معشوق! میں اس کو کیا کروں کہ تو اسے مجھ پر ظاہر نہیں کرتا)

دوسری جانب نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (میں رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہوں) بھی ارشاد ہے۔ وہم جہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ عقل، جو کچھ اس کا تصور کر سکتی ہے۔ خیال، جو کچھ اس کا نقشہ باندھ سکتا ہے اور فہم جہاں تک اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے ذات اور صفات خداوندی ہماری ان تمام رسائیوں سے منزہ اور پاک ہے۔ اس کے باوجود یہ فرمان ہے کہ میں تم سے تمہاری رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہوں، تمہاری آنکھ کی بینائی سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں، تمہارے کانوں کی شنوائی سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہوں، تمہاری زبان کی گفتار سے بھی زیادہ تمہاری زبان سے قریب ہوں اور تمہارے دل کی دانائی سے بھی زیادہ تمہارے دل سے قریب ہوں۔ سچ کہا میرے پروردگار بالکل سچ! میرے نقصان نے سب کچھ کیا، تیرے فیضان نے سب کچھ دیا۔ ٹھیک ہی کہا ہے جس نے کہا ہے۔ ؎

اے در طلب گرہ کشائی مردہ ❊ با وصل بزاد و از جدائی مردہ
اے برلب بحر تشنہ در خاک شدہ ❊ وے بر سر گنج از گدائی مردہ

(اے وہ شخص! جو اپنی گرہ کشائی کی طلب میں مردہ ہوگیا ہے۔ وصلِ محبوب سے تو نے زندگی پائی اور فراق میں مردہ ہوگیا + اے شخص حیرت ہے کہ ساحل دریا پر تو پیاس سے خاک پر تڑپ رہا ہے۔ اور خزانہ پر بیٹھ کر فقیری کی وجہ سے مردہ ہے)

اے بھائی! قرب کی دو قسمیں ہیں۔ قربِ مجازی اور قربِ حقیقی۔ قربِ مجازی مخلوقات میں جب ایک دوسرے سے ہوتی ہے تو اس میں کسی نہ کسی جہت سے بعد ضرور شامل ہوتا ہے۔ یا صورت میں ہو یا وہم میں یا معنی میں ہو۔ لیکن قربِ حقیقی خداوندی ہے۔ جو کسی جہت اور کسی پہلو سے بھی بعد کو قبول نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسا معنی ہے جو کسی عنوان بھی تحریر یا استدلال زبانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس کا تو اس وقت مشاہدہ ہوتا ہے جب سالک کا دل آئینہ کی طرح مصفا اور منور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر سب کے ساتھ ہے اور یہ کہ موجودات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں کہ خدا اس کے قریب اور محیط نہ ہو۔ اور اس سے آگاہ نہ ہو۔ بیشک جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے تو پکار اٹھتا ہے۔

معشوق عیاں بود نہ می دانستم ⁂ بامن بمیاں بود نہ می دانستم
گفتم بہ طلب مگر بجائے برسم ⁂ خود تفرقہ آں بود نہ می دانستم

(معشوق جلوہ نما تھا، مجھے خود خبر نہ تھی۔ میرے ساتھ مجھ میں موجود تھا، مجھے خبر نہ تھی۔ میں نے خیال کیا کہ محبوب کی تلاش میں نکلوں اور شاید وہاں تک پہنچ جاؤں۔ یہ خود میری فکر کی غلطی تھی، مجھے خبر نہ تھی)

اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ اللہ کی راہ نہ تو آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں ہے۔ نہ عرش و کرسی اور لوح و قلم میں ہے۔ بلکہ اللہ کی راہ خود تیرے اندر ہے۔ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ (وہ تو تم میں موجود ہے، تم دیکھتے کیوں نہیں) کا یہی مطلب ہے۔

رباعی

محرابِ جہاں جمالِ رخسارۂ ماست ⁂ سلطانِ جہاں در دل بے چارۂ ماست
شور و شر، شرک و کفر، توحید و یقیں ⁂ در گوشۂ دیدہ ہائے خوں خوارۂ ماست

(دنیا میرے حسین چہرہ کا محراب ہے۔ تمام کائنات کا بادشاہ میرے دل میں ہے۔ شور و شر، شرک و کفر، اور توحید و یقیں کے یہ تمام ہنگامے میری خونخوار آنکھوں کے ایک گوشہ

میں ہے۔

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۱۲۔ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء مطابق ۱۱۔ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۹ھ

روز سہ شنبہ بوقت ۱۲ بجے شب

مکتوب (۸۸)

دنیا کی مذمت اور اس کی بے وفائی کے بیان میں

مثنوی

(۱) جہاں چوں مار افعی پیچ پیچ است ۞ ترا اں بہ کز در دست ہیچ است
(۲) چہ بخشد مر ترا ایں سفلہ ایام ۞ کہ یک یک بازلبستاند سرانجام
(۳) زمانہ خود جز ایں کارے نہ دارد ۞ کہ اندوہے دہد جاں می ستاند
(۴) دہد لبستاند و عارے نہ دارد ۞ بجز دادو ستد کارے نہ دارد
(۵) اگر عیش است صد بیمار با اوست ۞ دگر برگ گل است صد خار با اوست

(۱) دنیا کالے سانپ کی طرح کنڈل مارے ہوئے ہے۔ بہت اچھا ہے جو تیرے پاس کچھ نہیں ہے
(۲) یہ کمینہ زمانہ تجھے کیا دے گا؟ جب کہ یہ دے کر سب سے ایک ایک کرکے واپس لے لیتا ہے
(۳) زمانہ کو اس کے سوا کام ہی کیا ہے؟ کہ کسی پر غم ڈالتا ہے تو کسی کی جان لیتا ہے۔
(۴) دے کر واپس لینے میں اسے کوئی شرم نہیں آتی۔ اس کا کام ہی لینا دینا ہے۔
(۵) اگر کچھ آرام دیا تو سینکڑوں بیماریاں بھی اسے کے ساتھ دے دیں۔ گلاب کی پنکھڑیوں کے ساتھ سینکڑوں کانٹے بھی ہیں)

بیت

برآوردن گیتی افگندنست ۞ نشاندنش یک بار افگندنست
(دنیا اگر بلا سے نکالتی ہے تو سمجھو کر مبتلا بھی کرے گی۔ اس کا بٹھانا ہمیشہ گرانے کے لیے ہوتا ہے)

نیست مہر زمانہ بے کینہ ۞ سیر دارد میانِ دوزینہ
(زمانہ کی نوازش عناد کے بغیر نہیں ہوتی۔ یہ دوستی اور دشمنی دو زینوں کے درمیان پلٹے کھاتی رہتی ہے)

منہ دل بر جہاں کیں مردنا کس ۞ جواں مردی نہ خواہد کرد با کس

(دنیا سے دل نہ لگاؤ۔ یہ کمینوں کی طرح کسی کے ساتھ جواں مردی کا سلوک نہیں کرتی۔

کہ معشوقہ نتواں گرفتن کسے را ؎ کرنا اوست با کس وفائے نہ دارد

(ایسی کو ہرگز معشوقہ نہیں بنانا چاہیے۔ جس نے اپنی زندگی میں کسی سے وفا نہ کی ہو)

اے بھائی! دنیا خون کا دریا ہے، بے وفا معشوقہ ہے، بے سروسامان حسینۂ رعنا ہے، اس کے انداز میں حیرت ہی حیرت ہے، اس کے ناز و انداز گھونگھٹ والے ہیں، یہ آوارہ مزاج ہے، اس کے پاؤں میں لغزش ہے اور اس کا دل درد سے خالی ہے۔ کبھی اس نے کسی کو نوازا نہیں۔ اتفاقاً اگر صبح کو نوازا بھی تو رات کو نکال باہر کیا۔ صبح کے وقت اگر سہارا دے کر اٹھایا تو شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ پیر سے لونجھ کر دیا۔ اس کا ایک ٹکڑا بغیر زحمت کے نہ ملے، اس کا ایک پیالہ بغیر نیشِ مگس کے حاصل نہ ہو۔

رباعی

از جامِ او مچش کہ درانجام زہرہاست ؎ گل برگِ او مبوکہ دراں زیر خارہاست

دہر ستیزہ کار نہ دارد وفائے کس ؎ دیدیم و آزمودہ ایم و شنیدیم بارہاست

(دنیا کے ہاتھ سے پیالہ مت نوش کر اس میں زہر بھرا ہوا ہے۔ اس میں کانٹے ہیں۔ جھگڑالو زمانہ کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے، آزمایا ہے اور بارہا سنا ہے)

سچ کہا گیا ہے۔ اَلدُّنْیَا دَارُ الزَّوَالِ فَلَا یَرْفَعُ اَحَدٌ عَلٰی حَالٍ نِعْمَتَہٗ زَائِلَۃٌ اَوْ بَلِیَّۃٌ نَازِلَۃٌ فَلَا اَثْبَاتَ لِنِعْمَتِہَا وَلَا قَرَارَ لِنَکْبَتِہَا (دنیا زائل ہونے والی ہے۔ کسی کو ایک حال پر نہیں چھوڑتی۔ اس کی نعمتیں بھی زائل ہونے والی ہیں یا بلائیں نازل کرنے والی ہیں۔ اس کی نعمتوں میں ثبات نہیں۔ اس کے وصال میں قرار نہیں)

اے بھائی! یہی وہ بڑھیا دلہن ہے جس نے بہت سے نوجوان بادشاہوں کو کھالیا۔ اور اپنے جاں نثار عاشقوں کو لونجھ کر دیا۔ یہ ہمیشہ عیب ہی پیدا کرتی رہتی ہے۔ ہاں! اس میں ہنر صرف ایک ہے، وہ یہ کہ آخرت کی کھیتی بھی یہی ہے۔ وہ فصل جسے آخرت میں کاٹنا ہے اس کا دانہ اسی دنیا میں ڈالا جاتا ہے۔

مثنوی

ہر زماں گلگونہا دیگر کند ؎ ہر زماں آہنگ صد شوہر کند

از طلسمِ او نہ شد آگہ کسے ؎ درمیانِ خاک و خوں دارد بسے

گر دلت آگہ ز معنی آمدست ٭ کار دینت ترک دنیا آمدست

(ہر زمانے میں ایک نیا گل کھلاتی ہے۔ ہر آن سینکڑوں شوہر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔
اس کے طلسم سے کوئی بھی آگاہ نہ ہوا۔ حالانکہ اس نے بہتوں کو خاک و خوں میں غلطاں کر دیا۔
اگر تیرا دل اس کے معنی سے آگاہ ہو گیا ہے۔ تو سمجھ لے کہ تیرے دین کا کام ترک دنیا میں پوشیدہ ہے)

اے بھائی! اس دنیا کا سب سے چھوٹا عیب یہ ہے کہ ایک آوارہ مرد کی طرح اپنی ہوسناکی کی تکمیل کے لیے ہر روز ایک دوسرے پر چنگل مارتی ہے۔ اور ایک زانیہ، فاجرہ عورت کی طرح ہر آن ایک نئے شوہر کے ساتھ عیش کرتی ہے۔ یہ اگر کسی کو کچھ دیتی ہے تو اسے واپس بھی لے لیتی ہے۔ اس کی بخششوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس کا واپس لے لینا ضروری ہے۔ اس کی آنکھوں میں حیا نہیں، فحش کاری میں اسے کوئی شرم نہیں۔ احمق معشوق ہے، جسے شریف و رذیل کی کوئی تمیز نہیں۔ اس کے عیوب کی کوئی انتہا نہیں۔ بدبختیوں کا اس کے ٹھکانا نہیں۔ پھر بھی دنیا والے اس کے پیچھے حیران و سرگرداں ہیں اور اس کی محبت میں گرفتار ہیں۔ ؎

اولیں شد کہ در رہِ آدم
بود نائے گلُوا و طبلِ شکم

(سب سے پہلے جو چیز اولادِ آدم کے پاس آتی ہے وہ کھاؤ پیو کی بانسری کی سریلی آواز، اور پیٹ کے نقارے کی چوٹ ہے)

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۱۳۔ دسمبر ۱۹۷۸ء مطابق ۱۲۔ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

روز چہار شنبہ بوقت ۱۲ بجے شب تمام شد

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ۔ پاکستان

مکتوب ——— (۸۹)

یافت کی خوشی اور نایافت کی حسرت کے بیان میں

اے بھائی! اللہ بزرگ و برتر کی راہ دلی ہو یا بہار یا دولت آباد ہر جگہ سے ایک ہی ہے۔ اس کی طلب اور اندوہ سے کبھی بھی غافل نہ ہو۔ دل کو ایسا بناؤ جس میں محبت الٰہی کی یافت کی مسرت و خوشی اور نایافت کا غم و اندوہ ہو۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

نیست کن ہر چہ رہ درا ے بود ؛ تا دلت جلوۂ خدائے بود

(اس کی راہ میں جتنی بھی رکاوٹیں ہوں سب کو نیست و نابود کر دو۔ تاکہ تمہارے دل میں خدا کا جلوہ ہو۔)
اگر اپنی محرومی اور بدقسمتی سے کچھ یافت نہیں ہے تو نایافت کا غم کہاں گیا؟ اسے تو ہونا چاہیے۔

رباعی

دردِ تو دوا شدست مارا ؛ خاکِ تو بہا شدست مارا
از بہر توام بہ دادنِ جاں ؛ از دیدہ رضا شدست مارا

(تیرا درد میری دوا بن گیا ہے۔ تیرے در کی خاک میرے لیے بہت قیمتی ہے۔
میں جان دے کر بھی تجھے حاصل کروں گا۔ اس لیے کہ جان و دل سے یہی میری خواہش ہے)

اے بھائی! اور یہ تنہا تمہاری مراد نہیں ہے بلکہ اس راہ کے ہر راہی کو اسی غم و اندوہ میں مبتلا سمجھو۔ اور جو لوگ اس دنیا سے چلے گئے ہیں وہ بھی اس غم و اندوہ کے ساتھ گئے ہیں۔ قبر میں بھی اسی حال میں لیٹے ہیں۔ اور کل قیامت کے دن بھی اسی حال میں اٹھائے جائیں گے۔

قطعہ

زدردِ دل ہمہ پیرانِ رہ را ؛ محاسنہا بہ خونِ دل خضاب است
ہمہ مردانِ دیں را زیں مصیبت ؛ جگر ہا تشنہ و دلہا کباب است

(اللہ کی راہ کے راہی کی حالت یہ ہے کہ دین کے درد سے ان کی خوبیاں بھی رنگین ہیں۔
دین کی راہ کے تمام مردانِ راہ کی حالت یہ ہے کہ نایافت کے غم میں ان کے جگر تشنہ اور دل کباب ہو رہے ہیں)

یہاں تک کہا گیا ہے کہ کل قیامت کے دن جب اس گروہ کے لوگ قبر سے اٹھیں گے تو پہلے اپنے دلوں کا اندازہ کریں گے۔ اگر ذرہ برابر بھی اپنے غم واندوہ میں کمی پائیں گے۔ تو اس قدر فریاد کریں گے کہ دوزخیوں کو بھی ان پر رحم آجائے گا۔

رباعی

ہرگز نہ شود اے بت بگزیدۂ من ✽ حسرت زدل وخیالت از دیدۂ من
گر از پس مرگ من بہ جوئی یابی ✽ آں ذوق درا ستخواں پوشیدۂ من

(اے میرے محبوب! میرے دل کو تیری عنایات سے اور میری نظروں کو تیرے خیال سے سیری نہیں ہو سکتی میرے مرنے کے بعد بھی مجھے ڈھونڈے گا تو اس حال میں پائے گا کہ تیری چاہت میری ہڈیوں میں پوشیدہ ہو گی۔)

اے بھائی! ایک فانی کو باقی سے کام پڑا ہے اور ایک مکیں کو لامکان والے سے واسطہ پڑا ہے۔ بڑا عجیب معاملہ ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

خاک راچوں کار باپاک اوفتاد ✽ پیش آدم عرش درخاک اوفتاد

(خاکی کا معاملہ جب ذات پاک سے وابستہ ہوا تو عرش بھی آدم خاکی کے سامنے جھک گیا)

عجیب معاملہ ہے۔ محبوب کی جلوہ گاہ زمان ومکان سے آزاد ہے۔ دوسری جانب محب بیچارہ اپنے خاکی مکان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایسی حالت میں وہ اپنے سر پر خاک نہ اڑائے تو کیا کرے؟ کہتا ہے ؎

آں جا کہ تو من آمدن نہ توانم ✽ ایں جا کہ منم تو خود نیائی دانم

(جس جگہ تو ہے وہاں تک میری رسائی ممکن نہیں۔ اور جہاں میں ہوں، مجھے معلوم ہے، تو خود آنا پسند نہیں کرے گا)

اسی مقام پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

شعر

يَا دَلِيْلًا لِمَنْ تَحَيَّرَ فِيْكَ ✽ قَدْ تَحَيَّرْتُ فِيْكَ خُذْ بِيَدِي

(اے دلیل راہ! تو نے ہر اس شخص کا ہاتھ پکڑا ہے جو تیرے کرشموں میں متحیر ہے۔ میں بھی مقام حیرت میں ہوں میرا بھی ہاتھ پکڑ)

ع رفتم از دست گر نہ گیری دست (اگر تو نے میرا ہاتھ نہ پکڑا تو میں ہاتھ سے گیا)

شاید اسی مقام پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے فرمایا۔ یَالَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (اے کاش! محمدؐ کا رب محمدؐ کو نہ پیدا کرتا) بات واضح ہے کہ محب اگر محبوب تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا تو معدوم ہونے کی تمنا نہ کرے تو کیا کرے۔

رباعی

گر آب زنی بہ دیدہ آں میداں را ⁂ روپے ثمرہ آں در گہِ سلطاں را
صد جاں آری بہ رشوت آں درباں را ⁂ گویند خطر نہ باشد ایں جاجاں را

(دربار الٰہی میں باریابی کی تمنا میں اس میدان میں تو جتنے بھی آنسو بہائے۔
اور سینکڑوں جانیں دربان کے حوالے کر دے پھر بھی یہی کہیں گے کہ ابھی طلب میں کمی ہے)

محب بیچارہ حیران و پریشان عاجز و درماندہ اسی موقع پر فریاد کرتا ہے۔

رباعی

معشوق منے بے تو نہ می آرم زیست ⁂ درمانِ وصال تو نہ می دانم چیست
تا عشق فراق کرد دیوانہ دمم ⁂ در عالم کس نیست کہ بر من نگریست

(اے میرے معشوق! میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تیرے وصل کی کیا شکل ہے۔ یہ بھی نہیں جانتا۔ آہ! تیرے عشق میں فراق نے میرے دل کو دیوانہ بنا دیا۔ اس بھری دنیا میں کون ہے جو میرے حال پر نہ رویا ہو)

سبحان اللہ! کہاں یہ مٹی اور پانی کا تودہ اور کہاں یہ آرزو اور تمنا؛ شاید نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کی عطا اور رمز نے فقیر کا تعلق بادشاہ سے جوڑ دیا۔

اے بھائی! جس چیز کے اٹھانے سے ساکنان عالم قدس وطہارت عاجز رہے اُسے اِس آدم خاکی میں رکھ دیا۔ کہنے والے نے کہا ہے۔

غرضے ورائے امکاں چہ خیال فاسد است ایں ⁂ ہوسِ جمالِ سلطاں بہ دلِ گدا نشستہ

(عالم امکاں کا رہنے والا عالم امکاں سے باہر کی تمنا کرے۔ اور ایک گدا کے دل میں جمال شاہی کی ہوس ہو، یہ کتنا فاسد خیال ہے)

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۱۹۔ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰۔ دسمبر سنہ ۱۳۷۸ء

بوقت ۱۲۔ بجے شب۔ لطیف آباد حیدر آباد سندھ

(پاکستان)

مکتوب ——— (۹۰)

حق کی راہ اختیار کرنے اور نفس وخلق کو ترک کرنے میں

برادر عزیز!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ازیں کافر کہ مارا در نہاد است ❊ مسلماں در جہاں کمتر فتادست

(اس نفس کافر کی وجہ سے جو خود ہماری ذات میں موجود ہے، دنیا میں مسلمان بہت کم رہ گئے ہیں)

اے بھائی! اس کی کوشش نہ کرو کہ بہت زیادہ نمازیں کس طرح ادا کی جائیں، اور بہت زیادہ روزے کیونکر رکھے جائیں۔ بلکہ اس کی کوشش کرو کہ یہ نفس کافر کو جس نے راستہ روک رکھا ہے کس طرح ہٹایا جائے۔ اہل طریقت کی متفقہ یہ رائے ہے کہ اللہ نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں، نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں۔ حتی کہ نہ عرش وکرسی میں ہے اور نہ لوح وقلم میں۔ بلکہ اس کی راہ خود تیرے اندر ہے۔ پہلے قرآن کریم سے سنو، ارشاد ہے فِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (محبوب تو خود تمہارے اندر موجود ہے پھر تم کیوں نہیں دیکھتے) اس کے بعد اس گروہ کی زبانی سنو۔

مثنوی

اے آں کہ ہمیشہ در جہاں می پوئی ❊ ایں سعی ترا چہ سود دارد گوئی

چیزے کہ تو جویائی نشانِ اوئی ❊ با تست ہمی تو جائے دیگر جوئی

(تو اس کی تلاش میں سارے جہان میں مارا مارا پھرتا ہے۔ تو ہی بتا کہ اس کوشش سے تجھے کیا فائدہ پہنچا۔ جس چیز کی تجھے تلاش ہے تو خود اس کا نشان ہے۔ ارے نادان! وہ تو ہمیشہ تیرے ساتھ ہے پھر دوسری جگہ کس کو تلاش کرتا ہے۔)

وہ راہ خود تمہارے اندر ہے۔ جس پر چل کر تم حجابات کے پردوں کو ہٹا کر باہر آسکتے ہو۔ اور خدائے بزرگ و برتر تک پہنچ سکتے ہو۔ جانتے ہو وہ کیا ہے؟ حکما کی زبان میں وہ نفس ناطقہ ہے۔ شریعت والے اسے روح کہتے ہیں۔ اور تصوف والے کبھی روح، کبھی قلب اور کبھی نفس کے نام سے پکارتے ہیں۔ الفاظ

جدا جدا ہیں لیکن معنی ایک ہی ہے۔ اسی کو حقیقت انسانی کہہ لو، آیات الٰہی کا مظہر کہو یا حضرت الوہیت کا راز سب اسی میں ہے۔

مثنوی

(۱) تا نیا بد جانِ آدم آشکار ❊ رہ نہ دانستند سوئے کردگار
(۲) رہ پدید آمد چوں آدم شد پدید ❊ زو کلید ہر دو عالم شد پدید
(۳) تشنہ از دریا جدائی می کنی ❊ بر سرِ گنجے گدائی می کنی

(۱) آدمؑ جب تک دنیا میں نہیں آئے تھے۔ اللہ کی راہ کسی کو معلوم نہ تھی۔
(۲) آدم کے ظاہر ہوتے پر حق کی راہ کھلی۔ دونوں جہان کی کنجی اسی سے حاصل ہوئی۔
(۳) پیاسا ہے اور دریا سے جدائی اختیار کر رہا ہے (یعنی آدمی خود دیدار محبوب کا پیاسا ہے۔ جب کہ جلوۂ محبوب کا دریا خود اس میں جاری ہے) گویا وہ خزانے پر بیٹھا ہے پھر بھی بھکاری ہے)

تمہیں معلوم ہے؟ کہ ایک عالم نے جو پاک، مقدس اور مطہر فرشتوں سے بھرا ہوا ہے، خاک کے پتلے کو سجدہ کیوں کیا؟ اور وہ خاک کا پتلا خلیفہ کیوں بنا؟ شاید یہ وجہ تھی کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) یعنی اپنی صفات کے انوار سے منور کرکے پیدا کیا۔ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

(۱) تا نہ یابی جانِ دور اندیش را ❊ کے توانی خواند مردم خویش را
(۲) نیست مردم نطفۂ از آب و خاک ❊ ہست مردم سرو قدِ جانِ پاک
(۳) صد جہانِ پر فرشتہ در وجود ❊ نطفۂ را کے کند آخر سجود

(۱) جب تک تم اپنی روح کی حقیقت کو نہ جان لو۔ اپنے کو آدمی کس طرح کہہ سکتے ہو۔
(۲) آدمی آب و خاک سے بنے ہوئے مجموعے کا نطفہ نہیں ہے۔ آدمی تو سر تا بہ پا حقیقت روح کا نام ہے
(۳) فرشتوں سے بھرے ہوئے سینکڑوں عالم آخر ایک نطفہ کو کیسے سجدہ کر سکتے ہیں؟)

ان سب کے باوجود نفس کافر نے راستہ روک رکھا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ سلطان العارفین نے اپنی دعاؤں میں کیا کہا؟ مناجات کی اِلٰہِیْ کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَیْکَ۔ (اے اللہ میں تجھ تک کیسے پہنچوں؟ جواب ملا۔ دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَالَ۔ (اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ)

اسی وجہ سے طالبانِ حق ہر اس چیز کے ترک کو اپنے اوپر لازمی سمجھتے ہیں جو نفس کافر کو راہ سے ہٹا دے۔ اور یہ فرضیت حکم عام کے لحاظ سے نہیں بلکہ حال کے لحاظ سے ہے۔ اسی لیے کسی نے زنار باندھا، کوئی بت خانہ میں جا بیٹھا اور کوئی شراب خانہ میں پہنچ کر جام وسبو اڑانے لگا، یہ سب کا سب در حقیقت نفس کافر کے خلاف جہاد اکبر تھا تاکہ اس کو راہ سے ہٹایا جائے۔ اسی موقع پر کسی نے کہا ہے۔

رباعی

در بت کدہ گر خیالِ معشوقہ ماست　　　رفتن بہ طوافِ کعبہ از عقل خطاست
گر کعبہ از و بوے نہ دارد کنش است　　　با بوے وصال او کنش کعبۂ ماست

(اگر خیال محبوب بت کدہ ہی میں رہتا ہے۔ تو طواف کعبہ کے لیے جانا عقل کا تقاضا نہیں ہے۔ اگر کعبہ میں محبوب کی خوش بو نہیں ملتی تو اس کی حیثیت بت خانے کی ہے۔ اس کے وصال کی خوش بو اگر بت خانہ میں ہے تو وہی کعبہ ہے)

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے کہا ہے اَبَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُوْنَ لِصَاحِبِ النَّفْسِ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اللہ تعالیٰ صاحب نفس لوگوں کو اپنی طرف راہ دینے سے انکار کرتا ہے)

جب یہ بات ہے کہ نفس کے رہتے ہوئے اللہ کی راہ نہیں مل سکتی تو جس طرح بھی ممکن ہو نفس کافر کو راہ سے ہٹانا، بہ لحاظ حال، طالبِ حق پر فرض عین ہے۔ اہل ظاہر اور عادت پرستوں کا ہذیان بکنا ان کی عادت ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اِنَّ فِي الْخَمْرِ مَعْنًى لَيْسَ فِي الْعِنَبِ (شراب عشق کی بے خودی میں جو بات ہے وہ ہوش میں نہیں پائی جاتی۔ از ہر تو ہلاک کرنے والی چیز ہے حرام ہے مگر کبھی زہر سے علاج بھی کرتے ہیں۔ جب طالب حق اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مقام کی توفیق حاصل کرتا ہے۔ اور نفس کافر کو راہ سے ہٹا دیتا ہے، تو جہاں پہنچنے کی اس کو طلب ہے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اور جب پہنچ جاتا ہے۔ اور جب پہنچ جاتا ہے تو دیکھتا ہے اور جو کچھ دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہے اس کی خوشی میں نعرے لگاتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔

رباعی

معشوق عیاں بود نہ می دانستم　　　٭　　　با من بہ میاں بود نہ می دانستم
گفتم بہ طلب مگر بہ جائے برسم　　　٭　　　خود تفرقہ آں بود نہ می دانستم

(معشوق تو ظاہر تھا مگر مجھے معلوم نہ تھا۔ وہ تو خود مجھ میں جلوہ گر تھا مجھے معلوم نہ تھا۔

میں نے سوچا کہ اس کی طلب میں نکلوں۔ شاید وہاں تک پہنچ جاؤں۔ میرا یہ سوچنا غلط تھا، مجھے معلوم نہ تھا۔

اے بھائی! جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کام سے آشنا کیا ہے اور اس کام کے مشاہدہ کی استعداد بھی عطا کی ہے۔ اور اس کام کی طرف مشغول ہونے کا وقت بھی ہے، تو اس فقیر نے جو تصوف کی تصنیفات کا خلاصہ اور اہلِ سلوک کے ارشادات کے مجموعے کو تمہارے پاس بھیجا ہے، تم پر لازم ہے کہ اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرو۔ تاکہ مقصود تک پہنچ سکو۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مثنوی

(۱) لیک جدوجہد می باید ترا — تا دریں گنج بر کشا ید ترا

(۲) زاں کہ در راہے کہ رنج آں جا نہد — ہیچ شک نہ بود کہ گنج آں جا نہد

(۳) جہد می کن روز و شب در کوئے رنج — بو کہ ناگاہے بہ بینی روئے گنج

(۱) ہاں! مگر تمہیں پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ اس خزانے کا دروازہ تم پر کھل جائے۔

(۲) ایسا ہوتا ہے کہ جس راہ میں سختی ہوتی ہے۔ بلاشبہ خزانہ بھی ان ہی راہوں میں ملتا ہے۔

(۳) کوشش کرتے رہو، اور اس راہ کی سختی دن رات اٹھاتے رہو۔ تاکہ اچانک خزانہ تمہیں حاصل ہو جائے۔

اس خط کو پڑھنے کے بعد چاک کر دو۔ تاکہ ہذیان بکنے والے اپنے ہذیان میں دوسروں کو ملوث نہ کریں۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۲۱۔ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۹ ھ مطابق ۲۲۔ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء

یوم جمعہ بوقت گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)

مکتوب ——— (۹۱)

اللہ کی طرف رغبت اور اس سے خوف دلانے کے بیان میں

فرزند عزیز! قاضی حسام الدین

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے نفس کے عیوب دیکھنے کی بصارت عطا فرمائے اور موت سے پہلے نفس کے تزکیہ کر لینے میں مدد فرمائے۔

فرزند عزیز! فرعون نے رب العزت کی مخالفت اور برابری کا کھلے بندا اعلان اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) نفس ہی کے مطالبہ پر کیا تھا۔ فرق اتنا ہے کہ وہ بالاعلان کہتا تھا اور یہاں لوگ دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یعنی اس کا فرعون ظاہر تھا اور دوسروں کا فرعون پوشیدہ ہے۔ ؎

ازیں کافر کہ مارا در نہاد است ٭ مسلماں در جہاں کمتر فتاد است

(نفس کافر جو میرے وجود میں موجود ہے۔ اسی کافر کی وجہ سے مسلمان دنیا میں بہت کم رہ گئے ہیں۔)

انشاء اللہ بہ تدریج تم کو کید نفس کی آگاہی ہو جائے گی اور اس کی حقیقت تم پر منکشف ہو جائے گی اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے کہ نفس کافر کو تم اپنی راہ سے ہٹا سکو اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) کی بارگاہ تک تمہیں باریابی نصیب ہو۔ اور اگر خدا نخواستہ نفس کی موجودی میں موت آگئی تو معاذ اللہ كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ (جس طرح زندگی گذاری ہے اسی طرح مرو گے) اور وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا (النساء ۳۸) (اور جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا مصاحب ہوا (کا المناک حشر ہوگا)

مثنوی

زاں کہ ہر چیزے کہ سودائے تو الیست ٭ چوں بمردی نقد فردائے تو الیست

راحت و محنت ازیں جامی برند ٭ دوزخ و جنت ازیں جامی برند

(اس دنیا میں جو کچھ تو نے کمایا ہے۔ جب تو مرے گا تو کل قیامت کے دن اسی کا ثمر تجھ کو ملے گا۔ راحت و رنج اسی دنیا سے حاصل ہوتی ہے اور دوزخ و جنت بھی یہیں سے حاصل ہوتی ہے)

اور کل جب قبر سے اٹھائے جائیں گے تو کَمَا تَمُوْتُوْنَ تُبْعَثُوْنَ (جس حال میں مروگے ویسے ہی اٹھائے جاؤ گے) (کا ہیبت ناک نتیجہ سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) اسی بات کو ایک بزرگ نے کہا ہے مِنْ كُلِّ اَلْفٍ وَاحِدٌ لِلرَّحْمٰنِ وَتِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعُوْنَ وَتِسْعَةٌ لِلشَّيْطَانِ (ایک ہزار قبروں میں سے اٹھنے والوں میں صرف ایک رحمان کا ہوگا اور بقیہ نو سو ننانوے کا حشر شیطان کے ساتھ ہوگا) یہی راز ہے جسے کسی نے کہا ہے۔

(۱) ہر کرا در پیش ایں مشکل بود ✤ چوں تواند کرد از صد دل بود

(۲) کاش کہ ہرگز نہ بودے نام من ✤ تا نہ بودے جنبشِ آرام من

(۳) کاش کہ ہرگز نزادے مادرم ✤ تا نہ گردے کشتہ نفسِ کافرم

(۱) جس کے سامنے اتنی بڑی مشکل ہو۔ اگر اس کے پاس سو دل ہو تو بھی اس کو کیسے انجام دے سکتا ہے
(۲) اے کاش! میرا نام ہی وجود میں نہ آتا۔ تاکہ یہ سعی و عمل کا معاملہ ہی پیش نہ آتا۔ اور نفس کافر کا میں شکار نہ بنتا۔
(۳) اے کاش! مجھے میری ماں نے پیدا نہ کیا ہوتا۔ تاکہ میں نفس کافر کے ہاتھوں قتل نہ ہوتا)

عزیزم! یہ افسانہ دراز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

شب رفت و حدیثِ ما بہ پایاں نہ رسید ✤ شب راچہ گنہ حدیثِ ما بود دراز

(رات گذر گئی اور میری داستان ختم نہ ہو سکی۔ اس میں رات کا کیا قصور، ہمارا قصہ ہی بہت دراز تھا)

عزیزم! چوں کہ تم عزیز کو اس فقیر سے حسن ظن ہے اور تم اپنا ارادہ اس فقیر سے منسلک ہونے کا رکھتے ہو۔ چنانچہ کلاہِ درویشی بھی تم نے طلب کیا ہے۔ لہٰذا اس فقیر نے بھی تم عزیز کو قبول کیا اور اپنے بزرگوں کے دستور کے مطابق ٹوپی بھیجی جا رہی ہے۔ اب تم پر لازم ہے کہ اس کام میں جو شرائط ہیں ان کو بجالاؤ۔ کچھ فقیروں کو جو اہل تصوف میں سے ہوں جمع کرو۔ ان لوگوں کی موجودگی میں پہلے توبۂ نصوحہ کرو۔ پھر ایمان کی تجدید کرو۔ اس کے بعد مردانہ وار آگے بڑھ کر ایک مریدِ صادق کی صورت میں ٹوپی اپنے سر پر رکھو۔ اور یہ تصور کرو کہ اس کام کے حصول کے لیے سر کی بازی لگا دی۔ دنیا کو پسِ پشت ڈالا، آخرت کی طرف رخ کیا۔ پھر قلب و زبان سے یہ آیت پڑھو۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اے میرے رب! ہم نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا۔ اگر تو نے نہیں بخشا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوں گے) اس کے بعد دو رکعت نماز شکرانے کی ادا کرو۔ اور ہر روز صوفیوں کے اعمال و افعال و اخلاق اختیار کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔ اور ہمت یہ رکھو کہ ان لوگوں کے مقامات و احوال تک پہنچیں گے۔ اور ان لوگوں کی دولت و نعمت سے حصہ پائیں گے۔

تاکہ دنیا اور آخرت میں ان لوگوں کی پناہ میں رہو۔

اس فقیر کے مکتوبات کا نسخہ دولت آباد میں جس کسی کے پاس بھی ہو اس کی نقل اپنے لیے لکھواؤ اور اس کو پڑھتے رہو۔ بلکہ بار بار انتہائی غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو اس مذہب کے اصول و فروع اور گروہِ صوفیاء کی روش اور معاملات ان مکتوبات سے تم پر منکشف ہو جائیں گے اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے) مرید پیر کی زبان سے سنے یا پیر کے قلم کی زبان سے سنے بات ایک ہی ہے۔ لہٰذا اگر پیر کی زبان سے سننے سے معذور ہے تو قلم ہی سے سن کر اپنا کام آگے بڑھائے۔ اس راہ میں کام کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ جیسا کہ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

مثنوی

(۱) پیرِ رہ کبریتِ احمر آمدہ است ٭ سینۂ او بحرِ اخضر آمدہ است

(۲) راہ دور است و پر آفت اے پسر ٭ راہ رو را می بباید راہ بر

(۳) گر تو بے رہ بر فرود آئی بہ راہ ٭ گر ہمہ کوہی فرو رفتی بہ چاہ

(۴) کور ہرگز کے تواند رفت راست ٭ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

(۱) پیرِ راہ طریقت کی شمع ہے۔ اس کا سینہ ایک اتھاہ سمندر ہے۔

(۲) اے عزیز! راہ بہت دور اور نہایت خطرناک ہے۔ اس لیے راہی کو ایک راہ بر کی ضرورت ہے

(۳) بغیر راہ بر کے اگر تو راہ پر چل پڑے تو خواہ تو پہاڑ کی مانند کیوں نہ ہو کنویں میں ضرور گرے گا۔

(۴) نابینا سیدھی راہ کب چل سکے گا۔ عصا پکڑنے والے کے بغیر کسی اندھے کا گھر سے نکل پڑنا نادانی ہے۔

والسلام

سید محمد نعیم ندوی

۲۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۴ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء

بوقت ایک بجے شب بروز اتوار

مکتوب (۹۲)

درماندہ لوگوں کی مدد کرنے اور حاجتمندوں کی حاجت برلانے کے بیان میں

بر دنیا توانی کہ عقبیٰ خری ؛ بخر جانِ من ورنہ حسرت بری

(اگر دنیا میں آخرت خریدنا چاہتے ہو تو اے پیارے اسے خرید لو ورنہ کفِ افسوس ملنا ہوگا)

عزیزان و دوستانِ من ! بعد سلام و دعا مطالعہ باد

خواجہ حاجی زائرِ حرمین شریفین، حامل رقعہ ہذا صاحب عیال و اطفال ہیں۔ معاش کی کمی نے کچھ ان کو مضطرب و پریشان کر دیا ہے۔ اسی لیے انھوں نے تم لوگوں کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔ جس عزیز اور جس دوست تک وہ پہنچیں، وہ لوگ اپنی عادت کے مطابق جیسا کہ وہ لوگ حاجت مندوں کی رفاقت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں، ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں۔ اور ان کے دل کی پراگندگی کو امکان بھر دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح اپنی آخرت کے سنوارنے کا سامان مہیا کریں اللہ تعالیٰ ہمارے تمام عزیزوں اور دوستوں کے دلوں کو دین اور دنیا میں پُر سکون رکھے اپنے فضل و کرم سے۔

عزیزان و محبان من! معلوم کریں دنیا کے عیوب جس قدر ہیں وہ تحریر و تقریر سے باہر ہیں۔ مگر ان تمام عیبوں کے ساتھ اس کا ایک ہی ہنر ہے۔ وہ یہ کہ اس کے ذریعہ آخرت کی کھیتی کی جاتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دنیا اسی کی سنورتی ہے جو جود و سخا کی اچھی خصلتوں سے سنوارا گیا ہو۔ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (صالح آدمی کے لیے صالح مال کتنا اچھا ہے) کا یہی مطلب ہے۔ اسی کو خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کہا ہے۔

مثنوی

چوں چنیں کردی ترا دنیا نکوست ؛ پس برائے دین، تو دنیا دار دوست

تو بہ دنیا در مشو مشغول خویش ؛ بلکہ در روئے کارِ عقبیٰ گیر پیش

(تم نے جب ایسا کیا تو پھر دنیا تمہاری بہتر ہے۔ تم دین ہی کے لیے دنیا کو دوست رکھو۔

تم دنیا میں اپنے لیے مشغول نہ رہو۔ بلکہ اس میں آخرت کا ذخیرہ حاصل کرو۔)
خاص کر دولت مند، صاحب منصب، صاحب حکومت، صاحب قدر و منزلت لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب حاجتمندوں کی حاجت روائی سے زیادہ نزدیک تر کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ کتنے راستے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کائنات کے ہر ہر ذرے سے خالق کائنات تک راہیں کھلتی ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ نزدیک راہ، دلوں کو راحت پہنچانا ہے اور مجھے بھی اللہ کی جانب اسی راستے سے راہ ملی ہے۔ اور میں نے اپنے مریدوں کو بھی یہی وصیت کی ہے چنانچہ ایک اور بزرگ جو اس مجلس میں بیٹھے تھے کہا کہ اس شہر کا بادشاہ راتوں کو بیدار رہتا ہے اور نفل نمازیں پڑھتا ہے، نفل کے روزے بھی رکھتا ہے۔ پہلے بزرگ نے کہا کہ وہ بیچارہ اپنی راہ بھول گیا ہے اور دوسروں کے کام کو اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے شیخ! اس کا کام کیا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا کہ اس کا یہ کام ہے کہ وہ طرح طرح کے کھانے اور نعمتیں پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلائے۔ اور رنگ برنگ کے کپڑے سلوا کر ننگوں کو پہنائے، پریشان دلوں کے لیے سکون کے اسباب مہیا کرے، حاجتمندوں کی دستگیری کرے۔ راتوں کی نمازیں اور نفل کے روزے یہ تو فقیروں کے کام ہیں۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۲۴ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۵۔ دسمبر ۱۹۷۸ء

شب یکشنبہ۔ بوقت گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ سندھ (پاکستان)

مکتوب ۹۳

در دریافت کفر پنہانی و ظہور صفت انسانی

مثنوی

(۱) اے شدہ ہر دو جہاں از تو پدید ﴿ ناپدید از جان و جاں از تو پدید

(۲) اے زجسم و جاں نہاں دیدار تو ﴿ گم شدہ عقل و خرد در راہ تو

(۳) اے جہانِ جاں ہمہ حیرانِ تو ﴿ صد ہزاراں عقل سرگردان تو

(۱) اے وہ ذات جس کی وجہ سے دونوں عالم ظہور پذیر ہوا۔ تو روح سے واقف نہیں ہے حالانکہ روح تجھ سے ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) جسم و جاں کی حقیقت کا دیدار تجھے حاصل نہیں ہے۔ اس حقیقت کی دریافت میں تیری عقل گم کردہ راہ ہے۔

(۳) اے تمام عالم کی جان ایک عالم تیرے لیے حیران ہے۔ ہزاروں عقل تیری تلاش میں سرگرداں ہے)

برادر عزیز! سلام و دعا

تمہارا خط ملا۔ بغور پڑھا۔ بحمد اللہ تمہارے جانے کے بعد یہاں کا کام بہ حسن و خوبی انجام پا رہا ہے۔ اور کسی قسم کا کوئی خلل نہیں پڑا ہے اور نہ کوئی مصیبت آئی، حالانکہ اس کی امید تھی۔

برادر عزیز! اگر دوستوں، عزیزوں اور زن و فرزند کی فکرمندی غافل ہونے کا سبب بنتی ہو تو اسے ترک کرنا ضروری ہے۔ اور مَا يَشْغَلُكَ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتُكَ (جو تجھے اللہ کی جانب مشغولیت سے روکے وہی تیرا دشمن ہے) کی حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے کہدینا چاہیئے فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ (بیشک اللہ تعالےٰ کے علاوہ تمام چیزیں میری دشمن ہیں) خواجہ عطار رحمۃ اللہ نے کہا ہے ؎

ہر چہ جز حق چو زاں گرفتی خشم ﴿ جبرئیلت نہ باید اندر چشم

(اللہ کے علاوہ کو جب تو نے دشمن سمجھ لیا۔ تو پھر جناب جبرئیل کی بھی تمہاری آنکھوں میں کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے استغنا کا یہ واقعہ تو تم نے سُنا ہوگا کہ جبرئیل علیہ السلام کو جواب دیا کہ اِمَّا اِلَیْكَ فَلَا۔ (کیا تم سے مدد طلب کروں؟ یہ مجھے نہیں چاہیئے) مگر دین میں ایک بار موافق کی بھی ضرورت ہوتی ہے اگر مل جائے تو غنیمت ہے۔ اور اَلرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ (پہلے ایک ساتھی پھر راہ) یہ شریعت کا فتویٰ ہے۔ خواجہ عطارؒ نے فرمایا۔ ؎

بارِ ہمدردیس عجیب بود ٭ در بہ دست آیدت غریب بود

(اس راہ کے ہمدرد ساتھی بھی عجیب ہوتے ہیں۔ مگر ان کا ملنا مشکل ہی ہوتا ہے)

اس راہ کے واقف کاروں کا بھی یہ نیک مشورہ ہے کہ اس راہ کے راہی کو یاروں کے ساتھ چلنا چاہیئے۔

اے بھائی! قرآن حکیم میں آیا ہے فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۔ (پس جس شخص نے غیر اللہ سے منہ موڑا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط حلقہ اختیار کیا۔) اے بھائی! یقین کرو کہ جب تک یہ کفر یعنی کفر بالطاغوت نہ کرو گے جمال یار کا نور کس طرح دیکھ سکو گے۔ اور کفر سے مراد بری ہو جانا ہے اور طاغوت اسے کہتے ہیں جو حق سے موڑ کر اپنی طرف مائل کر دے۔ ایک درویش نے طاغوت کی تشریح اس طرح کی ہے۔ طَاغُوْتُ كُلِّ امْرِءٍ نَفْسُهٗ۔ (ہر آدمی کا نفس ہی اس کا طاغوت ہے) یعنی آدمی جب تک طاغوت سے کفر نہیں کرتا ایمان کا مقام اسے حاصل نہیں ہو سکتا۔ عاشق و معشوق اور عشق یہ تو عالم کثرت کی باتیں ہیں۔ توحید کہاں رہی؟ کثرت میں وحدت کی ضرورت ہے۔ یعنی توحید تو اسی وقت ہوگی جب یہ تین بھی ایک ہی ہو جائیں۔

در دوئی عقل راست پیچا پیچ ٭ چشمِ ایماں دوئی نہ بیند ہیچ

(ایک سے دو ہوتے ہی میں عقل الجھنے لگتی ہے۔ ایمان کی آنکھیں دو نہیں دیکھ سکتیں۔

گر عدد گرد واحد کارے بود ٭ ورنہ بیشک رنج بسیارے بود

(کثرت میں وحدت ہو، تب کام بنتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو بڑی اذیت ہوتی ہے۔)

چنانچہ دل مطمئن رکھو اور اپنے کام میں لگے رہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے "انتظار کرو۔ وقت آنے پر تمہیں ہم اپنی تمام دنیا کا نمونہ بنائیں گے الخ۔" امید ہے کہ جلد ہی غیر اللہ کے کفر سے نکل کر اس معیار پر پہنچو گے اور ایمان حقیقی تمہیں میسر آئے گا۔ جب غیر کا نام و نشان مٹ جائے گا پھر جو کچھ تمہارے اندر ظاہر ہوگا وہ اسی عالم وحدت سے ہوگا اور تمہاری کیفیت درمیانی ہوگی۔

چوں ز جسم و جاں بروں آئی تمام ٭ تو نہ مانی حق بماند والسلام

(جب تو جسم وجاں کے بکھیڑوں سے پوری طرح باہر آجائے گا۔ پھر تو کچھ نہیں رہے گا، حق ہی حق ہوگا۔ والسلام)
اور اس بات کا اشارہ اسی جانب ہے کہ بندے کی سماعت، اس کی بصارت اور اس کی جان سب کچھ اللہ کی ہوتی ہے پھر مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (اے رسول! آپ کی وہ تیر اندازی، اللہ کی تیر اندازی تھی) بھی اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

با توچوں رخ بر آئینۂ مصقول ٭ نہ ازرہِ اتحاد و روئے حلول

(آئینۂ دل اگر صاف ہو تو وہ تجھ میں نظر آئے گا۔ اتحاد و حلول کا اس میں کوئی سوال ہی نہیں)

اے بھائی! احوال و معانی جو قلب میں نازل ہو، اسے ضبط کرو اور سرشار رہو۔ عشق و سرمستی میں هَلْ مِنْ مَّزِیْد (اور زیادہ کر) کا نعرہ لگاؤ۔ اور یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ زِدْنِیْ تَحَیُّراً (اے متحیر ہونے والوں کا سہارا میری حیرت اور زیادہ کر) امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نعرہ بھی اسی حال کا پتا دیتا ہے۔ جو مزید اضافہ کی طلب میں ہے۔ ؎

گر تو صد دریا در آشامی بزور ٭ ہمچو کوہے باش وچوں دریا مشور

(اگر تو پوری قوت سے سَو دریا بھی نوش کرے تو اپنے حال میں پہاڑ کی طرح قائم رہ۔ دریا کی طرح شور مت مچا)

اے بھائی! یہ حال جو لکھا ہے کہ خود کو فنا پاتا ہوں۔ تو یہ کیفیت گردش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دو رکعت نماز شکرانہ کی ادا کرو۔ اس کے بعد روش کی دولت سامنے آئے گی پھر کشش کی سعادت نصیب ہوگی۔ جو کشش الٰہی کی مخصوص کیفیتوں سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حالتِ سیر، طیر سے بدل جاتی ہے۔ اس وقت کے مناسب حال کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

درجہانِ معرفت بالغ شدی ٭ از خود واز ایں وآں فارغ شدی

(معرفت کی دنیا میں اب تم بالغ ہو گئے۔ اور اپنے سے اور قرب و بعد کے امتیاز سے فارغ ہو گئے)

برادر عزیز! تم نے اقرار و تصدیق کے بارے میں بھی کچھ لکھا ہے۔ سمجھ لو کہ یہ صفت تمہاری اپنی ہے جب صفت باقی ہے تو موصوف بھی باقی ہے۔ یعنی تم بھی اور صفت بھی۔ یہ تو کثرت ہے پھر وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کا مطلب کیا ہوا؟

ع غوغا بود دو بادشہ اندر ولایتے

(یہ کیسا معاملہ ہے کہ بادشاہ مملکت میں موجود ہے اور پورے ملک میں ہنگامہ بپا ہے)
یا تو اَنَا (میں) کا وجود رہے گا، یا اَنْتَ (تو) کا وجود۔ دونوں یک جا کس طرح ہو سکتے ہیں۔

؎ اے صدف جوئے جوہر را ٭ جامِ جاں را ئینہ بر ساحلِ

(اے جوہرِ اِلَّا کے صدف کے متلاشی۔ پہلے جان کے پیالہ کو لَا کے ساحل پر لا کر رکھ تب جوہر اِلَّا حاصل ہو گا)

تا بہ جاروب لا نہ روبی راہ ٭ کے رسی در سرائے اِلَّا اللّٰہُ

(لا کے جھاڑو سے جب تک تو راستہ صاف نہیں کرے گا تو اِلَّا اللّٰہُ کے مقام تک کیونکر پہنچ سکے گا)

خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہیچ ہستم من نہ دانم یا نیم ٭ چوں ہمہ ہم اوست آخر من کیم

(میں کچھ ہوں یا نہیں۔ میں نہیں جانتا۔ جب سب کچھ وہی ہے تو پھر میں کون ہوں؟ کچھ نہیں معلوم)

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو سب کے لیے مشکل بنا رہا ہے۔ گویا یہ ایک معما ہے ایسی صورت میں کیا بیان کیا جائے۔ ؎

سر لیست دراں زلفِ تو سربستہ نگارا ٭ لیکن چہ تواں کرد کہ با ما نہ کشائی

(اے محبوب! تیری زلف گرہ گیر میں سربستہ راز چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ تو ان رازوں کو ہم پر افشا نہیں کرتا۔ کیا کیا جائے؟)

چنانچہ اس مقام کے متعلق بعض اہل معرفت کا قول ہے مَنْ صَرَّحَ بِالتَّوْحِیْدِ فَقَتْلُهٗ أَوْلٰی مِنْ اِحْیَآءِ غَیْرِهٖ۔ (جو شخص توحید کو تصریح کے ساتھ بیان کرے تو اس کو زندہ رکھنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ قتل کر دیا جائے) اس لیے کہ اِفْشَآءُ سِرِّ الرُّبُوْبِیَّةِ کُفْرٌ اِنَّهٗ لَوْ ظَهَرَتِ الرُّبُوْبِیَّةُ لَبَطَلَتِ النُّبُوَّةُ یَعْنِیْ اَحْکَامُ النُّبُوَّتِ وَقَوَامُ الْاِیْمَانِ وَاِسْتِقَامَتِ الشَّرْعِ بِکِتْمَانِ السِّرِّ فِیْهِ وَقَعَ التَّدْبِیْرُ وَعَلَیْهِ اِنْتَظَمَ الدِّیْنُ۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ۔ (ربوبیت کے راز کو ظاہر کرنا کفر ہے۔ اس لیے کہ اگر ربوبیت کے راز ظاہر ہو جائیں تو حقیقت نبوت باطل ہو جائے گی یعنی احکامِ نبوت، ایمان کی قوت اور شریعت کا قیام اس راز کے پوشیدہ رہنے میں ہے۔ اصلاحِ معاشرہ کی تدبیر اور نظام دین اسی طرح باقی رہ سکتا ہے۔ اور اللہ اپنے ہر امر پر غالب ہے) اور یہ جو کہا گیا ہے کہ علم کی تین قسمیں ہیں تو وہ یہ ہیں۔ ایک علم ظاہر، جسے اہل ظاہر ہی کے سامنے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا علم باطن، جسے اہل باطن ہی کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور تیسرا علم وہ ہے جو علم حاصل کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز ہے۔ جسے صرف اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رہنا چاہیئے۔ یہی حقیقت ایمان ہے۔ اس کو اہل ظاہر اور اہل باطن کے سامنے ظاہر نہیں ہونا چاہیئے۔

اے بھائی! تحریر و تقریر کے ذریعے تو اتنا ہی بیان کیا جا سکتا ہے جتنا کہ علم و عقل کی رسائی ہو۔ لیکن

یہاں علم وعقل تہی دامن ہوں وہاں کچھ کہنا بے سود ہوگا۔ ؎

زیں چنیں کارے کہ درپیش آمدست ٭ علم مفلس، عقل درویش آمدست

(مردانِ راہ کے سامنے جو مشکل مراحل آتے ہیں ان کے سمجھنے سے علم عاجز اور عقل قاصر ہے)

تاہم جو کچھ لکھا گیا ہے۔ ان کی نشان دہی درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے بغور سے سنو۔ ممکن ہے تمہارا بھی اس راستہ سے ایک دن گذر ہو۔

مثنوی

(۱) عشق برتر ز عقل واز جان است ٭ لی مع اللہ وقتِ مردان است

(۲) کفر ودیں عقل ناتمام بود ٭ عشق با کفر و دیں کدام بود

(۳) عشق را امروز فردا کے بود ٭ کفر ودین وایں جا وآنجا کے بود

(۱) عشق، عقل وجان سے برتر ہے۔ لی مع اللہ کا موقف مردان راہ کا ہے۔

(۲) کفر ودیں کا فہم عقلِ ناقص کے لیے ہے۔ عشق کفر ودیں کے ساتھ کیونکر چل سکتا ہے۔

(۳) عشق میں آج اور کل کا وجود ہی نہیں ہے۔ کفر ودیں اور دنیا وآخرت کی حد بندیاں باقی نہیں رہتیں)

اے بھائی! اس موقع پر شریعت کی پابندی کے سلسلہ میں کچھ وسوسہ دل میں پیدا ہوسکتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ حدود شرع عقل کے ساتھ وابستہ ہے۔ یعنی طور عشق کچھ اور ہے اور طور عقل اور ؎

عاقلاں را شرع تکلیف آمدست ٭ بیدلاں را عشق تشریف آمدست

(صاحبِ عقل کو شریعت کے ساتھ مکلف کیا گیا ہے۔ اور دیوانوں کو عشق کی دولت سے نوازا گیا ہے)

اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ۔ (عشق دیوانگی ہے) اِلٰہی ـــــ جو معاملہ عاقلوں کے ساتھ ہے دیوانوں کے ساتھ نہیں۔ ؎

ہرچہ از دیوانہ آید در وجود ٭ عفو فرمانید از دیوانہ زود

(دیوانوں سے جو کچھ بھی سرزد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی معاف فرمادیتا ہے)

مثنوی

تو توئی مہر وکیں از آں آمد ٭ تو توئی کفر ودیں از آں آمد

(دوستی اور دشمنی کا معاملہ اس وقت تک ہے جب تک تم تم ہو۔ اسی طرح کفر ودیں کا معاملہ بھی اس وقت تک ہے جب تک تم تم ہو۔)

ایں ہمہ رنگ ہائے پر نیرنگ ٭ خم وحدت کند ہمہ یک رنگ

(یہ تمام رنگینیاں اپنی نیرنگیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر شراب وحدت کی مستی کے بعد سب ایک رنگ ہو جاتے ہیں)

اے بھائی! جو کچھ لکھا گیا وہ صوفیائے کرام کے کلمات و ابیات کا خلاصہ ہے۔ ان کا مطالعہ کرو اور اپنے کام میں لگے رہو۔ اور آگے بڑھتے جاؤ۔ علم و عقل کی باتوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب کوئی اس مقام پر پہنچتا ہے تو خود ہی دیکھ لیتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ معاملہ کیا ہے؟

عشق با سر بریدہ گوید راز ؂ زانکہ داند کہ سر بود غماز

(عشق ان جان بازوں سے راز کی باتیں کہتا ہے جو سر بریدہ ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ سر رہنے پر آنکھیں غمازی کرتی ہیں)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی۔ لطیف آباد حیدر آباد

۱۳ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۷۹ء

یوم شنبہ بوقت گیارہ بجے شب

مکتوب (۹۴)

خاکساری اور احباب کیساتھ تواضع سے پیش آنے میں

بجانب شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ [1] شرف منیری جو اپنے تقصیرات سے شرمندہ اور اپنی خطاؤں پر خجل ہے اور ہنوز زندہ ہے، کی جانب سے سلام و تحیت۔

چنانی دردلم حاضر کہ جاں در جسم و خوں دررگ ❊ فراموشم نہ وقتے کہ دیگر وقت یاد آئی

(تو میرے دل میں اس طرح حاضر ہے جس طرح روح جسم میں اور خون رگ میں۔ میں تجھے کسی وقت بھی فراموش نہیں کرتا اس لیے کسی وقت یاد کرنے کا سوال نہیں)

محب من! ملک حسام الدین کئی بار آئے اور آپ کا سلام پہنچایا۔ میں نے اسے دولت ابدی اور سعادتِ سرمدی تصور کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔ ملک حسام الدین جب واپس گئے تو ان کی معرفت میں نے آپ کو ایک خط بھیجا تھا، ملا ہوگا۔ چونکہ آپ بستالا میں مقیم ہیں اور وہ مقام ایک گوشہ میں واقع ہے۔ اس لیے عام طور پر وہاں تک لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ تک کسی کا پہنچنا آسان نہیں۔ ورنہ اکثر خطوط اور یادگار بھیجتا رہتا۔ تاکہ میری زندگی کے جو چند دن باقی ہیں اس کے لیے اپنے قلب کی توجہ اس کم نصیب کی جانب رکھیں۔ اور اس فقیر کے کام کی ترقی کے لیے ہمت قلبی سے کام لیں۔ تاکہ حق تعالیٰ مجھے اس گرفتاری سے باہر نکالے۔ کیا کروں؟ پاؤں پھنسے ہوئے ہیں، شریعت اجازت نہیں دیتی۔ ورنہ آج اور ابھی یہاں سے روانہ ہو کر اس مسجد کے دروازے تک پہنچتا جہاں آپ مقیم ہیں۔ وہیں مجاوری کرتا اور اپنا ماتم کرتا۔ ؎

گردست رسد ہزار جانم ❊ درپائے مبارکت فشانم

(اگر مجھے موقع ملے تو ایک جان کیا ہزار جان بھی ہو تو آپ کے مبارک قدموں پر نثار کردوں)

اِس بدنصیب نے بارہا چاہا کہ ہندوستان سے باہر نکلے، مسلمانوں کی صحبت اور درویشوں کی خدمت

---

[1] جامع مکتوبات نے جب مکتوبات کی تدوین کی ہوگی اس وقت حضرت شیخ مغربیؒ کا وصال ہوچکا ہوگا۔ اس لیے رحمۃ اللہ علیہ کا اضافہ کردیا ہوگا۔ ورنہ "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنے کے کیا معنی؟

سے فائدہ اٹھائے، شاید اس طرح مسلمان ہو جائے۔ لیکن موقع نہ ملا۔ خدا ہی جانتا ہے اس وقت میرا جو حال ہو رہا ہے۔ آئندہ کیا ہوگا؟

اے دوست! آج تک زنار گردن سے نہ اتار سکا ہوں اور نہ جمال توحید دیکھ سکا ہوں۔ اہلِ کفر و شرک کے درمیان بت پرستی میں عمر گزر رہی ہے۔ جب اپنے اعمال کا جائزہ لیتا ہوں تو زنار، کفر، شرک اور نفس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ افسوس! صد افسوس!! ؎

اندریں فتنہ کہ فریاد رسد جانِ مرا ❊ ترک قتال و فرس تند شکاری مانده

(ان فتنوں میں میری مدد کو کون پہنچے گا؟ ترکی تو قتل میں مشغول ہیں اور اہل فارس شکاری میں لگے ہوئے ہیں)

مَنْ فَاتَ الْمَوْلٰی فَاتَ الْکُلُّ (جس نے مولیٰ کو چھوڑا اس سے سب چیزیں چھوٹیں) میرے لیے دونوں عالم کی مصیبتیں ہیں۔ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (جو یہاں اندھا رہا آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا) ابھی تک ان حالات سے دامن نہیں چھوٹا ہے۔ افسوس کیا کروں؟

کجا روم چہ کنم و کرا شفیع آرم ❊ دلے کہ رفت زدستم چگونہ باز آرم

(کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟ اور کس کو شفیع بناؤں؟ وہ دل جو ہاتھ سے جا چکا اسے واپس کیسے لاؤں؟)

محبی! میرا معاملہ بھی عجیب ہے۔ کوئی شیخ کہتا ہے تو کوئی مرید ہوتا ہے۔ ایک ملک المشائخ لکھتا ہے تو دوسرا قطب الاولیاء کہتا ہے۔ اور اپنا حال یہ ہے کہ ابھی تک مسلمانی کا چہرہ بھی نہیں دیکھا ہے اور نفس کے زنار گبرگی کو اپنی گردن سے اتار کر نہیں پھینکا ہے۔ آہ! افسوس!! میری کتنی فضیحت ہے۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر جس نے کہا ؎

صوفی و سیاہ پوش و شیخ چلہ دار ❊ ایں جملہ شدی و لے مسلماں نہ شدی

(سیاہ لباس پہن کر صوفی اور چلہ کشی کر کے شیخ بن گئے۔ افسوس! یہ سب تو ہو گئے مگر مسلمان نہ ہو سکے)

خلاصہ یہ کہ اس مدبر خاکسار کی حالت تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ یہ شعر میری حالت کا ترجمان ہے۔ ؎

نہ می دانم کرا مانم بدیں سیرت گرفتارم ❊ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم[1]

(مجھے خبر نہیں کہ میں کیا ہوں؟ اپنی حالت یہ ہے کہ نہ ہندو ہوں نہ مسلم۔ نہ مرتد ہوں اور نہ بدکار)

اب اس کے علاوہ کیا چارہ ہے کہ دوستوں کی طرف بھاگوں، احباب کے قدموں پر گردن اور فریاد کروں کہ اپنی دولت و نعمت کی زکوٰۃ میں سے کچھ اس مفلس و گدا کے لیے بھی نکالیں۔ اور اپنے خاص وقت میں جو لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ سے عبارت ہے، حضرت رب العزت کی بارگاہ سے اس کم نصیب کے لیے بھی کچھ طلب کریں

---

[1] چہ بدکارم (میں کیا بدکار ہوں) قلمی نسخہ

بلکہ رے کر اٹھیں۔ ع رفتم از دست ار نہ گیری دست
(میری دستگیری نہ کرو گے تو میں ہاتھ سے گیا)

دریاب دگر تو در نہ یابی ÷ ناچیز شوم دریں خرابی
(خدارا میری خبر لو! اگر سہارا نہ دو گے تو پھر دوبارہ نہ مل سکوں گا۔ اور اس خرابے میں برباد ہو جاؤں گا)

مجی! جب سے دنیا قائم ہے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ گرے ہوئے دوستوں کا ہاتھ دوستوں ہی نے پکڑا ہے اور سہارا دیا ہے۔

ع بارِ کار افتادہ را یاری ہم از یاراں رسد
(ناکارہ دوستوں کو ہمیشہ دوستوں ہی سے مدد ملتی ہے)

افسوس! جو غلطیاں اس حقیر سے سرزد ہوئی ہیں، وہ ظاہر و ثابت ہیں۔ مگر کبھی معافی دینے والے کی نظر تقصیرات پر نہیں ہوتی۔ وہ تو اپنے کرم اور نوازش کو دیکھتا ہے۔ جس پر ادبار ہے اس سے جفا سرزد ہوتی ہے۔ قبول کرنے والا وفا کرتا ہے۔ بے مایہ قصور کرتا ہے اور دولت والا وقار کا اظہار کرتا ہے ؎

در رحمتِ خود بیں، ومبیں در گنہِ ما ÷ ما پر ز گنہ از سر تا ناخنِ پایم
(اپنی رحمت کو دیکھو۔ میرے گناہ کو مت دیکھو۔ میں تو سر سے پاؤں کے ناخن تک گناہوں سے بھرا ہوا ہوں)

والسلام
مترجم
سید محمد نعیم ندوی۔ کوارٹر نمبر بی۔۵
یونٹ ۲۔ لطیف آباد، حیدر آباد۔ پاکستان
۱۵۔ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۵۔ جنوری ۱۹۷۹ء
یوم دوشنبہ۔ بوقت گیارہ بجے دن

مکتوب ——— (۹۵)

عدل کرنے اور مظلوم کی امداد کرنے کے بیان میں

(یہ خط اس خط کا ایک حصہ ہے جو خواجہ عابد ظفر آبادی کی گذارش پر جب کہ ان کا کچھ مال ظلم سے تلف ہو گیا تھا، فیروز شاہ تغلق کو لکھا گیا تھا)

روایت میں نقل ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ موذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک دن جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ باہر جاکر دیکھو کہ کون ہے؟ میں نے حکم کی تعمیل کی اور باہر چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک نصرانی کھڑا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی جگہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ گھر کے اندر داخل ہوا حاضر خدمت ہو کر کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھ کو خدا نے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ اور آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ اگر واقعی آپ رسول برحق ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ قوی کو ضعیف پر ظلم کرنے کے لیے نہ چھوڑیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ نصرانی نے جواب دیا۔ ابوجہل نے۔ اس نے میرا تمام مال لے لیا ہے۔

وہ وقت دوپہر کا تھا، آرام کرنے کا۔ گرمی بھی شدت کی تھی۔ اس کے باوجود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئے تاکہ اس مظلوم کی مدد فرمائیں۔ ہم لوگوں نے آپ کو روکنا چاہا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ توقف کیا جائے۔ یہ وقت قیلولے کا ہے۔ ابوجہل سویا ہوا ہو گا۔ اس وقت جانے سے ممکن ہے وہ غضب ناک ہو جائے۔ مگر آپ نے توجہ نہ کی اور ابوجہل کے دروازے پر جاکر دستک دی۔ وہ سویا ہوا تھا۔ غصہ میں لات و عزیٰ کی قسم کھاتے ہوئے اٹھا کہ دستک دینے والے کا قصہ ہی پاک کر دوں گا۔ غصہ میں دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔ دیکھتے ہی سرد پڑ گیا۔ اور اندر بلا لیا۔ پھر عرض کیا کہ اگر کوئی اشد ضرورت

تھی تو مجھے بلالیا ہوتا۔ میں خود حاضر ہو جاتا۔ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کے عالم میں فرمایا تم نے اس نصرانی کا مال کیوں لے لیا ہے ؟ واپس کر دو۔ ابوجہل نے کہا کہ بس اتنے سے کام کے لیے آئے تھے۔ اس کے لیے تو کسی سے کہلا بھیجتے میں مال لے کر حاضر ہو جاتا۔ آپؐ نے فرمایا باتیں نہ بناؤ۔ مال واپس کرو۔ چنانچہ ابوجہل نے سارا مال لا کر واپس کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصرانی سے دریافت فرمایا کہ کیا تجھ کو تیرا سب مال مل گیا۔ اس نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ لیکن ایک تنگی باقی رہ گئی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کو حکم دیا کہ ابھی واپس کرو۔ ابوجہل نے عرض کیا آپ واپس جائیں میں اسے دے دوں گا۔ سرکار دوجہاںؐ نے فرمایا۔ میں اس وقت تک ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جب تک تنگی واپس نہ دلوا لوں گا۔ ابوجہل اندر گیا اور ایک نئی تنگی لا کر دی۔ اور کہا کہ اس وقت اس کی تنگی تو نہیں ملی مگر اس کے عوض میں نے نئی تنگی دی ہے۔ جو اس سے بہتر ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصرانی سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے ؟ اس نے کہا سچ ہے یہ تنگی اس سے بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم ایسا نہ کہتے تو میں تمہیں وہی چیز واپس دلواتا یا پھر اس کی قیمت دلواتا۔ اور میں اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاتا جب تک تمہاری سب چیزیں تمہیں دلوا نہ لیتا۔

ایک اور روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مظلوم کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پل صراط سے گذرنے میں اس شخص کی مدد فرمائے گا۔ اور وہ جنت میں جائے گا۔ اور اگر کسی مظلوم نے مدد مانگی اور سن کر اس کی مدد نہ کی تو ایسے شخص کو قبر میں ستو کوڑے لگائے جائیں گے۔

ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے تہتر۷۳ گناہوں کی مغفرت لکھی جائے گی۔ ان میں سے ایک سے اس کا دنیاوی کام بنتا ہے اور بقیہ بہتر۷۲ سے آخرت میں نجات ملتی ہے۔

ایک اور روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ تھکاوٹ کی وجہ سے سو رہیں اور ان کا سامان چوری ہو جائے چلو آج رات پہرہ دیں تاکہ ان کا سامان محفوظ رہے۔ دونوں حضرات وہاں گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اخلاقِ حسنہ سے کتنے آراستہ تھے مسلمانوں پر رحم و شفقت کرنا، ان کے غم و اندوہ میں شریک ہونا ان کا شیوہ تھا۔ گویا رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ کی جیتی جاگتی مثال تھے۔

خدا کا شکر ہے کہ آج آپ کی مکرم و معظم ہستی عاجز اور مظلوموں کی پناہ گاہ بنی ہوئی ہے آپ کے یہاں سے دنیا والوں کو عدل و انصاف مل رہا ہے۔ اور آپ کو وہ سعادت حاصل ہے جس کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ جس کے متعلق یہ فرمایا کہ ایک گھنٹہ کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ عاقبت بخیر باد۔

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۱۷ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء

روز چہار شنبہ۔ بوقت دو بجے دن

مکتوب (۹۶)

در کمال تواضع

داؤد ملک، داماد سلطان محمود تغلق کے خط کے جواب میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو

شرف منیری جو علماء کے آستانے کا کتا ہے، ہزاروں خجلت و شرمندگی اور ہزاروں معذرت و سرافگندگی کے ساتھ سلام و تحیت پیش کرتا ہے۔

آپ کا خط جس میں اس خاکسار کا تذکرہ انتہائی تواضع کے ساتھ کیا گیا ہے، ملا۔ یہ سگ روسیاہ اپنی حقیقت سے واقف ہے۔ آپ کی مثال مشک کی ہے۔ یعنی مشک اپنی خوشبو اپنی حیثیت کو سامنے رکھ کر دیتا ہے۔ بحمد اللہ آپ فروتن ہیں۔ اپنے سوا سب سے حسن ظن رکھتے ہیں اور فروتنی سے پیش آتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مشک سے کسی نے کہا کہ تم میں تمام خوبیاں ہیں مگر ایک عیب بھی ہے۔ مشک نے دریافت کیا کہ وہ کون سا عیب ہے؟ کہنے والے نے کہا کہ تم اپنی خوشبو ہر کس و ناکس تک پہنچاتے ہو۔ مشک نے جواب دیا۔ ہاں یہ درست ہے۔ بات یہ ہے کہ خوشبو دیتے وقت میں سونگھنے والے کی طرف نہیں دیکھتا ہوں۔ بلکہ میری نظر اپنی طرف ہوتی ہے کہ میں کیا ہوں اور مجھے کیا کرتا ہے۔

جناب نے مجھے ملک المشائخ، قطب الاولیاء لکھا ہے اور خود کو ایک معتقد کی حیثیت سے پیش کیا ہے افسوس صد افسوس! اپنا حال تو یہ ہے کہ شقاوت و ادبار، لعنت و خاکساری، نگوں ساری دیت پرستی اور زناداری سے معاملہ آگے نہیں بڑھا ہے۔ آہ! آہ! لوگوں کو اس ناچیز کے متعلق، اس کے نفاق اور خذلان کے متعلق کچھ خبر نہیں۔ لہٰذا وہ لوگ نیک گمان رکھتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ ایک شخص کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب نماز ختم ہوئی تو کسی کو کہتے سنا کہ یہ شخص اس شہر کا نیکوکار اور بزرگ آدمی تھا۔ بزرگ نے یہ سن کر کہا کہ اگر مجھے پہلے سے اس کا علم ہوتا تو میں اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھاتا۔ لوگوں نے سوال کیا یا حضرت ایسا کیوں؟ جواب دیا یہ اس لیے کہ جب تک آدمی منافق نہیں ہوتا ہے، لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا ہے۔

جناب کے یہ القاب لکھنے کی اگر یہ وجہ ہے کہ اس حقیر کی شاید کچھ شہرت ہے تو میرے محترم اس

معاملہ میں شیطان ہم سے زیادہ مشہور ہے۔
صدر محترم! اسلام ایسا دین نہیں ہے کہ ہر گندے اور ناپاک کو اپنا جمال جہاں آرا دکھائے۔ لَا يَمَسُّهٗ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو پاک لوگوں کے علاوہ دوسرے نہیں چھو سکتے) اس کی صفت ہے۔ ایک دنیا اس کے دروازے پر اس کا نام لے کر کھڑی ہے۔ اور وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کی حالت مشرکوں کی سی ہے اسی تنبیہ کے ساتھ اپنے درِ توحید سے ہٹایا جا رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دین کا معاملہ اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ وہ لوگ جو حقیقت میں دین کی پناہ میں داخل ہو چکے ہیں، ہر چیز کو جیسی کہ وہ ہے، سمجھ چکے ہیں۔ اور ان کو کاموں کی حقیقت سے آگاہی ہو چکی ہے۔ وہ ہمیشہ پکارتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا عَدَمَ مَا لَا وُجُوْدَ لَهٗ۔ (اے میرے اللہ! میں اپنے وجود کی الجھنوں سے عاجز ہوں پروردگار! مجھے ایسا عدم عطا کر تا جس میں وجود نہ ہو) اے صدرِ محترم! بعضوں نے تو یہاں تک کیا ہے کہ گم نامی کے گوشے کی تلاش میں زنار باندھا، بتکدے میں بیٹھے، علم و عقل کے لباس کو اتار کر یہ کہتے رہے۔ ؎

او علم نہ می شنید لب بربستم ❊ او عقل نہ می خرید دیوانہ شدم

(اس نے میرے علم کی طرف توجہ نہ دی۔ میں نے ہونٹوں پر مہر لگا دی۔ اس کے یہاں میری عقل بے حقیقت ثابت ہوئی۔ میں نے دیوانگی اختیار کر لی)، اور یہ جو مشہور جملہ ہے:۔

با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار

اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر کوئی شخص رسم و عادت ہی کو اپنا اسلام سمجھتا ہے تو یہ الگ بات ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔

ع فردا کہ شود خمار کا مشب مستی

(کل مرنے کے بعد جب خمار ٹوٹے گا تب معلوم ہوگا۔ آج تو تو مست ہے)

اور موت کے بعد فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ (پس جب ہم نے آنکھوں سے ان کے پردے ہٹا دیئے) سے معلوم ہوگا کہ سروں پر یہ عمامہ تھا یا زنار، صومعہ میں زندگی گذارتے رہے یا بت خانے میں۔ اسی مضمون کو کسی نے کہا ہے ؎

سَوْفَ تَرٰى إِذَا انْجَلَى الْغُبَارُ
أَتَحْتَكَ فَرَسٌ أَمْ حِمَارُ

(بہت جلد روشن ہو جائے گا، جب حیات دنیوی کا غبار دور ہوگا کہ تم جس پر سوار ہو

وہ تیز رفتار گھوڑا ہے یا گدھا)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۱۸ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۷۹ء

روز پنجشنبہ۔ بوقت گیارہ بجے دن

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

مکتوب ——— (۹۷)

مطلوب کی تلاش اس کے اہل ہیں

؎ در کعبہ نہ می دہند گر بار ؛ در بت کدہ یارِ ہر صنم باش

(اگر کعبہ میں داخلے کی اجازت نہیں ملتی۔ تو بت کدے میں رہ کر ہر بت کے ساتھ دوستی پیدا کر)

اے بھائی! عابد وزاہد اور لوگ ہیں اور درویش کچھ اور۔ اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ لِلّٰہِ۔ (فقر جب تکمیل کو پہنچتا ہے، اللہ کی جلوہ گری وہیں ہوتی ہے) عابدوں اور زاہدوں کے پیچھے تم کیوں مارے مارے پھرتے ہو۔ روپیہ صراف کی دکان میں بھنایا جاتا ہے نہ کہ بنئے اور سبزی فروش کی دکان میں۔ ؎

آنچہ می جوئی توزیں جامی مجو ؛ گوہرِ دریا ز صحرامی مجو

(تم کو جس چیز کی تلاش ہے اسے یہاں نہ تلاش کرو۔ دریا کے موتی کو صحرا میں مت ڈھونڈو)

گردِ ہر شہر ہرزہ چوں گردی ؛ دل دراں رہ طلب کہ گم کردی

(شہر شہر بے کار کیوں گھومتے رہتے ہو۔ دل کو وہاں تلاش کرو جہاں تم نے گم کیا ہے)

اے بھائی! تم جس جانب گئے تھے۔ وہاں جو چیزیں ملتی ہیں یقیناً لائے ہوگے۔ دوسری چیز کا گمان کیسے کیا جائے۔ معلوم نہیں تم ان چیزوں کے لیے گئے تھے یا حق کی تلاش میں۔ اگر اپنی اُسی آرزو کی تکمیل کے لیے گئے تھے اور وہ پوری ہوگئی تو مبارک ہو، اپنا مقصود پالیا۔ خوش وخرم رہو، شیخی مبارک ہو، مریدی مبارک ہو، خانقاہ اور جماعت خانہ مبارک ہو، دعوت مبارک ہو اور ہر روز کی جمعیت مبارک ہو۔ لیکن اگر حق کی طلب میں گئے تھے تو سنو! طالب حق کے لیے یہ تمام سرمایہ بت وزنار سے زیادہ نہیں۔ یہ تو ضرور سنا ہوگا کہ اَلْاِشْتِغَالُ بِالْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ وَتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ اُمُوْرٌ حَسَنَۃٌ وَلٰکِنْ شَانُ الطَّالِبِ شَانٌ اٰخَرُ (شرعی علوم میں مشغول ہونا اور قرآن تلاوت کرنا بلاشبہ اچھے کام ہیں۔ لیکن طلبِ حق کا درجہ کچھ اور ہی ہے) ان جملوں میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ؎

اے دریغا روبہے شد شیرِ تو ؛ تشنہ می میری و دریا زیرِ تو

(افسوس تیرا شیر لومڑی ہوگیا۔ دریا تیرے قدموں کے نیچے ہے اور تو پیاسا مر رہا ہے)

تشنہ از دریا جدائی می کنی ؛ بر سرِ گنجے گدائی می کنی

(پیاس کے باوجود دریا سے جدائی اختیار کرلی ہے۔ خزانے پر بیٹھ کر بھی بھیک مانگتا ہے)

گر بہ گنجِ خویش رہ یابی تمام ؛ قدسیاں را فرعِ خود بینی مدام

(تجھے اگر اپنے خزانے کی راہ مل جائے۔ تو قدسیوں کو بھی تو ہمیشہ اپنی ہی شاخ سمجھے گا)

سبحان اللہ! حق کے طالب کو اگر یافت کی خوشی میسّر نہیں ہے تو کیا ہوا۔ نایافت کا غم تو ہے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے ایک دن کے عوض میں عابدوں اور زاہدوں کی ستر اسّی سال کی عبادت اور زہد کو خریدا جا سکتا ہے۔ خواجہ عطار کی روح پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔ کیا خوب کہا ہے۔ ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را ؛ ذرہٗ دردت دلِ عطار را

(کافر کو اس کا کفر اور دینداروں کو ان کا دین مبارک ہو۔ عطار کے دل کو تو تیرے درد کا ایک ذرہ چاہیئے)

اے بھائی! درویش اس زمانہ میں نایاب ہیں۔ یَسْمَعُ وَلَا یَرٰی (ان کے بارے میں حرف سنا جاتا ہے لیکن وہ نظر نہیں آتے) زاہدوں اور عابدوں سے یہ کام ہونے کا نہیں۔ صورت کی پرستش کرنے والے، رسوم و عادات کی بنیاد پر عمل کرنے والے جو ایک طرح سے بت پرست ہیں، تمہیں مقصد تک نہیں پہنچا سکتے۔ ؎

مثنوی

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے ؛ حل نہ شد بے عشق ہر گز مشکلے

(عشق کا درد ہی تمام دلوں کی دوا ہے۔ کوئی مشکل عشق کے بغیر حل نہیں ہو سکتی)

گر ترا در دست سر آید پدید ؛ قفلِ دردت را کلید آید پدید

(یہ راز اگر تیرے ہاتھ آجائے تو سمجھ لے کہ تیرے درد کے تالے کے لیے تجھے کنجی مل گئی)

اے بھائی! اگر عشق کی باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور تم کسی درویش کی طلب میں بھٹکتے رہو گے تو اس طرح تو یہ زندگی تلاش ہی میں گذر جائے گی۔ جو اصل پونجی ہے۔ اس کے بعد تو حسرت و ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

مثنوی

اے دریغا جان و تن در باختیم ؛ قیمتِ جاں ذرہٗ نشناختیم

(افسوس! میں نے جان و تن کو فضول ضائع کیا۔ جان کی قدر و قیمت ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں جانی)

تشنہ می میریم در طوفاں ہمہ ؛ واں کہ آب از چشمۂ حیواں ہمہ

(طوفان میں رہ کر پیاسا مر رہا ہوں۔ اور حال یہ ہے کہ آبِ حیات کے چشمے جاری ہیں)

اے بھائی! کیا کیا جائے۔ امکان بھر کام میں لگے رہنا چاہیئے۔ ابھی وقت ہے کہ یہ بے مائگی کا پردہ جسے نفس، ہستی یا خودی کہتے ہیں، سامنے سے اٹھے۔ اور جس چیز کے ذریعہ سے اٹھے حالات کے مطابق اسے اختیار کرنا تم پر فرض ہے۔ جو بھی واسطہ ہے، مسجد یا بت خانہ۔ عمامہ یا زنار۔ یہی حقیقت اس جملے میں کہی گئی ہے۔ اِنَّ فِی الْخَمْرِ مَعْنیً لَیْسَ فِی الْعِنَبِ۔ (بیشک شراب میں جو معنی ہے وہ انگور میں نہیں)

رباعی

در بت کدہ گر خیالِ معشوقہ ماست ٭ رفتن بہ طوافِ کعبہ از عقل خطاست
گر کعبہ از و بوے نہ دارد کنش است ٭ با بوے وصالِ او کنش کعبۂ ماست

(اگر بت کدہ ہی میں ہمارے معشوق کا خیال باقی رہتا ہے تو از روئے عقل کعبہ کے طواف کے لیے جانا بے سود ہے اگر کعبہ میں محبوب کی خوشبو نہیں ملتی تو وہ بتکدہ ہے۔ اور محبوب کے وصال کی خوشبو اگر بتکدہ میں ہے تو وہی کعبہ ہے) ایک عزیز نے کہا ہے:

در پردۂ ہستی ار بیابیؒ ٭ از دوست ہمیشہ در حجابی
ور تو ز خودی کنی تبرہ ٭ بے خود شوی و بدو شتابی

(تو اپنے وجود کے ساتھ اگر کچھ پاتا ہے۔ محبوب سے ہر حال حجاب میں ہے
اور اگر تو نے اپنی خودی سے جدائی اختیار کر لی تو پھر بے خود ہو کر محبوب سے جا ملے گا)

اور خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ؎

آں چہ تو گم کردہ کژ کردہ ٭ ہست اندر تو، تو خود را پردہ

(تو نے جو کچھ بھی کیا ہے، اپنی کج روی کی بنا پر کیا ہے۔ تیرا محبوب خود تیرے اندر ہے، تو اپنا آپ پردہ ہے!)
ساتھ ہی یہ مصرع بھی قابلِ غور ہے۔

ع دوست در خانۂ دما گرد جہاں می گردم
(دوست گھر میں موجود ہے۔ اور میں اسے دنیا بھر میں تلاش کرتا پھرتا ہوں)

اے بھائی! پانی اور مٹی پر تمہاری نظر کیوں ہے۔ اسے دیکھو جو دیکھنے کی چیز ہے۔ کیا پاک اور طاہر فرشتوں کی جماعت نے اسی مٹی کو سجدہ کیا ہے اور کیا خلیفہ حق یہی پانی اور مٹی کا مجموعہ بنایا گیا ہے؟

ا؎ قلمی نسخہ میں بیابانی ہے۔

نہیں ہرگز نہیں۔ اس کو خواجہ عطار کی زبانی سنو۔ فرماتے ہیں۔ ؎

تا نیامد جانِ آدم آشکار ❊ رہ نہ دانستند سوئے کردگار

(روحِ آدم جب تک ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی۔ معرفتِ الٰہی کی راہ کسی کو معلوم نہ تھی۔

رہ پدید آمد چوں آدم شد پدید ❊ زد کلیدِ ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہیں بھی کھلیں۔ یعنی ان کے ذریعہ دونوں جہاں کی کنجی ہاتھ آگئی)

اے بھائی! مجھ سے جو ہو سکا، میں نے لکھا۔ لیکن وَلِلنَّاسِ فِيْ مَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ (لوگ جس کو چاہتے ہیں اسی کی طرف چلتے ہیں) یہ ایک مشہور بات ہے۔ معلوم نہیں تم عزیز نے اپنا مقصود کس کو بنا رکھا ہے، یہ تم جانو۔ مگر اتنا سن لو۔ بزرگوں کا قول ہے "جو تمہارا مقصود ہے، وہی تمہارا معبود بھی ہے۔" ویسے تم ہزار بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو۔ کیا فائدہ۔ ؎

گر ہمہ عالم ثوابِ تو بود ❊ تا تو می باشی عذابِ تو بود

(اگرچہ تیرا ثواب ساری دنیا کے برابر کیوں نہ ہو۔ جب تک تجھ میں تیری خودی موجود ہے، یہی تیرے لیے سب سے بڑا عذاب ہے)

برادر عزیز! میرا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ ناچیز اس قسم کی بت پرستی میں لگا ہوا ہے اور اپنے نفس کا گرفتار ہے۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (دین و دنیا کے گھاٹے میں ہے) اللہ والوں کے سوا دنیا اور آخرت میں دوسرا کوئی سہارا نہیں۔ چنانچہ دل و جان سے یہ خاکساران ہی کا غلام اور زرخرید ہے۔ دوسروں کو دور ہی سے سلام وعلیکم السلام۔ ساتھ ہی یہ معذرت بھی۔ ؎

منم و بادیۂ حیرت و گمراہی چند ❊ تو عناں باز کش اے خواجہ کہ ہمراز نہ

(میں ہوں، اور وادیِ حیرت و گمراہی ہے۔ اے خواجہ تو اپنے فکر و زبان کو لگام دے۔ کیوں کہ تو میرا ہمراز نہیں)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۱۹ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۷۹ء

یوم جمعہ بوقت ۱۰ بجے دن

مکتوب ——— (۹۸)

محب کا ان بلاؤں کو برداشت کرنا جو محبوب کی طرف سے آئے

بجانب مولانا بایزید

اے آشنائے کوئے محبت صبور باش ؛ بیداد نیکو آں ہمہ بر آشنا رود

(محبت کی گلی سے آشنائی رکھنے والے صبر کر۔ آشناؤں پر اچھی اور بری سب گذر جاتی ہے۔)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اے بھائی! جس روز عاشقوں کے پیشوا (منصورؒ) کو سولی پر چڑھایا گیا، امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مناجات میں کہا ـــــ اے اللہ تو اپنے محبت کرنے والوں کو کیوں قتل کرتا ہے؟ جواب ملا۔ یہ اس لیے تاکہ وہ تاوان پائیں۔ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر عرض کیا۔ خداوندا تیری جانب سے تاوان میں کیا ملتا ہے؟ جواب ملا۔ میں اسے اپنا جمال دکھاتا ہوں اور ملاقات کرتا ہوں۔ یہی میرا تاوان ہے۔ مَنْ قَتَلْتُهٗ فَاَنَا دِيَتُهٗ۔ (میں جس کو قتل کرتا ہوں اس کی دیت میں خود ہوں) ؎

بر درگہ او ز کشتۂ عشق ؛ قصہ چہ کنم دو صد ہزار است

(محبوب کی بارگاہ میں عشق کے مقتولوں کا کیا حال بیان کروں۔ ایک دو نہیں، وہ تو ہزاروں ہیں)

اللہ تعالیٰ کا انداز عجیب وغریب ہے۔ جب کوئی محب آزردگی میں نالہ کرتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے عَلَيْهِ الْبَلَاۤءُ فَاِنِّیْ اُحِبُّ صَوْتَهٗ (فرشتو، ذرا اسے بلاؤں میں مبتلا رہنے دو۔ مجھے اس کی آواز پسند ہے)

مثنوی

حرز و تعویذ و سایۂ خانہ ؛ یا[1] بت کودک است و دیوانہ

(حفاظت کے سامان، تعویذ اور گھر کا سایہ۔ بچوں کا یا دیوانوں کا بت ہے۔)

ہر کہ جوید ولایت تجرید ؛ وانکہ خواہد ولایت توحید

(جو شخص اللہ تعالیٰ کی خلوتِ خاص کا طالب ہے۔ یا جو شخص توحید کی ولایت کا خواستگار ہے)

---

[1] مایۂ کودک است و دیوانہ۔ قلمی نسخہ

از درونش نیاید آسایش ❊ وز برونش نہ شاید آسایش

(اسے نہ تو قلبی سکون نصیب ہے اور نہ بیرونی آرام)

حضرتِ حق کے نازو انداز کا یہ اعلان ہے کہ ہم نے فرعون کو چار۴ سو سال تک حکومت اور اس کی تمام نعمتیں عطا کیں۔ لیکن اگر وہ ایک لمحہ کے لیے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سوزش اور بھوک طلب کرتا تو میں ہرگز اس کو نہ دیتا۔

فرعون را نہ دادیم اے دوست دردِ سر ❊ زیرا کہ او نہ داشت سرِ دردہائے ما

(اے دوست ہم نے فرعون کو دردِ سر نہیں دیا۔ اس لیے کہ وہ میرا درد برداشت کرنے کے قابل سر ہی نہیں رکھتا تھا) اِنَّ اللّٰهَ يُجَرِّبُ الْمُؤْمِنَ بِالْبَلَاءِ كَمَا يُجَرِّبُ اَحَدُكُمُ الذَّهَبَ بِالنَّارِ۔ (بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کو بلا کے ذریعہ آزماتا ہے۔ جس طرح تم میں سے کوئی سونے کو آگ سے پرکھتا ہے) یہ صبر کا مقام ہے۔ مردانگی کے ساتھ، محبوب کی جانب سے جو بھی آئے، اسے جھیلنا چاہیئے۔

قطعہ

جستن مخلص زغمِ عشق او[1] ❊ در رہ عشاق حلال است وبس
خیز وبکش اے بت مہ رومرا ❊ کشتنِ عاشق نہ وبال است وبس

(محبوب کے غم عشق میں اخلاص کی طلب۔ عاشقوں کے لیے ہی حلال ہے اور بس
اے ماہ رو آ مجھے قتل کر۔ اس لیے کہ عاشقوں کا قتل وبال نہیں ہے۔ اور بس)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۞ لوگوں نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے۔ اِصْبِرُوْا بِالْجَسَدِ عَلَى الطَّاعَةِ (جمائے رہو اپنے اعضا کو اس کی فرماں برداری میں) وَصَابِرُوْا قُلُوْبَكُمْ عَلَى الْبَلَاءِ (اور قائم رکھو اپنے دلوں کو مصیبتوں میں) وَرَابِطُوْا بِاَسْرَارِكُمْ عَلَى الشَّوْقِ اِلَى اللّٰهِ۔ (اور نسبت قائم رکھو اپنے قوت باطن کی اللہ کی طرف شوق کی زیادتی پیدا کرتے ہیں) اور ایسے ہی لوگ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (اور اللہ تمہارے ساتھ ہے) کے مخاطب ہیں۔ ؎

تو مرا دل دہ و دلیری بیں ❊ روبہ خویش خوان وشیری بیں

[1] ؎ جستن و مخلص زغمِ عشق او ❊ در رہِ او عینِ ضلال ست وبس (قلمی نسخہ)

(تو مجھے دل عطا کر۔ پھر میری دلیری دیکھ۔ مجھے اپنی لومڑی کہہ، پھر میری شیرانہ جوانمردی دیکھ)

اے بھائی! الحمدللہ یہ دولت تم کو حاصل ہو چکی ہے۔ ہاں! دیکھو! فقیروں اور مفلسوں کو بے نصیب نہ چھوڑو۔ دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ تنہا کھانا جواں مردوں کا کام نہیں ہے۔ شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَکَلَ وَحْدَہٗ۔ (لوگوں میں وہ اچھا نہیں ہے جو تنہا کھائے)

اے[1] راحتِ آں دے کہ در عمر
یک لحظہ نہ برد او بارِ شش

(اے اس دل کے آرام جاں جس نے تمام عمر میں ایک لمحہ کے لیے بھی محبوب کے در پر باریابی حاصل نہیں کی)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۲۰ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۷۹ء

بروز شنبہ بوقت ۱۲ بجے شب

---

[1] اے راحت آں دے کہ در غم ❊ یک لحظہ نہ بود او بارِ شش (قلمی نسخہ)

مکتوب ـــــــــ ۹۹

عذر خواہی کے بارے میں

برادر اعز نصیر الدین سلام تحیت

آپ کے دو خطوط ملے ۔ جو عتاب سے پر تھے ۔ ایک قصور کے عوض دو عتاب زیادہ ہے ۔ اس کے باوجود میں معذرت خواہ ہوں ۔ از راہ کرم معاف کر دیجیے کہ اَلْاِعْتِذَارُ وَاِنْ قَلَّ ثَمَنُ الذَّنْبِ وَاِنْ جَلَّ (عذر خواہی تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، بڑے سے بڑے گناہ کی قیمت بن جاتی ہے ۔)

اے بھائی! مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے نوازش کی اور دو بار ملاقات کو آئے ۔ محل اور بے محل دونوں وقتوں میں ۔ سنا ہے کہ اس مرتبہ بھی آپ آئے مگر ملاقات کا وقت نہ تھا ۔ سَعْیُ الْفَتٰی غَیْرُ نَافِعٍ مَا قَدَّرَ اللّٰہُ وَاقِعٌ (انسان کی کوشش فائدہ نہیں پہنچاتی ۔ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کیا ہے وہی ہوتا ہے)

ع عتاب وملامت را بیچارہ نشانہ مائیم

(ملامت و خفگی کا خاکسار نشانہ بنا)

شاید اسی موقع پر کہا گیا ہے ۔

مثنوی

کز پئے جانت حکم یزدانی ❊ شب بنشت آں کہ روز می خوانی

(اللہ تعالیٰ کا حکم تمہاری جان کے ساتھ لگا ہوا ہے ۔ دن میں جو کچھ پڑھتے ہو، وہ رات ہی میں لکھا جا چکا ہے)

آں کہ دلہاے آشنا دارند ❊ دل ز چون و چرا جدا دارند

(وہ لوگ جن کے دل اللہ تعالیٰ کے کرشموں سے آشنا ہیں ۔ کیوں اور کیا ؟ کے سوال سے وہ لوگ اپنے دلوں کو خالی رکھتے ہیں)

شاہ ابن شجاع نے کہا ۔ مَنْ نَظَرَ فِی الْخَلْقِ بِعَیْنِہٖ طَالَتْ خُصُوْمَتُہٗ مَعَھُمْ ۔ وَمَنْ نَظَرَ اِلَی الْخَلْقِ بِعَیْنِ الْحَقِّ عَذَرَھُمْ فِیْمَا ھُمْ عَلَیْہِ ۔ (جس شخص نے خلق کو اپنی آنکھ سے دیکھا تو وہ اُن سے جھگڑے کا طالب ہوا اور جس نے خلق کو عین الحق سے دیکھا تو وہ جس حالت میں ہیں اُن کو معذور سمجھا)

اے بھائی! اسی حکم کی طرف توجہ کیجیے۔ اور سب کو معذور سمجھیے۔ تاکہ یہ گفت وشنید کا سلسلہ ختم ہو۔

در دوئی عقل راست پیچا پیچ ❊ چشم ایماں دوئی نہ بیند ہیچ

(دوئی کے معاملے میں عقل بیچاری الجھ کر رہ گئی ہے۔ ایمان کی نظریں دوئی کو ہرگز گوارہ نہیں کرتیں)

اے برادر! آج لوگوں میں دنگا اور فساد اسی وجہ سے ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسے وہ مخلوق کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ فہم کی یہی کجی باہمی دشمنی کا سبب بنتی ہے۔ اگر نظر صحیح ہو، کبھی آپس میں دشمنی نہ ہو، عتاب نہ ہو، ملامت نہ ہو۔ موحدوں کی توحید تو یہی ہے کہ وہ سب کچھ اللہ ہی کو جانتے ہیں۔ کسی موقع پر بھی کسی کو اس کا شریک نہیں سمجھتے۔ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کا یہی مطلب ہے۔ ؎

قطرۂ کو غرقۂ دریا بود ❊ ہر دو کونش جز خدا سودا بود

(وہ قطرہ جو دریائے وحدت میں غرق ہو چکا ہے۔ خدا کے سوا، دونوں عالم کے بارے میں سوچنا دیوانگی سمجھتا ہے۔)

والسلام

مترجم

سید محمد نعیم ندوی

۲۱ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء

بروز یکشنبہ بوقت گیارہ بجے شب

مکتوب ——— (۱۰۰)

نبوت کے معنی پر ولایت کے معنی کی فضیلت کے بیان میں

برادر عزیز!

تمہاری تحریر نظر سے گذری۔ لوگوں نے شیخ سعدالدین حمویہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ" (ولایت نبوت سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے) پر جو تاویلیں کی ہیں وہ بھی نظر سے گذریں۔

اے بھائی! تاویل کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس وجہ سے کہ جو شخص چاہے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کر سکتا ہے۔ احتمالات کے بیان ہی کا نام تاویل ہے۔ وہ کوئی قطعی چیز نہیں ہوتی۔

برادر عزیز! تم نے جو یہ لکھا ہے کہ اس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ہونا چاہیئے تو اس کی شکل یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی دو حیثیت ہے۔ یعنی آپ کے فضائل کے دو درج ہیں۔ ایک وہ جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ اور دوسرا وہ جو ان کے اور مخلوق کے درمیان ہے۔ اس حیثیت سے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے پیغام لے کر خلق تک پہنچاتے ہیں۔ اس وقت ان کا رخ حق کی جانب ہوتا ہے اسی کو ولایت کہتے ہیں۔ ولایت کے معنی نزدیکی کے آتے ہیں۔

دوسری حیثیت وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور مخلوق کو آگاہ کرتے ہیں۔ یہ وہ رخ ہے جو مخلوق کی جانب ہے۔ کیونکہ نبی کے معنی آگاہ کرنے والے کے ہیں۔ یہ دونوں کی دونوں صفتیں یک جا طور پر انبیاء علیہم السلام میں ہوتی ہیں۔ ولی میں نہیں۔ ولی صرف ولی ہوتا ہے۔ نبی نہیں۔ لہٰذا ولایت نبوت سے فاضل تر ہے۔

خلاصہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام میں نبی کے علاوہ ولایت کی صفت ایک فاضل تر صفت ہے۔ اوپر کے جملہ کے جو معنی ہیں وہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ہیں۔ اور بس۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اے بھائی! مذکورالصدر بزرگ کا ارشاد "الولایۃ افضل من النبوۃ" کو بعضوں نے یوں

سمجھا کہ اس میں ولی اور نبی کی جداگانہ حیثیتوں کو بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صفتِ ولایت اور صفتِ نبوت باہمی اجتماع کی شکل میں ولایت کی حیثیت کو قوی تر ظاہر کیا گیا ہے۔ جو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہوتی ہے۔

والسلام
مترجم
سید محمد نعیم ندوی
۲۱ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ ہجری ۔ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء
روز یکشنبہ بوقت ۱۰ ½ بجے دن
لطیف آباد حیدرآباد
پاکستان

مکتوب ——— (۱۰۱)

علمِ مکاشفات کے متعلق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تم نے عالمِ مکاشفات کے متعلق کچھ دریافت کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مکاشفات معاملات کی قسم میں سے نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مکاشفات کو تحریر یا تقریر میں لانے کی اجازت نہیں ہے۔

مثنوی

دانی کہ چرا اہل صفا خاموشند ⁂ در نکتۂ دل بجو خودی کوشند

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ⁂ سر می بازند در سرِ حق می پوشند

(تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش رہتے ہیں وہ اپنے نکتۂ دل میں خود کو محو رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوست کے ہاتھ سے ہر لمحہ شراب پیتے ہیں۔ سر دیدیتے ہیں مگر حق کے راز کو فاش نہیں کرتے ہیں)

لیکن جس قدر لکھنے کی اجازت ہے اس کے متعلق محققین کا یہ خیال ہے کہ موجوداتِ محسوس کو عالمِ مُلک کہتے ہیں، موجوداتِ معقول کو عالمِ ملکوت، موجوداتِ بالقوی کو عالمِ جبروت کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو عالمِ لاہوت کہتے ہیں۔ اس کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ مُلکِ عالمِ شہادت ہے، ملکوت عالمِ غیب جبروت عالمِ غیبِ غیب ہے۔ اور لاہوت یعنی خدائے بزرگ و برتر کی ذات عالمِ غیبِ غیب ہے۔ اس کو اس طرح بھی سمجھایا ہے کہ عالمِ مُلک کی لطافت، عالمِ ملکوت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں رکھتی اس لیے کہ عالمِ ملکوت اس سے کہیں زیادہ لطیف ہے۔ اسی طرح عالمِ ملکوت کی لطافت کو عالمِ جبروت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ عالمِ جبروت بہت زیادہ لطیفِ لطیف ہے۔ اور عالمِ جبروت کی لطافت عالمِ لاہوت کی لطافت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت کی ذات پاک لطیفِ لطیفِ لطیف ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ عالمِ مُلک کا کوئی ذرہ بھی ایسا نہیں کہ عالمِ ملکوت اس کے ساتھ نہ ہو اور اس کو محیط نہ ہو۔ اسی طرح عالمِ مُلک اور عالمِ ملکوت کا کوئی ذرہ نہیں کہ جس کے ساتھ عالمِ جبروت

نہ ہو اور محیط نہ ہو ۔ اور ملک و ملکوت اور جبروت کے ذرات میں سے کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ خدائے عز و جل اس کے ساتھ نہ ہو اور محیط نہ ہو ۔ چنانچہ جب محیط ہوگا تو آگاہ بھی ہوگا۔ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (وہ لطیف بھی ہے اور آگاہ بھی)

اللہ رب العزت کی ذات لطیف مطلق ہے ۔ جب لطیف مطلق ہے تو محیط مطلق بھی ہوگا ۔ اور جس قدر لطافت زیادہ ہوگی اسی قدر احاطہ بھی زیادہ ہوگا ۔ چنانچہ فرمایا وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم رہو) وَنَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور ہم اس کی رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہیں) اس کو اچھی طرح سمجھو ۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے ۔ ؎

آنچہ تو گم کردۂ گشر کردۂ ❊ ہست اندر تو، تو خود پردۂ

(جو کچھ تو نے کھویا ہے برا کیا ہے ۔ وہ تو تیرے اندر موجود ہے تو خود پردہ ہے)

بیت

گنجے کہ فلک برائے آں سرگردانست ❊ آں گنج یقین ترا درونِ جانست

(وہ خزانہ جس کے لیے آسمان سرگرداں ہے وہ تیرے یقین کا خزانہ ہے جو تیری جان کے اندر ہے)

اسی وجہ سے بزرگان دین یہ کہتے ہیں کہ ملک تمہارے ساتھ ہے، ملکوت تمہارے ساتھ ہے، جبروت تمہارے ساتھ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے بزرگ و برتر تمہارے ساتھ ہے ۔ یہی وجہ ہے، جو یہ کہا جاتا ہے کہ انسانیت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سرِّ حقیقتِ الوہیت کا مظہر اور آئینہ ہے ۔ جیسا کہ کہا ہے ۔

مثنوی

نیست مردم نطفۂ از آب و خاک ❊ ہست مردم سروِ قد و جان پاک

(آدمی آب و خاک کے بنے ہوئے نطفہ سے نہیں ہے ۔ بلکہ آدمی سرو کا قد اور پاک جان رکھتا ہے)

صد جہانِ پُر فرشتہ در وجود ❊ نطفۂ را کے کنند آخر سجود

(فرشتوں سے بھری ہوئی دنیا نطفہ کو کس طرح سجدہ کر سکتی ہے ؟)

تا نیامد جانِ آدم آشکار ❊ رہ نہ دانستند سوئے کردگار

(جب تک حضرت آدم علیہ السلام کی جان ظاہر نہیں ہوئی تھی، پروردگار تک پہنچنے کا راستہ معلوم نہ تھا)

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ❊ زو کلیدِ ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے تو راستہ بھی معلوم ہوا ۔ دونوں عالم کی چابی ان ہی سے ملی)

بھائی! اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے اس لیے کہ سیاست کا دار مصروفِ عمل ہے۔

قطعہ

زنہار مگو تو بر سرِ جمع ❊ گر عاشقِ صادقی تو اسرار
دیدی کہ بہ سکر عشق رمزے ❊ حلاج بگفت ورفت بر دار

(اگر تو عاشق ہے تو ہرگز ہرگز مجمع کے سامنے اس کے اسرار کو بیان نہ کر۔
کیا تو نے نہیں دیکھا؛ کہ حلاج نے عشق کے نشہ میں اس کے صرف ایک راز کو بیان کیا تو انھیں دار پر چڑھا دیا گیا)

والسلام
۱۰ر صفر المظفر سنہ ۱۴۰۰ھ ہجر
۳۰ر دسمبر سنہ ۱۹۷۹ء روز یکشنبہ
۱۲ر بجے شب۔ لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ
(پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— ۱۰۲

راز کو پوشیدہ رکھنا اور شرع کی پیروی کرنا

مثنوی

چوں محرم اسرار شدی اندر کار ✽ رازے کہ نہانی ست نہانش می دار

(جب معاملات الٰہی کے اسرار سے تو واقف ہوگیا تو جو راز کہ پوشیدہ ہے اسے پوشیدہ ہی رہنے دے)

بر بند ہوا، از دل و جاں از گفتار ✽ در محو خودی سعادتِ خود پندار

(دل کو خواہشات نفسانی سے اور زبان کو گفتگو سے بند رکھ۔ خودی کو مٹا دینے میں اپنی سعادت سمجھ)

اے بھائی! حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت بالخصوص علمائے امت کے لیے یہ ہے کہ کَلِّمُوا النَّاسَ مِمَّا یَعْرِفُوْنَ وَادْعُوْا مَا یُنْکِرُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذِّبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (اے پیارے رسول! لوگوں سے وہ باتیں کیجیے جسے وہ جانتے ہوں۔ اور جو نہ جانتے ہوں اسے چھوڑ دیجیے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلائیں) اس وصیت کی ہیبت اور سیاست نے اہل علم و معرفت کا وہ حال کیا ہے جو کل دشمنوں کی جان کا دوزخ کرے گی۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

زمستی گر بگوید رمزِ عشقش ✽ جزایش در حقیقت دار باشد

(اگر کوئی مستی کے عالم میں بھی عشق کے راز کو بیان کردے۔ تو ایسے شخص کی جزا حقیقت میں تختہ دار ہی ہے)

اے بھائی! علماء کا یہ کام ہے کہ وہ جو کچھ جانتے ہیں لوگوں کو بتائیں۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں، جن کا علم ہوتے ہوئے بھی بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِمْ (لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو) علمائے کرام کے پیش نظر ہمیشہ یہ جملہ رہتا ہے۔ گویا یہ ان کا پہرہ دار ہوگیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ وہ لوگ جانتے ہیں اگر وہ سب بیان کردیں تو برائی اچھائی پر چھا جائے گی اور نقصان نفع سے بڑھ جائے گا۔ اس کو یوں سمجھو کہ اگر کسی شیر خوار بچے کو روٹی اور یخنی کھلا دیا جائے تو یقیناً وہ بچہ ہلاک ہو جائے گا۔ یا طبیب جب کسی مریض کو دوا دیتا ہے تو اس کے مرض کے مطابق دیتا ہے اور دوا کی خوراک

متعین کر دیتا ہے۔ اب اگر خوراک کی مقدار سے زیادہ دوا دے دی جائے یا مرض کچھ اور ہو اور دوا کچھ اور دی جائے تو ظاہر ہے اس طرح تو ایک دنیا ہلاک ہو جائے گی۔

اگر تمام باتوں کا بیان کر دینا یا لکھ دینا جائز ہوتا تو مشائخ رضی اللہ عنہم اپنے کلام میں رموز و اشارات سے ہرگز کام نہ لیتے۔ اور اپنے کلام میں مخصوص اصطلاحات استعمال نہ کرتے۔ مگر جانتے ہو ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کرتے ہیں تاکہ جو باتیں کہنے کی ہیں وہ تو بتا دی جائیں۔ اور جو باتیں نہیں کہنے کی ہیں ان کو اسرار کے پردے میں پوشیدہ رکھا جائے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ساری باتیں کہنے کی ہوتیں تو قرآن کریم میں حروف مقطعات نہ ہوتے۔ بعض متکلمین کا خیال ہے کہ یہ حروف مقطعات محب اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہیں۔

قوت القلوب میں امام ابو طالب مکی رحمۃ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ عِلْمٌ ظَاھِرٌ وَعِلْمٌ بَاطِنٌ وَعِلْمٌ بَیْنَ اللہِ وَعَبْدِہٖ (علم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک علم ظاہر دوسرا علم باطن اور تیسرا وہ علم جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے)

چنانچہ وہ علم جو ظاہر ہے اس کو اہل ظاہر کے لیے کہنا چاہیئے۔ اور وہ علم جو باطن سے تعلق رکھتا ہے اس کو اہل باطن کے لیے سمجھنا چاہیئے۔ اور وہ علم جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے (محب اور محبوب کے درمیان راز ہے۔ اس کا تعلق نہ اہل ظاہر سے ہے اور نہ اہل باطن سے۔ فرد

سرّ یست مرا با تو کہ کس محرم آں نیست ✤ گر سر برود سرّ تو با کس نہ کشایم

(تیرے ساتھ میرا ایسا راز ہے کہ کوئی اس سے واقف نہیں۔ اگر سر بھی چلا جائے تو تیرے راز کو کسی پر نہ کھولوں)

اور اگر کسی نے اس راز کو فاش کرنے کی کوشش کی تو اَفْشَاءُ سِرِّ الرُّبُوْبِیَّۃِ کُفْرٌ (ربوبیت کے راز کو فاش کرنا کفر ہے) کا فتویٰ اس کے سامنے ہے۔ چنانچہ جو شخص توحید کی تشریح و تصریح کرنے کی کوشش کرے تو اس کو زندہ رکھنے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ قتل کر دیا جائے[1]۔ اہل طریقت کا یہی فتویٰ ہے۔ فرد

زمستی گر بگوید رمزِ عشقش ✤ جزایش در طریقت دار باشد

(مستی کے عالم میں اگر کوئی شخص اپنے عشق کے راز کو بیان کر دے تو طریقت میں اس کی سزا دار ہے)

اے بھائی! مثل مشہور ہے کہ ڈھونڈنے والا بولتا ہے اور پانے والا گونگا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عارفوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (بہرے، گونگے اور اندھے ہیں)

---

[1] وَمَنْ صَرَّحَ بِالتَّوْحِیْدِ فَقَتْلُہٗ اَوْلٰی مِنْ اَحْیَاءٍ

سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ نے کہیں ایک سر پڑا ہوا دیکھا اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی صُمٌّ بُکۡمٌ عُمۡیٌ (بہرے، گونگے، اندھے) انھوں نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ سر کسی عارف کا معلوم ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

او علم نمی شنید لب بر بستیم ❊ او عقل نمی خرید دیوانہ شدیم

(وہ علم نہیں سنتا تھا اس لیے ہم نے خاموشی اختیار کرلی۔ وہ عقل کا خریدار نہیں تھا چنانچہ دیوانگی اختیار کرلی)

تا توانی باخرد بیگانہ باش ❊ عقل را غارت کن و دیوانہ باش

(جہاں تک تجھ سے ممکن ہو، عقل سے بیگانہ رہ۔ عقل کو غارت کر اور دیوانہ ہوجا)

بھائی! جب یہ حال ہے تو اس سلسلہ میں کچھ کہنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؛ اگر کہنے کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو میں ہرگز خاموشی اختیار نہ کرتا اور نہ دیوانگی اختیار کرتا۔ بلکہ شب و روز شستہ عبارت میں کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عارفوں نے سینکڑوں دریا گھونٹ لیے مگر دم نہیں مارا۔

مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند ❊ تو از چہ مست گشتی چوں جرعۂ نخوردی

(مردوں نے تو ہزاروں دریا گھونٹ لیے پھر بھی دنیا سے پیاسے ہی گئے۔ تو کیونکر مست ہوگیا جب کہ تو نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔)

رباعی

دانی کہ چرا اہل صفا خاموشند ❊ در نکتۂ دل بہ محو خودی کوشند

مے از کف دوست ہر نفس می نوشند ❊ سری باز ند و سرّ حق می پوشند

(کیا تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش ہیں؛ وہ دل کے نکتہ میں اپنے کو محو رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر لمحہ دوست کے ہاتھ سے شراب پیتے ہیں۔ اور سر دے کر حق کے راز کو چھپاتے ہیں۔)

اس کے باوجود اس گروہ بعض بزرگوں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ لیکن جو کچھ لکھا ہے وہ عالم سُکر اور غلبۂ حال سے مجبور ہوکر لکھا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ معذور ہیں۔ اَلۡعُشَّاقُ لَا یُؤَاخَذُوۡنَ بِمَا صَدَرَ مِنۡ ھُمۡ (عشاق سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس پر ان کا مواخذہ نہیں کرتے ہیں)، اس لیے کہ جو کچھ عاشق سے سرزد ہوتا ہے وہ عالم اضطرار میں ہوتا ہے، عالم اختیار میں نہیں۔ اسی کو اس مثنوی میں کہا ہے۔

کار عاشق اضطرارے اوفتد ❊ واں ز فرط دوست دارے اوفتد

(عاشق کا کام مضطر ہوتا ہے۔ اور یہ بہت زیادہ محبت کی وجہ سے ہوتا ہے)

آں چہ فارغ می بگوید بیدلے ❊ کے تواند گفت ہرگز عاقلے

(بے دل والا فارغ ہو کر جو کچھ کہتا ہے وہ عقل والا کس طرح کہہ سکتا ہے)

عاقلاں را شرعِ تکلیف آمدہ است ؎ بے دلاں را عشق تشریف آمدہ است

(عقل والوں کے لیے شرع تکلیف کا سبب ہے۔ لیکن بے دلوں کے لیے عشق ایک خلعت ہے)

قصۂ دیوانگاں آزادگی ست ؎ جملہ گستاخی و کار افتادگی ست

(دیوانوں کا قصہ آزادی ہے۔ باقی سب گستاخی اور کار افتادگی ہے)

اے بھائی! مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی تصنیفات اور تالیفات برسوں مطالعہ میں رہی ہیں۔ چنانچہ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص کسی بلند مقام پر پہنچ جائے اور ملک و ملکوت اس پر منکشف ہو جائیں پھر بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مکمل طور پر پیروی کرتا رہے۔ کسی حالت میں بھی شریعت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ ورنہ اباحت کے میدان میں یا حلول و اتحاد کے وادیٔ پُرخار میں الجھ کر رہ جائے گا۔ بلکہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور دین کو برباد کر دے گا۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

ہر کہ در راہِ محمدؐ رہ نہ یافت ؎ تا ابد گرد ے ازیں درگہ نہ یافت

(جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نہیں اپنایا۔ تو قیامت تک اس کو اس بارگاہ کی خاک بھی نصیب نہ ہو گی)

دولتِ دنیا و دیں درگاہِ اوست ؎ انبیا را قبلہ خلوت گاہِ اوست

(دین اور دنیا کی دولت ان ہی کے دربار سے ملتی ہے۔ ان کی خلوت گاہ انبیاء اور اولیاء کا قبلہ ہے)

دولت ایں جا جو و دیں آں جا طلب ؎ مرجعِ اہلِ یقیں آں جا طلب

(دولت یہاں اور دین وہاں ڈھونڈ۔ یقین والوں کا مرجع وہیں تلاش کر)

ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ کچھ لوگوں نے وحدت کے خیال میں، کسی مقتدائے کامل اور واقف کار رہبر کے بغیر، اپنی عقل رکیک اور شیطانی وسوسہ کے ذریعہ اس راہ پر خطر میں قدم رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس خوں خوار جنگل میں پھنس کر رہ گئے۔ اور دین کو برباد کر کے ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ خواجہ عطار رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی

پیرِ رہ کبریت احمر آمدہ است ؎ سینۂ او بحرِ اخضر آمدہ است

(پیر رہ روشن چراغ ہے۔ اس کا سینہ وسعت میں بحر بے پایاں ہے)

راہ دور است و پر آفت اے پسر ❊ راہ رو را می بباید راہ بر

(اے بیٹے! راستہ دور ہے اور آفتوں سے بھرا ہوا ہے۔ لہٰذا راہ چلنے والے کے لیے کوئی رہبر ضروری ہے)

گر تو بے رہ بر فرود آئی براہ ❊ گر ہمہ کوہی فرو افتی بہ چاہ

(اگر کسی رہ بر کے بغیر راستہ پر چلے گا تو کنوئیں میں گر پڑے گا۔ خواہ تو مجسم پہاڑ ہی کیوں نہ ہو)

کور کے ہرگز تواند رفت راست ❊ بے عصاکش کور را رفتن خطاست

(اندھا سیدھا کب چل سکتا ہے۔ کسی ڈنڈا کھینچنے والے کے بغیر اندھے کا چلنا غلط ہے)

گر ترا در دست پیر آید پدید ❊ قفل در وت را کلید آید پدید

(اگر تجھے کسی پیر کامل کا ہاتھ میسّر آجائے۔ تو سمجھ کہ تیرے تمام درد کی چابی مل گئی)

اے بھائی! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حقیقت ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ شریعت۔ اب اگر کوئی شخص ہزار سال تک صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا رہے اور قصداً مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ نہ کہے اور اس پر اعتقاد بھی نہ رکھے تو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور جب مسلمان نہ ہو گا تو پھر ایمان بھی درست نہیں ہو گا۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام یہود و نصاریٰ مسلمان ہوتے۔ اس لیے کہ وہ بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں کہتے۔ اس لیے جس طرح مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے بغیر ایمان نہیں ہوتا اسی طرح آپ کی شریعت کے بغیر دینِ اسلام بھی نہیں ہو سکتا۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مثنوی

چوں تو بیماری از ہوا و ہوس ❊ رحمۃ اللعالمین طبیب تو بس

(جب تو ہوا و ہوس کا مریض ہے تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی تیرے طبیب ہیں)

او دلیل تو بس تو راہ مجو ❊ او زبانِ تو بس با وہ مگو

(وہی تیرے رہ بر ہیں۔ وہی تیرے لیے زبان ہیں۔ پھر فضول مت بول)

سوئے حق بے رکاب مصطفوی ❊ نہ رود پا بت ار بسے بدَوی

(رکاب مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بغیر تیرا قدم حق کی راہ میں نہیں اٹھے گا۔ خواہ تو کتنا ہی دوڑے)

ہر کہ چوں خاک نیست بر در او ❊ گر فرشتہ است خاک بر سر او

(جو شخص ان کے در پر خاک کی طرح نہ ہو۔ اس کے سر پر خاک ہے خواہ وہ فرشتہ ہی کیوں نہ ہو)

اے بھائی! جب تک علم وعقل کا وجود باقی ہے، شرع شریف کی تکلیفات باقی ہیں۔ جو شخص اس کا منکر ہے وہ علماء اور مشائخ رضوان اللہ علیہم کے اجماع کے مطابق دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر علم وعقل سے برتر کوئی چیز کسی کو ملتی ہے۔ اور کوئی لطیف حالت پیدا ہوتی ہے، جس کو علم عشق کہتے ہیں تو یہ عطا کی وجہ سے ہے۔ یعنی کسبی نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

دردِ ایشاں نیست از کسب از عطاست ❊ کے شود دردِ چنیں از کسب راست

(ان کا درد کسب کی وجہ سے نہیں بلکہ عطا کی وجہ سے ہے۔ اس قسم کا درد کسب سے کب پیدا ہو سکتا ہے)

عقل فرماں کشیدنی باشد ❊ عشق ایماں چشیدنی باشد

(عقل کا کام فرمان بجالانا ہے۔ اور عشق کا ایمان کا مزہ چکھنا ہے)

یہی وجہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ اِلٰہِیٌّ (عشق جنون الٰہی ہے) اس لیے جو کچھ عاقل پر فرض ہوتا ہے وہ دیوانہ پر نہیں ہوتا۔ ہوشیار سے دیوانگی ممکن نہیں اسی طرح دیوانہ سے فرزانگی ممکن نہیں۔ اس لیے وہ معذور سمجھا جاتا ہے۔ اور جب وہ اس دنیا سے کوچ کرتا ہے تو یہ جانتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے پاس جا رہا ہے۔ اس لیے وہ خوشی خوشی جان دیتا ہے۔ اس حال کا پتا اس طرح دیتے ہیں۔

عاقلاں را شرع تکلیف آمدہ است ❊ بیدلاں را عشق تشریف آمدہ است

(عقل والوں کے لیے شرع کی پابندی لازمی ہے۔ مگر دیوانوں کے لیے عشق ایک خلعت ہے)

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے ❊ حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلے

(عشق کا درد ہی ہر دل کی دوا ہے۔ عشق کے بغیر کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی)

چوں در آمد وصال را حالہ ❊ سرد شد گفتگوئے دلالہ

(جب وصال کی دولت میسر آ گئی۔ تو دلالہ کی گفتگو سرد پڑ گئی)

لہٰذا اس کا واسطہ خدائے بزرگ و برتر سے رہتا ہے۔ اور جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کو راز ہی رکھتا ہے۔

سے سرّیست مرا با تو کہ کس محرمِ آں نیست ❊ گر سر برود سرِّ تو با کس نہ کشایم

(تیرے ساتھ میرا ایسا راز ہے جس سے کوئی شخص واقف نہیں۔ سر بھی چلا جائے تو میں تیرے اس راز کو کسی پر نہ کھولوں)

لیکن اگر کوئی شخص اس درد اور اس حالت کے بغیر اس راہ میں قدم رکھتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل عبث ہوگا۔ اس لیے کہ یہ کہنا کہ "میں عاشق ہوں" یا "اہلِ وحدت ہوں" تو آسان ہے۔ مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ دعویٰ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ پہلے اس شخص کو یہ درد اور یہ حال حاصل کرنا چاہیے

پھر اس وادی میں قدم رکھنا چاہیئے۔ اسی کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے ؂

کفر کافر را و دیں دیندار را ٭ ذرۂ دردت دلِ عطار را

(کافر کے لیے کفر اور دیندار کے لیے دین۔ مگر عطار کے دل کو تیرے درد کا ایک ذرہ چاہیئے)

مثنوی

طعمۂ کاں پاک بازاں را دہند ٭ ہرگز آں کے تو نیازاں را دہند

(جو خوراک پاک بازوں کو دیتے ہیں۔ وہ نو نیازوں کو کب دیتے ہیں)

ذرّۂ دردِ خدا در دل ترا ٭ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

(اگر تیرے دل میں خدا کے درد کا ایک ذرہ بھی ہے تو وہ دونوں جہان کے حاصل سے بہتر ہے)

آج ہر شخص عشق کا دعویدار ہے۔ مگر وہ کیا جانیں کہ عشق کیا چیز ہے اور اہل وحدت کون لوگ ہیں انھیں تو نہ عشق کی خبر ہے اور نہ اہل وحدت کی۔

اے بھائی! یہ کوئی فضول کام نہیں ہے۔ یہ فقہ کے طلاق و عتاق[1] کا علم نہیں ہے۔ بلکہ یہ علم ہی دوسرا ہے اور اس کے جاننے والوں کا گروہ ہی دوسرا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

ایں ہمہ علم وجسم مختصر است ٭ علم رفتن براہ حق دگر است

(یہ سب جسم مختصر کا علم ہے۔ اللہ کی راہ پر چلنے کا علم ہی دوسرا ہے)

ہمارے اور تمہارے ایسے نصیبے کہاں کہ یہ دولت عطا ہو۔ ہم تو مادرزاد بدبخت ہیں۔ میرے لیے اور تمہارے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے سروں پر خاک ڈالیں اور اپنا ماتم کریں۔ اب آؤ، اور میری ہم نوائی کرو اور کہو:۔

کاشکے ہرگز نزادے مادرم ٭ تا نہ کردے کشتۂ نفس کافرم

(اے کاش! میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی تاکہ میں اپنے نفس کافر کا مقتول نہ بنتا)

بُرد غفلت روزگارم چوں کنم ٭ بر نیاید ہیچ کارم چوں کنم

(افسوس غفلت نے میری زندگی لوٹ لی، اب میں کیا کروں۔ میرا تو کوئی کام ہی نہیں بنتا، میں کیا کروں)

خالقا! گر اہل عادت بودہ ام ٭ بارے آخر در شہادت بودہ ام

---

[1] عتاق۔ لونڈی غلام کا آزاد کرنا۔

(پروردگارا! اگر آج میں صاحب رسم وعادت ہوں۔ تو کبھی تو تیری شبہات میں رہا ہوں گا)

گر در آید یک نسیم از سوئے تو ٭ پائے کوباں جاں دہم در کوے تو

(اگر نسیم کا ایک جھونکا بھی تیری طرف سے آجائے تو تیری گلی میں رقص کرتا ہوا جان دے دوں)

تحریر مختصر کر دی۔ اس امید پر کہ صاحب استعداد لوگ غور وفکر کے بعد انشاء اللہ اس سے کچھ حاصل کر سکیں گے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَنِ الزُّلَلِ وَالْخَلَلِ وَأَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (میں اپنی لغزشوں اور معصیتوں کی اپنے اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہوں۔

والسلام

۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز سہ شنبہ

یکم جنوری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۰۳)

دفع وسوسہ کی خاطر افسوس وندامت کرنا

امین خاں کے نام :

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تمہارا خط ملا۔ مضمون سے آگاہی ہوئی۔ تفصیلی جواب لکھنا تو مشکل ہے مختصراً یہ ہے کہ ہم لوگ ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایمان غریب ہو گیا ہے۔ اور مومن کبریت احمر کی طرح نایاب ہو گئے ہیں۔ تم نے یہ تو سنا ہو گا کہ اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا (اسلام غربت کی حالت میں ظاہر ہوا اور غربت ہی کی حالت میں عنقریب دوبارہ لوٹے گا)

اسلام ابتدا میں غریب تھا اور آخر میں بھی غریب ہو جائے گا۔ البتہ ہمارا زمانہ دوسرا ہے۔ ایسی حالت میں ہمیں اپنی مصیبتوں کی خاک اپنے سروں پر ڈالنی چاہیئے اور اپنا ماتم کرنا چاہیئے۔ بلاشبہ جو کام مردوں کا ہے وہ ہم مخنثوں سے نہیں ہو سکتا۔ آہ! ہم بدبختوں کے ایسے نصیب کہاں؟ اسی وجہ سے وہ لوگ جو اہل بصیرت اور صاحب سلوک ہیں آج یہ فرماتے ہیں۔ ؎

نہ می دانم کرا مانم بدیں سیرت گرفتارم ٭ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد[1] نہ بدکارم

(میں نہیں جانتا کہ میں کس کے مشابہ ہوں البتہ اس سیرت میں گرفتار ہوں کہ نہ تو میں ہندو نہ مسلمان نہ مرتد اور نہ بدکار ہوں)

اے بھائی! اس گروہ کے وہ لوگ جو اس کام کے مرد میدان تھے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ البتہ مٹھی بھر جاہلوں کا ایک گروہ باقی ہے جو آج اپنے آپ میں مگن ہے۔ اور ان بزرگوں کی صورت شکل، وضع قطع اختیار کر کے علم و معرفت کا دعویدار ہے۔ مگر جب ان کا بغور مطالعہ کرو گے تو معلوم ہو گا کہ انھیں تو کفر کے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم، ایمان کا علم تو بہت بڑی بات ہے۔

---

[1] چہ بدکارم۔ قلمی نسخہ

مصرعہ جہانے پر ز بیماراں طبیباں از میاں رفتہ

(دنیا بیماروں سے بھری پڑی ہے۔ اور طبیب دنیا سے اٹھ گئے ہیں)

اسی حقیقت کو کسی نے یوں بیان کیا ہے:

بیت

صحبتِ نیکاں زجہاں دور گشت ⁂ خانۂ عسل خانۂ زنبور گشت

(نیکوں کی صحبت دنیا سے ختم ہو گئی۔ شہد کا دستر خوان بھڑوں کا چھتا بن گیا)

حضرت خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہ العزیز سے کسی نے پوچھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کیسے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ لوگ تم لوگوں کو دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ سب کے سب مجسم شیطان ہیں غور کرو کہ خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانہ میں جب یہ حال تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے بالکل متصل تھا تو آج جب کہ چھ سو سال گذر چکے ہیں لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ خسرو کی جان پر خدا کی رحمت ہو۔ انھوں نے کہا۔

خلق گویندم بُرو زنار بند اے بت پرست ⁂ در تنِ خسرو کدامیں رگ کہ آں زنار نیست

(لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے بت پرست جا اور زنار باندھ لے، خسرو کے جسم میں کون سی رگ ایسی ہے جو زنار نہیں ہے)

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سر اور داڑھی منڈالی ہے اور زنار باندھ کر بت خانہ اور خرابات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان ہی لوگوں کے متعلق کسی نے کہا ہے۔ ؎

فرد

بُردہ رَخت بقائے ایمانی ⁂ از رہِ کفر در مسلمانی

(یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان کی بقا کا سامان کفر کے راستہ سے ایمان کی منزل تک لے گئے ہیں)

ان لوگوں نے جب اپنے حالات کا جائزہ لیا تو کفر و ایمان کی حقیقت انھیں معلوم ہوئی۔ دیکھا کہ اب تک جو کچھ کیا ہے وہ سب یا تو خیالی ہیں یا کفر ہیں۔ اس کے باوجود ہم دعویٰ کرتے رہے ہیں اور باتیں بناتے رہے ہیں۔ جو کچھ کیا بہر حال وہ اسلام نہیں ہے۔ کیوں کہ مسلمانی کچھ اور ہی کام ہے اور مسلمان ایک پرندہ ہی دوسرا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بت خانے کی راہ لی۔ اسی کی طرف کسی نے اشارہ کیا ہے۔ ؎

صوفی سبز پوش و پیر چلہ دار ⁂ ایں جملہ شدی وے مسلماں نہ شدی

(سبز پوش صوفی اور چلہ کرنے والا پیر تو ہو گیا۔ مگر افسوس تو مسلمان نہ ہو سکا)

عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جواں مردوں کے لیے جملہ مشکلات ایمان کی وجہ سے ہیں۔ جو عنقا ہے۔ اس کے باوجود لوگ مغرور ہیں کہ "میں مومن ہوں" جاؤ، پہلے کسی مومن کی تلاش میں نکلو۔ اور جب کوئی مومن مل جائے تو اس سے ملو تاکہ وہ تمہارے کفر کے زنار کو تمہاری گردن سے کاٹ کر پھینک دے اس کے بعد تم ایمان کا جمال دیکھ سکتے ہو۔ اور دنیا میں یہ آواز لگا سکتے ہو کہ:۔ ؎

آں کس کہ ترا نہ دید آں ہیچ نہ دید ؛ واں کس کہ ترا نہ یافت ہیچ نیافت

(جس نے تجھ کو نہیں دیکھا اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا اور جس نے تجھ کو نہ پایا اس نے کچھ بھی نہیں پایا)

اب تم ہی بتاؤ کہ ایسی صورت میں ہم بدبختوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ بس ایک ہی صورت ہے کہ جب تک فرصت ہے رات دن اپنے کام میں لگ جانا چاہیئے اور نایافت کا غم کھانا چاہیئے۔ ہر وقت حسرت کی خاک سر پر ڈالنی چاہیئے۔ کیونکہ ناامید ہو کر بے کار بیٹھ جانا جوانمردی کے خلاف ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

اندریں رہ اگر تو آں نہ کنی ؛ دست و پائے بزن زیاں نہ کنی

(اس راہ میں اگر تو وہ نہیں کرتا ہے تو ہاتھ پاؤں مارتا رہ۔ اس طرح گھاٹے میں نہیں رہے گا)

اے بھائی! اگر مردوں کا ایمان نہیں ہے تو کم سے کم بوڑھی عورتوں یا مخنثوں کا ایمان تو ہونا ہی چاہیئے۔ تاکہ اگر آفتاب کی دولت غروب ہو گئی تو چراغ کی دولت تو موجود ہو۔ ورنہ کیا ہم اور کیا فرعون کیا نمرود اور کیا نصاریٰ اور یہود سب برابر ہیں۔

مثنوی

جہد کن پیش از اجل اے خود پرست ؛ تا ز خلت ذرۂ آری بدست

(اے خود پرست موت سے پہلے تو کوشش کرلے تاکہ دوستی کا ایک ذرہ بھی حاصل کر سکے)

گر شود یک ذرہ خلت حاصلت ؛ باز خندد آفتابے در دلت

(اگر دوستی کا ایک ذرہ بھی تجھے حاصل ہو جائے۔ تو اس کے جمال کا آفتاب تیرے دل میں مسکرائے گا)

اے بھائی! اگر آج اس دنیا سے کوئی شخص ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہوتا ہے تو بلاشبہ وہ ہمارے زمانے کا جنید و شبلی ہے۔ باقی اس کے علاوہ جتنی باتیں ہیں وہ سب خیالی اور فضول ہیں۔ إِلَّا مَاشَاءَ اللهُ۔

زیں گونہ کہ حال ناپسندیدۂ ماست ؛ حسن رخ تو چہ لائق دیدۂ ماست

(جب میرا حال اس قدر ناپسندیدہ ہے تو پھر کس طرح تیرے رخ کے حسن کا جمال میری آنکھوں کے لائق ہو سکتا ہے)

وصلت کہ یہ کیقباد و کسریٰ نہ رسید ❊ سوداست کہ در دماغ شوریدۂ ماست

(تیرا وصل جو کسریٰ اور کیقباد کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس کو حاصل کرنے کا ایک سودا ہے جو ہمارے شوریدہ دماغ میں سمایا ہوا ہے)

قصہ دراز ہے اور وقت کم۔ اس لیے ضرورتاً خط کو مختصر کرنا پڑا۔ ؎

شب رفت و حدیث ما بہ پایاں نہ رسید ❊ شب را چہ کند حدیث ما بود دراز

(رات گذر گئی اور ہماری باتیں ختم نہ ہوئیں۔ اس میں رات کا کیا قصور ہماری گفتگو ہی اتنی طویل تھی)

اے بھائی! مشائخ کرام جو مقتدائے خلق ہیں، سنت جماعت کے مطابق ان کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ظاہری کام، مثلاً طہارت، نماز، روزہ اور حج وغیرہ یا اسی طرح کے دوسرے کام جن کا تعلق ظاہر سے ہے ان میں وہ ظاہر کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور ان سب کو ظاہر ہی کے مطابق بجا لاتے ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں وسواس کے شکار نہ ہو جائیں۔ کہتے ہیں کہ جو شخص وسواس کا شکار ہوا وہ ہاویہ (دوزخ) میں گرا۔ ظاہر ہے کہ وہاں سے نکلنا بہت دشوار ہے۔

مثنوی

گر درے خواہی کہ بکشاید ترا ❊ واں چہ جوئی روئے بنماید ترا

(اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے لیے دروازہ کھول دیا جائے اور جس کی تجھے تلاش ہے وہ تجھے حاصل ہو جائے)

از درِ پیغمبر آخر زماں ❊ ہمچو حلقہ سر مگرداں یک زماں

(تو پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے ایک لمحہ کے لیے بھی حلقہ کی طرح منھ نہ موڑ)

یہاں تک منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے برتن سے وضو کیا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ شراب یہود کے نزدیک حلال ہے۔ جب یہ صورت ہے تو شاید ہی ان کے گھر میں کوئی ایسا برتن ہوگا جس میں شراب استعمال نہ ہوئی ہو۔ اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظاہر پر عمل کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو یہودیوں کا برتن ہے اس میں کہیں شراب نہ استعمال ہوئی ہو۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو ننگے پاؤں رہا کرتے تھے اور اسی حال میں نماز ادا کرتے تھے یہ کبھی نہیں فرماتے کہ پاؤں ننگا رہا ہے، ممکن ہے اس میں کوئی نجاست لگ گئی ہو اس حالت میں نماز کس طرح ادا کریں۔ چونکہ بظاہر کوئی آلودگی نہ تھی اس لیے ظاہر پر اکتفا کیا۔ اس قسم کی بہت سی روایتیں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور سلف متاخرین کے بارے میں موجود ہیں جو اس مختصر سے خط میں نہیں آسکتیں۔

اے بھائی! اس راہ میں اصل کام دل کو کدورتوں اور مذموم کاموں سے پاک صاف رکھنا ہے۔ اس

لیے کہ یہی سب سے بڑا حجاب ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین نے صفائی قلب کے سلسلہ میں بے حد صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ اس کے حصول کے لیے اس طرح کوشش کی ہے کہ روزانہ ستر بار مرے اور ستر بار زندہ ہوئے ہیں یہ حال دیکھ کر ان لوگوں نے جو بصورت انسان اور بہ سیرت شیطان ہیں، ان بزرگوں کو دیوانے کا نام دے رکھا ہے۔ حالانکہ انھیں خود معلوم نہیں کہ دیوانہ کون ہے؟ اے کاش ساری دنیا اسی طرح دیوانہ ہوتی۔ ؎

تا نیفتد کار در کار اے پسر ٭ کے زکار افتادگی یابی خبر

(اے لڑکے! جب تک کام سے کام نہ پڑے تو کار افتادگی کی تجھے کیا خبر ہوگی)

ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ مَتٰی عَرَفْتَ اللّٰہَ (آپ نے اللہ تعالیٰ کو کب پہچانا؟) جواب دیا۔ مُنْذُ سَمُّوْنِیْ مَجْنُوْنًا (جب سے لوگوں نے مجھے دیوانہ کہنا شروع کیا) ؎

ناتوانی با خرد بیگانہ باش ٭ عقل را غارت کن و دیوانہ باش

(جب تک تجھ سے ہوسکے عقل سے بیگانہ رہ بلکہ عقل کو غارت کر اور دیوانہ ہوجا)

اے بھائی! مشائخ دین کی اقتدا کرو اور وسواس کے ہاتھوں سے اپنے کو بچائے رکھو۔ تاکہ شیطان کے ہاتھوں میں نہ پڑجاؤ۔ اور اگر ایسا ہوگیا ہے تو اس کے بس سے نکلنے کی کوشش کرو۔ اور اس کا علاج کرو۔ اس لیے کہ ابھی وقت باقی ہے۔

جب تم نماز کے لیے مصلے پر قدم رکھو تو نیت سے پہلے چند بار یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَ مِنَ اللّٰہِ وَ اِلَی اللّٰہِ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

اللہ کے نام سے اور اللہ کے ذریعے اور اللہ سے اور اللہ کی طرف اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

اور جب بھی دل میں وسوسہ پیدا ہو تو سینہ پر ہاتھ رکھ کر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اور جب بھی وضو کرو تو وضو کے بچے ہوئے پانی سے ایک گھونٹ وسوسہ سے رہائی کی نیت سے پی لیا کرو۔ خواہ دس بیس بار وضو کیوں نہ کرو اور بغیر وضو کے ہرگز نہ کچھ کھاؤ اور نہ کچھ پیو۔ اور اس پر پابندی کے ساتھ عمل کرو۔ اس لیے کہ اس میں بے شمار فواید اور برکتیں ہیں۔ اور ان چار رکعتوں کو جو اس فقیر کی یادگار ہیں اپنا وظیفہ بنالو۔ ناغہ نہ کرو۔ یعنی نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے اس طرح دوگانہ ادا کرو کہ دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص یعنی قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ دس دس بار پڑھو۔ اور سلام کے بعد سو بار یَاوَھَّابُ پڑھو۔ پھر دوسرے دوگانے کو شروع کرو۔ اس کو بھی اسی طرح پڑھو جس طرح پہلے دوگانہ کو

ادا کیا تھا۔ البتہ سلام کے بعد اس میں ننو بار یا فتاح پڑھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ دین و دنیا کے تمام معاملات اس دوگانے کی برکت سے سنور جائیں گے۔ اور مطلوب حاصل ہوگا۔ ہمیشہ امیدوار ہو۔

والسلام

۱۴ر صفر المظفر شب جمعہ
۳ر جنوری ۱۹۸۰ء سات بجے شب
محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــ (۱۰۴)

فقیروں پر اعتقاد رکھنا

ملک مفرح کے نام

مثنوی

گرچہ چندانی سلیماں کار داشت ٭ کز زمیں تا عرش گیر و دار داشت

(حضرت سلیمان علیہ السلام جو اس قدر مشغول تھے کہ فرش سے عرش تک ان کی حکمرانی تھی)

مسکنت را قدر چوں بشناخت او ٭ قوت از زنبیل بافی ساخت او

(جب انھوں نے مسکنت کی قدر جان لی۔ تو زنبیل بافی کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا)

برادر عزیز ملک مفرح کی نیکیاں اور حسنات زیادہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں اور معصیتوں کو بخش دے۔ کاتب حروف فقیر و حقیر شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا کے بعد مطالعہ کریں۔

اگرچہ تم دنیاوی لباس ظاہری میں ملبوس ہو مگر چونکہ تمہاری عقیدت اور معاملت اہلِ مسکنت کے ساتھ ہے اس لیے خاطر جمع رکھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل امجاد کے طفیل اس میں زیادتی ہو گی۔

اے بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عظمت و جلال کے باوجود کہ آپ کے حق میں لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) فرمایا گیا۔ آپؐ کی دعا یہ تھی۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ (یا اللہ تو مجھے مسکین زندہ رکھ اور مساکین کے زمرہ میں میرا حشر فرما)

ملک دنیا را کہ بنیادے نہند ٭ گرچہ بس عالیست بر بادے نہند

(جو لوگ دنیا میں ملک کی بنیاد رکھتے ہیں اور بلند عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ لیکن وہ سب ہوا پر ہوتی ہیں)

ہر چہ بینی جز خیالے بیش نیست ٭ ہر چہ دانی جز محالے بیش نیست

(جو کچھ تم دیکھتے ہو خیال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ تم جانتے ہو محال کے سوا کچھ نہیں ہے)

اے بھائی! فقر و مسکنت ایک راز ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ملک و ملکوت میں جو کچھ ہے اسے سجا کر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا گیا۔ مگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشۂ چشم سے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا اور فرمایا اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرے لیے باعث فخر ہے) پیغمبر آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائک بنایا گیا۔ پھر آٹھوں بہشت کو ان کی ملکیت بنا کر جاگیر میں دے دی) لیکن ان کی نظر جب فقر و مسکنت پر پڑی تو آٹھوں بہشت کو گندم کے ایک دانے کے عوض فروخت کر دیا۔ اور خرقۂ فقر پہن لیا۔

بیت

جانِ آدم چوں بہ سرِ فقر سوخت ❊ ہشت جنت را بہ یک گندم فروخت

(آدم علیہ السلام کی جان جب فقر کے راز سے منور ہو گئی تو انھوں نے گندم کے ایک دانے کے عوض آٹھوں جنت کو فروخت کر دیا)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مسکنت بہت زیادہ معروف و مشہور ہے جیسا کہ اس مثنوی میں ذکر کیا گیا ہے۔

مثنوی

گرچہ چندانی سلیماں کار داشت ❊ کز زمیں تا عرش گیر و دار داشت

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود اتنی مشغولیت کے کہ فرش سے عرش تک حکمرانی رکھتے تھے)

مسکنت را قدر چوں بشناخت او ❊ قوت از زنبیل بافی ساخت او

(جب مسکنت کی قدر جان لی تو زنبیل بافی کو اپنی روزی کا ذریعہ بنا لیا)

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام صفات و اخلاص اور معاملات بحمد اللہ تم میں موجود ہیں اس لیے شکر ادا کرو۔ انشاء اللہ کل حشر میں تم بھی مسکینوں کے زمرے میں ہو گے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاملت کے اس فضل پر استقامت بخشے۔ اور روز بروز زیادتی فرمائے اور اپنے فضل و احسان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل امجاد کے طفیل میں عاقبت اور خاتمت بخیر فرمائے۔

والسلام

۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ ہجری شب جمعہ

۳ جنوری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

مکتوب ــــــ (۱۰۵)

لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ میں مشغول رہنا

مثنوی

توحید نہ کارِ آب و خاک است ٭ کارِ دلِ صاف و جان پاک است
(توحید آب و خاک کا کام نہیں ہے۔ صاف دل اور پاک جان کا کام ہے)

اے خواندہ خدائے را بہ عادت ٭ دوری ز حقیقتِ شہادت
(اے کہ خدائے تعالیٰ کو عادت کے ساتھ طلب کرتا ہے۔ تو تو شہادت کی حقیقت سے دور ہے)

کاتب حروف شرف منیری کی طرف سے سلام و دُعا۔

قاضی زین الدین کی زبانی تمہاری خیریت اور وہاں کی پوری حالت و کیفیت معلوم ہوئی تھی۔ ہماری جانب سے قبولیت ہے مگر اس راہ پر استقامت سے چلنا تو تمہارا کام ہے۔ جب مشایخ رضوان اللہ علیہم کا طاقیہ (ٹوپی) تم نے پہن لیا تو رسم و عادت کے بت کو توڑ دینا چاہیئے۔ اور اس کے زنار کو کاٹ کر پھینک دینا چاہیئے۔ اس کے بعد راہ طریقت میں نہایت صدق اور اخلاص کے ساتھ قدم رکھنا چاہیئے طلب حق میں ہمت کو بلند رکھو۔ کیونکہ ہمت کی بلندی کے بغیر مرید کسی اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

بیت

سگِ دوں ہمت، استخواں جوید ٭ پنجۂ شیر مغز جاں جوید!
(الپست ہمت کتا ہڈی کی تلاش میں رہتا ہے اور شیر کا پنجہ مغز جاں ڈھونڈتا ہے)

مثنوی

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد ٭ ہمچو خورشید از بلندی فرد شد
(جو شخص کہ ہمت والا ہوا وہ مرد ہوا۔ آفتاب کی طرح بلندی میں یکتا ہو گیا)

ہر کہ از ہمت دریں رہ آمد است ٭ گر گدائی می کند شاہ آمد است

(جو شخص ہمت کے ساتھ اس راہ میں داخل ہوا۔ گرچہ بظاہر وہ گدائی کرتا ہے لیکن حقیقت میں بادشاہ ہے)

اے بھائی! یہ علم صرف اہل طریقت کو عطا ہوا ہے، جو علمائے آخرت کہلاتے ہیں۔ جو کچھ حاصل ہوگا ان ہی کی خدمت اور صحبت سے حاصل ہوگا۔ علمائے دنیا سے نہیں۔ وہ تو دین کے رہ زن ہیں۔

ایں ہمہ علم جسم مختصر است ٭ علم رفتن براہِ حق دگر است

(یہ سب مختصر جسم کا علم ہے۔ راہ حق پر چلنے کا علم ہی کچھ اور ہے)

آں ہوائے کہ پیش ازیں باشد ٭ رسم و عادت بود نہ دیں باشد

(وہ خواہش جو اس سے پہلے تھی وہ تو صرف رسم و عادت کی تھی، حصول دیں کی نہ تھی)

واسطہ ایں قوم را بر خاست است ٭ قول ایشاں لاجرم بس راست است

(اس قوم کے لیے واسطہ اٹھ گیا ہے۔ ان کا یہ قول یقیناً بہت زیادہ صحیح ہے)

اے بھائی! جو شخص اپنی عادت اور ہوا پرستی کے ذریعہ خدا پرستی کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ علمائے آخرت کی صحبت اختیار کرے اور ان کی خدمت کرے اس لیے کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) ان ہی کا طغرائے امتیاز ہے۔ تاکہ روز بروز ان بزرگوں کی نگرانی اور خدمت میں اس کی مذموم صفتیں محمود صفتوں میں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ بالکل بدل جائیں۔ اور ان کی صحبت و تربیت کی برکت سے وہ نفس کافر کے ہاتھوں سے رہائی پائے۔ اور اسلام کا حسن دیکھ سکے۔ توحید مطلق تک پہنچے اور دربارِ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ میں باریابی حاصل کر سکے۔ اور موحد حقیقی ہو جائے۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔

مثنوی

اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد ٭ ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

(جب تیرے اوصاف ذمیمہ بدل گئے، تو جو کچھ تیری الجھنیں تھیں سب دور ہو گئیں)

چوں نیستیِ تو شد محقق ٭ خیزد ہمہ نعرۂ انا الحق

(جب تیری نیستی ثابت ہو گئی۔ تو اسی کے بعد انا الحق کا نعرہ بلند ہوتا ہے)

ہر کرا آفتاب ایں جا بتافت ٭ آں چہ آں جا وعدہ بود ایں جا بیافت

(جس شخص کا آفتاب یہاں چمکا۔ جو کچھ وہاں کا وعدہ تھا وہ اسے یہیں مل گیا)

ایں جاست نہایت طریقت ؛ ایں است خلاصۂ حقیقت

(طریقت کی انتہا یہیں ہے اور حقیقت کا خلاصہ بھی یہی ہے)

ہمارا اور تمام مسلمانوں کا انجام بخیر ہو۔

والسلام

۱۵ر صفر المظفر سنہ ۱۴۰۰ھ ہجری روز جمعہ

۴ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء چار بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۰۶)

بلندی ہمت بہ الفاظ دیگر

مثنوی

جہد کن تا زینتِ ہست شوی ٭ واز شراب خدائے مست شوی

(کوشش کرو تاکہ ہستی کی زینت بن جاؤ۔ اور خدا کے دیدار کی شراب پی کر مست ہو جاؤ)

نیست کن ہر چہ راہ ورائے بود ٭ تا دلت خانۂ خدائے بود

(راہ ورائے سے جو کچھ بھی ہے سب کو فنا کر دو تاکہ تمہارا دل اللہ کا گھر ہو جائے)

یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی نِیَّاتِهِمْ (لوگ قیامت کے دن اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے)

اے بھائی! اب آج ہی اپنا جائزہ لو اور دیکھو کہ دل میں کیا ہے۔ اگر تمہارے دل میں حق کی محبت اور طلب غالب ہے تو تمہارا حشر عاشقوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ اور اگر تمہارے دل میں بہشت کی طلب اور محبت زیادہ ہے تو تمہارا حشر نیکو کاروں کے ساتھ ہوگا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ٭ تا ابد راہِ وصالت آں بود

(دنیا میں تمہیں جس چیز کا زیادہ خیال رہا ہے ابد تک تمہارے وصال کا راستہ بھی وہی ہوگا)

جو باہمت لوگ اس دُنیا میں تشریف لائے اور اپنی ہمت کی وجہ سے آخرت کو پسِ پشت ڈال دیا ان لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا جو مَردوں کی مطلقہ ہے اور نمرود و فرعون کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہے اس کا چھوڑنا ہی فرض عین ہے۔

بیت

ہر کہ او از دارِ دنیا پاک شد ٭ نورِ مطلق گشت گرچہ خاک شد

(جو شخص دنیا اور آلائش دنیوی سے پاک ہوگیا۔ وہ خاک ہوتے کے باوجود نور مطلق ہو گیا)

اے بھائی! جو کچھ بہشت میں بتایا گیا ہے وہ سب کا سب حواس کا حصّہ ہے۔ کیونکہ وہاں جو چیزیں ہیں وہ کھانے کی ہیں، پینے کی ہیں، پہننے کی، سننے کی، سونگھنے کی اور چکھنے کی ہیں۔ اور ان سب کا تعلق حواس سے ہے۔ لہٰذا اس میں بہائم بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ایسی چیزیں میں دل لگانا جس میں بہائم کی بھی شرکت ہو سکے خسّت کی بات ہے، ہمت کی نہیں۔ ہمت ایک عجیب و غریب نعمت ہے جو اس خاک کو عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

سگِ دوں ہمت استخواں جوید ❊ پنجۂ شیر مغز جاں جوید

(پست ہمت کتا ہڈی کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور شیر کا پنجہ مغز استخواں ڈھونڈتا ہے)

مگس و گربہ سوے خواں پوبند ❊ سگ و زاغ اند کاستخواں جوبند

(مکھی اور بلّی دستر خوان کی طرف دوڑتی ہیں۔ اور یہ کتّے اور کوّے ہیں جو ہڈی کی تلاش میں رہتے ہیں)

ہمت بھی کیا خوب نعمت ہے۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے اَلْجَنَّةُ سِجْنُ الْعَارِفِيْنَ كَمَا اِنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ (جنت عارفوں کا قید خانہ ہے جس طرح دنیا مومنوں کا قید خانہ ہے)

اے بھائی! اگر بہشت میں دیدار کا وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز زبان پر بہشت کا ذکر نہ آتا۔ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے قول کے مطابق کہ اگر ان کے سامنے دُنیا کا ذکر ہوتا تو وہ وضو فرماتے۔ اور اگر بہشت کا ذکر ہوتا تو غسل فرماتے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ایسا کیوں؟ فرمایا کہ دنیا ناقضِ وضو ہے۔ یعنی اس کے ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا وضو ٹوٹنے کے بعد وضو کرنا ضروری ہے۔ اور بہشت قضائے شہوت کی جگہ ہے۔ اس لیے اس کا ذکر جنابت ہے۔ اور جنابت کے بعد غسل واجب ہے۔ بھائی! یہ تو مردوں کی باتیں ہیں مخنثوں کی نہیں۔ جو لوگ تلوار چلاتے اور زخم کھاتے ہیں وہ اور ہی لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو کاسہ لیسی کرتے ہیں اور ثرید کھاتے ہیں، ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ گدا اور بادشاہ کب برابر ہوئے ہیں۔

خبردار! ان عاشقانِ الٰہی اور مردانِ خدا کو اپنی ناقص عقل کے ترازو پر ہرگز نہ تولنا۔ یہ لوگ اس سے بہت بلند ہیں۔ جہاں عشق کا آفتاب چمکتا ہے وہاں عقل کے ستاروں کا کیا کام۔ لہٰذا ہمارے لیے ان کی تصدیق کے سوا چارہ کیا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

طعمۂ کاں پاک بازاں را دہند ❊ ہرگز آں کے تو نیازاں را دہند

(جو خوراک کہ پاک بازوں کو دیتے ہیں۔ وہ نو نیازوں کو کب دیتے ہیں؟)

مثنوی

این ہمہ علم جسم مختصر است ؛ علم رفتن براہ حق دگر است

(یہ سب تو جسم مختصر کا علم ہے۔ راہ حق پر چلنے کا علم ہی دوسرا ہے)

حرف کو کاغذے سیاہ کند ؛ دل کہ تیرہ ست کے چو ماہ کند

(حرف جو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے تاریک دل کو کس طرح چاند کے مانند منور کر دے گا)

گر ترا در دست پیر آید پدید ؛ قفل در دت را کلید آید پدید

(اگر تجھ کو کسی پیر کامل کا ہاتھ حاصل ہو جائے۔ تو تیرے تمام دردوں کی کنجی تجھے مل جائے گی)

والسلام

۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز جمعہ

۱۵ جنوری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب

لطیف آباد حیدرآباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ ۱۰۷

عمرِ رفتہ پر افسوس بہ الفاظِ دیگر

بیت

در کوے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا ⁂ چوں برہمن پیر بہ بت خانہ بماندیم

(افسوس! عمر بھر بتوں کی گلی کی خاک چھانتا رہا۔ گویا بوڑھے برہمن کی طرح ہمیشہ بُت خانہ ہی میں رہا)

اے بھائی! ایک ایسا شخص جو خود اپنی مصیبت اور ماتم میں گرفتار ہو۔ اور اس کا حال ایسا زبون و زار ہو جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو اس بیچارہ نے کہا ہے۔

فرد

نہ می دانم کرامانم بدیں سیرت گرفتارم ⁂ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم[1]

(معلوم نہیں میں کس کے مشابہ ہوں۔ البتہ اس حالت میں گرفتار ہوں کہ میں نہ ہندو ہوں نہ مسلمان، مرتد ہوں نہ بدکار) جب یہ صورت ہو تو وہ دوسروں کی یاد کیا کرے گا؟ اور کسی سے کیا کہے گا؟

آں برادر نے دل ماندگی کی شکایت کی ہے۔ اپنا بھی یہی حال۔ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے عزیزوں نے بھی اپنے احساس ناکامی کی اطلاع دی ہے۔ ناکامی ہی نہیں بلکہ عتاب تک کی خبر دی ہے اے بھائی! یہ معاملہ تنہا تمہارا نہیں ہے۔ میری عمر بھی گذر چکی۔ موت کی گھڑی سر پر گھڑی ہے۔ آخرت کا سفر در پیش ہے۔ اور خوف و حیرت غالب ہے۔ عجیب پریشانی ہے کہ جب ملک الموت آئیں گے اور روح قبض کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کریں گے۔ اِلٰهِیْ اَقْبِضْ رُوْحَ هٰذَا الْعَبْدِ بِالسَّعَادَتِ اَمْ بِالشَّقَاوَتِ (اے اللہ! میں اس بندے کی روح سعادت پر یا بدبختی پر قبض کروں) معلوم نہیں اس وقت کیا جواب ملے گا۔ اسی سے اندازہ کرو کہ جس شخص کی حیرت کا یہ عالم ہو وہ اپنے

---

[1] چہ بدکارم۔ قلمی نسخہ

آپ میں کب رہ سکتا ہے۔ اور وہ دوسروں کا حال کیا سمجھ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

راندۂ سابقت نہ دانم چیست ٭ خواندۂ خاتمت نہ دانم کیست

(تقدیر میں کیا لکھ کر چلایا ہے کچھ نہیں معلوم۔ اور یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ خاتمہ کے بارے میں کیا لکھا ہے)

بدِ ما نیک شد چوں پذیرفتی ٭ نیک ما گشت بد چوں بگرفتی

(جب تو نے قبول کر لیا تو ہماری برائی بھی نیکی میں تبدیل ہوگئی۔ اور جب تو نے پکڑ لیا تو ہماری اچھائی بھی برائی ہوگئی)

اے بھائی! کام بہت زیادہ دشوار ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں یا گفتگو میں سنتے یا تحریروں میں پڑھتے ہیں۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ ایک عارف کا واقعہ ہے کہ وہ سکرات موت میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت! آپ کی کوئی آرزو ہو تو بتلائیے تاکہ ہم اسے پوری کریں۔ عارف نے جواب دیا۔ میں ایسا عدم چاہتا ہوں جس کے لیے وجود نہ ہو۔

اور وہ جن کی دولت یہ ہے لَوْ اُتْزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانُ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔ (اگر ابوبکر کے ایمان کو میری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان وزنی ہوگا) وہ یہ فرمایا کرتے تھے۔ "اے کاش! میں کسی درخت کا پتا ہوتا کہ بکریاں کھا لیتیں۔"

اور وہ جن کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) وہ بھی وجود کے محاسبہ سے پریشان ہو کر فرمایا کرتے تھے۔ "کاش! میں جسم مادر ہی میں خون بن کر رہ جاتا۔"

اے بھائی! یہ حال تو ان لوگوں کا ہے جو سارے عالم کے مقتدا اور سردار ہیں۔ اور اسلام کا مرکز ہیں۔ پھر ہم لوگ جو بت خانہ میں پیدا ہوئے، بت خانہ ہی میں پرورش پائی اور تمام عمر نفس کے بت کے سامنے سجدے کرتے رہے۔ ان کے متعلق تم کیا کہو گے؟ ان کے حال کا ذرا اندازہ تو کرو کہ کیا ہوگا؟ اس بیچارے پر رحمت بلکہ سینکڑوں رحمت ہو جس نے کہا ہے۔

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم
چند خود را تہمت دینِ مسلمانی نہم

(بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے میری پیشانی گھس گئی۔ میں کب تک اپنے اوپر مسلمان ہونے کی

تہمت لگائے رکھوں)

اے برہمن تو بار دہِ رد کردۂ اسلام را ؎ یا چوں من گمراہ را در پیش بت ہم راہ نیست

(اے برہمن! تو اسلام کے اس ٹھکرائے ہوئے بندہ کو اجازت دے۔ کیا مجھ جیسے گمراہ کو بُت کے سامنے بھی جانے کی اجازت نہیں)

والسلام

۲۲ رصفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز جمعہ

۱۱ رجنوری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۰۸)

ناپسندیدہ اخلاق کو پسندیدہ اخلاق سے بدلنا

ے هر چه جز حق بسوز و غارت کن ✦ هر چه جز دین از و طهارت کن

(حق کے سوا جو کچھ ہے اسے جلا کر خاک کر ڈالو۔ اور دین کے علاوہ جو کچھ ہے اس سے طہارت حاصل کرو)

اے بھائی! بہشت اور دوزخ کے بہت سے دروازے ہیں۔ تمام اخلاق حمیدہ اور تمام پسندیدہ اعمال وافعال اور اقوال، بہشت کے دروازے ہیں۔ اسی طرح تمام ناپسندیدہ اعمال وافعال اور اقوال اور جملہ مذموم اخلاق دوزخ کے دروازے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ آرام وراحت نصیب ہوتا ہے وہ اخلاق حسنہ اور اچھے اعمال وافعال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور جو ناخوشی و بے اطمینانی ملتی ہے وہ بھی اس کے ناپسندیدہ اقوال وافعال اور مذموم اخلاق کی وجہ سے ملتی ہے۔ اب جس شخص نے اپنے کو اخلاق حمیدہ سے آراستہ کر لیا اور برے اقوال وافعال کو ترک کر دیا تو وہ دوزخ سے نجات حاصل کر کے بہشت میں داخل ہو گیا۔ اس لیے کہ دوزخ کو تو برے اعمال وافعال اور مذموم اخلاق والوں سے واسطہ ہے نہ کہ نیک اقوال وافعال اور اخلاق حسنہ رکھنے والوں سے۔

دائما در خوے ناخوش ماندهٔ ✦ در صفات بد در آتش ماندهٔ

(ہمیشہ بری عادتوں اور خصلتوں میں تو مبتلا رہا۔ ان ہی بری صفتوں کی وجہ سے تو نے دوزخ خریدا)

خود صفات بد نخواهد بود جمع ✦ تا نخواهد بود بسوزی چو شمع

(بری صفتوں کو تو نے خود سے جمع کر لیا ہے۔ جس کی وجہ سے شمع کی طرح ہمیشہ جلتا رہے گا)

اے بھائی! مرید کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے برے افعال کو اچھے افعال سے، برے اقوال کو اچھے اقوال سے، برے اعمال کو اچھے اعمال سے اور برے اخلاق کو اچھے اخلاق سے آج ہی بدل ڈالے۔ اس کام کو اہل تصوف "گردش از نہاد خرد" کہتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

تو چنیں محجوب از خود ماندهٔ ✦ تا ابد معیوب از خود ماندهٔ

(تو اپنے اعمال بد کی وجہ سے اپنے آپ سے محجوب رہا ہے۔ اور ابد تک کے لیے اپنے کو معیوب بنا دیا ہے)

پاک بازانے کہ درویش آمدند ؛ ہر نفس در محوِ خود پیش آمدند

(وہ پاک باز لوگ جو واقعی درویش ہیں۔ وہ ہر لمحہ اپنے کو مٹانے میں لگے ہوئے ہیں)

اے بھائی! مرید کے لیے یہ کام اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز کے لیے وضو۔ جس طرح وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی اسی طرح گردش کے بغیر کوئی مرید طریقت کی راہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ تمام مجاہدات و ریاضات اسی گردش کے حصول کے لیے ہیں۔ تاکہ مرید راہ طریقت پر چلنے کے لائق ہو سکے۔ جو شخص اس گردش کے بغیر راہ طریقت پر چلنا چاہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بلا وضو نماز ادا کرے۔ آج ساری خرابی اسی وجہ سے ہے کہ لوگ اس کام کو بغیر شرط کے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہر کام کے لیے شرط ہے۔ لہٰذا شرط کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔ چنانچہ طریقت کے لیے گردش شرط ہے۔ جب تک شرط پوری نہ ہو کام سرانجام نہیں پا سکتا۔ جس طرح آنکھ کے بغیر دیکھنا، کان کے بغیر سننا، زبان کے بغیر بولنا اور ناک کے بغیر سونگھنا ممکن نہیں۔ اسی طرح گردش کے بغیر راہ طریقت میں قدم رکھنا ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ پیر کو ایسا ہونا چاہیئے جو خود راہ طریقت پر چلا ہو، اس راہ کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو، اپنے وجود سے بے نیاز ہو چکا ہو، اپنے حصہ اور نصیب سے آزاد ہو۔ غرض کہ اس کام سے اچھی طرح واقف ہو تاکہ مرید کی اچھی طرح تربیت کر سکے اور یہ گردش اس کی جوتیوں کی خدمت اور دولت کے سایہ میں مرید کو حاصل ہو۔

مثنوی

راہ دور است و پر آفت اے پسر ؛ راہ رو را می بباید راہ بر

(اے لڑکے! راستہ دور ہے اور خطروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس لیے راستہ چلنے والوں کے لیے کوئی جاننے والا راہبر چاہیئے)

کور ہرگز کے تواند رفت راست ؛ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

(اندھا کب سیدھا چل سکتا ہے؟ ڈنڈا کھینچنے والے کے بغیر اندھے کا چلنا غلط ہے)

گر ترا دست پیر آید پدید ؛ قفل در درت را کلید آید پدید

(اگر تجھ کو کسی پیر کا ہاتھ میسر آجائے تو گویا تیرے درد کے تالے کے لیے کنجی مل گئی)

اے بھائی! جس شخص کو یہ درد لاحق ہو اور اس طرح کا غم و اندوہ اس کے سینہ میں جاگزیں ہو جائے اور ایسی صورت میں وہ تمام برائیوں اور مذموم باتوں سے باہر نکل کر مردوں کے کمال تک اپنے کو پہنچانا

چاہتا ہو اور آدمی کی صورت اور سیرت اختیار کرنے کا خواہشمند ہو تو حال کے مطابق اس پر فرض ہے کہ کسی ایسے شخص کی کفش برداری اختیار کرے جو خود کمال کے درجہ تک پہنچا ہوا ہو۔ تاکہ اس کو کمال تک پہنچا سکے اور مناسب تربیت کر سکے۔ اس راہ کے آفات و خطرات سے سلامتی کے ساتھ نکال کر منزل مقصود تک پہنچا سکے۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

او دلیلِ تو بس تو راہ مجوے ❊ او زبانِ تو بس تو بیاوہ مگوے

(وہ تیرے لیے بہتر رہنما ہے اس لیے تو خود راہ نہ ڈھونڈ۔ وہ تیری ترجمانی کے لیے کافی ہے اس لیے فضول مت بول)

ہر چہ او گفت رازِ مطلق داں ❊ ہر چہ او کرد کردۂ حق داں

(جو کچھ وہ کہے اسے راز مطلق جان۔ اور جو کچھ وہ کرے اسے حق کا کیا ہوا جان)

خاک او باش و بادشاہی کن ❊ آنِ او باش ہر چہ خواہی کن

(اس کی راہ طلب میں خاک ہو جا پھر بادشاہی کر۔ پہلے اس کی ملک بن جا پھر جو جی چاہے کر)

جانتے ہو کامل کس کو کہتے ہیں؟ کامل اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس یہ چار چیزیں ہوں۔ شریعت تمام، طریقت تمام، حقیقت تمام اور معرفت تمام۔ جو ان چار چیزوں کا حامل ہو وہی مقتدا ہے، وہی پیر ہے، وہی شیخ ہے اور وہی مرد کامل ہے۔ ایسا ہی شخص پیری کے لائق ہے۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب گمراہی، جہالت اور ضلالت ہے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے۔

والسلام

۲۳۔ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز شنبہ

۱۲؍ جنوری ۱۹۸۰ء دس بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— ۱۰۹

انسان کا شائستہ و برگزیدہ اور محبوب ہونا

اے بھائی! البشر خلاصۂ موجودات اور زبدۂ مخلوقات ہے۔ جو کچھ رکھتا ہے بشر ہی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ سب نقش بر دیوار ہیں۔ چنانچہ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے۔

مثنوی

تا فلک کردند آدم را سجود ؏ عشق شاں یک ذرہ آمد در وجود

(ان کے عشق کا ایک ذرہ عالم وجود میں آیا تو آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا)

رہ بحق چوں جان آدم یافتند ؏ تا ابد در خدمتش بشتافتند!

(حق کے سامنے جب آدمؑ کی جان کو انھوں نے پایا۔ تو ابد تک اس کی خدمت کے لیے آمادہ ہو گئے)

تا نیامد جانِ آدم آشکار ؏ رہ نہ دانستند سوے کردگار

(جب تک آدم (علیہ السلام) کی جان ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ خدا کی طرف جانے کا راستہ کسی کو معلوم نہ تھا)

رہ پدید آمد چو آدمؑ شد پدید ؏ زو کلید ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم (علیہ السلام ظاہر ہوئے تو راستہ معلوم ہوا۔ ان ہی سے دونوں عالم کی کنجی ملی)

اے بھائی! یہ غافل رہنے کا مقام نہیں ہے۔ سبحان اللہ! جو کچھ اس خاک و آب کو عطا ہوا ہے وہ اٹھارہ ہزار عالم میں سے کسی کو نہیں ملا۔ نَفَخْتُ فِيْهِ مِن رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی روح سے پھونکا) اس پر غور کرو۔ یہ سعادت یہ نعمت عظمیٰ کس کو ملی؟ حضرت انسان کو۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

اے دل ز ہوائے خود حذر کن ؏ در کوے ولاے او گذر کن

(اے دل اپنی خواہشات سے پرہیز کر۔ اور اس کی دوستی کی گلی میں جگہ لگا)

بگذر ز طبیعت و مزاجش ؏ در سرِ نَفَخْتُ او نظر کن

(اس کے مزاج اور طبیعت سے گذر جا۔ اور "نفخت" کی حقیقت پر غور کر)

تقدس اور پاکیزگی کے باوجود فرشتوں کو بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ۔ (بلکہ وہ معزز بندے ہیں) کا مقام عطا ہوا یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔) کے لائق اس آب وخاک ہی کو سمجھا گیا۔ ایک عزیز نے یہ سمجھانے کے لیے کہ جو کچھ عطا ہوا ہے اس مجموعۂ خاک وآب ہی کو عطا ہوا ہے۔ یہ کہا ہے۔ ؎

خاک راچوں کار باپاک اوفتاد ❊ پیشِ آدم عرش درخاک اوفتاد

(خاک کا کام جب پاک سے پڑا تو عرش آدم (علیہ السلام) کے سامنے زمین پر گر پڑا)

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (بیشک آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا) یہ بہت مشہور ہے۔ لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ علیٰ صورتہٖ سے مراد عَلٰی صِفَاتِهٖ ہے۔ یعنی اپنی صفت پر پیدا کیا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کی حقیقت، ذات ربوبیت کے راز کا مظہر ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

نیست بالائے تو مخلوقے دگر ❊ نیست بیرونِ تو معشوقے دگر

(تجھ سے بہتر کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے۔ اور تیرے سوا کوئی دوسرا معشوق بھی نہیں ہے)

مثنوی

چوں برونی توز عقل و معرفت ❊ نہ تو در شرح آئی و نے در صفت

(چونکہ تو عقل و معرفت کی حدود سے باہر ہے اس لیے نہ تیری شرح ہو سکتی ہے اور نہ صفت بیان ہو سکتی ہے)

ہرچہ در توحیدِ مطلق آمدست ❊ ایں ہمہ در تو محقق آمدست

(جو کچھ توحید مطلق کے متعلق آیا ہے وہ سب تجھ میں بطور تحقیق موجود ہے)

اے بھائی! جب مٹھی بھر خاک کو کمال قدرت کے ساتھ اپنے قبضہ میں کر لیا تو اس کے بعد اس کو چالیس سال تک نظر نور کے آفتاب کے سامنے رکھا۔ جب ہستی کی تازگی اس سے ختم ہو گئی تو فرشتوں کو حکم دیا کہ اس عجیب وغریب شکل وصورت والے کے دربار میں جاؤ اور اس کے آستانۂ جلال کو بوسہ دو جو سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (پس اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑو)

کیا یہ قدرومنزلت، یہ احترام وعزت اور یہ شرف وعظمت ایک مٹھی بھر مٹی کو عطا ہوئی تھی؟ نہیں بلکہ سلطانِ دل کو ان نوازشوں سے نوازا گیا تھا۔ جو لطایفِ الٰہی میں سے ایک لطیفہ، اسرار شاہی میں سے ایک راز اور معانی غیب میں سے ایک معنیٰ ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے

پروردگار کا ایک امر ہے اُس راز کو حضرت آدم علیہ السلام کے سویدائے دل کو ودیعت فرمایا۔ پھر خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح توضیح و تشریح کرائی۔ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا) بھائی! یہ محض تمثیل و تشبیہ کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم راز ہے۔ چنانچہ جب ملاء اعلیٰ نے خاک کے پتلے کی اس بزرگی، اس عظمت و مرتبت کو دیکھا تو سجدہ ریز ہو کر اپنی جانوں کو اس بے باک خاک کے پتلے کے آستانے پر نثار کر دیا۔ مگر وہ ملعون جو اس عہد کا چمگادڑ تھا جب آفتابِ آدمؑ کے مقابل ہوا تو اپنی آنکھوں کو ملنے لگا اور اپنی انتہائی بدبختی کی وجہ سے جمال آدمؑ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور انکار کر بیٹھا۔

بابخت چنینم اتفاق افتادست   کز عشق نصیب من فراق افتادست

(قسمت کی بنا پر اتفاقاً مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا۔ عشق سے میرے حصہ میں فراق ہی لکھا تھا)

اے بھائی! آدم علیہ السلام کی ذات گرامی اسرار غیب کی امانت گاہ تھی۔ ورنہ ایک مٹھی خاک میں یہ اہلیت کہاں کہ حظیرۂ قدس کے مکین اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ ایک مٹھی بے قیمت مٹی کی یہ عزت کہاں! کہ جبرئیلؑ امین، میکائیلؑ مکین اور اسرافیلؑ صاحبِ تمکین کو حکم دیا جائے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کہ اس کو سجدہ کرو۔) یہ ایک مٹھی بھر خاک کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ سرِ دل میں جو چیز خوابیدہ تھی اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

تمام عقلائے عالم حیران و سرگرداں بلکہ انگشت بدنداں تھے کہ خاک کے اس پتلے میں کون سی ایسی بات تھی جس کی وجہ سے وہ اس کو دوست رکھتا ہے ایک عزیز نے کہا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ جو اپنی مصنوعات کو دوست رکھتا ہے، وہ درحقیقت اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ العزیز کے سامنے جب یہ آیت تلاوت کی گئی یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں) تو انھوں نے فرمایا۔ ہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے سوا کسی دوسرے سے محبت نہیں کرتا۔ اے درویش! جب کسی غیر کا وجود ہی نہیں ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ غیر کو دوست رکھتا ہے۔

منقول ہے کہ استاذ ابوبکر القاسم تستری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کب جائز ہو سکتا ہے کہ وہ موجود ہو اور تو بھی موجود ہو۔ اس کی ہستی بھی ہو اور تیری ہستی بھی ہو۔ ایسے ہی موقع کے لیے خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

می نہ دانم ہیچ ہستم یا نیم   ❊   چوں ہمہ ہم اوست آخر من کیم

(میں کچھ ہوں یا نہیں، مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جب سب کچھ وہی ہے، تو آخر میں کون ہوں،
وہ وجود، جس کی انتہا عدم ہے، اس وجود کو اگر وجود کہو تو یہ مجازاً ہوگا۔ دو عدم کے درمیان وجود،
لاوجود کی طرح ہے۔

والسلام
۲۴ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز یکشنبہ
۱۳ر جنوری ۱۹۸۰ء ایک بجے دن
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ
محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــــ (۱۱۰)

شریعت وطریقت اور حقیقت کے راستے

شریعت ایک راستہ ہے اور طریقت بھی ایک راستہ ہے۔ شریعت کے راستہ پر چلنے سے ظاہری صفائی حاصل ہوتی ہے اور انسان مہذب ومودب ہوجاتا ہے۔ طریقت وحقیقت کے راستہ پر چلنے سے تصفیہ قلب یعنی باطنی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اور غیب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے اپنے آپ سے بے زار ہو پھر حق سے دوستی کے لیے قدم بڑھائے کسی حال میں اپنا یا اپنی کسی مراد کا خیال نہ آنے پائے۔ اور یہ کام ذکر مدام کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَالَۃٌ وَّصَقَالَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُاللّٰہِ (ہر چیز کے لیے صیقل کنندہ ہے۔ قلب کے لیے صیقل کنندہ اللہ کا ذکر ہے) جب کوئی چیز صیقل کی جاتی ہے تو سب سے پہلے صیقل گر کی صورت اس میں نظر آتی ہے۔ چونکہ قلب کا صیقل کنندہ ذکر ہے اس لیے ذکر کی صورت اس میں نظر آئے گی یا مذکور کی۔ یہ ایک بہت ہی اہم راز ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ زبان کا ذکر دل کو مذکور کے سامنے حاضر کرتا ہے۔ اور دل کا ذکر روح کو مذکور کے سامنے پیش کرتا ہے اور روح کا ذکر سِر کو مذکور کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جب یہاں تک معاملہ پہنچ جاتا ہے تو حضوری کی حالت میں "اَنَا" کی صدا بلند ہوتی ہے اور غیبت کی حالت میں "ھُوَ" کی۔

رباعی

آں کس کہ ز عشق یار یک روے شود — پیدا و نہاں ز عشق چوں موے شود

در مرتبۂ حضور گو ید کہ "اَنَا" — در تفرقہ و غیبت "ھُوَ" گوے شود

(جو شخص عشق یار میں گم ہوجاتا ہے وہ اس عشق کی وجہ سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر بال کی طرح ہوجاتا ہے۔ مرتبۂ حضور میں "اَنَا" کی صدا لگاتا ہے اور ہجر کی حالت میں ھُوَ کا نعرہ لگاتا ہے)

اور حقیقت کے راستہ پر چلنا اسقاطِ اضافات ہے۔ یعنی جملہ اضافات کو اپنی نظروں سے گرادینا ہے

تاکہ وحدانی الذات ہو جائے۔ جیسا کہ حسن منصور نے کہا ہے۔ کہ صوفی وحدانی الذات ہوتا ہے۔ اور ذات کی وحدت اسقاطِ اضافات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اضافات کی نسبت باقی ہے حقیقت کی راہ طے نہیں ہو سکتی اور جب حقیقت کی راہ طے نہ ہو سکی تو توحید کی منزل کہاں سے آئے گی۔ اس لیے کوچہ ندامت کے سرانداز اس مقام پر پہنچ کر اپنے کو دیکھتے ہیں تو زنار کمر پر باندھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

رباعی

گفتم کہ مگر محرمِ اسرار آیم ❊ با دولتِ وصل بر در یار آیم
کے دانستم کہ با کمال و دانش ❊ در بتکدہ قابلِ زنار آیم!

(میں نے کہا کہ شاید میں واقف اسرار ہو جاؤں اور وصل کی دولت کے ساتھ یار کے در تک پہنچوں لیکن مجھے یہ کب معلوم تھا کہ کمال و دانش کے باوجود میں بت خانہ میں زنار کے قابل ہوں گا)

والسلام
۲۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز یکشنبہ
۱۳ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۱)

اپنی حالت پر افسوس و ندامت کرنا (بالفاظِ دگر)

ازیں کافر کہ مارا در نہاد است ؛ مسلماں در جہاں کمتر فتاد است

(اس کافر کی وجہ سے جو ہماری سرشت میں موجود ہے۔ دنیا میں مسلمان بہت کم رہ گئے ہیں)

اے بھائی! وہ مسلمانی جو ہم تم رکھتے ہیں وہ اعتماد کے قابل نہیں اس پر تکیہ نہ کرو اور ہر وقت اپنی مصیبت کا ماتم کرتے رہو۔ اس لیے کہ میرا اور تمہارا اسلام کافر و مشرک کے لیے باعث ننگ ہے۔ یہود و نصاریٰ بھی ہمارے تمہارے دین و ایمان سے شرماتے ہیں۔ اسی لیے کسی نے فریاد کیا ہے ؎

نمی دانم کرامانم دریں سیرت گرفتارم
نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(میں نہیں جانتا کہ میں کس کے مشابہ ہوں البتہ اس سیرت میں گرفتار ہوں کہ نہ ہندو ہوں نہ مسلم، نہ مرتد ہوں نہ بدکار)

سلطان العارفین قدس اللہ سرہٗ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تعجب ہے سلطان العارفین کے پڑوس میں رہ کر تو اب تک یہودی ہے، مسلمان نہ ہو سکا۔ اس نے جواب دیا کہ جو مسلمانی وہ رکھتے ہیں وہ میرے بس کا نہیں اور جو مسلمانی تم رکھتے ہو وہ میرے لیے باعث ننگ و عار ہے جس نے یہ شعر کہا ہے بہت خوب کہا ہے۔ ؎

اے برہمن راہ دہ رد کردۂ اسلام را ؛ با چو من گمراہ راپیشِ بتاں ہم راہ نیست

(اے برہمن اسلام کے ٹھکرائے ہوئے کو قبول کرے۔ کیا مجھ جیسے گمراہ کو بتوں کے سامنے بھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔) اگر ایک دن بھی تمہاری نظر اپنے نفس کے بتخانے پر پڑے تو ہر گوشہ میں سینکڑوں بت اور ہزاروں زنار تمہیں نظر آئیں گے۔ پھر تم بھی وہی کہو گے جو ایک عزیز نے کہا ہے۔

سودہ گشت از سجدۂ راہِ بتاں پیشانیم ؛ چند خود را تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

(میری پیشانی بتوں کے راہ میں سجدے کرتے کرتے گھس گئی کب تک میں اپنے اوپر دین مسلمانی کی تہمت لگائے رکھوں)

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ (کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا) غور

سے دیکھو۔ آج ہر شخص اپنی خواہشات کو خدا بنا کر اس کی پوجا کر رہا ہے۔ اور پھر اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ وہ خدا کی پرستش کر رہا ہے۔ افسوس! صد افسوس!! آخر ایسا کیوں ہے؟ ؎

زنہار مگو خدا پرستم ٭ چوں تو بہ ہوائے خود پرستی

(جب تو اپنی خواہش کا پرستار ہے تو ہرگز ہرگز یہ مت کہہ کہ میں خدا پرست ہوں)

بلکہ وہ کہہ جو ایسی ہی نظر رکھنے والے ایک عارف نے کہا ہے۔ مصرع

ع بت پرستم بت پرستم راست گویم ہر چہ ہستم

(میں جو کچھ بھی ہوں اس کا بالکل صحیح اقرار کر رہا ہوں کہ میں بت پرست ہوں ہاں میں بت پرست ہوں)

اَلنَّفْسُ هِيَ صَنَمُ الْاَكْبَرُ (نفس ہی سب سے بڑا بت ہے) جب ہم اس بت کے پیرو ہیں تو ظاہر ہے کہ ہم بت پرست ہیں۔ مگر اپنی جہالت کی وجہ سے اس کو مسلمانی کا نام دے رکھا ہے۔ مصرع

ع فردات کند خمار کہ امشب مستی

(آج کی رات تو مست ہے۔ کل اس کا خمار اترے گا)

موت کے دروازہ پر پہنچ کر جب اس مستی کا خمار اترے گا تو معلوم ہوگا کہ تم خدا کے پرستار تھے یا اپنے نفس کے بت کی پرستش کرتے رہے۔ سبحان اللہ! یہ کیسی مسلمانی ہے کہ نہ مخلوق کے ہوئے اور نہ خالق کے۔ نہ دوستوں سے مواخات اور نہ اہل خرابات سے معاملات۔ یہ تو دین مسلمانی نہیں۔ بلکہ پریشانی کی بات ہے۔ اسی وجہ سے نالہ و فریاد کیا اور کہا۔

رباعی

زہدے نہ کہ در کنج خرابات نشینم ٭ وجدے نہ کہ در گرد خرابات برآیم

(میرے پاس زہد کی پونجی نہیں کہ خرابات میں جا بیٹھوں۔ اور نہ اپنا یہ حال ہے کہ خرابات کے گرد چکر ہی لگاؤں)

نہ اہل صلاحیم و نہ مستانہ خرابات ٭ ایں جا و نہ آں جا نہ چہ قومیم کجائیم

(نہ اہل صلاح ہوں اور نہ خرابات کا مستانہ۔ نہ یہاں کا اور نہ وہاں کا۔ میں کون ہوں اور کہاں ہوں کچھ نہیں معلوم)

اے بھائی! حق بات تو یہ ہے کہ ہم سب خود پرست ہیں۔ ظاہر ہے کہ خود پرستوں سے خدا پرستی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مسجد سے بتخانہ کی راہ لینا چاہیئے۔ اور وہی کہنا چاہیئے جو اس ضعیف پیر نے کہا ہے ؎

درکوے بتاں رفت ہمہ عمر دریغا ٭ چوں برہمن پیر بہ بتخانہ بماندیم

(افسوس! ساری عمر تو بتوں کی گلی میں گذر گئی۔ گویا بوڑھے برہمن کی طرح ہم بت خانے ہی میں رہے)

توحید کے دربار میں حاضری چاہتے ہو تو مصحف بکف ہو کر اس کی تلاش میں نکلو۔ زنار کے ساتھ تو اس کا ملنا محال ہے۔ اس مفہوم کو کسی نے کیا خوب ادا کیا ہے۔

مصحف بکف گرفتہ کفرے دروں نہفتہ ٭ بطال مست خفتہ در بستر ریائی

(ہاتھ میں مصحف لیے ہوئے دل میں کفر چھپائے ہوئے باطل پرست ریا کے بستر پر مست سویا ہوا ہے)

ع مسلمان شو دلا زنار بگسل

(اے دل مسلمان ہو جا اور زنار توڑ کر پھینک دے)

اے بھائی! ہمارا اور تمہارا دعویٰ بھی وہی ہے جو فرعون لعین کا تھا یعنی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں) فرق صرف اتنا ہے کہ اس ملعون نے علی الاعلان یہ دعویٰ کیا اس لیے کہ اسے قتل کیے جانے کا خطرہ نہ تھا۔ ہمارا تمہارا نفس بھی وہی کہتا ہے مگر پوشیدہ طور پر اس لیے کہ قتل ہونے سے ڈرتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک پیر نے مسجد سے بتخانے کی راہ لی۔ جس نے کہا ہے خوب کہا ہے۔

بار دگر پیر ما راہ قلندر گرفت ٭ خرقہ بہ زنار داد مشغلہ از سر گرفت

(دوسری مرتبہ ہمارے پیر نے قلندری کی راہ اختیار کی۔ خرقہ زنار کے عوض دے دیا اور نئے سرے سے شغل شروع کر دیا)

میکدہ آباد کرد و مسجد و منبر خراب ٭ از ہمہ گبراں صلیب مرتبہ برتر گرفت

(مسجد و منبر کو ویران کر کے شراب خانہ کو آباد کیا۔ اس طرح تمام گبروں میں بلند مرتبہ حاصل کیا)

مصحف و سجادہ را کرد گرو بہرے ٭ سبحہ بہ خمار داد بادہ و ساغر گرفت

(شراب کے لیے مصحف اور سجادہ کو گرو کر دیا۔ تسبیح شراب فروش کو دے کر اس سے شراب و ساغر حاصل کیا)

کرد گریبانِ دل چاک چو مردانِ راہ ٭ رفت خراماں و مست دامنِ دل بر گرفت

(مردان راہ کی طرح، دل کا دامن چاک کر کے خراماں خراماں مستانہ وار آگے بڑھا اور محبوب کے دامن کو تھام لیا)

اے بھائی! جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور اپنا غم کھاتے رہنا چاہیئے۔

قطعہ

اے پیر گنہ گار درِ توبہ کشادہ ست ٭ انواعِ نعم بہرِ تو آمادہ نہادہ ست

(اے گنہگار پیر! توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کی نعمتیں تیرے واسطے تیار کر رکھی ہیں)

بشتاب سوے توبہ کہ از ما درگیتی ٭ از کردن تاخیر بسے واقعہ زادست

(توبہ کی طرف دوڑ کہ اس دنیا میں تاخیر کی وجہ سے بہت سے واقعات نے جنم لیا ہے)

بفگن تو سرِ نفسِ بد آموز بہ شمشیر ٭ بردار سر آں راکہ دریں راہ فتادست

(نفس بد آموز جو اس راہ میں حائل ہے اس کے سر کو دار پر تلوار سے اڑا دو)

اے بھائی! کسی حال میں بھی غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اس لیے کہ جب تک نفس کافر باقی ہے ان حالات سے دوچار ہونا ضروری ہے۔ اسی کو ایک عزیز نے کہا ہے۔

مست چہ چسپی کہ کمیں کردہ اند ٭ کارشناساں نہ چنیں کردہ اند

(لوگ گھات میں لگے ہوئے ہیں اور تو مست ہو کر سوتا ہے۔ کام جاننے والوں نے ایسا نہیں کیا ہے)

ایک دوسرے عزیز نے اس طرح فریاد کیا ہے۔

کاشکے ہرگز نہ زادے مادرم ٭ تا نہ کردے کشتۂ نفسِ کافرم

(کاش! میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی۔ تاکہ نفس کافر کے ہاتھوں میں مقتول نہ ہوتا)

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من ٭ تا نہ بودے جنبش و آرام من

(کاش! میرا کہیں نام و نشان ہی نہ ہوتا تاکہ نہ میری کوئی حرکت ہوتی اور نہ سکون ہوتا)

والسلام

۲۶ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ روز سہ شنبہ

۱۵ جنوری ۱۹۸۰ء ۵ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۲)

معاملات کو اللہ کے سپرد کرنا اور اپنے اختیار سے دستبردار ہونا

برادر اعز ملک محمود! اعز اللہ فی الدارین

تمہارے خطوط برابر ملتے رہے اور آنے والوں کی زبانی بھی حالات معلوم ہوتے رہے۔ انشاءاللہ اگر تقدیر خداوندی نے چاہا تو ملاقات ضرور ہوگی۔ اور فراق کی کلفت وصال کی لذت سے بدل جائے گی۔ جیساکہ کہا ہے۔ ؎

دیدارِ یار باید دانی چہ ذوق دارد ؛ ابرے کہ در بیاباں بر تشنگاں ببارد

(دیدار یار چاہیئے۔ مگر جانتے ہو کہ وہ بادل جو پیاسوں پر میدان میں پانی برساتا ہے، کیا ذوق رکھتا ہے؟)

اے بھائی! بندہ کی خواہش سے کوئی کام نہیں بنتا ہے۔ انبیاء و اولیاء، امراو سلاطین بہت سی چیزوں کی تمنا کرتے رہے۔ مگر پوری نہ ہوئی۔ اور بہت سی چیزوں کے متعلق یہ خواہش کرتے رہے کہ وہ نہ ہوں مگر وہ ہوگئیں۔ یعنی خدا کی خواہش نے تمام خواہشوں کو پیچھے کر دیا۔

بیت

نہ رود بر مراد کارے ؛ بندہ بودن چنیں بود آرے

(کوئی کام میری مراد کے مطابق نہیں ہوتا ہے۔ ہاں! بندہ ہوتا اسی کا نام ہے)

بھائی! بندگی کو مراد سے کیا کام؟ سنو! عبودیت دوسری چیز ہے اور ربوبیت کوئی اور چیز ہے۔ جس طرح کہ وحدت میں دوئی کی گنجائش نہیں ہوتی اسی طرح الوہیت میں شرکت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اسی لیے کہا اِمَّا اَنَا وَ اِمَّا اَنْتَ (یا میں یا تو) یہی وجہ ہے کہ تمام بزرگانِ دین اپنے وعدوں اور کاموں سے پہلے انشاءاللہ کہا کرتے ہیں۔ یعنی اپنے کاموں اور وعدوں کو مشیئتِ الٰہی کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اور خود درمیان سے الگ ہو جاتے ہیں۔ تاکہ غیرت الٰہی کے زخم نہ کھائیں۔

اے بھائی! ہرگز اس طرح نہ کہا کرو کہ ایسا کروں گا، یہ لوں گا، وہ دوں گا وغیرہ ایسے کلمات سے پہلے

انشاء اللہ ضرور کہا کرو۔ تاکہ غیرت خداوندی اپنا کام نہ کرے۔ کفار مکہ نے جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کل صبح جواب دوں گا۔ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سترہ یا اٹھارہ دنوں تک بہ اختلاف روایت وحی کا آنا منقطع رہا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس مدت میں جو کچھ بیتی سو بیتی اس کے مقابلے میں گویا دنیا کے سب پہاڑ نیست و نابود ہو گئے۔ اتنے دنوں کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔ بھائی جبرئیل یہاں یہاں مخالفین کھڑے جواب طلب کر رہے ہیں اور آپ نے آنے میں اتنی دیر کر دی۔ وجہ تاخیر تو بتایئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ جس وقت آپ نے ان لوگوں سے فرمایا تھا کل صبح جواب دوں گا۔ اس وقت آپ نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا۔

اے بھائی! اگر تقدیر میں لکھا ہے تو ضرور حاصل ہوگا ورنہ ہم اور تم سینکڑوں بار خواہش کریں ہرگز نہیں حاصل ہوگا۔ دیکھو پیغمبر علیہ السلام کی دعوت تیئس ۲۳ سال تک جاری رہی۔ اس تیئس ۲۳ سال کی مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش رہی کہ کسی طرح ابو طالب ایمان لے آئیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بندہ کی خواہش کے مطابق کام نہیں ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بندوں کو خشک خواہش عطا ہوئی ہے اس لیے لوگ شور و فریاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

عالمے پر شور و فریاد آمدہ ❊ جملہ ہم چوں دیہہ برباد آمدہ

(یہ شور و فریاد سے بھری ہوئی دنیا ویران دیہات کی طرح ہے)

اے جہان جان ہمہ حیرانِ تو ❊ صد ہزاراں عقل سرگردانِ تو

(اے سارے جہانوں کی جان ایک دنیا تجھ پر حیران ہے اور لاکھوں عقلیں پریشان ہیں)

والسلام

۲۶ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ ہجری سہ شنبہ

۱۵ جنوری ۱۹۸۰ء دس بجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۳)

فقر و فاقہ کی طرف رغبت (بہ الفاظِ دگر)

نفس قانع گر گدائی می کند ÷ در حقیقت بادشاہی می کند

(نفس قانع اگر گدائی کرتا ہے تو در حقیقت وہ گدائی نہیں بادشاہی کرتا ہے)

برادر اعز خواجگی! کاتب حروف کی طرف سے سلام و دعا

تمہارے خطوط برابر ملتے رہے۔ جس سے حالات معلوم ہوتے رہے۔ تمہیں چاہیئے کہ فقر و فاقہ کے باوجود پوری استقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو۔ تاکہ کل اہل فقر و فاقہ کی دولت سے محرومی نہ ہو۔ یہ ایسی نعمت ہے کہ کل جب اہل دنیا اور اس کے اغنیاء اس کی دولت اور نعمت کو دیکھیں گے تو اس کی آرزو کریں گے اور حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کاش! ہماری عمر بھی دنیا میں گدائی ہی میں گزر جاتی۔

مثنوی

گرچہ چندانی سلیماں کار داشت ÷ از زمیں تا عرش گیر و دار داشت

(حضرت سلیمان علیہ السلام جن کی زمین سے آسمان تک حکومت تھی اور اس کے سنوارنے میں مشغول رہتے تھے)

مسکنت را قدر چوں بشناخت او ÷ قوت از زنبیل بافی ساخت او

(لیکن انھوں نے جب مسکینی کی قدر پہچان لی تو زنبیل بافی کو اپنی روزی کا ذریعہ بنا لیا)

نفس قانع گر گدائی می کند ÷ در حقیقت بادشاہی می کند

(نفس قانع اگر گدائی کرتا ہے تو در حقیقت وہ گدائی میں بادشاہی کرتا ہے)

اے بھائی! درویشی اور مسکینی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لیے کہ اس میں آرام ہی آرام ہے۔ وہ اس طرح کہ دنیا کی آفتوں اور اہل دنیا کی آزمائشوں سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن درویشی کے کام میں سب سے کٹھن مرحلہ یہ ہے کہ فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مگر جانتے ہو یہ کتنی بڑی دولت ہے۔ سن لو جس رات فقیر کو فاقہ نصیب ہوتا ہے وہ رات اس کے لیے شب معراج ہے۔ ~

ہر کہ او از کار دنیا پاک شد ٭ نور مطلق گشت گرچہ خاک شد

(جو شخص دنیا کے جھنجھٹوں سے پاک ہوا وہ نور مطلق بن گیا۔ اگرچہ خاک ہو گیا ہو۔)

اے بھائی! ملک وملکوت میں جو کچھ ہے وہ سب شبِ معراج میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا تھا۔ مگر آپ نے گوشۂ چشم سے بھی ان کی طرف نہیں دیکھا اور فرمایا اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرے لیے باعث فخر ہے) سبحان اللہ! کیا ہمت ہے۔ اسی کو کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ ؎

حقا کہ بزہ نیاورد کرد ٭ چرخ فلک پسر کمانم

(اے لڑکے! خدا کی قسم آسمان میری کمان کو نہیں جھکا سکتا)

آدم علیہ السلام کو جب مسجود ملائک بنایا اور آٹھوں بہشت ان کو جاگیر میں دے دی۔ تو ان کی نظر فقر وفاقہ کے راز پر پڑی۔ انھوں نے آٹھوں بہشت کو گیہوں کے ایک دانہ کے عوض بیچ ڈالا اور خرقۂ فقر پہن کر دنیا میں تشریف لے آئے۔

مثنوی

جانِ آدم چوں بہ سرِّ فقر سوخت ٭ ہشت جنت را بہ یک گندم فروخت

(آدم علیہ السلام کی جان جب فقر کے راز سے روشن ہوئی۔ تو انھوں نے آٹھوں بہشت کو ایک دانہ گندم کے عوض بیچ دیا)

ما را نہ سزا بود بلندی ٭ چوں ساکنِ جائے گاہ پستیم

(بلندی ہمارے لیے مناسب نہ تھی کیوں کہ ہم پست جگہ کے رہنے والے ہیں)

اے بھائی! جو کچھ فرعون اور نمرود کو دیا گیا تھا اگر آج وہ چیزیں تمہیں نہیں دی گئیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔ بلکہ یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس نے تم کو ان چیزوں سے محفوظ رکھا جس کی وجہ سے وہ دونوں ملعون ومردود ہوئے تھے۔ منشاء الٰہی یہ ہے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے کہیں تم ان کی طرح ملعون ومردود نہ ہو جاؤ۔ اس لیے اس نے تمہیں ان چیزوں سے محفوظ رکھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دنیا کی بلا سے محفوظ رہنے کا واحد طریقہ قناعت ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ہر کہ در راہِ قناعت مرد شد ٭ ملک دنیا بر دلِ او سرد شد

(جو شخص قناعت کی راہ میں مرد ہوگیا۔ تو دنیا کی تمام نعمتیں اس کی نظروں میں ہیچ ہوگئیں۔)

ہیچ کس را در جہانے بحر و بر ⁂ از قناعت نیست ملکے بیشتر

(اس عالم بحر و بر میں قناعت سے بڑھ کر کوئی ملک نہیں ہے)

والسلام

۲۷ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ چہارشنبہ

۱۶ر جنوری ۱۹۸۰ء ۵ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۴)

جسے اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے اسے فضیلت دینا

ذرۂ دردِ خدا در دل ترا ❊ بہتر از ہر دو جہان حاصل ترا

(تمہارے دل میں خدا کے درد کا ایک ذرہ بھی تمہارے لیے دونوں جہان سے بہتر ہے)

فرزند حسام الدین! دعا۔

دل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو کسی چیز کے پانے کی نہ تو خوشی ہو یا نہ پانے کا غم ہو۔ جس دل میں یہ خوبی نہ ہو تو وہ دل نہیں پتھر ہے۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (پس وہ پتھر کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت) اس پر اس جملہ کا داغ لگا ہوا ہے۔ لہٰذا بندہ کو چاہیئے کہ جس کام میں بھی ہو اور جس حال میں ہو کون و مکان سے اپنی ہمت کو پاک رکھے۔ خواہ وہ ظاہری اعمال و افعال سے خالی اور مفلس ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہاں کام فضل سے بنتا ہے عمل سے نہیں۔ یعنی فضل خداوندی کو پانے کے لیے عمل علت نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جس کسی پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے تو وہ نہ تو اس کے عمل کی وجہ سے کیا ہے اور نہ جوہر کی وجہ سے۔ اگر عمل کی وجہ سے فضل خداوندی ہوتا تو اگلی امتوں کو اس امت پر فضیلت ہوتی۔ اس لیے کہ ان کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں لہٰذا عمل بھی یقیناً زیادہ کیا ہوگا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح سے اگر جوہر پر فضل موقوف ہوتا تو شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہوتی۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق خاک سے ہوئی ہے جو ظلماتی ہے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے جو نورانی ہے۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بیت

آں راکہ دہد بارش در عالم خود بارش ❊ بے واسطۂ کارش کردار چہ کار آید

(جس شخص کا محبوب اپنے دربار میں اس کو باریابی عطا کرے تو اس کا کام تو بلا واسطہ انجام پائے گا وہاں عمل کیا کام آئے گا)

اس کے باوجود کہ علت و سبب کو وہاں دخل نہیں ہے پھر بھی عمل اور مجاہدہ سے مفر نہیں ہے۔

تَحْقِیْقًا لِلْعُبُوْدِیَّۃِ وَتَصْحِیْحًا لِلتَّکَالِیْفِ (تاکہ عبودیت محقق ہو اور تکالیف صحیح ہوں)۔ یہ بلند ہمت انسان کا خاصہ ہے۔ وہ جو ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ہاتھ میں ایک کمان رکھ دی ہے کہ جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام بھی اس کو جھکا نہیں سکتے۔ وہ کمان یہی ہمت ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

حقا کہ بزہ نیاورد کرد ❊ چرخِ فلک اے پسر کمانم

(اے لڑکے! خدا کی قسم آسمان بھی میری کمان کو جھکا نہیں سکتا)

یہی وجہ ہے کہ اٹھارہ ہزار عالم میں سے آدمیوں کے سوا کسی اور کے متعلق یہ نہیں کہا گیا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں)، اور اپنے دیدار کا وعدہ بھی انسانوں کے سوا کسی اور سے نہیں فرمایا۔

مثنوی

آسمان وعرش وعنصر چیست پوست ❊ خاک الحق جملہ را مغزے نکوست

(آسمان، عرش اور عنصر کیا ہیں؟ پوست ہیں۔ البتہ خاک سب کے لیے حقیقت میں بہترین مغز ہے)

خاک را چو کار با پاک اوفتاد ❊ پیشِ آدم عرش در خاک اوفتاد

(خاک کا کام جب پاک سے پڑا۔ تو عرش آدم علیہ السلام کے سامنے زمین پر گر پڑا)

والسلام

۲۷ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ بروز چہار شنبہ

۱۶ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۱ بجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۵)

عقل اور عشق کے اطوار

مثنوی

ظلم و عدل و خوب و زشت و کفر و دیں ؛ از جہانِ عقل برخیزد یقیں

(ظلم اور انصاف، اچھا اور برا، کفر و دین اگر ساتھ ساتھ ہوا کرتے ہیں تو عقل کی دنیا سے یقین اُٹھ جاتا ہے) یعنی عقل کو عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کر ہوا ؟

گر جہانِ عقل را برہم نہی ؛ ذرۂ عشقش کند دستِ تہی

(اگر تو عقل کی دنیا کو ختم کر دے تو عشق کا ذرہ اس کو خالی ہاتھ بنا دے گا) یعنی جب عقل کی منزل ختم ہو جاتی ہے تب عشق کی منزل شروع ہوتی ہے۔

ان ابیات کے رموز و اشارات کو اچھی طرح سمجھو اور عقل و عشق کے اطوار میں فرق معلوم کرو۔ عقل کے طور طریقے کچھ اور ہیں اور جنون کے کچھ اور چنانچہ جو عاقل پر فرض ہے وہ مجنوں پر نہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی نے خوب کہا ہے۔

صفِ عاشقاں ست ایں جا مدہ اے فقیہ زحمت ؛ کہ بہ شہر بت پرستاں نتواں نماز کردن

(یہ عاشقوں کی صف ہے۔ اے فقیہ اس میں داخل ہونے کی زحمت گوارا نہ کر۔ اس لیے کہ بت پرستوں کے شہر میں نماز نہیں پڑھ سکتے)

یقیناً عاشق بے دل ہوتا ہے۔ اور جان کو دل کے بغیر مخاطب نہیں کیا جاتا۔ تفسیر امام زاہد میں اس مسئلہ پر مدلل بحث موجود ہے۔ خیر! چھوڑو ان باتوں کو۔ اور تمام ابیات و کلمات کو جو اس ضمن میں کسی نے لکھے ہیں ان کا بغور مطالعہ کرو۔

مثنوی

عاقلاں را شرح تکلیف آمدست ؛ بے دلاں را عشق تشریف آمدست

(عقل والوں کے لیے شرع کی پابندی لازمی ہے۔ اور بے دلوں کے لیے عشق خلعت ہے)

عشق را امروز و فردا کے بود ٭ کفر و دیں ایں جا و آں جا کے بود

(عشق کے لیے آج اور کل کب ہوتا ہے۔ کفر و دیں، یہاں اور وہاں، یہ جھگڑے کہاں ہوتے ہیں)

عشق جب جنون الٰہی ہے اور اس سے عقل کے کام انجام نہیں پاتے تو پھر وہ کہاں اور تکلیف کے احکام کہاں؟ مثل مشہور ہے کہ ویرانے سے خراج وصول نہیں کرتے۔

اے بھائی! یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تکلیف کا انحصار عقل کے طور پر ہے، عشق پر نہیں۔ لہٰذا عشق کا طور عقل کے طور سے بالاتر ہے۔ اسی حقیقت کو کسی نے بیان کیا ہے۔ ؎

بے دلاں را با زر و با زن چہ کار ٭ شرع را و عقل را ہرمن چہ کار

(عشاق کو دولت اور عورت سے کیا واسطہ۔ شریعت کو اور عقل کو شیطان سے کیا کام)

کل جب مخلوق کو دوزخ سے باہر نکالیں گے تو اس وقت دوزخ کی آگ ان کو پاک کر چکی ہو گی اس کے بعد جنت میں لے جائیں گے۔ جہاں ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اسی طرح جب عشاق کو محبت کے دوزخ کی آگ نے جلا کر خاک کر دیا تو بشریت کی تمام آلودگیوں سے وہ پاک ہو گئے۔ اور بہشت خاص میں داخل ہو گئے۔ جہاں لَا فِیْهَا حُوْرٌ وَّ لَا قُصُوْرٌ (اس میں حور و قصور نہیں ہیں یعنی حور و قصور کا وہاں وجود نہیں ہے۔ اور جس طرح کسی تکلیف کی گنجائش بہشت عام میں نہیں ہے اسی طرح بہشت خاص میں بھی نہیں ہے۔ اسی مفہوم کو ان ابیات میں بیان کیا گیا ہے۔

ایں عقل شدہ عقیلۂ تو ٭ آں جا نہ خرند حیلۂ تو

(یہ عقل تیرے لیے بندھن ہو گئی ہے۔ وہاں تیرا حیلہ نہیں خریدیں گے)

تا با تو ز عقل ہیچ رنگ است ٭ خیز از برِ ما چہ جائے جنگ است

(جب تک تجھ میں عقل کا کچھ بھی رنگ باقی ہے۔ تو میرے پاس سے اٹھ جا کیا یہ کوئی جنگ کی جگہ ہے؟)

در عالمِ عقل پائے بستی ٭ مرفوعِ قلم شدی برستی

(عالمِ عقل میں تو نے پاؤں کو جکڑ لیا ہے۔ مرفوع القلم ہو جا۔ رہائی پا جائے گا)

گر طفل نۂ و مرد کاری ٭ با لوح و قلم چہ کار داری

(اگر تو بچہ نہیں ہے بلکہ کام کرنے والا ایک مرد ہے تو پھر تجھے تختی اور قلم سے کیا کام)

یہ رباعی بھی اسی معنی میں کہی گئی ہے۔

رباعی

ایں دولتِ بے دلی بہ ہر دل نہ دہند ٭ وایں نزل بہ خفتگانِ منزل نہ دہند

(بے دلی کی یہ دولت ہر دل کو نہیں عطا ہوتی ہے۔ اور یہ ضیافت منزل پر سوئے ہوئے لوگوں کو نہیں دیتے ہیں)

در عالمِ عشق آں چہ بے عقلاں راست ❊ یک ذرہ بہ صد ہزار عاقل ندہند

(عالمِ عشق میں بے عقلوں کو جو کچھ میسر ہے، اس کا ایک ذرہ بھی لاکھوں عاقلوں کو نہیں دیتے ہیں)

اب تک جو باتیں کہی گئی ہیں دراصل وہ اس حدیث کا مضمون ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُؤَاخِذُ الْعُشَّاقَ بِمَا صَدَرَ مِنْھُمْ (اللہ تعالیٰ عشاق کا مواخذہ نہیں کرتا ہے اس پر جو ان سے صادر ہوتا ہے۔ یعنی عشاق سے جو کچھ سرزد ہوتا ہے اس پر ان کی گرفت نہیں کی جاتی۔ اس لیے کہ عاشق بے دل اور بے اختیار ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اس کی خواہش اور مرضی کے بغیر اس سے سرزد ہوتا ہے۔ اور اس کے اختیار کے بغیر اس سے صادر ہوتا ہے۔ اسی کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

کارِ عاشق اضطراری اوفتد ❊ واں ز فرطِ دوستداری اوفتد

(عاشق کا کام حالت اضطراری میں واقع ہوتا ہے۔ اور یہ بہت زیادہ دوستی کی وجہ سے ہوتا ہے)

لاجرم دیوانہ را اگرچہ خطاست ❊ ہر چہ می گوید بہ گستاخی رواست

(دیوانے کی باتیں اگرچہ غلط ہوتی ہیں۔ لیکن گستاخی سے جو کچھ بھی وہ کہے جائز ہے)

ہر چہ از دیوانہ آید در وجود ❊ عفو فرمایند از دیوانہ زود

(دیوانے سے جو کچھ وجود میں آتا ہے۔ اسے جلد ہی معاف کر دیتے ہیں)

سبحان اللہ! کیوں نہ ہو، جب اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ اِلٰھِیٌّ کا جملہ موجود ہے جو ایک واضح ثبوت اور قوی دلیل ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

ہیچ عاشق را ملامت روے نیست ❊ سوختن او را قیامت روے نیست

(کسی عاشق کے لیے ملامت کا موقع نہیں ہے۔ اس کے جلنے کے قیامت ضروری نہیں ہے)

در مقامِ عشق اگر بالغ شوی ❊ از عذابِ جاوداں فارغ شوی

(عشق کے مقام میں اگر تو بالغ ہو جائے۔ تو ہمیشہ کے عذاب سے تجھے نجات مل جائے گی)

اے بھائی! یہ پوری تقریر جو اوپر گذری اسے معمولی چیز نہ سمجھو۔ یہ علم کے مطابق ہے اور علمی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس سے کسی اصل پر زد نہیں پڑتی۔ اور نہ کسی فرع میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ

معنی دقیق ہے۔ اور بہ ظاہر ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے اس لیے ظاہر بینوں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ مگر اہل دل اور اہل بصیرت پر عیاں ہے۔ اس لیے کہ ان کا ذوق اور فہم اور ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

اہلِ دل را ذوق و فہمے دیگر است ٭ کاں زفہم ہر دو عالم برتر است

(اہل دل کا ذوق وفہم ہی دوسرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دونوں عالم کی سمجھ سے بہتر ہے)

ہر کرا ایں فہم در کار افگند ٭ خویش را در دریائے اسرار افگند

(جس شخص کو یہ فہم حاصل ہوگئی۔ اس نے اپنے کو دریائے اسرار میں ڈال دیا)

تا بداں فہمے کہ ہمچوں وحی خاست ٭ در کلام او سخن گویند راست

(جب فہم وحی کے سمجھنے کے لایق ہو جاتی ہے تو پھر منہ سے سچی باتیں نکلنے لگتی ہیں)

لہٰذا اگر زمانے کے اندھے لوگ اس کو نہ سمجھیں تو اس سے کیا نقصان ہے۔ ؎

مور اگر شکر نہ چیند گو مچیں ٭ کور خورشید ار نہ بیند گو مبیں

(چیونٹی اگر شکر نہیں چنتی ہے، نہ چنے۔ اندھا اگر آفتاب کو نہیں دیکھتا ہے تو نہ دیکھے)

اے بھائی! اس مکتوب کو ہر شخص کی نظروں سے بچائے رکھو۔ تاکہ بری خصلت والے لوگ اس کو ملوث نہ کریں۔

والسلام

۲۸ صفر المظفر ۱۴۰۰؁ھ روز پنجشنبہ
۱۷ جنوری ۱۹۸۰؁ء گیارہ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ
محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۶)

محبّت کی طلب اور محبُوب کا قرُب

تشنہ ار دریا جدائی می کند ٭ بر سرِ گنجے گدائی می کند

(دریا کے کنارے رہنے کے باوجود دریا سے پیاسا جدا ہوتا ہے۔ خزانے کے سر پر بیٹھ کر بھی فقیری کرتا ہے)

فرزند حسام الدین! سلام و دعا۔

جس حال میں جہاں کہیں بھی رہو اور جس کام میں مشغول ہو اس کے ذکر اور اس کی جستجو سے غافل نہ رہو۔ اس آیت پر غور کرو وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں کہیں بھی رہو، وہ تمہارے ساتھ ہے) اور عارفوں کے سینے پر منادی کہ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (ہم اس کے رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہیں)۔ لاکھوں فردوس نقد ہے۔

اے فرزند! عقل بے چاری اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بھی تصور قائم کرے یا اس کے متعلق جو بھی رائے رکھے، اس رب العالمین کی ذات اور صفات ان تمام تصورات عقلی سے پاک اور منزہ ہے۔ بلاشبہ وہی سب کا خالق ہے۔ سبحان اللہ! ان سب کے باوجود وہ تم سے تمہاری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

رباعی

اے در طلب گرہ کشائی مردہ ٭ با وصل بزادہ از جدائی مردہ
وائے برلب بحر تشنہ در خاک شدہ ٭ وائے بر سرِ گنج از گدائی مردہ

(اے وہ جو گرہ کشا کی طلب میں مردہ ہے، وصل کی حالت میں زندہ اور فراق کی حالت میں مرا ہوا ہے۔ اور دریا کے کنارے خاک پر پیاسا پڑا ہوا ہے۔ اور خزانے کے منھ پر رہ کر بھی گدائی کی حالت میں مرا پڑا ہے)

اے فرزند! مقصد دور نہیں ہے۔ ہمت سے کام لو۔ ملک و ملکوت تمہارے ساتھ ہیں۔ ملک و ملکوت کا خالق تمہارے ساتھ ہے۔ لہٰذا وہ صلاحیت پیدا کرو کہ کلام بغیر حروف اور بغیر کسی آواز کے سن سکو۔ اس پر خدا کی رحمت ہو جس نے یہ کہا ہے۔

جہاں پُر ز آفتاب و دیدہ ہا کور ٭ جہاں پُر از حدیث و گوشہا کر

(دنیا آفتاب سے بھری ہوئی ہے اور آنکھیں اندھی ہیں۔ دنیا اس کے ذکر سے بھری پڑی ہے مگر کان بہرے ہیں)

اے فرزند! جب تم ہمیشہ اپنے کام میں اسی طرح مشغول رہوگے تو ایک نہ ایک دن انشاء اللہ منزل مقصود حاصل کر لوگے اور وہاں پہنچ جاؤ گے جہاں دوسرے پہنچے ہیں۔ اور تم بھی وہی کچھ دیکھو گے جو دوسروں نے دیکھا ہے تم بھی وہی کہو گے جو دوسروں نے کہا ہے۔ جیسا کہ اس مثنوی میں ہے

مثنوی

معشوق عیاں بود نہ می دانستم ٭ با من بہ میاں بود نہ می دانستم

(معشوق تو ہر طرف عیاں تھا، مگر مجھے معلوم نہ تھا وہ تو میرے ساتھ ہی موجود تھا مگر میں نہیں جانتا تھا)

گفتم کہ بہ طلب مگر بہ جاے برسم ٭ خود تفرقہ آں بود نہ می دانستم

(میں نے کہا کہ اس کی تلاش میں نکلوں شاید منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔ حالانکہ یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ افسوس مجھے معلوم نہ تھا)

افسوس! آج ہر شخص اپنی بدبختی کی وجہ سے خود اپنی ہستی کے پردے میں محجوب ہے۔ ورنہ مقصود و مطلوب تو ظاہر و موجود ہے۔

آں چہ گم کردہ کشر کردہ ٭ ہست اندر تو، تو خود را پردہ

(جو کچھ تو نے کھو دیا، برا کیا۔ وہ تو تیرے اندر موجود ہے، تو خود اپنے لیے پردہ ہے)

کانوں کو اس سے زیادہ سننے کی طاقت کہاں جو ہم مزید بیان کریں۔ یہ تو تم نے سنا ہی ہے کہ

زمستی گر بگوید رمز عشقش ٭ جزائش در طریقت دار باشد

(مستی کے عالم میں اگر کوئی شخص اس کے عشق کے راز کو افشا کر دے تو طریقت میں اس کا بدلہ دار ہے)

لہٰذا ایسی صورت میں خاموش ہی رہنا بہتر ہے۔ بلکہ اس کے راز کو چھپانا واجب ہے۔ البتہ رمز و اشارہ یا اجمال سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

دانی کہ چرا اہل صفا خاموش اند ☸ وز نکتۂ دل بہ محوِ خود می کوشند
(تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش ہیں؟ دل کے نکتہ میں اپنے کو محو رکھنے کی کوشش کرتے ہیں)

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ☸ سَر می بازند و سِرِّ حق می پوشند
(دوست کے ہاتھوں سے ہر لمحہ شراب پیتے ہیں۔ اور سر دے کر حق کے راز کو چھپاتے ہیں)

والدعاء

۲۹ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ ہجری روز جمعہ
۱۸ر جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے دن
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)
محمد نعیم ندوی

مکتوب ۔۔۔۔۔ (۱۱۷)

موت کی تیاری کرنا اور زندگی کو غنیمت جاننا

راہ دور است اے پسر ہوشیار باش ❊ خواب با گور افگن و بیدار باش

(اے لڑکے! راستہ دور ہے اس لیے ہوشیار رہ۔ نیند کو قبر کے لیے اٹھا رکھ اور اس دنیا میں جاگتا رہ)

راہ می رو جہد می کن ہوش دار ❊ بار می کش، خار می خور، گوش دار

(راہ چلتا رہ۔ کوشش بھی کرتا رہ اور ہوش رکھ۔ بوجھ برداشت کر، مصائب سہتا رہ اور سب کی سنتا رہ)

اے بھائی! بندہ کے لیے کاروبار کی جگہ یہی دنیا ہے۔ آخرت کے لیے عمر رفتہ کا جو کچھ سرمایہ ہے یہیں سے لے جانا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

راحت و محنت ازیں جامی برند ❊ دوزخ و جنت ازیں جامی برند

(وہاں کے لیے آرام و تکلیف جو کچھ بھی ہے اسی دنیا سے لے جاتے ہیں۔ جنت و دوزخ کی خریداری بھی یہیں ہوتی ہے)

اپنے حال اور اپنے کام کا آج ہی جائزہ لو اور دیکھو کہ کتنا سرمایہ تمہارے پاس ہے اور کس کام کا ہے اس لیے کہ جو کچھ بھی تم یہاں سے لے جاؤ گے وہ ابدالآباد تک وہاں تمہارے کام آئے گا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ ؎

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ❊ تا ابد در راہ وصالت آں بود

(دنیا میں جس چیز کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہا ہوگا۔ ابد تک وہی تیرے وصال کا راستہ ہوگا)

اے بھائی! سخت مشکل کام درپیش ہے اس لیے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ راستہ ناہموار ہے ساتھ ہی نفس کا شیطان گھات میں لگا ہوا ہے۔ موت، قبر اور آخرت کی سخت گھاٹیاں، جن کے سننے ہی سے پتا پانی ہوتا ہے اور جگر کباب ہوتا ہے، نظروں کے سامنے ہیں۔ اس درد کی وجہ سے نالہ کرو۔ کہ اس بیچارے نے سوز اور بیچارگی کے عالم میں یہ کہا ہے۔

❊

مثنوی

کاشکے ہرگز نزادے مادرم ؛ تانہ کردہ کشتہ نفس کافرم

(کاش! ایسا ہوتا کہ میری ماں مجھے پیدا نہ کرتی۔ تاکہ نفس کافر کے ہاتھوں مجھے قتل ہونا نہ پڑتا)

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من ؛ تانہ بودے جنبش و آرام من

(اے کاش! اس دنیا میں میرا وجود ہی نہ ہوتا۔ تاکہ میری حرکت ہوتی نہ میرا سکون ہوتا)

افسوس! صد افسوس!! زمانہ غفلت میں گذر گیا، عمر تمام ہونے کو آئی، کام ادھورا ہی رہا اور آخرت کا سفر پیش آگیا۔ اب جو کچھ عمر کا حصہ باقی بچا ہے اس میں اگر کچھ نہ ہو سکا پھر تو اپنا ماتم ہی کرنا چاہیئے۔

مثنوی

بر و غفلت روزگارم چوں کنم ؛ بر نیاید ہیچ کارم چوں کنم

(افسوس! میرا سارا زمانہ غفلت میں کٹا۔ اب کیا کروں۔ کوئی کام پورا نہ ہوا ہائے کیا کروں)

درد را دارو کجا خواہیم کرد ؛ عمر شد ماتم کجا خواہیم کرد

(درد کا علاج ہم کہاں جا کر کریں۔ عمر تو تمام ہوگئی ماتم کس طرح کریں)

اے بھائی! رات کے آخری حصہ میں گنہگاروں اور بدکرداروں کی طرح اپنے دل کے اس درد کی وجہ سے پورے خشوع و خضوع اور چشم تر کے ساتھ مجبوری کی حالت میں اس مناجات کو پڑھتے رہو۔

اے وفا از تو جفا بر من مگیر ؛ واے عطا از تو خطا بر من مگیر

(اے وہ ذات جس کی طرف سے ہمیشہ وفا ہوتی ہے۔ مجھ پر جفا نہ کر۔ تیری طرف سے تو عطا ہوتی ہے اس لیے میری خطا کو نہ پکڑ)

گر نہ خواہد خواست عذرے ہیچ کس ؛ عذر خواہ جرم من عفوے تو بس

(اگر وہاں کوئی شخص میری طرف سے عذر خواہی نہیں کرے گا تو تیرا عفو ہی میرے جرم کی عذر خواہی کے لیے کافی ہے)

چوں سیاہ آمد مرا زنگِ گلیم ؛ تو سپیدش کن چو مویم اے کریم

(جب کمبل کی طرح میرا اعمال نامہ سیاہ ہو تو اے کریم اسے میرے بالوں کی طرح سپید کر دے)

از درِ خویشم مگرداں نا امید ٭ از سرِ لطفت سیاہم کن سپید

(خدایا! اپنے در سے مجھے نا امید نہ لوٹا۔ اپنی عنایتوں سے میرے سیاہ کو سفید کر دے)

والسلام

۲۹ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ ہجری روز جمعہ

۱۸ر جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۱۸)

افلاس کا بیان بہ الفاظِ دگر

عمر روزے پنج وشش می بگذرد ٭ خواہ ناخوش خواہ خوش می بگذرد

(زندگی کے پانچ چھ دن تو گذر ہی جاتے ہیں۔ خواہ خوش خواہ ناخوش کسی نہ کسی طرح بسر ہو ہی جاتے ہیں)

آں عزیز کا خط ملا۔ مطالعہ سے ایام کی سختیوں اور حوادث روزگار کے بارے میں علم ہوا۔ بھائی! تمہیں معلوم ہے کہ یہ دنیا بلاؤں اور آزمائشوں کا گھر ہے۔ کون ہے جو اس دار رنج ومحن میں آزمائش اور فتنہ سے بچا ہوا ہے۔ یہاں ان سے دامن بچانا محال ہے۔ سبحان اللہ! باپ سر پر تاج خلافت رکھنے اور مسجودِ ملائک ہوتے کے باوجود بلاؤں سے دامن بچا نہ سکے۔ اور اتنی نوازشوں کے ساتھ بہشت جیسی پرامن جگہ میں فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ چنانچہ بہشت کی راحت وآرام کو چھوڑ کر دنیا کے رنج وبلا میں گرفتار ہوئے۔ تو ان کی اولاد جو اپنی کثافتوں اور آلودگیوں کے ساتھ اس دنیا میں جو بلاؤں کا گھر ہے نفس کافر کے ہاتھوں کیسے سلامت رہ سکتی ہے۔ یہ بات بالکل محال ہے۔ سلامتی تو عدم میں ہے وجود میں نہیں۔ جب آدم علیہ السلام کا وجود ظہور پذیر ہوا تو اسی دن سے سلامتی رخصت ہو گئی۔

اے کاش نہ بودے اے عراقی
کز تست ہمہ فساد باقی!

(اے عراقی کاش اس دنیا میں تیرا وجود نہ ہوتا۔ اس لیے کہ سارا فساد تیرے ہی دم سے باقی ہے)

اہل معرفت میں سے ایک بزرگ سکرات موت میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ حضور اگر آپ کی کوئی آرزو ہے تو بتایئے تاکہ اس کو پوری کرنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے کہا ہاں۔ ایسا عدم جس کے لیے وجود نہ ہو۔ اسی مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من
تا نہ بودے جنبش و آرام من

(کاش! میرا وجود ہی اس دنیا میں نہ ہوتا۔ تاکہ نہ کوئی میری حرکت ہوتی اور نہ سکون ہوتا)

ایک شخص کسی تکلیف میں مبتلا تھا۔ ایک عزیز نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں کیا بیماری ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ وجود۔ بیشک انسان کے لیے وجود سے بڑھ کر اور کون سی بیماری ہو سکتی ہے ؟ ایک بزرگ نے سچ کہا ہے کہ اگر عالمِ عدم کی خوشی اور مسرتوں کا حال بیان کروں تو لاکھوں میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں کر سکوں گا۔ اسی طرح اگر عالم وجود کی ناخوشی اور رنج و بلا کا حال بیان کرنا چاہوں تو لاکھوں میں سے ایک کو بھی بیان نہ کر سکوں گا۔

اے بھائی! جب سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کی خلعت اور تاج عزت کے باوجود یہ فرمائیں یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پروردگار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ کرتا) تو پھر دوسرے کیا کہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اولاد آدمؑ کو اس دنیا میں کن دشواریوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور اس کا حال کیا ہے۔

سبحان اللہ! جو جانور ماں کے پیٹ میں ماں کا خون پیتا رہا ہے۔ اس دنیا میں آکر کیا پیئے گا؟ خون ہی تو پیئے گا۔ جس چیز کا نام آج غذا اور پانی ہے وہ کیا ہے۔ غور سے دیکھو تو وہ بھی خون ہی تو ہے۔ خون کے سوا کچھ نہیں۔ کتنا لکھا جائے۔ عمریں تمام ہو جائیں۔ جلد کی جلد سیاہ ہو جائیں۔ تب بھی یہ قصہ ختم نہ ہو۔ اس کے باوجود جب تم آخرت کی سزا پر غور کرو گے، جو اولاد آدمؑ کو درپیش ہے، تو معلوم ہو گا کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی مصیبتوں کو وہی نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط سے ہے۔ جب یہ حال ہے تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ فرمائیں ؟ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش! محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لیے کہ آپؐ کو سارے جہان کا غم تھا۔ اور ہم کو اور تم کو صرف اپنا غم ہے۔

اے بھائی! قصہ بہت طویل ہے۔ لہٰذا اس کو اس قطعہ پر ختم کرتا ہوں۔

قطعہ

شب رفت و حدیثِ ما بہ پایاں نہ رسید
شب را چہ گنہ حدیثِ ما بود دراز
گرچہ شب یلدا نہ یکے صد باشد
آخر نہ رسد عتاب محمود و ایاز

درات گذر گئی اور ہماری باتیں ختم نہ ہوئیں۔ رات کا کیا قصور ہماری باتیں ہی اتنی طویل تھیں۔ لمبی اور تاریک رات ایک کیا، اگر ستّو بھی ہوں تب بھی محمود و ایاز کے عتاب کا معاملہ ختم نہیں ہوگا) یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ۔ اے فریادیوں کی فریاد سننے والے میری فریاد سن لے)

والسلام

۳۰ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ۔ روز شنبہ

۱۸ر جنوری ۱۹۸۰ء ۳ر بجے دن

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ (۱۱۹)

دین کی راہ میں استقامت

فرزندم قطب الدین! اعزہٗ فی الدارین

اے عزیز! انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مثال طبیبوں کی سی ہے۔ خلق کی مثال بیماروں کی سی اور قرآن کریم کی مثال دواؤں کے خزانے کی سی ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۤءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو شفا اور رحمت ہے مومنوں کے لیے) یعنی سارا کا سارا قرآن مختلف قسموں کے شربتوں اور معجونوں کے نسخوں سے بھرا ہوا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (ہم نے لکھنے میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) یعنی مخلوق کے لیے دین اور دُنیا کے لحاظ سے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کا ذکر ہم نے قرآن میں نہ کیا ہو۔ لیکن جب تک کسی شخص کو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل نہ ہو قرآن مجید کے اسرار کا وہ محرم نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اور اس کو پاک ہی لوگ چھوتے ہیں) یعنی جب تک کوئی شخص دین کی راہ نہ چلا ہو اور حقیقت کار کا بینا نہ ہو اس وقت تک اسے قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں۔ اس کے لیے قرآن کے لطائف و اشارات کو سمجھنا تو دور کی بات ہے۔ سبحان اللہ! سب کو دروازہ پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ طہارت کے بغیر اندر آنے کی اجازت نہیں۔ جس نے بھی کہا ہے اس مثنوی میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی

ایں ہمہ علم جسم مختصر است ٭ علم رفتن براہِ حق دگر است

(یہ سب جسم مختصر کا علم ہے۔ راہ حق پر چلنے کا علم ہی کچھ اور ہے)

حرف کو کاغذے سیاہ کند ٭ دل کہ تیرہ است کے چو ماہ کند

(حرف کا کام تو صرف کاغذ سیاہ کرنا ہے۔ بھلا وہ دل کو جو تاریک ہے چاند کی طرح منور کیسے بنا سکتا ہے)

اے عزیز! اللہ کی راہ پر دل ہی کے ذریعہ چل سکتے ہیں۔ لیکن دل کے لیے سعادت و شقاوت اور مرض و صحت بھی ہے۔ جس کو دل کے طبیب ہی جانتے ہیں۔ جانتے ہو وہ طبیب کون ہیں؟ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کے بعد مشائخِ طریقت اور علمائے آخرت ہیں۔ پیغمبری کا دروازہ تو خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بند ہو گیا۔ چنانچہ مبتدی طالب کے لیے انتہائی ضروری یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کی کفش برداری کرے جو مشائخ طریقت یا علمائے آخرت میں سے ہو۔ جو اس راہ سے اچھی طرح واقف ہو اور دل کی بیماریوں کا طبیب بھی ہو۔ اس مثنوی میں اسی طرف اشارہ ہے۔

راہ دوراست و پر آفت اے پسر ٭ راہ رو را می بباید راہ بر!

(اے لڑکے! راستہ دور، اور آفتوں سے بھرا ہوا ہے لہذا راستہ چلنے والوں کے لیے ایک راہبر ضروری ہے)

کور ہرگز کے تواند رفت راست ٭ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

(اندھا سیدھا کب چل سکتا ہے۔ کسی ڈنڈا کھینچنے والے کے بغیر اندھے کا راستہ چلنا غلط ہے)

گر ترا در دست پیر آید پدید ٭ قفل در دت را کلید آید پدید

(اگر تجھ کو کسی پیر کامل کا ہاتھ مل جائے تو یہ سمجھ لے تیرے درد کی چابی تجھے مل گئی)

حقیقت میں عالم یہی لوگ ہیں وہ لوگ نہیں جنہیں آج کل عالم کہا جاتا ہے یا وہ لوگ جو اپنے کو دانشور سمجھتے ہیں۔ روایتوں کے حافظ، اقوال کو نقل کرنے والے اور مناظرہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ علمائے آخرت! سبحان اللہ وہ تو لوگ ہی اور ہیں۔ ان کی مثال انبیاء کی سی ہے۔ کیوں کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں)، ان ہی کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وَمَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ نَظِیْرٌ فِیْ اُمَّتِہٖ (اور کوئی نبی ایسا نہیں جس کی نظیر اس اُمت میں نہ ہو)

اے عزیز! یہ اس گروہ کے لوگ ہیں جن کو اہل دل اور اہل بصیرت کہا جاتا ہے۔ ان کا علم و فہم ملک و ملکوت کی فہم سے بھی بالاتر ہے۔ مگر افسوس! دنیا ان سے ناواقف ہے۔ جیسا کہ اس مثنوی میں کہا ہے

اہل دل را ذوق و فہمے دیگر است ٭ کان ز فہم ہر دو عالم برتر است

(اہل دل حضرات کا ذوق و فہم ہی دوسرا ہے۔ جو دونوں جہان کی سمجھ سے باہر ہے)

ہر کرا آں فہم در کار افگند ٭ خویش را در بحر اسرار افگند

(جس شخص کو یہ فہم حاصل ہو گئی۔ اس نے گویا اپنے آپ کو اسرار کے سمندر میں ڈال دیا)

تابداں فہمے کہ ہم چوں وحی خاست ⁂ در کلام او سخن گویند راست

(جب فہم، وحی کے سمجھنے کے لائق ہو جاتی ہے تو لوگ اس کے کلام کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں)

خبردار! اپنی عقل رکیک سے ان کے حق میں کوئی ایسی ویسی باتیں کبھی نہ کہنا اور نہ ان کے متعلق فضول باتیں بنانا۔ جانتے ہو، جو لوگ تلوار چلاتے ہیں اور تلوار کھاتے ہیں وہ اور ہی لوگ ہیں۔ اور جو ثرید کھاتے اور کاسہ لیسی کرتے ہیں وہ دوسرے لوگ ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ ایک بزرگ کو یہ جواب ملا ہے۔

مثنوی

گر ترا روزے دراں میداں کشند ⁂ ایں رقم بینی کہ بر مرداں کشند

(اگر تجھ کو کسی دن اس میدان میں کھینچ کر لے جائیں تو وہاں تو مردانِ حق کو دیکھے گا کہ کس حال میں ہیں)

واں گہے ایں شیوہ معنی صد ہزار ⁂ بینی و دانی و داری استوار

(تو اس وقت لاکھوں رازہائے سربستہ تجھ پر منکشف ہوں گے۔ جن کو تو دیکھے گا، سمجھے گا اور محفوظ رکھیگا)

ممکن ہے کہ کوئی مبتدی بیچارہ یہ کہے کہ مجھے یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ علمائے آخرت کون ہیں، صاحب دل کون ہیں اور طبیب حاذق کون ہیں۔ یا علمائے دنیا کون ہیں اور جھوٹا صرف دعویدار کون ہے اس لاعلمی کی حالت میں کس کی اتباع کروں؟

اے عزیز! یاد رکھو کہ جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ اگر کسی کو سعید و صالح پیدا کیا ہے۔ تو کسی صاحب دل کو اس کے پاس پہنچا دیں گے۔ یا نہیں تو خود اس کو علمائے آخرت میں سے کسی کے در تک پہنچا دیں گے۔ تاکہ ازلی حکم نافذ ہو جائے۔ اور اگر کسی کو شقی اور بدبخت پیدا کیا ہے تو اس کو کبھی یہ دولت نصیب نہیں ہوگی۔ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (ہر شخص کے لیے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔) یہ دونوں کا جواب ہے۔ اگر اس کے باوجود کوئی شخص یہ کہے کہ دونوں بندے ہیں پھر یہ تفریق کیسی؟ تو تم یہ کہہ دو کہ اس کا جواب بہت پہلے دے دیا گیا ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے کون پوچھ سکتا ہے) اسی راز کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

گرچہ رہ جستند ہر سوے ازیں ⁂ پے نہ بردند اے عجب موے ازیں

(اگرچہ ہر طرف اس سے فرار کا راستہ تلاش کیا۔ مگر بال برابر بھی کہیں سے راستہ نہ مل سکا)

آنچہ درگاہیست قفلش بے کلید ؛ ویں چہ دریائیست قعرش ناپدید

(یہ کون سا دربار ہے جس کا تالا بغیر چابی کا ہے۔ اور یہ کیسا سمندر ہے جس کی گہرائی اتھاہ ہے)

اے عزیز! ظاہر ہے کہ جب کوئی کاتب کسی کاغذ پر الف، نون لکھے گا تو کوئی پڑھنے والا اس کو قاف اور کاف ہرگز نہیں پڑھے گا۔ یعنی مشیئت کسی کو ابوجہل پیدا کرتی ہے تو وہ ہرگز بایزید نہیں بن سکتا۔

رباعی

بدبختی راگرہ کشودن نتوان ؛ احوال بہ ہر کسے نمودن نتوان

گر چرخ فلک بہرۂ ماغم کارد ؛ شادی بہ ہمہ حال درودن نتوان

(بدبختی کی گرہ نہیں کھولی جا سکتی۔ ہر شخص پر حالات ظاہر نہیں کیے جا سکتے۔ چرخ فلک اگر ہمارے لیے غم بوئے تو ہم خوشی کسی حال میں بھی نہیں کاٹ سکتے)

یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق اس طرح کہا ہے۔

غزلے می نوشت خاقانی ؛ قلم ایں جا رسید و سر بشکست

(خاقانی غزل لکھ رہا تھا۔ جب اس مقام پر پہنچا تو قلم ٹوٹ گیا)

دنیا کے سب سے بہتر سردار خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنو اور سلامتی کے ساتھ گذر جاؤ

إِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَامْسِكُوْا (جب تقدیر کا ذکر آئے تو رک جاؤ)

ایک عزیز نے بھی معذرت کے ساتھ یہ کہا ہے۔

اے دریغا ہر چہ گفتم ہیچ بود ؛ دیدہ کور و راہ پیچا پیچ بود

(افسوس! اب تک جو کچھ میں نے کہا سب بے حقیقت تھا۔ آنکھ اندھی اور راستہ پر پیچ تھا)

والسلام

یکم ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ہجری یکشنبہ

۲۰ر جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ر بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــ (۱۲۰)

خدائے بزرگ و برتر کی طرف لوٹنا

برادرم ملک محمود! اعزہٗ اللہ

اے بھائی! واضح ہو کہ جس قدر گناہ اور معصیت کی آلودگی زیادہ ہو اسی طرح بکثرت استغفار سے کام لینا چاہیئے۔ صاحبِ شرع صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فتویٰ ہے۔ اِذَا کَثُرَتِ الذُّنُوْبُ لِاَحَدِکُمْ فَلْیَسْتَکْثِرِ الْاِسْتِغْفَارَ فَوَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ اِنَّھَا تَاکُلُ الْخَطَایَا کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (جب تم میں سے کا گناہ زیادہ ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ بکثرت استغفار کرے۔ کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، استغفار گناہوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے) اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا مَآ اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (جس نے استغفار کیا تو گویا اس نے گناہوں پر اصرار نہیں کیا۔ اس لیے چاہیئے کہ دن بھر میں کم سے کم ستر بار استغفار کرے)

اے بھائی! ابتدا سے آخر تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے۔ اور ابتدا سے انتہا تک گناہوں میں آلودہ ہونا شیاطین کا کام ہے۔ لیکن گناہوں میں ملوث ہونا اور پھر اس سے باہر ہو جانا آدمؑ اور اولاد کا کام ہے۔ جب انسان نے کوئی گناہ کیا تو اس نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ لیکن جب توبہ کرلی تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جب اٹھ گیا تو پھر یہ دولت پائی۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ (گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو)

انسان سے گناہ کا سرزد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ خواہش اور شہوت اس کی سرشت میں ہے۔ لہٰذا توبہ کر کے گناہوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ سبحان اللہ! دیکھو، بہشت جیسا مقام ہے، آدم علیہ السلام جیسا بندہ وہاں مقیم ہے۔ مگر تاجِ نبوت اور تختِ خلافت کے باوجود صرف ایک ممانعت وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ (اس درخت کے نزدیک تم دونوں نہ جانا) پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے گر پڑے لیکن فوراً ہی یہ کہتے ہوئے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اے ہمارے

پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔) اُٹھ کھڑے ہوئے۔

آہ! آج اس دنیا جیسی جگہ میں رہ کر جو بلاؤں سے بھری ہوئی ہے، بیچارہ انسان جو اتنے اوامر و نواہی میں مبتلا ہے، شیطان جیسا دشمن جس کی دشمنی کے درپے ہے اور نفس جیسا دشمن اس کے جسم میں موجود ہے، وہ گناہ نہ کرے تو کیا کرے؟ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوا الذَّنْبَ لَذَھَبَ اللّٰہُ بِکُمْ وَ اٰتٰی بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرُ لَھُمْ۔ (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو اٹھا لیتا۔ اور تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آتا جو گناہ کرتی پھر توبہ کرتی تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا) یعنی اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو نیست و نابود کر کے ایک دوسری قوم کو پیدا کرتا۔ جو گناہ کرتی اور مغفرت چاہتی تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا اور انھیں بخش دیتا۔ جیسا کہ اس مثنوی میں کہا ہے۔

بود عین عفوِ تو عاصی طلب ✤ عرصۂ عصیاں گرفتم زیں سبب

(تیرا عفو گنہگاروں کا طلب گار ہے۔ اسی وجہ سے میں نے گناہ کا میدان اختیار کیا)

چوں بستاریت دیدم کارساز ✤ ہم بدست خود دریدم پردہ باز

(چونکہ تیری ستاری کو میں نے پردہ پوش پایا اس لیے اپنے ہاتھوں سے میں نے خود اپنا پردہ پھاڑ ڈالا)

گر نہ خواہد خواست عذرم ہیچ کس ✤ عذر خواہ جرم من عفوِ تو بس

(اگر میری عذر خواہی کوئی نہیں کرے گا۔ تو تیرا عفو ہی میری عذر خواہی کے لیے کافی ہے)

تم جانتے ہو یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ وہی ہے جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ گناہ میں بہت بڑی حکمت اور نہایت ہی اہم راز پنہاں ہے۔ یعنی اگر میرا اور تمہارا گناہ نہ ہوتا تو اس کی شان غفاری و ستاری کا اظہار کیسے ہوتا۔ ایک عزیز نے بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو خزانے ہیں۔ ایک ثواب و کرامت سے بھرا ہوا ہے تو دوسرا رحمت و مغفرت سے۔ جب کوئی بندۂ مومن بندگی کے احکامات بجا لاتا ہے تو ثواب و کرامت اس پر نثار کئے جاتے ہیں۔ اور جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کی رحمت و مغفرت اس بندۂ عاصی کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتا اور اس سے یہ لغزش نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا خزانہ ضائع ہو جاتا۔ اس کو سمجھو اور غور کرو۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے خواہشات کے گھوڑے میدان میں دوڑانے لگو۔ اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگو۔ خبردار! ہوشیار!! ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ وہ تو اس کا انعام ہے۔ اس کی جانب سے خلعت ہے اور اس کا فضل اور رحمت ہے جو بندوں پر ہے۔ لیکن بندہ کو بھی ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اور بندگی کے

حدود سے قدم باہر نہیں نکالنا چاہیئے۔ گناہ اور بے ادبی سے اس طرح ڈرنا چاہیئے کہ اگر کل قیامت میں یہ اعلان کیا جائے کہ آج دوزخ میں ایک شخص کے علاوہ کوئی نہیں بھیجا جائے گا تو سمجھو کہ وہ شخص تم ہی ہو۔ آخر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی لغزشوں کے بارے میں نوحہ تو تم نے سُنا ہی ہے۔ اس کو سامنے رکھو۔

کہتے ہیں کہ حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ روزانہ کئی بار آئینہ دیکھا کرتے تھے۔ آخر ایک دن کسی نے پوچھا کہ حضرت! روزانہ کئی بار آئینہ دیکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا کہ اس خوف سے آئینہ دیکھتا ہوں کہ گناہوں کی وجہ سے کہیں میرا چہرہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔ لہذا بندے کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس قدر نوازشات و انعامات کو دیکھے اسی قدر اس سے ڈرے اور ادب و تواضع کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔ اپنے کو اس خلعت و نوازش میں گم نہ کر دے بلکہ زاری اور بیچارگی کے ساتھ پیش آئے۔ چنانچہ ایک بیچارہ نے اس معنی کو اس طرح بیان کیا ہے۔

چوں مرا آمد سیہ رنگِ گلیم ✤ تو سفیدش کن چو مویم اے کریم

(جب کمبل کی طرح میرا رنگ سیاہ ہو جائے تو اے کریم اپنے فضل سے اسے میرے بالوں کی طرح سفید کر دے)

از درِ خویشم مگر داں نا امید ✤ از سر لطفت سیاہم کن سپید

(اپنے در سے مجھ کو نا امید نہ لوٹا مہربانی فرما کر اپنے فضل و کرم سے میرے سیاہ اعمال نامے کو سفید کر دے)

والسلام

۲ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ

۲۱ جنوری ۱۹۸۰ء ۳ بجے دن

محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۱۲۱)

اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنا

از درِ خویشم مگرداں نا امید ؎ از سرِ لطفت سیاہم کن سفید

(اپنے در سے مجھ کو نا امید نہ لوٹا۔ اپنے فضل وکرم سے میرے سیاہ کو سفید بنا دے)

اے بھائی! تم جہاں بھی رہو اور جس کام میں مشغول ہو، اس کے فضل وکرم سے ہرگز ہرگز نا امید نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام اطاعت کرنے والوں کی اطاعت سے بے نیاز ہیں۔ اور نافرمانی کرنے والوں کے گناہ سے مقدس۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی علت اور سبب درمیان میں نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نے ہمہ آں جائے گرطاعت خرند ؎ عجز، ورزند، ضعفت ہر ساعت خرند

(اس دربار میں ہر جگہ بندگی کی خریداری نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ وہاں تو عجز وانکساری قبول کرتے ہیں اور ضعیفوں کی خریداری ہوتی ہے)

ایک بزرگ کا قول ہے اَلْفَضْلُ لِمَنْ فَضَّلَهُ اللهُ لَا بِالْعَمَلِ وَلَا بِالْجَوْهَرِ (فضل اس کے لیے ہے، جس پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ کسی کے عمل اور جوہر کی وجہ سے نہیں ہے) اس لیے کہ اگر فضل عمل پر موقوف ہوتا تو گذشتہ امتوں کو اس اُمت پر فضیلت ہوتی۔ اس لیے کہ ان کی عمریں سات سو، آٹھ سو بلکہ ہزار سال تک کی ہوتی تھیں۔ تو ان کا کام اور عمل بھی اسی لحاظ سے زیادہ ہوتا ہوگا۔ برخلاف اس کے اس امت کی عمریں زیادہ تر ساٹھ یا ستر سال کی ہوتی ہیں۔ اس طرح ان کا عمل بھی یقیناً تھوڑا ہی ہوگا اس کے باوجود اس اُمت کو تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور اگر جوہر کی بنا پر فضیلت ہوتی تو پھر شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ شیطان آتشِ نورانی سے بنا ہے اور آدم علیہ السلام کی خمیر خاکِ ظلمانی سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان پر فضیلت حاصل ہے۔ معلوم ہوا کہ فضل نہ عمل سے ہے نہ جوہر سے۔ یعنی عمل وجوہر اللہ تعالیٰ کے فضل کے لیے علت نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ فضیلت اس کے لیے ہے جس کو

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازے۔

اے بھائی! جب وہ مالک مطلق ہے تو اس کو مطلق تصرف کا حق ہے۔ اگر کسی کو بغیر کسی عمل اور اچھے کام کے وہ اعلیٰ علیین میں داخل کر دے تو یہ اس کا حق ہے۔ اسی طرح کسی کو بغیر کسی گناہ اور قصور کے اسفل السافلین میں ڈھکیل دے تو یہ بھی اس کا حق ہے۔ اس لیے کہ وہ قادر مطلق ہے۔ اسی مفہوم کو اس مثنوی میں بیان کیا ہے۔

گہ آری خلیلے زبت خانہٗ ٭ کنی آشنائیٔ زبیگانہٗ

(کبھی بت خانے سے خلیل کو پیدا کرتا ہے۔ اور کبھی بیگانوں سے آشنائی کرتا ہے)

گہے زاں چناں گوہر خانہ خیز ٭ چو بوطالبے را کنی سنگ ریز

(کبھی ایسے اعلیٰ خاندان کے گوہر ابو طالب کو سنگ ریزہ بنا دیتا ہے)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وجود میں آنے سے پہلے بغیر کسی طاعت کے اعلیٰ علیین میں رکھا۔ اور ابوجہل کو اس کے دنیا میں آنے سے پہلے اسفل السافلین میں پہنچا دیا اس کے بغیر کہ اس سے کوئی گناہ یا جرم سرزد ہو۔ ھٰؤُلَآءِ فِی الْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِیْ وَھٰؤُلَآءِ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ۔ (کوئی جنت میں ہو تو مجھے پروا نہیں اور اگر کوئی دوزخ میں ہے تو مجھے پروا نہیں) حق بات یہی ہے کہ وہ ذات بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی پروا نہیں۔ اس لیے کہ پروا تو غیر کی ملک کو تصرف میں لانے سے کرنی پڑتی ہے۔ اور جب ملک ہی اپنی ہے تو پھر کس کا ڈر، اور کہاں کی پروا۔ حق بات یہ ہے کہ سب اس سے ڈرتے ہیں وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

اے بھائی! اگر تمام عالم کے لوگ صدیق اکبر رضؓ ہو جائیں تو اس کی ملک میں بال برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔ اور اگر تمام عالم کے لوگ فرعون کی طرح اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں) کا دعویٰ کرنے لگیں تو اس کی ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوگی لَا ینقص من ملکه شیءٌ اسی کو اس مثنوی میں بیان کیا ہے:

آں چہ درگاہیست قفلش بے کلید

وانچہ دریائیست قعرش نا پدید

(وہ ایسا دربار ہے کہ اس کا تالا بغیر کنجی کے ہے۔ اور وہ ایسا دریا ہے جس کی گہرائی نامعلوم ہے)

اوربدیں دریا درآئی یک دمے

حیرت جاں سوز بینی عالمے!

(اگر تو اس دریا میں ایک لمحہ کے لیے بھی داخل ہو جائے تو ایک جاں سوز حیرت کا عالم دیکھے گا)

والسلام

۲ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ

۲۱ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۲۲)

نفس کی بیخ کنی کرنا ۔ بہ الفاظِ دگر

نیست کن ہر چہ راہ ورائے بود ٭ تا دلت خانۂ خدائے بود

(جو کچھ بھی رائے وراہ ہو سب کو نیست ونابود کر دو ۔ تاکہ تمہارا دل خدا کا گھر بن جائے)

در دوئی عقل راست پیچا پیچ ٭ چشم ایمان دوئی نہ بیند ہیچ

(دوئی میں عقل کے لیے پیچیدگیاں ہیں ۔ ایمان کی آنکھ دوئی بالکل نہیں دیکھتی)

فرزند اعزا! عبدالملک سلام ودعا ،

ایک دو بار تمہاری تحریر نظر سے گذری تھی ۔ مطالعہ کے بعد حالات سے آگاہی ہوئی تھی ۔

اے عزیز! اس بات کی فکر نہ کرو کہ بہت زیادہ نماز کس طرح ادا کی جائے یا بہت زیادہ روزہ کس طرح رکھا جائے ۔ بلکہ اس امر کی کوشش بلیغ کرو کہ اس نفس کافر کو کس طرح قابو کیا جائے ۔ جو تمہاری راہ میں حائل ہے ۔ طالب حق کا یہی کام ہے ۔ یعنی جس ذریعہ سے بھی ممکن ہو نفس کافر کو راستے سے ہٹانا چاہیئے بلکہ طالبِ حق پر یہ فرض عین ہے کہ غلبۂ حال کے مطابق، خواہ جبہ ودستار کے ذریعہ، خواہ زنار کے ذریعہ ہو، مسجد کے ذریعہ ہو یا بت خانہ کے ذریعے، جس طرح بھی ممکن ہو نفس کافر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیئے ۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ۔

رباعی

در بت کدہ گر خیال معشوقۂ ماست رفتن بہ طواف کعبہ از عقل خطا ست

گر کعبہ از و بوے نہ دارد کنش است با بوے وصال او کنش کعبہ ماست

(بت کدہ میں اگر معشوق کا خیال رہتا ہے ۔ تو کعبہ کے طواف کے لیے جانا عقلاً غلط ہے)

اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہیں ہے تو وہ کعبہ نہیں بت خانہ ہے ۔ اور اگر بت خانے میں اس کے وصال کی خوشبو موجود ہے تو وہی کعبہ ہے)

اور وہ جو عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ ارباب بصیرت غلط راستہ سے بھی سیدھی راہ نکال لیتے ہیں تو وہ

یہی ہے جس کی طرف اس مثنوی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مثنوی

بردہ رخت بقاسے ایمانی ٭ ازرہِ کفر در مسلمانی!

(ایمان کی بقا کا سامان یہ لوگ کفر کے راستے سے ایمان کی منزل تک لے گئے ہیں)

فقر چیست از گمرہی رہ کردن است ٭ وز دو عالم دست کوتہ کردن است

(فقر کیا ہے، گمراہی سے سیدھے راستہ پر آنا ہے۔ اور دونوں عالم سے ہاتھ اٹھا لینا ہے)

یہی وجہ ہے کہ اہل ظاہر اور اہل غفلت ایسی باتوں کو سن کر یا تو کفر کے فتوے دیتے ہیں یا پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانے کی بڑ ہے۔ اسی کو احمد بہاری نے کہا ہے۔

بیت

گرچہ غافل بریں عمل خندد ٭ لیک عاقل جزایں نہ پسندد

(اگرچہ غافل اس عمل پر ہنستا ہے۔ مگر عاقل اس کے سوا کسی اور دوسری بات کو پسند نہیں کرتا ہے)

اے فرزند! البشر خلاصۂ موجودات ہے۔ اس کا کام مختصر نہیں بلکہ بہت اہم ہے۔ اس راز کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

نیست مردم نطفۂ از آب وخاک ٭ ہست مردم سروے قدِ جان پاک

(آدمی صرف آب وخاک سے بنا ہوا نطفہ نہیں ہے بلکہ وہ جان پاک کا سراپا مظہر ہے)

صد ہزاراں پر فرشتہ در وجود ٭ نطفۂ را کے کنند آخر سجود

(اس بھری ہوئی کائنات کے لاکھوں فرشتے آخر نطفہ کو کب سجدہ کرتے)

سبحان اللہ! اے فرزند! پاک اور مقدس فرشتوں سے بھرا ہوا عالم اس مکدر اور ملوث خاک کو کس طرح سجدہ کر سکتے ہیں؛ جو لاکھوں حیوانات سے روزانہ پامال ہوتی ہے۔ اور اس بے قدر وقیمت خاک کو خلیفہ کا شرف کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؛ یہ ایک عظیم راز ہے جس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔[۱]
لہٰذا جو کچھ تمہیں طلب کرنا ہے اپنے آپ سے طلب کرو۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

---

[۱] ھٰذا سِرٌّ عَظِیمٌ لَا یَقْدِرُ اَحَدٌ عَلٰی کَشْفِہٖ

آں چہ تو گم کردۂ کشتہ کردۂ ٭ ہست اندر تو، تو خود را پردۂ

(جو کچھ تو نے گم کیا، برا کیا۔ وہ تو تیرے اندر موجود ہے، تو خود ہی اپنے لیے پردہ ہے)

اور وہ جو کسی نے کہا ہے کہ حق کا راستہ نہ تو زمین و آسمان میں ہے اور نہ مغرب و مشرق میں یہاں تک کہ لوح و قلم اور عرش و کرسی میں بھی نہیں ہے۔ بلکہ خود تجھ ہی میں ہے۔ بالکل صحیح کہا ہے۔ اس لیے ہوشیار رہو اور اس پر اچھی طرح غور و فکر کرو۔ اور ان ابیات کو بھی سنو۔

تا ملک کردند آدم را سجود ٭ عشق شاں یک ذرہ آمد در وجود

(جب ان کے عشق کا ایک ذرہ عالم وجود میں آیا تب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا)

رہ بحق چوں جانِ آدم یافتند ٭ تا ابد در خدمتش بشتافتند

(جب آدم علیہ السلام کی جان میں حق کا راستہ پا لیا تو ابد تک ان کی خدمت کے لیے دوڑ پڑے)

تا نیامد جانِ آدم آشکار ٭ رہ نہ دانستند سوے کردگار

(جب تک آدم علیہ السلام کی جان ظاہر نہیں ہوئی تھی اس وقت تک ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ نہیں ملا تھا)

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ٭ زو کلید ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے تو راستہ معلوم ہوا۔ ان ہی سے دونوں عالم کی کنجی ملی)

اس تقدس و پاکیزگی کے باوجود فرشتوں کا مقام بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (بلکہ وہ معزز بندے ہیں) سے زیادہ نہیں۔ لیکن يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں) کا شرف اسی آب و خاک کے مجموعہ حضرت انسان کو نصیب ہوا۔ ایسا اس لیے ہوا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ رکھتا ہے بشر ہی رکھتا ہے۔ جو آب و خاک کا مجموعہ ہے۔ ؎

خاک را چوں کار با پاک اوفتاد ٭ پیشِ آدم عرش در خاک اوفتاد

(خاک کا کام جب پاک کے ساتھ ہوا تو عرش آدم علیہ السلام کے قدموں میں خاک پر گر پڑا)

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کی شرح میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی صفت پر پیدا کیا ہے اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی حقیقت مظہر سرِ ربوبیت ہے۔ اسی معنی کو اس طرح بیان کیا ہے۔

مثنوی

نیست بالائے تو مخلوقے دگر ٭ نیست بیرونِ تو معشوقے دگر

(کوئی دوسری مخلوق تجھ سے بہتر اور بلند نہیں ہے۔ اور تیرے سوا کوئی دوسرا معشوق نہیں ہے)

چوں برونی توز عقل و معرفت ✽ نے تو در شرح آئی و نے در صفت

(چونکہ تو عقل و معرفت کی فہم سے باہر ہے اس لیے نہ تو تیری شرح ہو سکتی ہے اور نہ صفت بیان ہو سکتی ہے)

ہر چہ در توحید مطلق آمدست ✽ آں ہمہ در تو محقق آمدست

(توحید مطلق میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ تجھ میں محقق ہے)

اے عزیز! اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔ غیرت کے کوتوال نے سیاست کا دار نصب کر رکھا ہے۔ اور پھر ندا کرائی ہے کہ مَنْ صَرَّحَ بِالتَّوْحِیْدِ فَقَتْلُہٗ اَوْلٰی مِنْ اَحْیَاءِ غَیْرِہٖ (جس نے توحید کی تشریح و توضیح کی اس کو قتل کر دینا دوسروں کو زندہ کرنے سے بہتر ہے) چنانچہ کہا ہے۔

زنہار مگو تو بر سرِ جمع ✽ گر عاشق صادقی تو اسرار

(خبردار! اگر تم عاشق صادق ہو تو اسرار الٰہی کو مجمع کے سامنے ہرگز ہرگز بیان نہ کرو)

دیدی کہ بہ سکر عشق رمزے ✽ حلاج بگفت و رفت بر دار

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ منصور حلاج نے عشق کی مستی میں راز کی ایک بات بیان کی تو دار پر چڑھا دیا گیا)

والسلام

۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ سہ شنبہ

۲۲ جنوری ۱۹۸۰ء ۵ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــ (۱۲۳)

حسرت و ندامت کا بیان۔ بہ الفاظ دگر

برادر اعز شیخ سلیمان ! کرمہ اللہ تعالیٰ فی الدارین

آں برادر کا خط ملا۔ اس میں جو کچھ مذکور تھا اس کو پڑھ کر صدمہ ہوا۔ اے بھائی! ہم لوگ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ جس میں ایمان کا فقدان ہے اور مومن کبریت احمر کی طرح نایاب ہیں۔ تم نے یہ قول تو سنا ہوگا۔ اَلْاِسْلَامُ بَدَاَ غَرِیْبًا وَّسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا۔ (اسلام ابتدا میں غریب تھا اور عنقریب پھر غریب ہو جائے گا) ہمارا زمانہ وہی زمانہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ یہی نا کہ مصیبت کی خاک اپنے سر پر ڈالنی چاہیئے اور اپنا ماتم کرنا چاہیئے۔ اسی سبب سے اس مثنوی میں یہ کہا ہے۔

باحیات تو دیں بروں ناید ٭ شب مرگ تو روز دیں زاید

(جب تک تو زندہ ہے تیرا دین ظاہر نہیں ہوگا۔ جس رات کو تو مرے اسی دن تیرا دین پیدا ہوگا)

آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ٭ رسم و عادت بود نہ دیں باشد

(وہ خواہش جو اس سے زیادہ ہو وہ رسم و عادت ہوگی دین نہیں ہوگا)

دوسرے کاموں کے متعلق جو تم نے پوچھا ہے اس کے بارے میں کیا لکھیں۔ بھائی وہ تو مردوں کے کام ہیں، مخنثوں کے نہیں۔ وہ دولت ہم بدبختوں کو کہاں دی گئی ہے۔ آج جو اہل سلوک اور صاحب بصیرت ہیں وہ تو یہ کہتے ہیں۔

نہ می دانم کرامانم دریں حیرت گرفتارم ٭ نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم[1]

(میں نہیں جانتا کہ میں کس سے مشابہ ہوں۔ البتہ میری حالت یہ ہے کہ نہ ہندو ہوں نہ مسلمان، نہ مرتد ہوں نہ بدکار)

---

[1] چہ بدکارم۔ قلمی نسخہ

اے بھائی! مجھ کو اور تم کو اس کے سوا اور کیا کہنا چاہیئے۔

قطعہ

آں را کہ نمود روے خویشش ٭ نے حال بود نہ قال باشد

(جس کو اس نے اپنا رخ روشن دکھا دیا۔ اس کے لیے نہ حال رہا نہ قال)

حیراں شود بخود نہ ماند ٭ کے دم زدنش مجال باشد

(وہ تو حیران پریشان ہو جاتا ہے اور اپنے حال میں نہیں رہتا۔ اس بیچارے کو دم مارنے کی مجال کہاں!)

اے بھائی! وہ لوگ جن کا یہ کام تھا وہ تو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آج اس دنیا میں صرف جہال باقی رہ گئے ہیں۔ جو اپنے حال میں مگن ہیں۔ انھوں نے اپنے کو انسانی شکل وصورت سے آراستہ کر لیا ہے۔ اور معرفت کے دعویدار بن بیٹھے ہیں حالانکہ ان کو اپنے کفر کے کاف کی بھی خبر نہیں۔ تو پھر ایمان کی خبر کیا ہوگی؟ اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں۔ مصرع

جہاں پر ز بیماراں طبیباں از میاں رفتہ

(دنیا مریضوں سے بھری ہوئی ہے اور طبیب درمیان سے رخصت ہو گئے ہیں)

اسی راز کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

بیت

صحبتِ نیکاں ز جہاں دور گشت ٭ خوانِ عسل خانہ زنبور گشت

(نیکوں کی صحبت دنیا سے ناپید ہو گئی ہے۔ شہد کا دستر خوان زنبور کا گھونسلا ہو گیا ہے)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ تو بتائیے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کیسے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ ایسے تھے کہ تم اگر ان کو دیکھ پاتے تو کہتے کہ یہ سب دیوانے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ تم کو دیکھ لیتے تو فرماتے کہ یہ سب شیطان ہیں۔ سبحان اللہ! یہ حال حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا تھا۔ جو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے متصل تھا۔ پھر زمانے کے اتنے بُعد کے بعد ہما شما کا حال کیا پوچھتے ہو۔ خسرو پر خدا کی رحمت ہو۔ کیا خوب کہا ہے۔

خلق گویندم برو زنار بند اے بت پرست ٭ در تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

(لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے بت پرست جا اور زنار باندھ لے۔ خسرو کے جسم میں وہ کون سی رگ ہے جو زنار نہیں ہے)

اسے بھائی! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے سراور داڑھی مونڈ والی ہے اور زنار باندھ کربت خانہ اور خرابات میں چلے گئے ہیں۔ انھوں نے جو ایسا کیا ہے وہ اسی وجہ سے کیا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے

بردہ رُخت بقائے ایمانی ٭ از رہِ کفر در مسلمانی

(ایمان کی بقا کا سامان یہ لوگ کفر کے راستے سے ایمان کی منزل تک لے گئے ہیں)

اور کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

فقر چیست از گمرہی رہ کردن است ٭ وز دو عالم دست کوتہ کردن ست

(فقر کیا ہے؟ گمراہی سے نکل کر سیدھے راستہ پر آنا ہے۔ اور دونوں عالم سے ہاتھ کو اٹھالینا ہے)

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صاحب نظر اور صاحب بصیرت تھے۔ کفر وایمان کی حقیقت پر ان کی پوری نظر تھی۔ اس لیے وہ جانتے تھے کہ یہ سب محض خیال بلکہ زنار ہی زنار ہے۔ اور صرف دعوٰی اور گفتار ہے۔ اسلام نہیں ہے۔ مسلمانی کام ہی دوسرا ہے اور مسلمان پرندہ ہی دوسرا ہے۔ جیسا کہ اسی مثنوی میں کہا ہے۔

نیست گشتہ ہمہ لعزتِ ہست ٭ علم بے نیازی اندر دست

(سب ہست کی عزت میں نیست ہو گئے ہیں۔ اور بے نیازی کا علم حاصل کرلیا ہے)

معتکف در سرائے راز ہمہ ٭ بے نیاز از پئے نیاز ہمہ

(سب سرائے راز میں معتکف ہیں۔ اور بارگاہ ایزدی میں نیازمندی کی وجہ سے سبھوں سے بے نیاز ہو گئے ہیں)

چشم شاں تا ولایتِ آدم ٭ اسم شاں تا نہایت عالم!

(ان کی نظر ولایت آدم تک اور ان کا نام انتہائے عالم تک ہے)

مَا عَبَدْنَاكَ اجتہاد ہمہ ٭ مَا عَرَفْنَاكَ اعتقاد ہمہ

(سب کا اجتہاد یہی ہے کہ ہم نے تیری عبادت نہیں کی، اور سب کا اعتقاد بھی یہ ہے کہ ہم نے تجھے نہیں پہچانا)

خوردہ یک بادہ بر رخ ساقی ٭ ہرچہ باقی ست کردہ درباقی

(ساقی کے سامنے اس کے دیدار کی شراب پی ہے اور جو کچھ باقی ہے سب کو ترک کردیا ہے)

چنگ در حضرت خدائے زدہ ٭ ہرچہ آں نیست پشت پائے زدہ

(وہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے اسے پاؤں تلے روندڈالا ہے)

عاشقِ فانی عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ جواں مردوں کا سارا خلل ایمان کا ہے جس کا فقدان ہے۔ لہٰذا تم اس بات پر مغرور نہ ہو کہ میں تو مومن ہوں، اگر تم واقعی ایمان کا جمال دیکھنا چاہتے ہو تو کسی مردِ مومن کی تلاش کرو تا کہ وہ تمہارے نفس کی گبری کے زنار کو تمہاری گردن سے کاٹ کر پھینک دے۔ اس وقت تم ایمان کا جمال دیکھ سکو گے۔ اور دنیا میں یہ آواز لگا سکو گے۔ ؎

آں کس کہ ترا نہ دید ہیچ نہ دید ❊ واں کس کہ ترا نہ یافت ہیچ نہ یافت

(جس نے تجھ کو نہیں دیکھا تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ جس نے تجھے نہیں پایا تو کچھ بھی نہیں پایا)

اب جب کہ یہ حال ہے تو مایوسی اور ناامیدی مناسب نہیں۔ ؎

اندریں رہ اگر تو آں نہ کنی ❊ دست و پائے بزن زیاں نہ کنی

(اس راہ میں جب تو وہ نہیں کر سکتا ہے تو کم سے کم ہاتھ پاؤں ہی مار۔ گھاٹے میں نہیں رہے گا۔) کیا کیا جائے۔ اگر مردوں والا ایمان میسّر نہیں آتا تو کم سے کم بوڑھی عورتوں یا مخنثوں والا ایمان تو ہونا ہی چاہیئے۔ اگر آفتاب کی دولت غروب ہو جائے تو ایسی صورت میں چراغ ہی کی روشنی غنیمت ہے۔ ورنہ کیا ہم اور کیا فرعون و نمرود کیا آتش پرست اور کیا نصاری و یہود۔ سب برابر ہیں۔ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنَا (اے فریادیوں کے فریادرس ہماری فریاد سن)

مثنوی

دلِ گم گشتہ را انابت جوئے ❊ مردمِ دیدہ گشت مردم شوئے

(دل گم گشتہ کے لیے کوئی پناہ کی جگہ ڈھونڈ۔ آنکھ کی پتلی تو غسال بن گئی ہے (یعنی دوسروں کے عیب دیکھتی ہے)

دلِ گم گشتہ را رہے بنمائے ❊ مردمِ دیدہ را درے بکشائے

(گم گشتہ دل کو راستہ دکھا۔ آنکھ کی پتلی کے لیے دروازہ کھول)

با قبولِ تو اے زعلت پاک ❊ چہ بود خوب و زشت مشتے خاک

(اے علت سے پاک ذات جب تو قبول فرمائے تو یہ ایک مشت خاک، نیک ہو یا بد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا)

کہ نہ داند ز کار سازیِ تو ❊ کہ نہ ترسد ز بے نیازیِ تو

(تیری کارسازی سے کون واقف نہیں ہے۔ تیری بے نیازی سے کون نہیں ڈرتا ہے)

غرض کہ ہمارا قصہ بہت طویل ہے۔ یہ لکھنے لکھانے سے ختم نہیں ہوگا۔ ؎

شب رفت وحدیثِ ما بہ پایاں نہ رسید ❊ شب را چہ گناہ حدیثِ ما بود دراز

(رات گذر گئی اور ہماری باتیں ختم نہ ہوئیں۔ رات کا کیا قصور! ہماری باتیں ہی اتنی طویل تھیں)

آں برادر نے ایک خط لکھنے کی زحمت گوارا کی تھی۔ اس لیے جواب دینا ضروری تھا۔ لہذا معذرت کے طور پر یہ چند سطریں تحریر کی گئیں۔ خاتمہ اور انجام بخیر ہو۔

والسلام

۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ چہار شنبہ

۲۳ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے دن

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۲۴)

کسی ایسی چیز میں مبتلا ہونے کا خوف جو بندہ کو معلوم نہ ہو

اسے فرزند! منقول ہے کہ سرورِ کونین حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتلا کے خوف سے قرار و سکون نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ اسی پریشانی میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ (میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا) یعنی کچھ نہیں معلوم کہ مجھے کس چیز میں اور تمہیں کس چیز میں مبتلا کریں گے۔ بندہ کیا کرے؟ ہر لمحہ خداوند تعالیٰ کی آزمائش سے ترساں اور لرزاں نہ رہے تو اور کیا کرے۔ ہر آن یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ مبادا پلک جھپکتے ہی کسی چیز میں مبتلا کر دیں۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ ابتلا کے بعد اس خطرہ میں سلامتی ہے بھی کہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو آدمی جس قدر قوی ہوتا ہے آزمائش بھی اس کے حق میں اتنی ہی سخت ہوتی ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صبح کے وقت ان کی والدہ سے جدا کیا اور مغرب کی نماز کے وقت پھر ماں کی گود میں پہنچا دیا۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ کمزور اور ضعیفہ تھیں۔ اور پیغمبر یوسف علیہ السلام کو جب ان کے والد محترم سے جدا کیا تو چالیس سال کے بعد بلکہ ایک روایت کے مطابق اسّی سال کے بعد ایک دوسرے سے ملایا۔ اس لیے کہ وہ قوی تھے۔

ابتلا (آزمائش) دو طرح پر ہوتی ہے۔ ایک تو نعمت کے ذریعہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہوئی تھی۔ اور دوسری محنت اور رنج کے ذریعہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہوئی تھی۔ جب نعمت کے ذریعہ آزماتے ہیں تو شکر طلب کرتے ہیں۔ اور جب محنت و مصیبت کے ذریعہ آزماتے ہیں تو صبر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں خطرے پائے جاتے ہیں کہ ان کو برداشت کرنے کی توفیق بھی ملتی ہے یا نہیں۔ اگر توفیق عطا ہوتی ہے تو محفوظ رہے گا اور نجات مل جائے گی۔ اور اگر توفیق سے محرومی ہوئی تو پھر ہلاکت ہے۔

اسے عزیز! یاد رکھو کہ سارا دین ان ہی دونوں قسموں کے گرد گھومتا ہے۔ یعنی یا تو شکر ہے یا صبر۔ جیسا کہ اس حدیث میں ارشاد ہے۔ اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ. نِصْفُهٗ شُکْرٌ وَنِصْفُهٗ صَبْرٌ (ایمان کے دو

نصف ہیں۔ ایک نصف شکر ہے اور دوسرا نصف صبر ہے)

اے عزیز! جب تک زندگی باقی ہے آزمایش کی روش باقی ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ بندہ ہمیشہ ہوشیار رہے۔ اور تضرع وزاری کے ساتھ توبہ کرتا رہے۔ ہمیشہ ڈرتا اور کانپتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی آزمایش میں مبتلا ہو جائے۔ اور صبر و شکر کی توفیق نہ پائے تو ہلاک ہو جائے۔ امید ہے کہ یہی خوف اس کی نجات اور رہائی کا سبب بنے گا۔ اور اگر آزمایش میں مبتلا ہوا بھی تو صبر و شکر کی توفیق بھی عطا ہوگی۔

اے فرزند! یہ وہ دربار ہے جس کے خوف سے، وہ جو دونوں جہان کے سردار ہیں اور عصمت و نبوت کا تاج سر پر رکھے ہوئے ہیں۔ اضطراب کی حالت میں فرماتے ہیں۔ یَا لَیْتَ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَمْ یَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش! محمد کا پروردگار محمد کو پیدا نہ کرتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ جن کی دولت یہ ہے کہ لَوْ اُوْزِنَ اِیْمَانُ اَبُوْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ (اگر ابوبکر کے ایمان کو ساری امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کے ایمان کا پلڑا جھک جائے) (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ فرماتے ہیں "کاش! میں کسی درخت کا پتا ہوتا کہ بکریاں کھالیتیں۔" اور وہ جن کا رتبہ اور مقام یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) وہ اپنے متعلق یہ فرماتے ہیں (کاش! میں اپنی ماں کے پیٹ میں ان کا خون ہی پیتا رہتا) اب غور کرو کہ جب یہ حال ہے تو دوسروں کے لیے قرار و سکون کی گنجائش کہاں۔ وہ جو چاہے کرے کسی کا اس کو ڈر نہیں۔

مثنوی

صد ہزاراں سال طاعت کردنے ؛ طوق لعنت می کند در گردنے

(لاکھوں سال طاعت کرنے کے باوجود لعنت کی طوق گردن میں ڈال دی جاتی ہے)

بے نیازیش راچہ کفر وچہ دیں ؛ بے زبانیش راچہ شک ویقیں

(اس کی شانِ بے نیازی کے سامنے کفر و دین دونوں برابر ہیں۔ اس کی بے زبانی کے لیے کیا شک اور کیا یقین)

گرگ و یوسفؑ زتست خرد و بزرگ ؛ ورنہ ازاو یکے ست یوسفؑ و گرگ

(یوسفؑ اور بھیڑیا تمہارے نزدیک بہتر اور کمتر ہیں۔ ورنہ اس کے نزدیک تو یوسفؑ اور بھیڑیا دونوں برابر ہیں)

ایک عارف کا قصہ ہے کہ جب وہ سکرات موت میں مبتلا تھے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ حضرت! کوئی تمنّا یا آرزو ہو تو فرمائیے تاکہ پوری کی جائے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں، ایسا عدم چاہتا ہوں جس کے پیسے وجود نہ ہو۔ اس شعر کا بھی یہی مفہوم ہے۔

اے کاش نہ بودے اے عراقی ÷ کز تست ہمہ فساد باقی

(کاش! اے عراقی تیرا وجود نہ ہوتا۔ کہ تجھ ہی سے سارا فساد باقی ہے)۔

ایک درویش کو کوئی تکلیف تھی۔ ایک عزیز ان کی عیادت کو گئے۔ پوچھا کہ کیا بیماری ہے؟ جواب دیا کہ "وجود"۔ ایک عزیز کا کہنا ہے کہ عالمِ عدم کی راحت اور خوشی بیان کرنے لگوں تو وہ اتنی ہیں اور ایسی ہیں کہ تو میں سے ایک کا ذکر بھی ساری عمر کرتا رہوں تو نہ کر سکوں گا۔ اسی طرح عالم وجود کی مصیبتوں اور بلاؤں کو بیان کرنا چاہوں تو ان میں سے ایک کو بھی بیان نہ کر سکوں گا۔ ؎

کاشکے ہرگز نزادے مادرم ÷ تا نہ گردے کشتہ نفسِ کافرم

(اے کاش! میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی۔ تاکہ میں اپنے نفس کافر کا مقتول نہ ہوتا)

والسلام

۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ چہارشنبہ
۲۳ جنوری ۱۹۸۰ء سات بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ
محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۱۲۵)

فقر کی فضیلت

اے بھائی! درویشی میں سکون و راحت ہے۔ درویش دنیا کی تمام آفتوں اور کلفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن یہ آسان کام نہیں ہے۔ بہت سے دشوار گذار راستوں سے گذرنا پڑتا ہے اور سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ سب سے بڑی سختی فاقہ ہے۔ درویش کو اس سے مضر نہیں۔ اس لیے کہ فاقہ کی آفت اس کے لیے معراج ہے۔ چنانچہ اہل تصوف کا خیال ہے کہ فقیر کی معراج فاقہ کی رات میں ہوتی ہے۔ یعنی درویش کی معراج یہ ہے کہ اس کو فاقہ ہو۔ اس لیے درویشی سے بڑھ کر کوئی دوسری نعمت نہیں ہے۔

مثنوی

گرچہ چنداں نے سلیماں کار داشت ؛ کز زمیں تا عرش گیر و دار داشت

(اگرچہ سلیمان علیہ السلام اتنے کام رکھتے تھے کہ زمین سے آسمان تک ان ہی کی حکومت تھی)

مسکنت را چوں قدر بشناخت او ؛ قوت از زنبیل بافی ساخت او

(اس کے باوجود انھوں نے جب مسکینی کی قدر و منزلت پہچانی تو زنبیل بافی کو اپنی روزی کا ذریعہ بنایا)

اے بھائی! فقر رازہائے خداوندی میں سے ایک اہم راز ہے۔ سنو! ملک و ملکوت میں جو کچھ بھی ہے سب شب معراج میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا تھا۔ مگر آپ نے گوشۂ چشم سے بھی ادھر نہیں دیکھا۔ اور فرمایا اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (فقر میرا فخر ہے) اور سنو! حضرت آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائک بنایا ساتھ ہی آٹھوں بہشت ان کی جاگیر میں دے دی۔ لیکن جب ان کی نظر فقر کے راز پر پڑی تو آٹھوں بہشت کو گندم کے صرف ایک دانہ کے عوض بیچ دیا۔ اور خرقۂ فقر زیب تن کر لیا۔ ؎

جانِ آدم چوں بہ سِرّ فقر سوخت ؛ ہشت جنت را بہ یک گندم فروخت

(آدم علیہ السلام کی جان جب فقر کی حقیقت سے روشن ہوئی۔ تو آٹھوں جنت کو گیہوں کے ایک دانے کے عوض بیچ دیا)

جو کچھ نمرود و فرعون کو دیا گیا تھا اگر آج وہ تم کو میسّر نہیں ہے۔ تو اس میں بھی یقیناً کوئی راز ہے۔ ذرا اس واقعہ پر غور کرو کہ سلطان الانبیاء، سرورِ اولیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس تشریف لائے تو گھر میں ایک دن کی غذا کا سامان نہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے ایک یہودی سے ایک پیمانہ جَو قرض مانگا۔ اس یہودی نے کہا آپؐ کے پاس نہ کوئی باغ ہے اور نہ کھیت۔ قرض دوں تو کس برتے پر دوں۔ آپؐ قرض کہاں سے ادا کریں گے؟ آپؐ نے فوراً اپنی زرہ مبارک گرِو رکھ دی۔ تب اس یہودی نے ایک پیمانہ جَو آپؐ کو دیا۔ اس مثنوی میں اسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

مصطفےؐ چوں آمد از معراج در ❊ وام می خواست از جہودے جَو نگر

(غور کرو کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو ایک یہودی سے جَو قرض مانگ رہے تھے)

از برائے قوت جَو می خواستش ❊ واں جہودے سنگ گرِو می خواستش

(آپؐ کھانے کے لیے اس سے جَو مانگ رہے تھے۔ اور وہ یہودی کتّا آپ سے کوئی چیز گرِو رکھنے کے لیے کہہ رہا تھا)

ہر دو عالم دیدہ آں شب از زنی ❊ تا نہ بودش روز آں جو یک منی

(شبِ معراج میں دونوں جہان کی نعمتوں کو جَو برابر بھی نہیں سمجھا۔ لیکن دن کے وقت آپؐ کے پاس ایک سیر جَو بھی نہ تھا)

لاجرم چوں این و آں یکسانش بود ❊ ہر دو عالم زیر یک فرمانش بود

(جب یہ اور وہ اس کی نظر میں یکساں ہے تو لازماً دونوں عالم اس کے ایک ہی حکم کے تحت ہوں گے)

والسلام

۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ چہار شنبہ

۲۳ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۲۶)

جُملہ موجودات پر بشر کی فضیلت

اے منظفر! سلام و دُعا ،

مثنوی

سالکِ راحت طلب ریحان راہ ﴿ پیش روح آمد بہ صد دل روح خواہ

(راحت طلب اور خوشبوؤں سے معطر راہ چلنے والا سالک، جبرئیل علیہ السلام کے پاس، روح کا طالب بن کر پہنچا)

گفت اے عکسے ز خورشیدِ جلال ﴿ پرتوے از آفتابِ لایزال

(جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ اے خورشید جلال کا ایک عکس اور آفتاب لایزال کا ایک پرتو)

ہرچہ در توحیدِ مطلق آمدست ﴿ آں ہمہ در تو محقق آمدست

(جو کچھ توحید مطلق میں ہے وہ سب بنظر تحقیق تجھ میں موجود ہے)

چوں برونی تو ز عقل و معرفت ﴿ نہ تو در شرح آئی و نے در صفت

(جب تو عقل و معرفت سے باہر ہے تو نہ تیری شرح ہو سکتی ہے اور نہ صفت بیان کی جا سکتی ہے)

نیست بالائے تو مخلوقے دگر ﴿ نیست بیرونِ تو معشوقے دگر

(تیرے اوپر کوئی اور مخلوق نہیں ہے۔ تیرے علاوہ کوئی دوسرا معشوق نہیں ہے)

خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا اشعار پر پوری توجہ سے اچھی طرح غور کرو۔ اور رموز و اشارات کو قانون کے مطابق سمجھو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم سے باہر کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے جو کچھ طلب کرنا ہے خود سے طلب کرو۔ اس کی دلیل قرآن کریم کی زبان سے بھی سنو۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ہ (اور تم اپنی ذات میں کیوں نہیں دیکھتے)

اور وہ جو لوگوں کا خیال ہے کہ حق کا راستہ نہ آسمان و زمین میں ہے نہ مشرق و مغرب میں ہے بلکہ خود انسان کی ذات میں ہے وہ صحیح ہے۔ اس لیے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ جس

نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے کہ

آدم اوّل سوے ہر ذرہ شتافت ٭ تا بخود راہے نہ رفت او رنیافت

(آدم علیہ السلام ابتدا میں ہر ذرہ کی طرف دوڑے۔ مگر جب تک اپنی طرف توجہ نہیں کی ان کی خدا تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا)

سبحان اللہ! غور کرو کہ مقدس و مطہر فرشتوں سے بھرا ہوا ایک عالم مکدر اور ملوث خاک کو سجدہ کس طرح کر سکتا ہے؟ اور اسی مکدر اور بے قیمت خاک کا پتلا خلیفۃ اللہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور آٹھوں بہشت کی جاگیر کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے؟ بھائی! یہ ایک عظیم راز ہے جو عقل کے احاطے میں نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ عقل بیچاری تو صرف آلۂ عبودیت ہے۔ اسرار ربوبیت کے سمجھنے کی اس میں صلاحیت کہاں۔

مثنوی

عقل باید تا عبودیت کند ٭ جانت باید تا ربوبیت کند

(عقل چاہیئے تا کہ عبودیت کرے۔ تجھے ایسی جان چاہیئے جو ربوبیت کرے)

عقل گر افزوں بود نقصان تراست ٭ جاں اگر راجح شود جاناں تراست

(عقل اگر زیادہ ہو تو زیادہ نقصان ہے۔ جان اگر وزنی ہو تو زیادہ محبوب ہے)

سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ اَوْ اَنَا الْحَقُّ (پاک ہے میری ذات اور کس قدر عظیم ہے۔ میری شان یا میں حق ہوں) جیسے عظیم جملے، تم ہی بتاؤ کہ مکدر اور ملوث خاک کی زبان سے کس طرح نکل سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جو کسی پر نہیں کھولا گیا تو پھر ہم اور تم کس شمار میں آتے ہیں۔ اب یہ بیت پڑھو اور غور کرو۔

چوں ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمیں منم ٭ مانند در دو عالم از انم پدید نیست

(چوں کہ تمام عالم میں جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں۔ اس لیے دونوں عالم میں کوئی میرا ثانی نہیں ہے)

ہیچ ہستم من نہ دانم یا نیم ٭ چوں ہمہ ہم اوست آخر من کیم

(میں کچھ ہوں یا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ جب سب کچھ وہی ہے تو پھر میں کون ہوں)

دنیا میں کون ہے جو اس مشکل کو حل کر سکے۔ کاغذ کی جلدوں پر جلدیں سیاہ کی جاتی ہیں۔ فتوے پر فتوے لکھے جاتے ہیں۔ مگر افسوس لوگوں کو اپنے حالی کی خبر نہیں۔ آخر کریں کیا؟ یہ معمہ ہی ایسا ہے جو کسی سے حل نہیں ہو سکتا۔ ان ابیات کو سنو!

پشۂ تو می کنی بر پیل جائے ٭ تا بدستِ خویش اندازی زپائے

(تو ایک مچھر ہے اور ہاتھی پر جگہ بناتا ہے۔ تاکہ اپنے ہاتھوں سے اس کو جگہ سے ہٹادے)

صعوۂ تو می روی بر کوہِ قاف ٭ تا بہ منقارِ تو بشگافد چو کاف

(تو ایک ممولا ہے جو کوہِ قاف پر جاتا ہے۔ تاکہ اپنی چونچ سے کاف کی طرح اسے پھاڑ ڈالے)

ذرۂ تو می زنی چوں چشمہ جوش ٭ تا کنی دریائے اعظم جملہ نوش

(تو ایک ذرہ ہے جو چشمہ کی طرح جوش مارتا ہے تاکہ تو پورا سمندر گھونٹ جائے)

کار بیرونست از تصویر تو ٭ چند جنبانم بگو زنجیرِ تو!

(کام تیرے وہم و گمان سے باہر ہے۔ تو ہی بتا۔ کب تک میں تیری زنجیر ہلاتا رہوں)

شاید اسی وجہ سے امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا تھا۔ قَدْ تَحَيَّرْتُ فِيكَ خُذْ بِيَدِي

(پروردگارا! میں تو تیری ذات میں کھو گیا ہوں۔ میرا ہاتھ پکڑ) اب اس سے زیادہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے معذور رکھو۔ مگر ایک عزیز نے جو عذر خواہی کی ہے اسے بھی سن لو۔

مثنوی

اے دریغا! ہر چہ ہستم ہیچ بود ٭ دیدہ کور و راہ پیچاپیچ بود

(افسوس! جو کچھ کہ میں ہوں اس کے باوجود ہیچ تھا۔ آنکھ اندھی اور راستہ پر پیچ تھا)

گرچہ رہ جستند ہر سوے ازیں ٭ پے نہ بردند اے عجب موے ازیں

(اگرچہ ہر طرف فرار کا راستہ تلاش کیا۔ مگر کہیں بال برابر بھی راستہ نہیں ملا)

خونِ صدیقاں ازیں حیرت بریخت ٭ آسماں بر فرقِ ایشاں خاک ریخت

(اسی حیرت کی وجہ سے صدیقوں کا خون بہا ہے۔ اور آسمان نے ان کے سروں پر خاک ڈالی ہے)

والسلام

۵ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ ہجری پنجشنبہ

۲۴ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء ۱۱ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

(پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— ۱۲۷

حال کی برائی اور حضرت ذوالجلال سے اُمید

عزیز شمس الدین برہان حدادی! عزہٗ اللہ بمحبتہ واولیاءہٖ

اے بھائی! اگرچہ کافر و مشرک ہماری مسلمانی کو دیکھتے ہوئے ہم سے ننگ محسوس کرتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کو بھی ہمارے دین کو دیکھتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثنوی میں لکھنے والے نے نالہ کیا ہے۔

مثنوی

کاشکے ہرگز نہ زادے مادرم ❊ تا نہ گردے کشتۂ نفس کافرم

(کاش میری ماں مجھے کبھی پیدا ہی نہ کرتی۔ تاکہ نفس کافر کے ہاتھوں میں مقتول نہ بنتا)

کاشکے ہرگز نہ بودے نام من ❊ تا نہ بودے جنبش و آرامِ من

(کاش! دنیا میں کبھی میرا نام تک نہ ہوتا۔ تاکہ نہ میری کوئی حرکت ہوتی اور نہ مجھے سکون ہوتا)

بردغفلت روزگارم چوں کنم ❊ بر نیاید ہیچ کارم چوں کنم

(ہائے افسوس! میرا سارا زمانہ غفلت میں کٹا۔ میرا کوئی کام نہیں بنتا میں کیا کروں)

لیکن اے بھائی! ہرگز ناامید نہ ہو بلکہ خاطر جمع رکھو اس لیے کہ ساری دنیا کی معصیت و رسوائی اس کے دریائے رحمت کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب ایسا ہے تو پھر میرے اور تمہارے گناہ کی اس دریائے رحمت میں کیا حیثیت ہوگی۔ عطار کی جان پر رحمت ہو کیا خوب انھوں نے فرمایا ہے۔

مثنوی

گر گناہِ اولین و آخریں ❊ بیش باید ز آسمان و از زمیں

(اگر پہلے اور پچھلے لوگوں کے گناہ آسمان اور زمین سے بھی زیادہ ہوں)

بر حواشی بساطش آں گناہ ❊ محو گردد جملہ بریک جائے گاہ

(اس کے فرش کے کنارے پر وہ سارے گناہ مٹ جائیں گے)

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید ✽ در چناں دریا کجا آید پدید

(چند قطرے اگر گناہ کے اس دنیا میں ظاہر بھی ہو گئے۔ تو اس بحر بے کراں میں کس طرح ظاہر ہو سکتے ہیں)

اے بھائی! بندہ کے گناہ کرنے میں ایک عظیم راز اور حکمت ہے۔ اگر ہمارے تمہارے گناہ نہ ہوتے تو اس کی شان غفاری اور ستاری کا اظہار کس طرح ہوتا۔ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَھَبَ اللّٰہُ بِکُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُّذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرُ لَھُمْ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اٹھا لیتا اور ایک ایسی قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی پھر استغفار کرتی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی)

بود عین عفو تو عاصی طلب ✽ عرصۂ عصیاں گرفتم زیں سبب

(تیرا عفو عاصی طلب ہے اسی لیے میں نے گناہ کا میدان اختیار کیا)

چوں بستاریت دیدم کارساز ✽ ہم بدست خود دریدم پردہ باز

(جب تیری ستاری کو میں نے کارساز دیکھا۔ تو اپنے ہاتھ سے پردہ پھاڑ دیا)

رحمتت را تشنہ دیدم بر گناہ ✽ آب روئے خویش بردم عذر خواہ

(تیری رحمت کو جب میں نے گناہ کا پیاسا دیکھا تو اپنے عرق ندامت کو عذر خواہ بنایا)

اے بھائی! انسان اگر گناہ سے پاک ہو تو یہ بڑی عجیب بات ہو گی۔ وہ اس لیے کہ باپ نے تاج صفوت پہنے مسند خلافت پر بیٹھنے اور مسجود ملائک ہونے کے باوجود دارالسلام میں سلامتی نہیں پائی۔ تو اس کی اولاد بیچاری سینکڑوں قسم کے ابتلاء کے باوجود اس دارالبلا میں کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے؟ بالکل ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا ہے۔ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ (ہر انسان خطا کار ہے۔ اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں)، اس لیے ہمیں بھی وہی کہنا چاہیے جو اس موقع پر باپ نے کہا تھا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ٥ (اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔) اور یہ مناجات کرنی چاہیے۔

گر جہانے طاعت آرم پیش باز ✽ تو ز جملہ بے نیازی بے نیاز

(اگر میں دنیا بھر کی طاعت پیش کروں تب بھی اے بے نیاز! تو سب سے بے نیاز ہی رہے گا)

درلبود نقدم جہانے پُرگناہ ❊ توازاں مستغنی ست اے بادشاہ

(اگر گناہ سے بھری ہوئی ایک دنیا میرا سرمایہ ہو تو اے بادشاہ! تو اس سے بھی بے نیاز ہی رہے گا)

گرچہ کفرِ من گناہِ من بس است ❊ بین عفوت عذر خواہ من بس است

(اگرچہ میرا کفر اور میرے گناہ بہت ہیں۔ لیکن ترا عفو میری عذر خواہی کے لیے کافی ہے)

رہ نمایم باش دیوانم بشوے ❊ وز دو عالم تختۂ جانم بشوے

(میرا رہ نما ہو جا اور میرے گناہوں کے دفتر کو دھو دے۔ اور دونوں عالم سے بھی میرے تختۂ جان کو دھو دے)

اے عزیز! جو سلطان الانبیاء اور تاج الاولیاء ہیں۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔ (خدا کی قسم میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں دن بھر میں ستّر بار سے بھی زیادہ) اور وہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ (میرے قلب پر کبھی کبھی کچھ پردے ڈالے جاتے ہیں تو البتہ میں دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں) تو اس میں بھی یہی رمز اور یہی چاشنی ہے۔

اے عزیز! وہ جو ابتدا سے انتہا تک طہارت ہی طہارت ہیں وہ تو فرشتے ہیں۔ اور وہ جو شروع سے آخر تک ملوث ہیں وہ شیاطین ہیں۔ لیکن بنی آدم کا کام یہی گرنا اور پھر اٹھنا ہے۔ یہ صرف ہمارا تمہارا معاملہ نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔

اے عزیز! ایسی صورت میں بقدر امکان اپنے کام سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ یعنی طلب کی وجہ سے اسی دردِ غم میں جلنا چاہیئے۔ اس درد کا اگر ایک ذرہ بھی ہاتھ آجائے تو میرے اور تمہارے لیے کافی ہے۔

مثنوی

ذرۂ دردِ خدا در دلِ ترا ❊ بہتر از ہر دو جہاں در دل ترا

(خدا کے درد کا ایک ذرہ بھی تیرے دل میں ہو تو دونوں جہاں سے بہتر ہے)

کفر کافر را و دیں دیندار را ❊ ذرۂ دردت دل عطار را

(کافر کے لیے کفر اور دیندار کے لیے دین ہے۔ مگر عطار کے دل کے لیے تیرے درد کا ایک ذرہ ہے)

گرنہ ماند دردِ تو عطار را ❊ او نہ خواہد کافر و دیندار را

(اگر تیرا درد عطار کو میسر نہ ہو تو اس کے لیے کافر و دینداری نہیں چاہیئے)

اے عزیز! یہاں کام فضل سے ہوتا ہے۔ یعنی کبھی گرے ہوئے کو اٹھا کر فلک اور ملک سے بھی آگے لے جاتے ہیں۔ فرعون کے جادوگروں کے معاملے پر غور کرو۔ دیکھو کہ ان کے پاس عمل اور طاعت کی کون سی دولت تھی۔ عین کفر و کافری کی حالت میں، اپنی معرفت کا تاج ان کے سروں پر رکھ دیا۔ اور دنیا والوں کو دکھا دیا کہ ہمارا کام علت پر موقوف نہیں ہے۔ ہم جس کو چاہیں اعلیٰ علیین میں پہنچا دیں۔ اور کبھی جس کو چاہیں اسفل السافلین میں گرا دیں۔ اور کوئی علت درمیان میں نہ ہو۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس مثنوی میں بیان کیا ہے۔

مثنوی

ملک در دستِ شبانے می دہند ❊ منتِ او بر جہانے می نہند

(کبھی ایک چرواہے کے ساتھ میں ملک کی باگ ڈور دے دیتے ہیں۔ اور اس کا احسان ایک دنیا پر رکھتے ہیں)

صد ہزاراں سال طاعت کردنے ❊ طوق لعنت می کند در گردنے

(اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لاکھوں سال کی عبادت کے باوجود گردن میں لعنت کی طوق ڈال دیتے ہیں)

اے عزیز! یاد رکھو کہ جس طرح اس دربار سے تمام عالم کے گناہ کے باوجود ناامیدی نہیں ہے۔ اسی طرح تمام عالم کی طاعت کے باوجود کوئی شخص بھی بے خوف نہیں ہے۔

والسلام

۷ر ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ہجری شنبہ

۲۶ر جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ر بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۲۸)

راہ کی طلب اور بدخواہ کی بیخ کنی

امام افتخار کے مکتوب کو ایک عزیز نے پہنچایا۔ مطالعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ خلوص میں اور زیادتی فرمائے۔ آمین اور اپنے عیوب کا بینا بنائے۔ اور نفس بدخواہ کی بیخ کنی میں مدد فرمائے۔ ثم آمین۔

اے بھائی! بلاشبہ جو شخص اپنے کام میں خلوص کے ساتھ لگا رہتا ہے تو اس کے کام میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور منزل مقصود تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے

مثنوی

صوفی باید ترا اندیشہ کن ٭ تا کہ داند گنج یابی پیشہ کن

(تیرے لیے ایک ایسا صوفی چاہیئے جو سوچ سکے اور جان لے کہ تو کس طرح خزانہ حاصل کر سکتا ہے)

لیک جد وجہد می باید ترا! ٭ تا درِ ایں گنج بکشاید ترا!

(لیکن تجھ کو پوری کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اس خزانے کا دروازہ تیرے لیے کھل جائے)

لیکن یہ کوشش اس گروہ کے اصول وقانون کے مطابق ہونی چاہیئے۔ تاکہ طالب کی محنت ضائع نہ ہو۔ جیسا کہ اس گروہ کے بزرگوں نے اشارہ کیا ہے اور پتا بتایا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

در رہے رو کاں نشانت دادہ اند ٭ جہد کن چوں سر برایت دادہ اند

(اس راہ پر چل جس کا پتا لوگوں نے بتایا ہے۔ کوشش کر جب کہ تجھ کو سر اسی غرض سے دیا گیا ہے)

جہد می کن روز و شب در کوے سنج ٭ بو کہ ناگاہے بہ بینی کوے گنج

(رات دن محنت ومشقت کی گلی میں کوشش کرتا رہ۔ شاید اچانک تو خزانے والی گلی کو دیکھ لے)

(اور وہ چیز جس کا نشان نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں بلکہ قلب مومن میں ہے

تو پا لے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے قلب کو اللہ کا گھر کہا ہے۔ ؎

محراب جہاں جمالِ رخسارۂ ماست ٭ سلطان جہاں دردلِ بیچارہ ماست

(دنیا کا محراب ہمارے رخسار کا جمال ہے۔ سارے جہان کا بادشاہ ہمارے بیچارہ دل میں ہے)
یعنی راہ حق تعالیٰ نہ آسمان میں ہے نہ زمین ہیں، نہ مشرق ہیں ہے نہ مغرب میں بلکہ حق کا راستہ خود تیرے اندر ہے۔ جس کو دل کہتے ہیں۔ اس راز کو جس نے بھی بیان کیا ہے خوب کیا ہے۔

مثنوی

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ٭ زو کلید ہر دو عالم شد پدید

(جب حضرت آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے تب راستہ معلوم ہوا۔ اور ان سے دونوں جہانوں کی چابی مل گئی)
اے بھائی! مقدس اور پاکیزہ فرشتوں سے بھری ہوئی دنیا ظاہر ہے خاک کو کس طرح سجدہ کر سکتی تھی؛ اور خس و خاشاک سے کام لو تو انشاء اللہ معنی کی طرف راہ مل جائے گی۔

بیت

در جانِ منی ز راہ معنی ٭ چوں یافتہ ام چرا ات جویم

(معنی کے لحاظ سے جب خود اپنی جان میں پا لیا ہے تو پھر تجھ کو کہیں اور کیوں ڈھونڈوں)
اے بھائی! اس فکر میں ہرگز نہ رہو کہ بہت زیادہ نماز کس طرح ادا کی جائے یا بہت زیادہ روزہ رکھنے کی کون سی صورت نکالی جائے۔ بلکہ اس بات کی کوشش بلیغ کرو کہ نفس کافر جس نے تمہاری راہ کھوٹی کی ہے اس کو اپنے راستہ سے کسی طرح ہٹاؤ۔ جس طرح بھی ممکن ہو اس موذی کو اپنے راستہ سے ہٹا دو۔ اس گروہ کے فتویٰ کے مطابق یہ کام فرض عین ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اسی سے نپٹنا چاہیئے۔ خواہ یہ کام مسجد میں انجام پائے یا بتخانے میں۔ دستار کے ذریعہ ہو یا زنار کے ذریعہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ اس کے علاوہ سب ہوس ہے۔ اسی مفہوم کی ایک رباعی سنو۔

رباعی

در بت کدہ گر خیالِ معشوقۂ ماست ٭ رفتن بہ طوافِ کعبہ از عقل خطاست

(در بت خانے میں اگر ہمیں اپنے معشوق کا خیال ہمہ وقت رہتا ہے۔ تو پھر کعبہ کے طواف کو جانا عقلاً غلط ہے)

گر کعبہ از روئے بوے نہ دار د کنش است ؛ با بوئے وصال او کنش کعبہ ماست

(اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہیں ہے تو پھر وہ کعبہ نہیں بت خانہ ہے۔ اور اس کے وصال کی خوشبو اگر بت خانے میں ہے تو میرے لیے وہی کعبہ ہے)

یہ تو تم نے سُنا ہی ہے کہ بعضوں نے اس راہ میں زنار تک باندھا ہے اور بعض تو بتخانہ میں بھی جا کر رہے ہیں۔ اور بعضوں نے میکدے میں جا کر شراب کے مٹکے لنڈھائے ہیں۔ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ ان لوگوں نے غلبۂ حال سے مجبور ہو کر ایسا کیا۔ ان ابیات میں اسی معنی کو ملاحظہ کرو۔ اور ہر بیت کی تاویل اس گروہ کے قانون کے مطابق کرو۔

مثنوی

بارِ دگر پیرِ ما خرقہ بہ زنار داد ؛ نقد نود سالہ را بُرد بہ کفار داد

(یہ دوسرا موقعہ ہے کہ ہمارے پیر نے خرقہ زنار کے عوض دے دیا۔ اور نوے سالہ پونجی کو لے جا کر کفار کے حوالے کر دیا)

پیشِ بتے سجدہ کرد دینِ مجازی گذاشت ؛ مصحف و سجادہ را رفت بہ خمار داد!

(ایک بت کے سامنے سجدہ کیا اور دین مجازی کو چھوڑ دیا۔ مصحف و سجادہ لے جا کر شراب فروش کو دے دیا)

زہد بیک سو نہاد راہ قلندر گرفت ؛ بہر یکے کوزۂ مے خرقہ و دستار داد

(زہد کو ایک طرف رکھا اور قلندر کی روش اختیار کی۔ ایک کوزہ شراب کے عوض خرقہ و دستار بھی دے دیا)

قبلہ بدل کرد زود معتکفِ دیر شد ؛ روئے بہ محبوب کرد، دوست او را بار داد

(قبلہ بدل کر جلد ہی دیر میں جا کر معتکف ہو گیا۔ رخ محبوب کی طرف کیا۔ تو دوست نے فوراً پاس بلا لیا)

اے بھائی! اس مکتوب کو فضول باتیں بنانے والوں اور شیر خوار بچوں (یعنی نااہلوں) سے بچائے رکھنا۔ تاکہ وہ اپنی بیہودہ گوئی سے اس کو آلودہ نہ کرنے پائیں۔ مگر اہلِ علم سے اس کو نہ چھپانا۔ کیونکہ جس طرح نااہل کو علم دینا حرام ہے اسی طرح اہل سے اس کو چھپانا بھی حرام ہے۔ اس گروہ کے لوگوں نے الفاظ معتاد کے خلاف الگ الگ اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ مثلاً بقا و فنا، سکر و صحو، جمع و تفرقہ اور حضور و غیب وغیرہ۔ جانتے ہو ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ صرف اس لیے کیا گیا ہے تاکہ نااہلوں تک یہ علم نہ پہنچے اور اہل لوگوں سے چھپا بھی نہ رہے۔ کیونکہ دونوں حرام ہیں۔ ؎

طعمۂ کاں پاک بازاں را دہند ؛ ہرگز آں کے نو نیازاں را دہند

(وہ خوراک جو پاک بازوں کو دیتے ہیں۔ وہ نٹے لوگوں کو کب دیتے ہیں)

اگر ان بیچاروں کو اس گروہ کی دولت میں سے ایک حصہ بھی کسی دن مل جائے تو ان کو خود معلوم ہو جائے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ جیسا کہ اس مثنوی میں ذکر کیا گیا ہے۔

مثنوی

گر ترا روزے دریں میداں کشند ❊ ایں رقم بینی کہ بر مرداں کشند

(اگر کسی دن تجھ کو اس میدان میں کھینچ کرے جائیں تو وہاں تو دیکھا جائے گا کہ ان مردوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں)

آں گہے زیں شیوہ معنی صد ہزار ❊ بینی و دانی و داری استوار

(اس طرح اس وقت تجھ پر لاکھوں راز کھلیں گے جن کو تو دیکھے گا، سمجھے گا اور محفوظ رکھے گا)

والسلام

۸؍ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ یکشنبہ

۲۷؍ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۲۹)

غنا کی مذمّت اور ترکِ دنیا

نفس قانع گرگدائی می کند ؛ درحقیقت بادشاہی می کند

(نفس قانع اگرچہ گدائی کرتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ گدائی نہیں، بلکہ بادشاہی کرتا ہے)

چوں ترا نانے وخلقانے بود ؛ بر سرِ موے تو سلطانے بود

(جب تجھ کو روٹی اور مخلوق کا رشتہ حاصل ہے تو تیرا ہر بال بادشاہ ہے)

اے بھائی! درویشی میں خوبیاں بہت زیادہ ہیں۔ مگر اس میں طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں بھی ہیں ؎

ترک دنیا گیر تا سلطاں شوی ؛ ورنہ ہم چوں چرخ سر گرداں شوی

(دنیا کو ترک کرتا کہ تو بادشاہ ہو جائے۔ ورنہ آسمان کی طرح ہمیشہ سرگرداں رہے گا)

ہر چہ آں با تو فرو ناید بہ خاک ؛ آں ہمہ دنیا بود نہ دینِ پاک

(ہر وہ چیز جو تیرے ساتھ قبر میں نہیں جائے گی وہ دنیا ہے۔ دین نہیں ہے)

اے بھائی! مال وجاہ کی محبت نے جو بظاہر ایک جنّت معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ گمراہی سے کم نہیں، لوگوں کو اندھا بنا دیا ہے۔ تونگری کے تمام عیوب کو لوگ ہنر سمجھتے ہیں اور درویشی کے تمام ہنر کو عیب شمار کرتے ہیں۔ نمرود وفرعون کا بھی یہی مذہب تھا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو درویشی کا طعنہ دیا تھا۔ اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر درویشی کا عیب لگایا تھا۔ لہٰذا آج کل جو لوگ نمرود وفرعون کے مذہب پر ہیں کیا عجب کہ کل قیامت کے دن ان لوگوں کا حشر بھی نمرود وفرعون کے ساتھ ہو اس لیے کہ ارشاد نبوی ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ گویا ان ہی میں سے ہے) ؎

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ؛ تا ابد راہِ وصالت آں بود

(دنیا میں جس چیز کا خیال تجھے رہتا ہے قیامت تک تیرے وصال کا راستہ وہی رہے گا)

تمام علماء اور حکماء کا اتفاق ہے کہ مقام درویشی سے بلند کوئی مقام نہیں ہے۔ اور ملک قناعت سے بہتر

کوئی ملک نہیں ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

ہیچ کس را در جہانے بحر و بر ٭ از قناعت نیست ملکے بیشتر

(جہانِ بحر و بر میں کسی شخص کے لیے قناعت سے بہتر کوئی اور ملک نہیں ہے)

ہر کہ در راہِ قناعت مرد شد ٭ ملک و دنیا بر دلِ او سرد شد

(جو شخص قناعت کے راستہ میں مرد ہوا تو دنیا اور ملک اس کے دل پر سرد ہو گئے)

اہل بصیرت فرماتے ہیں کہ مرد کے لیے معرفت کی پہچان ترک دنیا ہے۔ لہذا جہاں ترک دنیا ہو گا وہیں معرفتِ الٰہی ہو گی۔ اور جس جگہ ترکِ دنیا نہیں ہو گا وہاں معرفتِ الٰہی بھی نہیں ہو گی۔ کیونکہ ترک و معرفت دونوں کلمۂ توحید میں موجود ہیں۔ یہ کلمہ نفی و اثبات سے مرکب ہے۔ نفی ترک دنیا ہے۔ اور اثبات معرفت الٰہی ہے۔ اس لیے جس نے دنیا کی نفی کی تو اس نے پوری نفی کی۔ اور جس نے خدا کی معرفت حاصل کی تو اس نے اثبات کو مکمل کیا۔ حقیقت میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا یہی ہے۔ اور اگر کوئی عادت کے طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے تو اس سے کیا حاصل۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔

ترک دنیا گیر تا دینت بود ٭ آں بدہ از دست تا اینت بود

(ترک دنیا اختیار کر تاکہ تیرا دین مکمل ہو جائے۔ اسے ہاتھ سے دے تاکہ یہ تیرا ہو جائے)

گر دلت آگہ ز معنی آمدست ٭ کارِ دینت ترک دنیا آمدست

(اگر تیرا دل معنی سے آگاہ ہو جائے۔ تو تیرے دین کا کام ترک دنیا ہو جائے)

والسلام

۹ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ روز دوشنبہ

۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء (سندھ پاکستان)

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— ۱۳۰

فیض پانے اور مستعد رہنے کا ذکر

آں را کہ چناں جمال باشد ؛ گر ناز کند حلال باشد
(جس کا جمال اس طرح کا ہو اگر وہ ناز کرے تو حلال ہے)
در عالم خویش عاشقاں را ؛ گر بار دہد محال باشد
(وہ اپنے دربار میں اگر عاشقوں کو باریابی بخشے، تو یہ محال ہے)
در منعِ جمالِ خوب واللہ ؛ نقصاں نہ بود کمال باشد
(جمال کا روکنا بخدا نقصان نہیں بلکہ کمال ہے)

خواجہ مہذب! اَکْرَمَهُ اللّٰهُ بِمَحَبَّتِهٖ

آں عزیز کا خط ملا۔ مطالعہ سے گذرا تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ فیض کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے لیکن یہ اس کے لیے ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ دولت مستعد لوگوں کو نظر انداز نہیں کرتی بشرطیکہ کوئی مستعد ہو۔ ہاں! دولت کے پہنچنے میں تاخیر کا امکان ضرور ہے۔ اس لیے کہ حکمت کا تقاضا یہی ہے۔ اَلْاُمُوْرُ مَرْهُوْنَةٌ بِاَوْقَاتِهَا (تمام کاموں کا وقت متعین ہے) لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ قاضی الحاجات کے در پر اس وقت کا منتظر رہے۔ اس لیے کہ جب وقت آ جاتا ہے تو بندہ کے سوال اور تقاضا کے بغیر فیض اپنا کام کرتا ہے۔ اور کہتا ہے اَنَا لَكَ شِئْتَ اَمْ اَبَيْتَ (میں تیرے لیے ہوں خواہ تو چاہے یا انکار کرے) اسی کو کسی نے کہا ہے۔

حق بہ شباں تاجِ نبوت دہد ؛ ورنہ نبوت چہ شناسد شباں
(اللہ تعالیٰ چرواہے کو بھی نبوت کا تاج پہناتا ہے، ورنہ چرواہا بیچارہ نبوت کو کیا پہچانے)

لیکن چونکہ مشتاق کی خاصیت یہ ہے کہ جس چیز کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے کہ کل ملے گا، وہ آج ہی نقد چاہتا ہے یعنی موقّت کو موجود چاہتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ سہ

یا مرادِ ما بدہ یا فارغم کن از مراد ؛ وعدۂ فردا رہا کن یا چناں کن یا چنیں

دیا تو میری مراد پوری کر یا مجھے مراد سے فارغ کر دے۔ کل کا وعدہ چھوڑ، یا وہ کر یا یہ کر)
اس لیے عجب نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے پروردگار تو مجھے اپنے آپ کو دیکھا تاکہ میں تجھے دیکھ لوں) اسی قبیل سے ہو۔ ورنہ انبیائے کرام تو لوگوں میں سب سے زیادہ واقف کار ہوتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا اس دولت عظمیٰ کی جگہ نہیں ہے۔ اگرچہ دیدار جائز ہے۔ لیکن وعدہ کل کا ہے۔ مگر غلبہ شوق کی وجہ سے کل کے وعدہ کو آج ہی اور اسی دنیا میں نقد طلب کر رہے ہیں۔ اور موقت کو موجود چاہتے ہیں۔

مثنوی

چوں عاشق خاص را زِ حضرت ؛ بر طور جواب لن ترانی ست
(چوں کہ عاشق خاص کو دربار خداوندی سے کوہ طور پر یہ جواب ملا کہ تو ہرگز نہیں دیکھ سکتا ہے)
اے دوست بداں کہ در خور ما ؛ چونی و چرائی و شبانی ست
(اس لیے اے دوست تمہیں معلوم ہو کہ میری قسمت میں چون و چرا کرنا اور چرواہے کا کام کرنا ہے)

اگرچہ دیدار جائز تھا۔ لیکن چونکہ حکمت کا تقاضا یہ نہیں تھا۔ اس لیے یہ جواب ملا کہ لَنْ تَرَانِیْ (تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) خواجہ عطار فرماتے ہیں۔

مثنوی

عشق را امروز و فردا کے بود ؛ کفر و دیں ایں جا و آں جا کے بود
(عشق کے لیے امروز و فردا کب ہوتا ہے۔ کفر و دیں کا معاملہ تو یہاں ہے، وہاں کب ہوتا ہے)
کارِ عاشق اضطراری اوفتد ؛ واں ز فرطِ دوستداری اوفتد
(عاشق کا کام تو مضطر ہوتا ہے۔ اور یہ بہت زیادہ دوستی کی وجہ سے ہوتا ہے)
اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ اِلٰـھِیٌّ (عشق جنون الٰہی ہے) اور عقل بیچاری اس معاملے میں مجبور ہے)
محرم سرِّ عشق مردم نیست ؛ محرمِ سرِّ او جز اللہ نیست
(عشق کے راز کا محرم انسان نہیں ہے۔ عشق کے راز سے واقف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے)

اے بھائی! آفتاب بذات خود روشنی بخشنے والا اور فیاض ہے۔ لیکن اسی کے لیے ہے جو اس کی استعداد اور قابلیت رکھتا ہو۔ اس کو یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہے جس کی وجہ سے آفتاب کی روشنی اس تک نہیں پہنچ رہی ہے تو اس میں محرومی اس شخص کی طرف سے نہیں ہے اور

نہ آفتاب کی طرف سے فیض کی کوئی رکاوٹ ہے۔ بلکہ یہ اس کی شومیٔ قسمت کی وجہ سے ہے۔ جب یہ حال ہو تو ایسی صورت میں شکایت ہمیں خود اپنی بدبختی سے کرنی چاہیئے، خاک سر پر ڈالنا چاہیئے اور اپنا ماتم کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ اگر حصول کی خوشی نصیب نہ ہو تو محرومی کی مصیبت کا ماتم تو ہو۔ ؎

وصل خاصاں راست من زیشاں نیم اے بختِ بد ٭ بہر من اندازۂ او بارِ من کارے ببیں

(اے بخت بد! وصل تو خاص لوگوں کے لیے ہے لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میرے لیے تو میری بدبختی کے مطابق کوئی کام دیکھ) ؎

اے تو سِرِ فضلِ من نہ داری ٭ من عادتِ بختِ خویش دانم

(اے کہ تو مجھ پر اپنے فضل کا خیال نہیں رکھتا۔ لیکن میں تو اپنے بخت کی عادت کو جانتا ہوں)

والسلام

۹ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ دوشنبہ

۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۱)

مولانا مظفر ظفر آبادی اور مولانا حمید الدین ناگوری کی احادیث کا جواب

قطعہ

گفتگوے اَنَا بہ حالتِ کشف ٭ ہر کہ گوید از و خطا نہ بود!

(حالت کشف میں جو شخص اَنَا کی گفتگو کرتا ہے تو وہ غلط نہیں کرتا ہے)

حاصل اندر زمانۂ استغراق ٭ شاہد روح جز خدا نہ بود

(زمانۂ استغراق میں شاہد روح خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوتا)

جب سالک پر یہ آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ۔ (روئے زمین پر جو کچھ ہے سب فنا ہو جائے گا البتہ صرف آپ کے پروردگار کی ذات، جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہے گی) منکشف ہو جائے۔ اور وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ (وہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے) اس پر جلوہ کرے تو ایسی صورت میں بتاؤ انا کے سوا اس سے کیا صادر ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ غیرت الٰہی کے کوتوال نے سیاست کا دار نصب کر رکھا ہے اور ساتھ ہی یہ منادی بھی کرا دی ہے کہ جو شخص توحید کی توضیح و تشریح کرے گا اس کا قتل دوسروں کو زندہ کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ ایسی حالت میں زبان کو بند نہ رکھا جائے تو اور کیا کیا جائے۔

زمستی گر بگوید رمز عشقش ٭ جز ایش در طریقت دار باشد

(مستی کے عالم میں اگر کوئی شخص اس کے عشق کے راز کو بیان کر دے تو طریقت میں اس کا بدلہ دار ہے)

(حدیث) اے برادر! اہل ذکر نے اس باب میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے: اِنَّ اَوَّلَ مَا ذُكِرَ اللّٰهُ بِهٖ بِنَفْسِهٖ هُوَ اَنَا فَذِكْرُهٗ عَلَی الْحَقِیْقَةِ اَنَا وَبَاقِی الْاَذْكَارِ كُلُّهَا بَلْ جَمِیْعِ كَلَامِ الْعَالَمِ حَتّٰی صَوْتُ الْحَیَوَانِ صَدَاءٌ لِتِلْكَ الْكَلِمَةِ اَعْنِیْ اَنَا فَمَا دَامَ الذَّاكِرُ یَسْمَعُ مِنْ بَاطِنِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَوْ اَنْتَ اَوْ اَیَّ اِسْمٍ كَانَ فَهُوَ بَعْدُ یَسْمَعُ الصَّدَاءَ فَاِذَا سَمِعَ

اَنَا وَ لَمْ یَقْتَدِرْ عَلٰی دَفْعِہٖ فَھُوَ الذِّکْرُ الْحَقِیْقِیْ (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کے ذریعہ اپنا ذکر کیا ہے وہ لفظ انا ہے۔ لہٰذا اس کا ذکر حقیقی "انا" ہی ہے۔ اور باقی تمام اذکار بلکہ تمام عالم کا کلام یہاں تک کہ جملہ حیوانات کی آواز اسی کلمہ یعنی "انا" کی بازگشت ہے۔ اس لیے جب ذاکر اپنے باطن سے "لا الٰہ الا اللہ" سنتا ہے یا ھُوَ یا "انت" یا اسی طرح کے دوسرے اسماء کو سنتا ہے تو بعد میں وہ آواز بازگشت "انا" بھی سنتا ہے۔ لہٰذا جب اس نے لفظ "انا" کو سنا اور اس کے رفع پر قادر نہ ہوا تو وہ ذکر حقیقی ہے۔)

لیکن حق تعالیٰ جو کچھ سالک کو خود اس کے بدن کی گویائی کے ذریعے بلکہ تمام جمادات و نباتات اور حیوانات کی گویائی کے ذریعے سناتا ہے۔ سالک سنتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ تو وہی ذکر ہے جو وہ خود کرتا رہا ہے۔ گویا وہ تمام ذکر اس کے لیے صدا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسے لوگ کشف خیالی کہتے ہیں۔ حقیقی نہیں۔ اور اگر خود ان سے کوئی ذکر سنتا ہے، جو ہر چیز کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ کشف صحیح اور حقیقی ہوتا ہے۔ ان دونوں اصل پر اگر غور کریں تو تمام وہ باتیں جن کا ذکر خط میں ہے، حل ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(حدیث) اے بھائی! محبت کے خم خانے سے جو کچھ تمہیں پلاتے ہیں بلا پس و پیش پیالہ پیالہ کر کے پی جاؤ۔ مگر شرط یہ ہے کہ بدمستی نہ کرو۔

قطعہ

بر بند زباں کہ عاشقانش ٭ در عشق نہ می خرند گفتار

(زبان بند کرو۔ اس لیے کہ اس کے عاشق عشق کے معاملے میں گفتگو نہیں خریدتے ہیں)

دیدی کہ بہ سکر عشق رمزے ٭ حلاج بگفت و رفت بردار

(تم نے دیکھا کہ عشق کے نشہ میں حلاج نے راز کی ایک بات کہدی تو دار پر چڑھ گئے)

جو کچھ تمہیں پلاتے ہیں، جی بھر کر پیو۔ خوش رہو، مبارک ہو اور روزانہ یہ تشنگی زیادہ ہو۔ ؎

ہست دریائے محبت بے کنار ٭ لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

(دریائے محبت کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ آخر کار ایک تشنگی لاکھوں ہو گئی)

یعنی معاملہ ہمت کا ہے۔ یہاں کام ہمت کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمت جس قدر بلند ہو گی۔ پینے والا اتنا ہی زیادہ پیاسا ہو گا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد ٭ ہم چو خورشید از بلندی فرد شد

(جو شخص صاحب ہمت ہے حقیقتہً وہی مرد ہے۔ چنانچہ بلندی کے لحاظ سے آفتاب کی طرح یکتا ہو جاتا ہے)

ہر کہ از ہمت دریں رہ آمدست ؛ گر گدائی می کند شاہ آمدست

(جس شخص نے ہمت کے ساتھ اس راہ میں قدم رکھا ہے۔ اگرچہ وہ گدائی کرتا ہے مگر درحقیقت وہ بادشاہ ہے)

(حدیث) اے بھائی! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر حال میں وقت کے بوجھ کو برداشت کرنا چاہیئے۔ اس راہ پر چلنے والوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ پرورش قہر و لطف میں ہونی چاہیئے ورنہ خام رہے گا۔ یہ صرف تمہارے لیے نہیں ہے بلکہ سبھوں کے لیے ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تا نہ گردی نقطۂ درد اے پسر ؛ کے تواں گفتن ترا مرد اے پسر

(اے لڑکے! جب تک تو بذاتِ خود نقطۂ درد نہ بن جائے۔ تجھ کو مرد کب کہہ سکتے ہیں)

سرد و گرمِ زمانہ ناخوردہ ؛ نہ رسی بر درِ سرا پردہ

(زمانہ کے سرد و گرم کو چکھے بغیر تو خیمہ کے دروازہ تک نہیں پہنچ سکتا)

(حدیث) جانتے ہو یہ سب سالک کے ساتھ کیوں ہوتا ہے؟ سنو! غیر کو درمیان سے اٹھانے کے لیے ہوتا ہے۔ نہ کہ اس کو ہلاک کرنے کے لیے۔ اس لیے خاطر جمع رکھو۔

مثنوی

در محبت تا کہ غیرے ماندت ؛ در درونِ کعبہ دیرے ماندت

(محبت میں جب تک غیر باقی ہے تو اس کو یوں سمجھو کہ گویا کعبہ میں بت خانہ باقی ہے)

چوں نہ ماند در دل از اغیار نام ؛ پردہ از محبوب برخیزد تمام

(جب دل سے اغیار کا نام و نشان مٹ جاتا ہے تو محبوب کے رخ سے پردہ اُٹھتا ہے)

(حدیث) اے بھائی! مکاشفات کی کوئی حد ہے نہ انتہا پھر تحریر میں کس طرح آ سکتی ہے اور عبارت میں کس طرح سموئی جا سکتی ہے۔

مثنوی

شرح دادن حالِ عاشق جاوداں ؛ از عبارت برتر است و از بیاں

(عاشق جاوداں کا حال عبارت اور بیان سے بالاتر ہے)

گر زباں گردد دو گیتی سالہا ٭ ہم نیارد داد شرح از حالہا

(اگر دو جہان برسوں تک زبان بن جائے تو بھی اس کے احوال کو بیان نہیں کیا جا سکتا)

(حدیث) اے بھائی! انتھاہ سمندر سے پانی پینا اس میں غوطے لگانا اور پھر اپنے ہونٹوں کو پاک رکھنا بہت دشوار کام ہے۔ اسی لیے امام شبلی رحمۃ علیہ نے جو مست مے محبت تھے فرمایا۔ رَبِّ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا۔ (اے میرے پروردگار مجھ میں تحیر زیادہ کر۔)

مست مے ام مرا شراب دہید ٭ خرقہ و سبحہ ہم بر آب دہید

(میں شراب کا مست ہوں مجھے شراب دو۔ اور تسبیح و خرقہ کو پانی میں ڈال دو)

ہر کرا یک ذرہ خلت دست داد ٭ ہر دمش صد گونہ دولت دست داد

(جس شخص کو اس کی دوستی کا ایک ذرہ بھی حاصل ہوا۔ تو ہر لمحہ اس کو سینکڑوں گنا دولت حاصل ہوئی)

(حدیث) جب کوئی شخص بلاؤں کا خوگر ہو جاتا ہے تو بلائیں اس کے لیے عیش کا سبب بن جاتی ہیں۔

؎ بر دار چو می بینی پیوستہ جمال او ٭ در چار سوے عشقش بے دار نہ باید بود

(دار پر جب تو ہمیشہ اسی کا جمال دیکھتا ہے۔ تو اس کے عشق کے اطراف میں دار کے بغیر نہیں جانا چاہیے)

(حدیث) اے بھائی! توحید کا راستہ مردوں کا دین ہے۔ جو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ وہاں عقل و علم دونوں غرق ہو جاتے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو اس کا لکھنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ جو شخص اس دریا میں اترا وہ عالم تحیر میں پڑ گیا۔ ؎

قطرۂ کو غرقۂ دریا بود ٭ ہر دو کونش جز خدا سودا بود

(وہ قطرہ جو دریا میں غرق ہو گیا۔ اس کے لیے خدا کے سوا دونوں عالم دیوانگی ہے)

ایک دوسرے عزیز نے بھی اسی معنی میں کہا ہے۔

قطعہ

مگو با من چہ دیں داری خرم بادین توحیدش ٭ ہمیں دینم صواب آمد دگر دینہا خطا دیدم

(مجھ سے نہ پوچھو کہ میں کون سا دین رکھتا ہوں۔ میں اس کے دینِ توحید سے خوش ہوں کہ یہی دین تمام ادیان میں مجھے درست نظر آیا)

نہ من بے او نہ او بے من ولیکن من دو چوں گویم ٭ کہ در دینِ یکے گویاں دو گفتن نا روا دیدم

(نہ میں اس کے بغیر نہ وہ میرے بغیر۔ لیکن میں دو کس طرح کہوں۔ کہ ایک کہنے والوں کے دین میں رہ کر دو کہنا جائز نہیں سمجھتا۔)

(حدیث) اے بھائی! جس قدر اپنے حق میں تم فیض زیادہ دیکھو اسی قدر عجز و نیاز اور ذلت و خواری کو اپناؤ۔ اور ہر کام کو اس کے فضل پر موقوف سمجھو۔ اپنی عقل اور اپنے عمل پر ہرگز محمول نہ کرو۔ تاکہ سلامتی کے ساتھ اس منزل سے گذر جاؤ۔ اور کسی طرح کا زخم نہ کھاؤ۔

مثنوی

ہر چہ از ہدیہ داری اے درویش ❊ ہدیۂ حق شمر نہ گدیۂ خویش

(اے درویش تو جو کچھ بھی ہدیہ رکھتا ہے اس کو حق کا ہدیہ سمجھ۔ اپنی بھیک نہ سمجھ)

اسی معنی میں کسی اور نے بھی کہا ہے۔ ؎

ہر کس کہ ذلیل کرد خود را ❊ اندر نظرش ہمہ خلیل است

(جس شخص نے اپنے آپ کو ذلیل کر لیا تو اس کی نظر میں ہمہ تن دوست بن گیا)

عاشق ز برائے عزِ معشوق ❊ در دنیا و آخرت ذلیل است

(عاشق اپنے معشوق کی عزت کی خاطر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلیل ہے)

(حدیث) اے بھائی! سالک کے لیے ایک شرط قناعت ہے۔ جس شخص کو اسباب معاش میں قناعت نصیب نہ ہو تو پھر اس کو بازار جانا چاہیئے۔ اس کو اس حدیث سے کیا کام کہ "قناعت ایک ایسا ملک ہے کہ اس سے بہتر کوئی اور ملک نہیں۔"

ہیچ کس را در جہانِ بحر و بر ❊ از قناعت نیست ملکے بیشتر

(اس جہانِ خشک و تر میں قناعت سے بڑھ کر کوئی اور ملک نہیں ہے)

ہر کہ در راہِ قناعت مرد شد ❊ ملک دنیا بر دل او سرد شد

(جو شخص قناعت کے راستہ کا مرد ہوا تو دنیا کے تمام ممالک کی حیثیت اس کے دل کے سامنے کچھ نہیں)

(حدیث) حقوق کی رعایت یہ ہے کہ بہ تقاضائے عقل حتی الامکان سیدھی راہ اختیار کی جائے۔ اس لیے کہ سیدھا چلنے میں یقیناً فائدہ ہوتا ہے نقصان نہیں ہوتا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جو شخص سیدھا چلتا ہے جلد اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

مثنوی

ہر کہ در راہِ محمد رہ نہ یافت ❊ تا ابد گردے ازیں درگہ نہ یافت

(جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلا۔ اس نے ابد تک اس درگاہ کی گرد تک

نہ پائی)

دولت آں جا جو و دیں آں جا طلب ⁂ مرجع اہلِ یقیں آں جا طلب

(دولت وہاں ڈھونڈ اور دین بھی وہیں طلب کر۔ اہل یقین کا مرجع وہیں ہے اس لیے ان کو بھی وہیں تلاش کر)
یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے گمان فاسد اور خیال باطل کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق بغیر کسی راہ بر کے چلتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں نہیں پہنچتے اور تمام عمر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

کور ہرگز کے تواند رفت راست ⁂ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

(اندھا سیدھا کب چل سکتا ہے؟ اس لیے بغیر کسی ڈنڈا کھینچنے والے کے اندھے کا چلنا غلط ہے)

راہ دور است و پُر آفت اے پسر ⁂ راہ رو را می بباید راہ بر

(اے لڑکے راستہ دور اور آفتوں سے بھرا ہوا ہے۔ راہ رو کے لیے کوئی رہبر ضروری ہے)

گر ترا در دست پیر آمد پدید ⁂ قفلِ دردت را کلید آمد پدید

(اگر تجھ کو کسی پیر کا ہاتھ میسّر آجائے تو یہ سمجھ لے کہ تیرے تمام درد کے تالے کے لیے کنجی مل گئی)
مکتوب میں برادر کے بہت سی احادیث (باتیں) تھیں۔ چونکہ یہ قصہ بہت دراز ہے۔ ختم کس طرح ہو سکتا ہے۔ لہذا مختصر کر دیا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

شب رفت حدیثِ ما بہ پایاں نہ رسید

شب را چہ گناہ حدیثِ ما بود دراز

(رات گذر گئی اور ہماری باتیں ختم نہ ہوئیں۔ اس میں رات کا کیا قصور، ہماری باتیں ہی دراز تھیں)
انشاء اللہ تعالیٰ اتنے ہی سے مقصود حاصل ہو جائے گا۔ بہت پہلے ہی لوگوں نے یہ مثل کہی ہے "جہاں کوئی شخص ہے وہاں ایک ہی حرف کافی ہے۔"

والسلام

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ہجری سہ شنبہ
۲۹ جنوری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۲)

مرید کی رہنمائی اور ہمت افزائی

مثنوی

در موعدۂ وصال اگر بار یافتی ❊ قدسی شدی و لذت اذکار یافتی

(وصال کی بارگاہ میں اگر تو نے بار پا لیا۔ تو قدسی نفس ہو گیا اور اذکار کی لذت تو نے پالی)

در بارگاہِ قدس بہ ہمت درآمدی ❊ پس قوتِ نہفتنِ اسرار یافتی

(جب ہمت کے ساتھ بارگاہِ قدس میں تو داخل ہوا تو اسرارِ الٰہی کو چھپانے کی قوت تو نے حاصل کر لی)

زاں مرتبہ کہ بود ترا نفس اندروں ❊ برتر شدی و صحبتِ ابرار یافتی

(اس مرتبہ کی وجہ سے جو تیری ذات کو حاصل تھا تو بلند ہو گیا اور ابرار کی صحبت تجھے نصیب ہوئی)

فرزند فخر الدین! رفعہ اللہ علیٰ مرتبۃ السالکین

کاتبِ حروف شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا مطالعہ کریں۔ آں فرزند کا خط ملا جس میں تم نے اپنے کام اور حال کے متعلق شرح و تفصیل کے ساتھ لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے انس پیدا ہوا اور بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ الحمد للہ! مبارک ہو۔ اے فرزند! اسی طرح اپنے کام میں لگے رہو۔ اور مردانہ وار راہِ توحید میں قدم آگے بڑھاتے رہو، جو مردوں کا دین ہے۔ تاکہ استقامت حاصل ہو اور روز بروز افزوں ترقی ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ؎

چوں ہمہ یادِ تو از مولیٰ بود ❊ ہم چو مجنونت ہمہ لیلیٰ بود

(جب تیری ساری یاد مولیٰ ہی کی ہے۔ تو مجنوں کی طرح ہر چیز تیری نظر میں لیلیٰ ہے)

نیست کن ہر چہ رہ ورائے بود ❊ تا دلت خانۂ خدائے بود

(جو کچھ رائے اور راہ سے ہو، سب کو نیست و نابود کر دے تاکہ تیرا دل خدا کا گھر بن جائے)

جب تم اپنے کام کو اس طرح انجام دو گے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ تمہیں اس دولت

تک پہنچا دے گا کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) اور سِرُّ الرَّحْمٰنِ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (اور اللہ کا راز عرش اعلیٰ پر ہے)، کا راز تم پر ظاہر ہوگا۔ اس وقت تم یہ ندا سنو گے جو کسی نے کہا ہے۔ کہ ؎

وعدۂ وصل دیگراں فردا ٭ وعدۂ وصل عاشقاں اکنوں

(دوسروں کے لیے وصل کا وعدہ کل کا ہے۔ لیکن عاشقوں کے لیے وصل کا وعدہ ابھی کا ہے)

اور یہ فرمان بھی تمہارے نام لکھا جائے گا۔ ؎

ہر کہ در سِرّ محبت بندہ شد ٭ تا ابد ہم محرم و ہم زندہ شد

(جو شخص اسرار محبت کے حصول میں بندہ بنا۔ تو وہ ابد تک کے لیے راز دار بنا اور زندہ بھی رہا)

لیکن اے فرزند! یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس میں زمانہ کی ہر مصیبت کو سہنا پڑتا ہے۔ زن و فرزند کے ہجوم سے نکلنا پڑتا ہے۔ اور توحید کی دشواریوں اور مصیبتوں کو شکر اور شہد کی طرح پینا پڑتا ہے یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کوئی خزانہ محنت اور مشقت کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔

مثنوی

لیک جد و جہد می باید ترا ٭ تا دریں رہ گنج بکشاید ترا

(لیکن تجھ کو کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اس راستہ میں تیرے لیے خزانہ کھل جائے)

زاں کہ در راہے کہ گنج آنجا نہند ٭ ہیچ شک نہ بود کہ رنج آں جا نہند

(اس لیے کہ جس راہ میں خزانہ رکھتے ہیں، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں رنج اور مصیبت بھی رکھ دیتے ہیں)

اے عزیز! یہ صرف تمہارے لیے نہیں ہے بلکہ اس راہ پر تمام چلنے والوں کے لیے بھی ہے۔

آں فرزند کے تمام امور مولانا مظفر کے حوالہ کر دیئے گئے ہیں۔ لہذا جو کچھ ان سے سنیں اسے ایسا ہی خیال کریں کہ گویا اس فقیر سے سنا ہے۔ لہذا تمام امور میں ان کی اطاعت کرو۔ اور راہِ سلوک میں جو کچھ پیش آئے اسے ان کی طرف رجوع کرو۔ اور اس کا ان سے حل طلب کرو۔ ہمت بلند رکھو۔ کیونکہ بے ہمت مرید کو ترقی نہیں ملتی۔

مثنوی

چنگ در حضرتِ خدائے زدہ ٭ ہر چہ آں نیست پشت پائے زدہ

(بارگاہ خداوندی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے ٹھکرا دیا ہے)

بادہ ہا خوردہ بر رخ ساقی ❊ ہر چہ باقیست کردہ در باقی

(ساقی کے سامنے اس کے دیدار کی شراب پی ہے۔ اور باقی کو ترک کر دیا ہے)

والسلام

۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ ہجری چہار شنبہ

۳۰ جنوری ۱۹۸۰ء ۵ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۳)

خُداوندِ عالم کی بے نیازی اور بنی آدم کی آزمائش

با قبولِ تو اے زعلت پاک ؛ چہ بود خوب وزشت مشتے خاک

(اے وہ ذات جو تمام علتوں سے پاک ہے تیری قبولیت کے نزدیک ایک مشت خاک کی اچھائی یا برائی کی کیا حیثیت ہے)

بدِ ما نیک شد چو پذیرفتی ؛ نیکِ ما گشت بد چو بگرفتی

(جب تو نے قبول کرلیا تو ہماری تمام برائیاں نیکی میں تبدیل ہوگئیں اور اگر تو نے پکڑ لیا تو ہماری تمام نیکیاں برائی بن گئیں)

کاتب حروف شرف منیری کی طرف سے سلام ودُعا۔

تمہارا خط ملا۔ مضمون سے آگاہی ہوئی۔ اے بھائی! تم جہاں کہیں بھی رہو اور جس کام میں بھی مشغول رہو اپنے دل کو اس کی خاطر شکستہ رکھو۔ ظاہر ہے کہ ٹوٹی ہوئی چیز کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ مگر دل ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جتنا شکستہ ہو اتنا ہی قیمتی ہے۔

اے بھائی! تم نا امید نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کام اطاعت کرنے والوں کی اطاعت سے منزہ اور عاصیوں کی معصیت سے مقدس ہیں۔ نہ مطیعوں کی اطاعت سے اس کے دربار کے جمال و کمال میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔ اور نہ عاصیوں کی معصیت سے اس کے ملک اور بادشاہی کو کسی قسم کا کوئی زوال یا نقصان پہنچتا ہے۔ اگر پوری دنیا صدق میں صدیق اکبر ہو جائے تو اس کے ملک کے جمال و کمال میں کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔ اور اگر تمام عالم فرعون کی طرح اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کا دعویٰ کرنے لگے تو اس کے ملک میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ اسی سبب سے کہا ہے۔

مثنوی

چہ مسلمان چہ گبر بر درِ او ؛ چہ کنشت وچہ صومعہ برِ او

(اس کے دروازے پر کیا مسلمان اور کیا گبر۔ اس کے سامنے کیا بت خانہ اور کیا گرجا سب برابر ہیں)

پارسا گر بہ است او را بہ ❊ بادشاہ گر بد ست او را چہ

(پارسا اگر اچھا ہے تو اپنے لیے ہے اور بادشاہ اگر برا ہے تو اس کو کیا؟)

بر در بے نیازی از کہ و مہ ❊ گر تو باشی و گر نہ باشی چہ

(اس کی بے نیازی کے دربار میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ تو ہو یا نہ ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے)

اے بھائی! یہ بات تو مسلّم ہے کہ وہ مالک مطلق ہے۔ اور جب وہ مالک ہے تو اس کو مطلق تصرف کا حق بھی حاصل ہے۔ کہ اگر وہ کسی کو بغیر کسی عمل اور کام کے اپنے فضل و کرم سے اعلیٰ علّیین تک پہنچا دیتا ہے تو اس کا اس کو حق حاصل ہے۔ اور اگر کسی کو بغیر کسی گناہ و قصور کے اپنی قدرت اور قہر کی بنا پر اسفل السافلین میں ڈھکیل دیتا ہے تو یہ حق بھی اس کو حاصل ہے۔ جیسا کہ اس مثنوی میں کہا ہے۔

گہ آری خلیلے ز بت خانہٗ ❊ کنی آشنائی ز بیگانہٗ

(کبھی بت خانہ سے خلیل پیدا کرتا ہے۔ اور کبھی بیگانوں سے آشنائی کرتا ہے)

گہے آں چناں گوہرے خانہ خیز ❊ چو بوطالبے را کنی سنگریز

(کبھی ایسے خانہ خیز خاندان سے ابوطالب جیسے شخص کو سنگریزہ بنا دیتا ہے)

اے بھائی! اس کی درگاہ بے نیازی سے اسی طرح کے احکامات صادر ہوتے رہتے ہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسے کسی کا خوف نہیں۔ خوف تو غیر کی ملک میں تصرف سے ہوتا ہے۔ جب تصرف اپنی ملک میں ہو تو پھر خوف کیوں؟ ابلیس لعین کے واقعہ پر غور کرو جو سب کے لیے نصیحت کا سبب ہے۔ تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ جیسا کہ اس بیت میں کہا ہے۔

۵ صد ہزاراں سال طاعت کردنے ❊ طوقِ لعنت می کند در گردنے

(لاکھوں سال تک طاعت کرنے کے باوجود گروں میں لعنت کی طوق ڈال دیتے ہیں)

لیکن چونکہ دنیا دار البلاء ہے مگر لوگ بغیر سمجھے بوجھے کاروبار دنیا کے غم و اندوہ میں مبتلا ہیں۔ بیچاروں کو اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے کیا کریں۔ انھیں خبر ہی نہیں کہ غفلت راہ زنی کرتی ہے۔

مثنوی

آدمی بہر بے غمی را نیست ❊ پائے در گل جز آدمی را نیست

(آدمی بے غمی کے لیے نہیں ہے۔ اس کے سوا کسی اور کا پاؤں مٹی میں پھنسا ہوا نہیں ہے)

شادی از اہل عصر بیگانہ است ❊ آدمی را اندوہ خود از خانہ است

(خوشی اہلِ زمانہ کے لیے اجنبی ہو گئی ہے۔ آدمی کو غم و اندوہ خود اپنے گھر کی وجہ سے ہے)

اے بھائی! آدمی ایک ایسا جانور ہے جس نے اپنی مہرباں ماں کے پیٹ میں رہ کر اسی کا خون پیا ہے۔ تو دنیا میں آنے کے بعد کیا پیئے گا، خون ہی تو پیئے گا۔ لہذا جب تک دنیا میں رہے تو بقدر امکان اسے غم و اندوہ بھی کھانا چاہیئے۔ اور دل شکستہ ہونا چاہیئے اور حسرت و ندامت سے ہرگز خالی نہیں رہنا چاہیئے خوف و امید کے درمیان زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اور لذات و شہوات میں نفس کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے جیسا کہ اس شعر میں کہا ہے۔ ؎

تا ترا نفسِ کافر در کمین است ÷ کجا تو رہبری آں جا کہ دین است

(جب تک کہ تیرا نفس کافر تیرے گھات میں ہے۔ تو اس جگہ تک کہاں پہنچ سکے گا جہاں دین ہے)

اے بھائی! انسان کی ذات میں ایک نفس کافر بھی ہے۔ جس کا قبلہ متاعِ دنیا ہے۔ اس کو ہر طرح قابو میں رکھو ورنہ ہلاک کر دے گا۔ ؎

کافرِ نفست چوں زبون تو شد ÷ گر ہمہ کفری ہمہ ایماں شوی

(تیرا نفس کافر اگر تیرے ہاتھوں تباہ ہو جاتا ہے تو گرچہ تو مجسم کفر ہی کیوں نہ ہو مجسم ایمان بن جائے گا)

جواں مردی یہ نہیں ہے کہ لوگوں سے جنگ کرتے پھرو اور ان پر غالب آجاؤ بلکہ جواں مردی تو یہ ہے کہ اپنے نفس کافر کو زیر کرو اور اس پر غالب آجاؤ۔ ؎

مردی نہ باشد آں کہ کنی با کسے تو جنگ ÷ با خویش جنگ کردن مردی و رستمیست

(جواں مردی یہ نہیں ہے کہ تو کسی سے جنگ کرے بلکہ اپنے آپ سے جنگ کرنا جواں مردی اور رستمی ہے)

والسلام

۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ چہارشنبہ

۳۰ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۴)

عاشقی اور عشق کی صفت

گر مرد رہی محال بگذار ؛ تحقیق طلب خیال بگذار

(اگر تو راستے کا مرد ہے تو محال کو چھوڑ دے۔ اور جو خیال تحقیق طلب ہو اسے بھی چھوڑ دے)

ایں زہد تو بار نامہء تست ؛ زنارِ تنِ تو جامہء تست

(یہ تیرا زہد تیرے نامۂ اعمال کے لیے ایک بوجھ ہے۔ خود تیرے تن کا زنار تیرا اصل لباس ہے)

برادر اعز شیخ سلیمان! دام فضلہ،

تمہیں معلوم ہے کہ استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟ سنو! لَیْسَ لِلْجَنَّۃِ شُغْلٌ مَعَنَا وَلَا لِلنَّارِ سَبِیْلٌ اِلَیْنَا (نہ جنت کو مجھ سے کوئی کام ہے اور نہ آگ کو ہماری طرف راستہ ہے) یعنی جنت اور دوزخ کو ہمارے دلوں کے ارد گرد راہ نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔ ؎

نے درغمِ دوزخ وبہشت اند ؛ ایں طایفہ را چنیں سرشتند

(یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ و بہشت کے غم میں نہیں رہتے۔ اس گروہ کی خمیر اسی طرح تیار ہوئی ہے)

اے بھائی! اس کے طلب کرنے والوں نے بہشت اور دوزخ کو پسِ پشت ڈال کر راہ طلب میں قدم رکھا ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔ **فرد**

مارانہ غمِ دوزخ و نے حرص بہشت است ؛ بردار ز رخ پردہ کہ مشتاقِ لقائیم

(ہم کو نہ دوزخ کا غم ہے اور نہ بہشت کا لالچ۔ رخ سے پردہ اٹھا کہ ہم تو دیدار کے مشتاق ہیں)

اس کو یوں سمجھو کہ اگر کل وصل کا خیمہ دوزخ میں نصب کریں تو اس کے طلب کرنے والے دوزخ کی آگ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں۔ اور اگر فردوس اعلیٰ میں یہ لوگ ایک لمحہ کے لیے بھی حجاب میں مبتلا ہوں تو اس قدر فریاد کریں کہ دوزخیوں کو بھی ان کی پریشانیوں پر ترس آنے لگے۔ اسی کو کسی نے اس طرح کہا ہے۔

گویند بہشت میہمانی ست ؛ بے دیدن میزباں چہ باشد

(لوگ کہتے ہیں کہ بہشت میہمانوں کی جگہ ہے۔ مگر میزبان کے بغیر یہ میہمانی کیسی؟

چوں دشمن و دوست در حجاب اند ❊ پس فرق دریں میاں چہ باشد

(جب دوست اور دشمن دونوں حجاب میں ہیں تو پھر دونوں کے درمیان فرق کیا رہا)

اے بھائی! غور کا مقام ہے کہ مقدس فرشتوں کو بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (بلکہ وہ تعظیم کئے ہوئے بندے ہیں) کے خطاب سے نوازا گیا۔ لیکن ایک مشتِ خاک یعنی حضرت انسان کی شان میں یہ فرمایا گیا۔ کہ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں) سبحان اللہ! کتنا بڑا فضل و کرم ہے اللہ تعالیٰ کا حضرت انسان پر۔ بلاشبہ وہ قادر مطلق ہے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس گروہ نے عقل کو خیر باد کہہ کے مستی و دیوانگی اختیار کر لی۔ اور کہا۔

رباعی

ایں راہِ طریقت نہ بپائے عقل است ❊ خاکِ قدمِ عشق ورائے عقل است!

سرّے کہ فرشتگاں ازاں بے خبر اند ❊ اے عقل کرا بے عقل چہ جائے عقل است

(یہ راہ طریقت، عقل پر قایم نہیں ہے۔ عشق کے قدم کی خاک، عقل کی رسائی سے باہر ہے + وہ راز جس سے فرشتے بھی آگاہ نہیں ہیں۔ اے عقل یہ کیسی بے عقلی ہے کہ اسے عقل کے ذریعے سمجھنا چاہتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے کہا ہے۔ اَلْعِشْقُ هُوَ الطَّرِیْقُ وَرُؤْیَةُ الْمَعْشُوْقِ هُوَ الْجَنَّةُ وَالْفِرَاقُ هُوَ النَّارُ وَالْعَذَابُ (عشق ایک راستہ ہے۔ اور معشوق کا دیدار جنت ہے اور اس کی جدائی آگ اور عذاب ہے) کیا ہی خوب کہا ہے۔ جس نے بھی کہا ہے۔

مثنوی

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے ❊ حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلے

(عشق کا درد ہی ہر دل کی دوا ہے۔ کوئی مشکل عشق کے بغیر کبھی حل نہیں ہوئی)

عاقلاں را شرع تکلیف آمدست ❊ بے دلاں را عشق تشریف آمدست

(عقل والوں کو شریعت مکلف بناتی ہے لیکن بے دلوں کے لیے عشق خلعت ہے)

اے بھائی! تم عقل کی پونجی کے ساتھ ان باتوں کے گرد چکر نہیں لگا سکتے۔ عقل کی قوت سے اس

بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ البتہ اَلْعِشْقُ جُنُوْنُ اِلٰہِیْ عشق جنون الٰہی ہے اور اس بوجھ کو وہی اٹھا سکتا ہے۔

تا توانی با خرد بیگانہ باش ٭ عقل را غارت کن و دیوانہ باش

(جب تک تجھ سے ہو سکے عقل سے بیگانہ رہ۔ عقل کو غارت کر اور دیوانہ ہو جا)

زاں کہ تو گر عاقل آئی سوئے من ٭ زخم بسیارے خوری در کوئے من

(کیونکہ اگر تو عقل کی حالت میں میری طرف آئے گا۔ تو میری گلی میں بہت زخم کھائے گا)

لیک گر دیوانہ آئی در شمار ٭ ہیچ کس را با تو نہ بود، ہیچ کار

(لیکن اگر تو میرے دیوانوں میں شمار ہو کر آئے گا۔ تو تجھ سے کسی کو کوئی سروکار نہیں ہوگا)

اور وہ جو تم نے سُنا ہے کہ ان لوگوں نے گھر کی کتاب دھو ڈالی ہے اور دیوانہ ہو گئے ہیں۔ یعنی گھر بار کو خیرباد کہہ کر دیوانگی اختیار کر لی ہے تو یہ اسی وجہ سے ہوا ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

اندر طلبِ دوست چو مردانہ شدیم ٭ اول قدم از وجود بیگانہ شدیم

(دوست کی طلب میں جب ہم مردانہ وار روانہ ہوئے تو پہلے ہی قدم پر وجود سے بیگانہ ہو گئے)

او علم نہ می شنید لب بربستم ٭ او عقل نہ می خرید دیوانہ شدیم

(وہ علم نہیں سنتا تھا اس لیے ہم نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ عقل کا خریدار نہیں تھا لہذا ہم نے دیوانگی اختیار کر لی)

والسلام

۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ پنجشنبہ

۳۱ جنوری ۱۹۸۰ء ۴ بجے شام

محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۵)

بندہ ہونا اور بلاؤں کا برداشت کرنا

برادر اعز محترم و محتشم ملک معز الدین! اعزّہٗ اللہ

خواجہ قبول کی معرفت تمہارا خط ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ انھوں نے زبانی بھی حالت اور کیفیت بیان کی۔ اے بھائی! بندہ بندہ ہے۔ اس کا کام بندگی کرنا ہے۔ لیکن بندہ کا حال مختلف ہوا کرتا ہے۔ جو کبھی موافق ہوتا ہے اور کبھی ناموافق۔ خداوند بزرگ و برتر کی خواہش کے مطابق، موافق حالات میں بندے سے شکر طلب کرتے ہیں۔ اور مخالف حالات میں صبر طلب کرتے ہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

ناکساں را بہ لطفِ خود کس کرد ؂ شکر و صبرے ز بندگاں بس کرد

(نااہلوں کو اپنی مہربانی سے اہل بنا دیا۔ اور بندوں سے صرف صبر و شکر پر اکتفا کیا)

ان ہی دو مختلف حالتوں کے متعلق حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ الٰہی میں چاہتا ہوں کہ تو ایک دن مجھ کو آسودہ رکھ اور ایک دن بھوکا۔ تاکہ جب میں آسودہ رہوں تو تیرا شکر ادا کروں۔ اور جب بھوکا رہوں تو صبر کروں۔ تاکہ بندگی کا حق پورا ہو۔ کیوں کہ اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ نِصْفُہٗ شُکْرٌ وَّ نِصْفُہٗ صَبْرٌ۔ (ایمان کے دو نصف ہیں۔ ایک شکر اور دوسرا صبر) اسی کی طرف کسی نے اشارہ کیا ہے۔ ؎

بر درِ حق بگر دز زور مگرد ؂ کہ بہ زاری شوی دریں رہ مرد

(خدا کے در پر جکر زور کے بل بوتے پر نہ لگا۔ اس لیے کہ اس راہ میں عجز و انکساری ہی سے مرد بن سکتا ہے)

اے بھائی! ان دو حالتوں میں بندہ کو جو سرگرداں رکھتے ہیں اس میں راز اور حکمتیں ہیں۔

بیت

ہر چہ در خلق سوزی و سازیست ؂ اندراں مر خدائے را رازیست

(خلق میں جو کچھ سوز و ساز ہے۔ اس میں خدائے تعالیٰ کا ایک راز ہے)

اب یہ دیکھو کہ ہمارا حال کیا ہے؟ ہم نہ تو مراد پاتے پر شکر ادا کرتے ہیں اور نہ نامرادی کی حالت میں صبر کرتے ہیں۔ آہ! مسلمانی کہاں اور ہم کہاں؟ یہ سب صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ گویا ایک پیراہنِ عیاری ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

مثنوی

سالکا! اسلام گر آساں بُدے ؛ ہر کسے چوں شبلی وادہم شدے

(اے سالک! اسلام اگر اتنا آسان ہوتا تو ہر شخص شبلیؒ اور ابراہیم ادہمؒ کی طرح ہوتا)

تا نہ گردی تو مسلماں از درون ؛ کے توانی شد مسلماں از برون

(جب تک تو اندر سے مسلمان نہیں ہوتا ہے۔ باہر سے کس طرح مسلمان ہو سکتا ہے)!

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ تمام منافقوں کی مسلمانی زبانی تھی۔ حالانکہ ان سبھوں کے پاس جبہ و دستار بھی تھے۔ اگر اسی زبانی دعوے اور اسی پیراہن کی وجہ سے مسلمان ہو جاتے ہیں تو پھر تمام منافقوں کو مسلمان کہنا پڑے گا۔

مثنوی

تا ترا دل بستگی ہست از جہاں ؛ جانبِ حق باشد از چشمت نہاں

(جب تک تیری دل بستگی دنیا سے باقی ہے۔ حق کا پہلو تیری نظر سے پوشیدہ رہے گا)

ہر کہ اعمیٰ است در دنیا بہ حق ؛ ہم چناں اعمیٰ ست در عقبیٰ نہ حق

(جو شخص دنیا میں حق سے اندھا رہا ہے، آخرت میں بھی اسی طرح حق سے اندھا رہے گا)

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ؛ ایں خیال ست و محال ست و جنوں

(تو خدا کو بھی چاہتا ہے اور کمینی دنیا کو بھی۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو محال بھی ہے اور دیوانگی بھی)

اجتماعے ایں دو نہ بود ایں بداں ؛ با کسے حاصل نہ گردد این و آں

(یہ اچھی طرح جان لے کہ ان دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا کسی شخص کو یہ اور وہ دونوں حاصل نہیں ہوتا)

یہ قصہ بہت دراز ہے۔ اگر لکھنا چاہیں تو کئی جلدیں سیاہ ہو جائیں۔ اور جگر پارہ پارہ ہو جائے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ جو درمیان میں آیا گرا۔

اے بھائی! جب یہ بات مسلم ہے کہ دنیا دار البلاء ہے تو یہاں ایک لقمہ بھی بغیر بلا کے کون کھا سکتا ہے؟ تم نے بزرگوں کی یہ تمنا تو سنی ہوگی کہ کاش وہ تنکوں کی زحمت کے بغیر نہ ہوں، ان کا پیالہ

مکھی کی بھنبھناہٹ کے بغیر نہ ہو اور ان کی خوشی ماتم کے بغیر نہ ہو۔ اسی پر دوسری باتوں کو بھی قیاس کرو۔

رباعی

ازجامِ اومچش کہ درآں جام زہرہاست ✽ گلبرگ او مبو کہ دراں زیر خارہاست

(اس کے جام سے کچھ نہ چکھ کہ اس میں مختلف قسم کے زہر ہیں۔ اس کے پھول کی پتیوں کو نہ سونگھ کہ اس کے نیچے کانٹے ہیں)

دہرستیزہ کار نہ داند وفا بکس ✽ دیدیم و آزمودہ شنیدیم بارہاست

(یہ ظالم زمانہ کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتا ہے۔ ہم نے تو دیکھا ہے اور بار ہا آزمودہ کار لوگوں سے سنا ہے)

لیکن چونکہ آں برادر کو خان و نان، زن و فرزند اور حذم وحشم کی تربیت درپیش ہے۔ اس لیے مجبوری ہے۔ کیا کروگے۔ بہر حال خاطر جمع رکھو۔ ہر کام کے لیے وقت مقرر ہے۔ جس چیز میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہوگی ان شاء اللہ عنقریب اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادے گا۔ اور اپنے فضل و کرم سے ابتلا سے بہ خوبی نجات دے دے گا۔

والسلام

۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ پنجشنبہ

۳۱؍ جنوری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۶)

موحّدوں کی وحدانیت اور انکی صفت

(مولانا مظفر کے نام)

دردوئی عقل راست پیچا پیچ ٭ چشمِ ایماں دوئی نہ بیند ہیچ

(دوئی میں عقل کے لیے گوناگوں پیچیدگیاں ہیں۔ ایمان کی نظر کبھی دوئی نہیں دیکھتی ہے)

دردوئی داں مشقت و تمیز ٭ ورنہ گیتی یکیست رستم و حیز

(دوئی میں مشقت بھی ہے اور تمیز بھی، ورنہ رستم اور ایک مخنث دونوں برابر ہیں)

اے بھائی! عالم وحدت جب کثرت نہیں ہے تو تمیز کی مشقت بھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے تمیز کا کوئی دخل ہو۔ لہٰذا دو کا ثابت کرنا عالم وحدت میں شرک ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

ہرچہ راہ است گفتی از بن و بار ٭ گفت اوراشریک ہش می دار

(جو راستہ صحیح ہے اس کے بارے میں تم نے پوری حقیقت بیان کر دی۔ مگر ہوشیار رہو اس کی باتوں کو ہوش و حواس کا شریک نہ بناؤ)

اے بھائی! یہ اس گروہ کے لوگ ہیں، جو حجاب سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور مشاہدۂ حق کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ علم الیقین بلکہ عین الیقین کے ذریعہ انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ ہستی صرف خدا ہی کی ہے اس کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ ؎

ہر کہ او دعوۂ ہستی می کند ٭ آشکارا بت پرستی می کند

(جو شخص کہ ہستی کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ علانیہ بت پرستی کرتا ہے)

چنانچہ اسی وجہ سے اس گروہ کو اہل وحدت کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی نظر میں غیر حق کا وجود باقی نہیں رہا۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے) یہ راز ان پر منکشف ہو گیا ہے۔ جیسا کہ اس بیت میں ہے۔ ؎

با خدا غیر او محال بود ٭ در و دربان و پاسباں ہمہ ہیچ

(خدا کے ساتھ اس کے غیر کا ہونا محال ہے۔ در و درباں اور پاسباں سب ایچ ہیں)

احیاء العلوم میں بھی اسی معنی کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا اَصْدَقَ مَاقَالَتِ الْعَرَبُ قَوْلَ لَبِیْدٌ (شِعْرٌ) (سب سے سچی بات عرب نے جو کہی ہے وہ لبید کا یہ شعر ہے)

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ ٭ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ

(آگاہ ہو جاؤ! اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں۔ اور تمام نعمتیں لامحالہ زائل ہونے والی ہیں)

رباعی

تاظن نہ بری کہ ہست ایں رستہ دو تو ٭ یک تو است خود اصل و فرع بنگر تو نکو

(تمہیں یہ گمان نہ ہو کہ اس راستے کے دو رخ ہیں۔ ایک ہی رخ ہے جو اس کا اصل رخ ہے وہ خود تم ہو۔ بقیہ فرع ہے تم خود دیکھ لو)

چوں اوست ہمہ ولیک پیداست بمن ٭ شک نیست کہ ایں جملہ منم لیک بدو

(چوں کہ سب کچھ وہی ہے، لیکن میرے ساتھ ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ سب میں ہی ہوں مگر اس کے ساتھ)

اے بھائی! اس گروہ کے لوگ دریائے وحدت کی گہرائی تک پہنچ گئے ہیں۔ واقعات کی تاریکیوں سے گذر چکے ہیں۔ جو کچھ تمام مخلوق کے لیے غیب ہے وہ ان کے لیے شہادت ہے۔ اور جو کچھ لوگوں نے حکایات کے ذریعہ سنا ہے اسے ان لوگوں نے اپنی بصیرت سے دیکھا ہے۔

رباعی

کو دل کہ بداند نفسے اسرارش ٭ کو گوش کہ بشنود دمے گفتارش

(وہ دل کہاں! جو ایک سانس بھی اس کے اسرار کو جانے۔ وہ کان کہاں! جو ایک لمحہ اس کی گفتگو سنے)

معشوق جمال می نماید شب و روز ٭ کو دیدہ کہ تا برخورد از دیدارش

(معشوق تو دن رات اپنا جمال دکھاتا رہتا ہے مگر وہ آنکھ کہاں! جو اس کے دیدار سے متمتع ہو)

وحدت کا یہ راز اور اعیان کی معرفت، جس کو خلق کہتے ہیں، فنا اور ان کا عدم یہ سب باعتبار ان کے ذوات کے معلوم ہوتا ہے۔ ؎

ایں ہمہ رنگہا دپر نیرنگ ٭ خم وحدت کند ہمہ یک رنگ

(ان تمام رنگوں اور نیرنگیوں کو وحدت کا خم ایک رنگ بنا دیتا ہے)
کہتے ہیں کہ جب سالک اس مقام پر پہنچ گیا تو اس کے لیے قیامت آ گئی۔ زمین کو تبدیل کر دیا، آسمان کو لپیٹ دیا۔ پھر خدائے بزرگ و برتر ظاہر ہو گیا۔ خدائے بزرگ و برتر تو ہمیشہ سے ظاہر ہے لیکن چوں کہ سالک اپنی ہستی کے پندار و خیال میں تھا، جب اس خیال و پندار سے باہر آیا تو دیکھا کہ ہستی صرف خدائے بزرگ و برتر ہی کی ہے۔ اور باقی ہیچ ہے۔ پھر زبان حال سے اس طرح کہا۔

رباعی

معشوق عیاں بود نہ می دانستم ﴿ با من بہ میاں بود نہ می دانستم

(میں نے کہا کہ طلب کے ذریعے شاید میں منزل پر پہنچ جاؤں۔ مگر افسوس! یہی تو تفرقہ تھا جسے میں نہیں جانتا تھا) اے بھائی! جب تم اس راز سے واقف ہو گئے۔ تو اس کوشش میں نہ لگے رہو کہ بہت زیادہ نماز کس طرح ادا کی جائے ۔ اور بہت زیادہ روزے کیسے رکھے جائیں۔ بلکہ اس کوشش میں لگے رہو کہ تمہاری ہستی کا یہ پندار و خیال، جو تمہارے واسطے حجاب بنا ہوا ہے اس کو کسی طرح سے دور کرو۔ ؎

آں چہ تو گم کردہ کثر کردہ ﴿ ہست اندر تو، تو خود را پردہ

(جو کچھ تو نے کھویا ہے، برا کیا ہے۔ وہ تو تیرے اندر موجود ہے تو خود اپنے لیے پردہ ہے)
لہذا بے دولتی کے اس پردے اور حجاب کو جس طرح بھی ممکن ہو دور ہونا چاہیے۔ یہ تم پر حکم طلب یعنی حکم حال کی بنا پر فرض عین ہے۔ اسی سبب سے کسی نے کہا ہے۔

رباعی

در بت کدہ گر خیالِ معشوقۂ ماست ﴿ رفتن بہ طواف کعبہ از عقل خطاست

(اگر بتخانے میں معشوق کا خیال دامن گیر رہتا ہے تو ایسی صورت میں خانۂ کعبہ کے طواف کے لیے جانا عقلاً غلط ہے)

گر کعبہ از بوئے او نہ دارد کنش است ﴿ با بوئے وصال او کنش کعبۂ ماست

(اگر کعبہ میں اس کی خوشبو نہیں ملتی تو وہ بت خانہ ہے۔ اور اگر بت خانہ میں اس کے وصال کی خوشبو ہو تو وہی ہمارا کعبہ ہے)
اور وہ جو تم نے سنا ہے تو وہ صحیح ہے کہ اس گروہ کے کچھ لوگوں نے وہ کام کیے ہیں جو بہ ظاہر منکر (خلاف شرع) ہیں۔ تو ان لوگوں نے یہ کام اسی وجہ سے کیے ہیں۔ مگر افسوس! لوگ اس راز کو

جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے، نہیں جانتے ہیں۔ اسی راز کو کسی نے بیان کیا ہے۔ سے

ما بروں را نہ نگریم و قال را ٭ ما دروں را بنگریم و حال را

(ہم ظاہر کو اور گفتگو کو نہیں دیکھتے ہیں۔ ہم تو باطن کو اور حال کو دیکھتے ہیں)

اور سنو!

بار دگر پیر ما خرقہ بہ زنار داد ٭ نقد نود سالہ را بردہ بہ کفار داد

(پھر ہمارے پیر نے خرقہ زنار کے عوض دے دیا۔ نوے ۹۰ سالہ پونجی کو لے جاکر کفار کے حوالے کر دیا)

زہد بہ یکسو نہاد و راہ قلندر گرفت ٭ بہر یک کوزۂ مے خرقہ و دستار داد

(زہد کو ایک طرف رکھا اور قلندر کی راہ اختیار کی۔ ایک کوزہ شراب کی خاطر خرقہ و دستار دے دی)

اے بھائی! دیکھو، فضول باتیں کرنے والوں اور نابالغ بچوں سے اس خط کو دور رکھو۔ تاکہ وہ اپنی فضول باتوں سے اس کو آلودہ نہ کریں۔ اور جو لوگ اہل ہیں ان سے پوشیدہ نہ رکھو۔ اس لیے کہ جس طرح نااہل کو علم دینا مناسب نہیں ہے اسی طرح اہل حضرات سے اسے پوشیدہ رکھنا بھی مناسب نہیں ہے۔

طعمۂ کاں پاک بازاں را دہند ٭ ہرگز اُں کے نو نیازاں را دہند

(جو خوراک کہ پاک باز لوگوں کو دیتے ہیں وہ نو آموز لوگوں کو کب دیتے ہیں)

ان بیچاروں کو اس گروہ کی دولت سے ایک ذرّہ بھی مل جائے تو انھیں خود معلوم ہو جائے کہ کام کیا ہے؛ ان کا اس کام سے انکار محرومی اور نابینائی کی وجہ سے ہے۔

مثنوی

گر ترا روزے دریں میداں کشند ٭ ایں رقم بینی کہ بر مرداں کشند

(اگر تجھ کو کسی دن اس میدان عرفان میں کھینچ کرلے جائیں۔ تو خود تو دیکھ لے گا کہ مردوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں)

آں گہے زیں شیوہ معنی صد ہزار ٭ بینی و دانی و داری استوار

(اس وقت اس طرح کے لاکھوں معنی تو دیکھے گا، جانے گا اور اسے محفوظ رکھے گا)

اے بھائی! یہ لقمہ عقل کے حوصلہ میں نہیں سما سکتا۔ ہاں! البتہ اگر کسی کا کوئی کام ماورائے عقل ہو تو پھر وہ اس راز کے سراپردہ کے گرد چکر لگا سکتا ہے۔

٭

رباعی

جاناں سخنِ عشق کلامیست بلند ؎ بدنام شدن زعشق نامیست بلند

(اے دوست! عشق کی بات، ایک بلند کلام ہے۔ عشق کی وجہ سے بدنام ہونا ایک بلند نام ہے)

درعقل فرو شدیم بر نامد کارے ؎ ازعقل فرا تر و مقامیست بلند

(ہم عقل میں ڈوبے تو کوئی کام نہ بنا۔ اس لیے کہ عقل سے بھی ایک بلند مقام ہے)

اسی معنی کو کسی اور نے بھی کہا ہے۔

قطعہ

آدمی بہر بے غمی رانیست ؎ پائے در گل جز آدمی رانیست

(آدمی بے غمی کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے۔ آدمی کے سوا تو کوئی بھی پابہ گل نہیں ہے)

شادی از اہل عصر بیگانہ است ؎ آدمی را خود اندوہ در خانہ است

(اہل زمانہ کے لیے تو خوشی اجنبی ہے۔ آدمی کا غم خود اس کے گھر ہی میں موجود ہے)

والسلام

۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ دوشنبہ

۴ فروری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــــ (۱۳۷)

غفّار کے دربار میں توبہ واستغفار

برادر شمس الدین!   سلام ودعا

اے بھائی! شرع نے فتویٰ دیا ہے کہ اِذَا کَثُرَتْ ذُنُوْبُ اَحَدِکُمْ فَلْیَسْتَکْثِرِ الْاِسْتِغْفَارَ فَوَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ اِنَّهَا تَاکُلُ الْخَطَایَا کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (جب تم میں سے کسی کے گناہ بہت زیادہ ہوجائیں تو چاہیئے کہ کثرت سے استغفار کرے۔ کیوں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ گناہوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مَا اَصَرَّ مَنْ اَسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً (اس نے اصرار نہیں کیا جس نے استغفار کیا۔ اگرچہ دن بھر میں ستر بار ارتکاب کیا)

اے بھائی! ابتدائے آفرینش سے قیامت تک گناہ سے پاک ہونا فرشتوں کا کام ہے۔ اور ابتدائے آفرینش سے آخر تک گناہوں میں آلودہ رہنا شیطان کا کام ہے۔ لیکن گناہ میں گرنا اور پھر گناہ سے اٹھنا آدمؑ اور اولادِ آدم کا کام ہے۔ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو گر پڑے۔ لیکن جب توبہ کرلی تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب اٹھ گئے تو اس خلعت سے نوازے گئے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہیں)

اے عزیز! آدمی سے گناہ کا صادر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ سینکڑوں قسم کی خواہشات وشہوات اس کی خمیر میں موجود ہے۔ ایسی صورت میں اس کا توبہ کرنا ہی تعجب کی بات ہے۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح ادا کیا ہے۔ دیکھو اور غور سے پڑھو۔

مثنوی

ہر کہ پیشِ نفسِ خود مسکیں شود ❊ او بسانِ ملحداں بے دیں شود

(جو شخص اپنے نفس کے سامنے جھک جاتا ہے۔ وہ ملحدوں کی طرح بے دین ہوتا ہے)

رستمی کن نفس را گردن بزن ٭ گرچہ او سالارِ تست اندر بدن

(رستمی کر اور نفس کی گردن مار۔ اگرچہ وہ تیرے بدن میں سالار بنا بیٹھا ہے)

سبحان اللہ! بہشت جیسا مقام ہے۔ آدم علیہ السلام جیسے عظیم المرتبت پیغمبر ہیں۔ لیکن صرف ایک ممانعت کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا) پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے تختِ خلافت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یعنی گر گئے۔ لیکن فوراً سنبھلے اور یہ کہتے ہوئے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے) اٹھ کھڑے ہوئے لیکن یہ تو دنیا ہے، جو بلاؤں کا گھر ہے۔ اس میں رہ کر بیچارہ فرزندِ آدم جو اوامر و نواہی کے احکام میں جکڑا ہوا ہے۔ شیطان جیسا مخالف جس کے درپے ہے۔ اور نفس جیسا دشمن جس کے پیراہن میں پوشیدہ ہے۔ گناہوں سے کس طرح دامن بچا سکتا ہے۔ یہ غریب اگر گناہ نہ کرے تو یہی بہت تعجب کی بات ہے

مثنوی

ترا تا نفس کافر در کمین است ٭ کجا تو رہ بری آں جا کہ دین است

(جب تک تیرا نفس کافر تیری گھات میں لگا ہوا ہے۔ تو وہاں کا راستہ کہاں پائے گا، جہاں کہ دین ہے)

از ریاضت می شود آں نفس رام ٭ چارۂ دیگر نہ دارد والسلام

(ریاضت ہی سے یہ نفس کا فرام ہوتا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔)

اے بھائی! ایسی صورت میں یہ چاہیئے کہ جب گر جائے تو گرا نہ رہے۔ فوراً اٹھ کھڑا ہو۔ اس لیے کہ وہ ملعون جب گرا تو گرا ہی رہا۔ آخر کار اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت کے دن تک) کا داغ اس کی پیشانی پر لگ گیا۔ باوجود اس کے کہ وہ معلم الملکوت تھا۔ اور سات لاکھ سال کی عبادت کا سرمایہ رکھتا تھا۔ آج وہ اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے۔ اور اس طرح فریاد کرتا ہے۔

مثنوی

در دو عالم نیست از سر تا بپائے ٭ ہیچ جائے تا نہ کردم سجدہ جائے

(دونوں عالم میں کوئی ایسی جگہ باقی نہیں بچی ہے جہاں میں نے سجدے نہ کئے ہوں)

ناگہاں سیلابِ محنت در رسید ٭ بس شبخون زلعنت در رسید

(اچانک آزمائش کا سیلاب آپہنچا۔ اور لعنت کا شب خون مار گیا)

پائے تا سر عین حسرت گشتہ ایم ٭ در ہمہ آفاق عبرت گشتہ ایم

(سر سے پاؤں تک مجسم حسرت بن گیا ہوں۔ اور ساری دنیا کے لیے عبرت ہو گیا ہوں)

من چہ دانستم کہ بیگانہ منم ٭ عاقل ایشا نند دلوانہ منم

(مجھے کیا معلوم تھا کہ بیگانہ میں ہی ہوں۔ اور عاقل یہی لوگ ہیں۔ میں دیوانہ ہوں)

اے بھائی! جب گرے ہوئے رہنے میں اتنے خطرات ہیں تو بہت زیادہ ہوشیار رہنا چاہیئے اور اور ہر لمحہ استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

تو دریں رہ می تراش و می خراش ٭ تا دمِ مردن، دمے فارغ مباش

(اس راہ میں تو ہمیشہ تراش و خراش کرتا رہ۔ مرتے دم تک ایک لمحہ بھی فارغ نہ رہ)

صاحبِ دل ہر چہ حق گفت آں کند ٭ نفس را در راہِ حق قرباں کند

(اہل دل حضرات وہی کرتے ہیں جو اللہ نے کہا ہے۔ اور نفس کو راہ حق میں قربان کر دیتے ہیں)

تفسیر امام زاہد میں ہے کہ اس امت کے لیے پناہ کی جگہیں دو تھیں۔ ان میں سے ایک تو اٹھ گئی ہے اور دوسری باقی ہے۔ جو رخصت ہو گئی وہ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اور جو باقی رہ گئی وہ استغفار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی کسی حاجت یا مہم میں مدد چاہتا تو کثرت سے استغفار پڑھنے کا حکم دیتے اور اگر کوئی شخص تنگی معاش یا فقر و فاقہ کی شکایت کرتا تو بھی یہی فرماتے کہ کثرت سے استغفار پڑھا کرو۔ قرآن مجید میں بھی یہی حکم آیا ہے کہ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور اللہ سے مغفرت چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

رباعی

اے پُر گنہ کار تو درِ توبہ کشادہ است ٭ انواعِ نعم بہر تو آمادہ نہادست

بشتاب سوے توبہ کہ از مادرِ گیتی ٭ از کردن تاخیر بسے واقعہ زادست

(اے گنہ گار! تیرا کام توبہ کی وجہ سے بنا ہے۔ قسم قسم کی نعمتیں تیرے واسطے تیار رکھی ہیں)

(توبہ کرنے میں جلدی کر۔ کہ اس دنیا میں تاخیر کرنے کی وجہ سے بہت سے واقعات رونما ہوتے ہیں)

اے بھائی! حضرت صمدیت ایک ایسا دربار ہے جہاں تاج عصمت سر پر رکھنے والے معصوم بھی استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ آخر تم نے یہ تو سنا ہو گا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ستر بار

استغفار کیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (اپنے گناہوں کی اور مومنین کی مغفرت طلب کیجیے) تو ستر سے سو بار تک کا اضافہ کر دیا۔ یہاں ایک راز ہے۔

اے بھائی! عزت، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ذلت بندے کی صفت ہے۔ جس طرح خدا کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ عزت کی صفت کے ساتھ موصوف ہو اسی طرح بندے کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ذلت کی صفت کے ساتھ موصوف ہو۔ تاکہ ربوبیت اور عبودیت محقق ہو سکے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی نے کہا ہے۔

قطعہ

ہر کس کہ ذلیل کرد خود را ⁂ اندر نظرش ہموں خلیل است

عاشق زبرائے عزِ معشوق ⁂ در دنیا و آخرت ذلیل است

(جس شخص نے اپنے آپ کو ذلیل کر لیا۔ اس کی نظر میں وہی خلیل بن گیا)

(عاشق صرف معشوق کی عزت کے لیے دین اور دنیا دونوں جہان میں ذلیل ہے)

والسلام

۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ روز شنبہ

۸ فروری سنہ ۱۹۸۰ء ایک بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۳۸)

رات دن مولیٰ کی طلب میں رہنا

سعدی از عشق بنازد چہ کند ملکِ وجود ﴿ حیف باشد کہ ہمہ عمر بہ باطل برود
(سعدی تو عشق پر ناز کرتا ہے، وہ ملک وجود کو لے کر کیا کرے گا۔ افسوس ہے کہ اس کی ساری عمر باطل میں گذر گئی)

برادرم شمس الدین! سلام و دعا۔

اے بھائی! تم جہاں بھی اور جس کام میں بھی مشغول ہو تمہیں چاہیئے کہ اس کے غم اور طلب کی لگن سے غافل نہ رہو۔ اس لیے کہ فیض کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا ہے۔ اور وہاں تو کام فضل سے ہوتا ہے۔ پھر ناامیدی سے کیا مطلب۔

فرد

آں را کہ دہد یارش در عالمِ خود بارش ﴿ بے واسطۂ کاوش کردار چہ کار آید
(جب اس کا محبوب اس کو اپنے دربار میں شرفِ باریابی بخشتا ہے تو پھر اس کا کام تو بلا واسطہ انجام پائیگا۔ عمل کے واسطہ کی کیا ضرورت)

پس اگر بہ ظاہر دنیاوی اشغال میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تم آلودہ ہو، تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ اصل اعتبار تو دل کا ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ دل میں خدا کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ کیوں کہ اللہ کے سوا دل کے لائق کوئی اور نہیں ہے۔ چنانچہ اسی خیال کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

در دل بجز از یکے نشاید کہ بود ﴿ در خانہ اگر ہزار باشد شاید
(دل میں ایک کے سوا کسی کو نہیں ہونا چاہیئے۔ گھر میں اگر ہزار ہوں تو ہوا کریں)

لہٰذا ایسی ہمت ہونی چاہیئے جو کون و مکان سے پاک ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ حق کی طلب میں ٹوٹا ہوا دل بہت زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ سنو! موسیٰ علیہ السلام اپنی مناجات میں فرمایا کرتے تھے۔ خدایا! میں تجھے کہاں تلاش کروں۔ حکم ہوا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ لِاَجْلِيْ (ان لوگوں کے پاس جن کے دل میری خاطر شکستہ ہیں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ خدایا! کوئی دل مجھ سے زیادہ شکستہ نہیں ہے۔ حکم ہوا کہ پھر مجھے وہیں تلاش کرو۔ جس نے کہا ہے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

محرابِ جہاں جمالِ رخسارۂ ماست ٭ سلطانِ جہاں دردلِ بیچارۂ ماست

(دنیا کا محراب ہمارے رخسار کا جمال ہے۔ سارے جہانوں کا بادشاہ ہمارے بیچارہ دل میں ہے)
اس کو معناً سمجھو۔ حلول واتحاد کا خیال ہرگز دل میں نہ آنے پائے۔ جیساکہ کسی نے کہا ہے۔

درجانِ منی زراہِ معنی ٭ چوں یافتہ ام چرایت جویم

(معنی کے لحاظ سے تو میری جان میں ہے۔ جب میں نے تجھے پالیا ہے تو پھر دوسری جگہ تجھے کیوں ڈھونڈوں)
اے بھائی! آخر تم نے یہ تو سنا ہی ہے کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللهِ (مومن کا قلب عرش الٰہی ہوتا ہے) اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (خدا عرش پر غالب ہوا) کا راز جس کو حاصل ہوتا ہے۔ اور معلوم ہے؛ یہ دولت اس کے لیے نقد ہوتی ہے۔ ؎

وعدہ وصل دیگراں فرداست ٭ وعدۂ وصل عاشقاں اکنوں ست

(دوسروں کے لیے وصل کا وعدہ کل کا ہے۔ لیکن عاشقوں کے لیے ابھی کا ہے)

اور پھر یہ فرمان بھی اس کے نام صادر ہوتا ہے۔

ہرکہ درراہِ محبت بندہ شد ٭ تا ابد ہم محرم وہم زندہ شد

(جو شخص محبت کی راہ میں بندہ ہوا۔ تو ابد تک کے لیے وہ رازداں بھی بنا اور زندہ بھی ہو گیا)
اے بھائی! راستہ کھلا ہوا ہے۔ اور کام بھی معلوم ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص اپنے حجاب میں ہو تو یہ اس کی محرومی ہے۔ اسی سبب سے کہا ہے ؎

آں چہ تو گم کردۂ گڑ کردۂ ٭ ہست اندر تو، تو خود را پردۂ

(جو کچھ تو نے کھویا ہے، بُرا کیا ہے۔ وہ تو تیرے اندر موجود ہے تو خود اپنے لیے پردہ ہے)
اے بھائی! بشر کی حقیقت سرِّ الوہیت کا مظہر ہے۔ وہ خلاصۂ موجودات اور آئینۂ جہاں نما ہے۔ یہ آب وخاک نہیں ہے جو بہ ظاہر محسوس ہوتا ہے۔

رباعی

نیست مردم نطفۂ از آب وخاک ٭ ہست مردم سروقدے جان پاک

(آدمی آب وخاک کے نطفہ سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ سر سے پاؤں تک پاک جان رکھتا ہے)

صد ہزاراں پر فرشتہ در وجود ⁂ نطفہ را کے کند آخر سجود

(کائنات کے لاکھوں فرشتے آخر ایک نطفہ کو کب سجدہ کر سکتے ہیں)

بھائی! سمجھو، اس سے زیادہ اور وضاحت کیا ہو سکتی ہے کہ مقدس اور پاکیزہ فرشتوں سے بھری ہوئی دنیا، ایک آلودۂ خاک کو کس طرح سجدہ کر سکتی ہے۔ اور خاک میں خلیفہ بننے کی صلاحیت کب ہے۔ یہ ایک عظیم راز ہے۔ جس کا ظاہر کرنا ہرگز جائز نہیں۔

رباعی

دانی کہ چرا اہلِ صفا خاموشند ⁂ در نکتۂ دل بہ محوِ خود می کوشند

(تم جانتے ہو کہ اہلِ صفا کیوں خاموش ہیں؟ وہ اپنے نکتۂ دل میں اپنے کو محو رکھنے کی کوشش کرتے ہیں)

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ⁂ سرمی باز ندو سرِ حق می پوشند

(وہ ہر لمحہ دوست کے ہاتھ سے شراب پیتے ہیں۔ اور سر دے کر حق کے راز کو چھپاتے ہیں)

اس راز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صرف اتنا بتایا۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (کہدیجیے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے) اور خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس راز سربستہ کو صرف اس قدر کھولا کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، مگر امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی صفت پر پیدا کیا۔ اور خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ اس راز کا حال یوں بیان کرتے ہیں۔

مثنوی

نیست بالائے تو مخلوقے دگر ⁂ نیست بیرونِ تو معشوقے دگر

(تجھ سے بہتر کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے۔ تجھ سے باہر کوئی اور معشوق نہیں ہے)

چوں بروں تر ز عقل و معرفت ⁂ نے تو در شرح آئی و نہ در صفت

(جب تو عقل و معرفت سے باہر ہے۔ تو تیری شرح اور صفت بیان کرنا ممکن نہیں)

ہر چہ در توحید مطلق آمدست ⁂ آں ہمہ در تو محقق آمدست

(توحید مطلق کے بارے میں جو کچھ آیا ہے وہ سب تجھ میں موجود ہے)

اے بھائی! تمہیں یہ معلوم ہوا کہ جس کسی نے یہ کہا ہے بالکل سچ کہا ہے۔ کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تک پہنچنے

کار استہ آسمان وزمین میں نہیں ہے ۔ مغرب ومشرق میں بھی نہیں ہے ۔ بلکہ راہ حق تیرے اندر موجود ہے ۔

مثنوی

تا نیامد جانِ آدم آشکار ٭ رہ نہ دانستند سوے کردگار

(جب تک حضرت آدم علیہ السّلام وجود میں نہیں آئے ۔ خدا کی طرف جانے کا کسی کو راستہ نہ ملا)

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ٭ زو کلید ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے تو راستہ معلوم ہوا ۔ ان سے دونوں عالم کی کنجی مل گئی)

اس مکتوب کے معانی پر غور کرنے سے انشاء اللہ تمہارے دل پر کشف ہوگا ۔ اس لیے اپنا کام کیے جاؤ ۔ اس میں کون سے تعجب کی بات ہے کہ شاہ شجاع کرمانی کلاہ اور قبا پہن کر گھومتے ہیں ۔ دیکھنا یہ ہے کہ جس درجۂ کمال پر ہزاروں سالک آتے جاتے رہے ہیں اب اس نکتۂ کمال تک کوئی پہنچا بھی ہے کہ نہیں ۔ ہاں ! اگر اللہ چاہے ۔

والسلام

۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۰؁ھ سہ شنبہ

۱۲ فروری ۱۹۸۰؁ء ۔ ۱۲ بجے شب

لطیف آباد ۔ حیدرآباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— ۱۳۹

رحمتِ حق کے مقابلہ میں خلق کی معصیت

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید ٭ در چناں دریا کجا آید پدید

(گناہ کے چند قطرے اگر ظاہر بھی ہو گئے۔ تو غفاریت کے اس بحرِ بے کراں میں اس کی کیا حیثیت ہو گی)

خواجہ احمد! سلام و دعا،

اے بھائی! سارے عالم کے لوگوں کی معصیت، نافرمانی اور خلاف ورزی کی اس کے دریائے رحمت و عفو کے مقابلے میں ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں ہے۔ تو اگر ہمارے اور تمہارے گناہوں کا دریا بھی ہو تو اُس کے دریائے رحمت و عفو کے سامنے جو بے کراں ہے، کس شمار میں آئے گا۔ اس لیے خاطر جمع رکھو۔

مثنوی

گر گناہِ اولین و آخریں ٭ بیش باشد ز آسمان و از زمیں

(اگر پہلے اور پچھلے لوگوں کے گناہ آسمان اور زمین سے بھی زیادہ ہوں)

بر حواشیِ بساطش آں گناہ ٭ محو گردد جملہ بر یک جائے گاہ

(اس کے فرش کے کسی کنارے پر وہ تمام گناہ مٹ جائیں گے)

ایسا کیوں نہ ہو! آخر شرع کا یہ بھی تو فتویٰ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو اٹھا لیتا اور ایک ایسی قوم کو لے آتا جو گناہ کرتی اور پھر استغفار کرتی تو ان لوگوں کی مغفرت کی جاتی)

مثنوی

بود عینِ عفوِ تو عاصی طلب ٭ عرصۂ عصیاں گرفتم زیں سبب

(تیرا عفو عاصی طلب ہے۔ اسی وجہ سے میں نے عصیاں کا میدان اختیار کیا)

چوں بہ ستاریت دیدم کارساز ❊ ہم بدستِ خود دریدم پردہ باز

(جب تیری ستاری کو میں نے کارساز دیکھا تو پھر اپنے ہی ہاتھوں سے میں نے پردہ پھاڑ ڈالا)

چوں سیہ آمد مرا رنگ گلیم ❊ تو سپیدش کن چو مویم اے کریم

(جب کمبل کی طرح میرا اعمال نامہ سیاہ ہو جائے۔ تو اے کریم! اس کو بالوں کی طرح سفید کر دے)

اے بھائی! ہمارے تمہارے گناہ کرنے میں ایک عظیم راز اور حکمت پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر یہ گناہ نہ ہوتے تو پھر ستاری کا مظہر کون ہوتا۔ یعنی شانِ غفاری و ستاری کا اظہار کس طرح ہوتا۔ ؎

دولتِ اسرار کارِ اتقیا ست ❊ عام را آں فہم و دانش از کجاست

(اسرار کی دولت حاصل کرنا اتقیا کا کام ہے۔ عام لوگوں کو وہ عقل و سمجھ کہاں نصیب ہے)

بیت

ہر چہ در خلق سوزی و سازے ست ❊ اندراں مر خدائے را رازے ست

(مخلوق میں جو کچھ سوز و ساز ہے۔ اس میں بھی خدا کا ایک راز پنہاں ہے)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے دو خزانے ہیں۔ ایک ثواب و کرامت سے بھرا ہوا ہے اور دوسرا عفو و مغفرت سے۔ اگر بندۂ مومن صرف طاعت ہی کرتا اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا تو ثواب و کرامت اس پر نثار نہ ہوتے۔ اور وہ خزانہ بیکار ہو جاتا۔ اسی طرح اگر گناہ نہ کرتا اور اس سے کسی طرح کا گناہ صادر نہ ہوتا تو عفو و مغفرت کا خزانہ ضائع ہو جاتا۔ اسی مفہوم کو کسی نے خوب ادا کیا ہے۔

مثنوی

کہ بداند کارسازیِ تو ❊ کہ نہ ترسد زبے نیازیِ تو

(تیری کارسازی سے کون واقف ہے۔ اور کون ہے جو تیری بے نیازی سے نہیں ڈرتا ہے)

با قبولِ تو اے زعلت پاک ❊ چہ بود خوب و زشت زمشتِ خاک

(اے تمام علتوں سے پاک! جب تو قبول کرے، تو ایک مشتِ خاک، خواہ وہ اچھا ہو یا برا کوئی فرق نہیں پڑتا)

اے بھائی! جہاں قبولیت کارفرما ہوتی ہے وہاں عیوب ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا تمہیں وہ یاد نہیں جو فرشتوں نے کیا تھا کہ پروردگارا! کیا تو ایسی مخلوق کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گی؟ [۵] جواب میں اللہ تعالیٰ

---

۵ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا

نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ لوگ فساد نہیں کریں گے ۔بلکہ یہ فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) یعنی تم ہماری الوہیت کے اسرار سے واقف نہیں ہو۔ اور ہماری ربوبیت کی جو مہربانیاں انسانوں پر ہیں ان سے بھی تم باخبر نہیں ہو۔ اگر وہ نااہل ہیں تو ہم ان کو اہل بنا دیں گے۔ اگر وہ دور رہیں تو ہم ان کو نزدیک کر لیں گے ۔ اگر ذلیل ہیں تو معزز بنا ئیں گے ۔تم اگر ان کے ظاہری ظلم پر نظر رکھتے ہو تو ہم ان کے باطن کی صفائی کو دیکھتے ہیں۔ اگر تمہیں اپنی عصمت پر فخر ہے تو ان لوگوں کو میری رحمت پر ناز ہے ۔تمہاری عصمت کی قدر ہی کیا ہے ۔ اگر ہماری قبولیت نہ ہو۔ اور ان کو معصیت سے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے جب کہ میرا عفو موجود ہے ۔

قطعہ

مانہ گدائیم چو سلطانِ عشق ❊ از مددِ حسن تو سلطانِ ماست

(ہم فقیر نہیں ہیں ۔اس لیے کہ تیرے حسن کی مدد سے عشق کا سلطان ہمارا بادشاہ ہے)

در سحر از غیب شنیدیم دوش ❊ دردو جہاں دردِ تو درمانِ ماست

(کل صبح کے وقت ہم نے غیب سے یہ آواز سنی کہ دونوں جہان میں ہمارا درد ہی ہمارا علاج ہے)

اے بھائی! یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی وہ نوازشات ہیں جو بندوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ بندے کو ہمیشہ اپنی بندگی کے حدود میں رہنا چاہیئے ۔اور ہر گھڑی اپنی معصیت سے استغفار کرتے رہنا چاہیئے ۔کیوں کہ یہ ایسا دربار ہے جہاں مطیع و فرماں بردار لوگ بھی اپنی طاعت سے استغفار کرتے ہیں ۔جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت مآب صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ سینکڑوں بار استغفار کیا کرتے تھے ۔حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ دامن نبوت اس بات سے پاک ہے کہ معصیت کے غبار کا ایک ذرہ بھی اس پر بیٹھے ۔جانتے ہو ـــ وہ استغفار طاعت سے تھا نہ کہ معصیت سے ۔

مثنوی

در وجودِ خویش منگر ذرۂ

تا بدان ذرہ نہ گردی غرّۂ

(اپنے وجود کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ کر ۔تاکہ اس ذرہ پر کہیں تو مغرور نہ ہو جا)

بر درِ حق بگرد زور مگرد ❊ کہ بزاری شوی دریں رہ مرد

رحق کے دروازے پر طاعت کے بل بوتے پر مت گھوم - اس لیے کہ اس راہ میں صرف زاری ہی کے ذریعہ تو مرد بن سکتا ہے)

والسلام

۴ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ ۔ پنجشنبہ

۲۱ فروری ۱۹۸۰ء ۔ ۱۲ بجے شب

سیّد محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۰)

سالک کو ہلاکت گاہوں سے ہوشیار کرنا

چوں نہ بینم من جمالت صد جہانِ دیدہ گیر
چوں حدیث تو نہ باشد سر بسر بشنیدہ گیر

(جب تیرے ہی جمال کو نہیں دیکھا اور سینکڑوں جہان کو دیکھا تو کیا حاصل۔ جہاں تیری باتیں نہ ہوں وہاں اور تمام باتیں ہوں تو ہوا کریں۔)

چوں نہ باشم در وصالت اے ز بینایاں نہاں ❊ در بہشت حوض کوثر تا ابد پاشیدہ گیر

(اے دیکھنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ! جب تیرا وصال نصیب نہ ہو تو بہشت میں حوض کوثر سے تا ابد چھڑکاؤ کرنے کا حاصل؟)

آں برادر کا خط ملا۔ تمام باتیں مطالعہ میں آئیں۔ قاضی زاہد موجود تھے انھوں نے بھی مطالعہ کیا۔

اے بھائی! ہوشیار رہو اور قلب کو زندہ رکھو۔ ان تماشوں اور تمائشوں میں نہ الجھو۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا) اگر کسی کو یہ معاملہ پیش آئے اور وہ دائرۂ لا الٰہ میں الا اللہ کے دربان کی قید میں ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ الا اللہ کا دربان کون ہے؟ لوگ اسے ابلیس کہتے ہیں۔ تو اس بیچارے کے لیے گوناگوں پریشانیاں ہیں۔ شیطان ہی کی زبان سے سنو۔ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔

معشوق مرا گفت نشیں بر درِ من ❊ بگذار درون ہر کہ نہ دارد سرِ من

(معشوق نے مجھ سے کہا کہ میرے دروازہ پر بیٹھ۔ اور دیکھ جس کو میرا خیال نہیں ہے اس کو ہرگز اندر آنے نہ دے)

اے بھائی! عشق کی دشوار گذار گھاٹیوں کو طے کرنے کے بعد، عالم ملکوت کے گوناگوں تماشوں نے بہتوں کی راہ ماری ہے۔ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے ان کو ایسا معلوم ہوتے لگا کہ ان کے کاموں کی گرہ کھل گئی۔ اور منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ ان کو مل گیا۔ ناممکن، ناممکن کہاں خاک اور کہاں رب الارباب، اس مثنوی کا مفہوم بھی یہی ہے۔

افگندہ دلم رخت بہ منزل گاہے ٭ کا نجا نہ بود بصد دلیلاں راہے
(میرے دل نے کبھی اُس منزل پر اپنا سامان ڈال دیا، جہاں سے سینکڑوں رہبروں کو راستہ نہیں ملتا)

چوں من دو ہزار عاشق اندر ماہے ٭ می کشتہ شوند بر نیا مد آہے
(میری طرح ہزاروں عاشق ایک محبوب کی محبت میں قتل کئے جاتے ہیں۔ مگر کوئی آہ بلند نہیں ہوتی)

اے بھائی! اہل معرفت نے یہ تختی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ نگاہ بھکی اور نہ حد سے بڑھی) کے مکتب میں درست کی ہے۔ ملک وملکوت ان کو اسیر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

منزل ہمتے بہ عالمِ قدس ٭ کے قدم گاہِ جبرئیل بود
(عالم قدس میں ہمت کی منزل پر جبرئیلؑ کے قدم کب پہنچ سکتے ہیں)

سبحان اللہ! ان مہجوروں کے اسرار پر نظر رکھو۔ اور سنو، جو زاد الارواح میں نقل کیا ہے۔

قَالَ وَهَبُ بْنُ مُنَبِّهٍ[1] رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَرَاَیْتُ فِیْ بَعْضِ الْکُتُبِ اِنَّ اِبْلِیْسَ لَقِیَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الطُّوْرِ فَقَالَ مُوْسٰیؑ لِاِبْلِیْسَ بِئْسَ مَا صَنَعْتَ اِذْ لَمْ تَسْجُدْ لِاٰدَمَ فَقَالَ اِبْلِیْسُ مَا اَرَدْتُّ اَنْ اَرْجِعَ عَنْ دَعْوٰی فَاَکُوْنَ مِثْلَكَ اِنِّیْ اَدَّعَیْتُ مَحَبَّتَهٗ فَلَمْ اَسْجُدْ سِوَاهُ فَاخْتَرْتُ الْعُقُوْبَةَ عَلٰی کِذْبِیْ وَاَنْتَ اَدَّعَیْتَ مَحَبَّتَهٗ فَقَالَ لَكَ اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ فَنَظَرْتَ لَوْ غَمَضْتَ عَیْنَكَ لَرَاَیْتَهٗ۔

(وہب بن منبہ رضؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ابلیس طور کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے فرمایا کہ تو نے بہت برا کیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا۔ ابلیس نے کہا کہ میں نے یہ نہیں چاہا کہ اپنے دعوے سے پھروں اور تمہاری طرح ہو جاؤں۔ میں نے اس کی محبت کا دعویٰ کیا تھا اس لیے اس کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کیا۔ اور جھوٹ بولنے پر میں نے عقوبت برداشت کرنے کو ترجیح دی۔ تم نے بھی اس کی محبت کا دعویٰ کیا تھا، مگر جب اس نے تم سے کہا کہ پہاڑ کی طرف دیکھو اور تم نے اس طرف دیکھا۔ اس طرح تم نے اس کے لیے مکان مقرر کر دیا (حالانکہ وہ زمان ومکان سے پاک ہے) اگر پہاڑ کی جانب دیکھنے کے بجائے تم اپنی آنکھیں بند کر لیتے تو اسے ضرور دیکھ لیتے)

اے بھائی! اہل ذوق کے لیے یہاں بہت سے کام اور راز ہیں۔ اس پر نظر رکھتے ہوئے عین القضاۃ

---

[1] وَهَبْ بِنْ مُسَیَّبْ رضؓ قلمی نسخہ

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم جانتے ہو کہ ابلیس کون ہے۔ اس لیے تمہیں جبریل صفت ہونا چاہیئے تاکہ اس کے کام پر نظر رکھ سکو۔ یہ شعر بھی اسی مفہوم کا ہے۔ ؎

سر باختہ اُلی رہ روز سجدۂ غیر او ❊ گر مرد رہ اوئی زوکم نہ بباید بود

(اس رہ رو نے اس کے غیر کے سجدہ کے لیے سر کی بازی لگائی ہے۔ اگر تو اس کی راہ میں ہے تو اس سے کم نہیں ہونا چاہیے)

ایک روز اہل حیرت میں سے ایک شخص نے اپنے دل کو ڈھونڈا، نہ پایا تو اپنے باطن میں مستغرق ہوا۔ اس سے کہا گیا کہ اے جھوٹا مدعی اپنے دل کو طلب کر تاکہ ہم کو دیکھ سکے۔ اس مثنوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ہشت جنت گر دہندت سر بسر ❊ تو مشو راضی ازیں ہا در گذر

(اگر تجھے آٹھوں جنت بالکل دے دیں تو راضی نہ ہو۔ اور ان سے گذر جا)

عالی ہمت باش و دل با حق بہ بند ❊ تو ہمائی قاف قربی رو بلند

(ہمت بلند رکھو اور دل کو حق کے ساتھ لگائے رکھو۔ تم تو ہما ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قربت کے کوہِ قاف کی طرف بلند پرواز کرو)

اٹھارہ ہزار عالم میں کوئی گروہ آدمیوں سے زیادہ بلند ہمت نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

ایں جا نہ بود قدرے مر دوزخ و جنت را ❊ باشند حجاب ما آنہا کہ تو می دانی

(یہاں دوزخ اور جنت کی کوئی قدر نہیں ہوتی ہے۔ یہ سب ہمارے لیے حجاب ہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو)

اے بھائی! یہ جو کہا ہے کہ مَنْ مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ يَتَسَلّٰى بِالْاَثَرِ۔ (جو شخص دیکھنے سے روک دیا جاتا ہے تو وہ نشانِ قدم سے تسلی پاتا ہے) یہ اس جگہ صادق آتا ہے جہاں محبوب غیبت میں ہو۔ لیکن یہاں چوں کہ محبوب ایسا ہے کہ غیبت اس کے لیے روا نہیں۔ اس لیے نظر جفا کے اثر پر ہوتی ہے۔

؎ چوں بود دیدار یوسف بر حضر ❊ در نباید ہیچ پیوندے دگر

(جب یوسف کا دیدار سامنے ہو تو کوئی دوسرا تعلق مخل نہیں ہوتا)

عالمِ محبت کے عجائب عقل کی رسائی سے باہر ہیں۔ یہ بات اہل مصیبت کے لیے مسلم ہے۔ سنو! جب حضرت یوسف علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے پاس سے چلے گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں بھی ان کے پاس سے رخصت ہو گئیں۔ چنانچہ جب حضرت یوسف ؑ کو نہیں دیکھا تو ان کے بھائیوں کو بھی نہیں دیکھا۔ اور جب یوسف علیہ السلام واپس آئے تو آنکھیں بھی واپس آ گئیں۔ ؎

ہر کہ اور ایوسفے گم کردہ نیست ٭ گرچہ ایماں آورد آوردہ نیست

(جب تک کسی شخص نے اپنے کسی یوسف کو گم نہ کیا ہو۔ اگرچہ وہ ایمان لائے لیکن وہ ایمان والا نہیں ہے)

اے بھائی! عشق کے اطوار نیارے ہیں۔ یعنی وہ ایک مخصوص قسم کے مدرکات ہیں جس کے سمجھنے سے عقل بیچاری عاجز ہے۔ یوں سمجھو کہ ان مدرکات کے ادراک سے اس کا عاجز ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہم معقولات کے ادراک سے عاجز ہے۔

مثنوی

ایں راہِ طریقت نہ بپائے عقل است ٭ خاکِ قدمِ عشق ورائے عقل است

(طریقت کی یہ راہ عقل کی بنیاد پر نہیں ہے۔ عشق کے قدم کی خاک عقل سے ماورا ہے)

سرے کہ فرشتگاں ازاں بے خبر اند ٭ اے عقلکِ بے عقل چہ جائے عقل است

(جس راز سے فرشتے بھی بے خبر ہیں وہاں تک اس کم فہم عقل کی پہنچ کہاں ہے)

اے بھائی! جب حق کے حصوں میں سے کوئی حصہ کسی کو ملتا ہے تو اس کو طبیعت کے اسفل السافلین سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس طریقہ کے تمام معانی و لطائف بغیر کسی تقریر و تحریر کے اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس رباعی سے ظاہر ہوتا ہے۔

رباعی

جاناں سخنِ عشق کلا میست بلند ٭ بدنام شدن زعشق نا میست بلند

(اے دوست! عشق کی گفتگو بہت ہی بلند کلام ہے۔ عشق کی وجہ سے بدنام ہونا بھی بلند نام ہے)

درعقل فرو شدیم بر نہ آمد کارے ٭ ازعقل فراتر کہ مقا میست بلند

(عقل میں ہم گم ہوئے تو کوئی کام نہ بنا۔ عقل سے بلند تر بھی ایک اونچا مقام ہے)

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا وَلِجَمِيْعِ الطَّالِبِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (یا اللہ تو ہم کو اور تمام طالبوں کو اپنی رحمت سے عنایت فرما۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑے رحم کرنے والے)

دردِ عشق آمد دوائے ہر دلے ٭ حل نہ شد بے عشق ہرگز مشکلے

(عشق کا درد ہی ہر دل کی دوا ہے۔ عشق کے بغیر کبھی کوئی مشکل حل نہ ہوئی)

والسلام

۵ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ جمعہ ۲۲ فروری ۱۹۸۰ء ۵ بجے شام

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۱)

دُنیا کو ترک کرنا اور آخرت کیطرف رُخ کرنا

رباعی

بھدے بکن ار پند پذیری دو سہ روز ❊ تا پیشتر از مرگ بمیری دو سہ روز
(اگر تو نصیحت قبول کرے تو دو چار دن کوشش کر کے دیکھ۔ تاکہ موت سے دو چار دن پہلے ہی تو مر جائے)

دنیا زنِ پیر است چہ باشد گر تو ❊ با پیر زنے انس نہ گیری دو سہ روز
(دنیا تو بوڑھی عورت ہے کیا ہو جائے گا اگر دو چار دن تو اس بڑھیا سے انس نہ کرے گا)

شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا،

اے بھائی! اخترم تم نے یہ حدیث تو سنی ہوگی کہ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ کَعَابِرِیْ سَبِیْلٍ وَّعَدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ (تو دنیا میں اس طرح رہ گویا تو اجنبی ہے۔ یا راستہ عبور کرنے والوں کی طرح رہ۔ اور اپنے کو اصحاب قبور میں شمار کر)

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے ارشادات گرامی پر سب کا ایمان ہے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو گویا تم اجنبی ہو یا مسافر ہو اور اپنے کو اصحاب قبور میں شمار کرو۔ دنیا میں مسلمانوں کی صفت یہی ہے۔ نہ یہ کہ فرعون و نمرود کی پیروی کریں۔ بلاشبہ دنیا کی یہ تمام چند روزہ نعمتیں بہت ہی حسین و رنگین ہیں۔ مگر یہ تو بیوقوفوں کو فریب دینے والا ایک نقش ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔ ؎

ایں کباب وایں شراب وایں شکر ❊ خاک رنگین است و نقشے اے پسر
(یہ کباب، یہ شراب اور یہ شکر سب کے سب رنگین و منقش خاک ہیں اے بیٹے)

مسلمانوں کو اس پر ناز اور فخر کرنا چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔

❊

رباعی

بانازگر آرمیدہ باشی ہمہ عمر ⁂ لذاتِ جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر
ہم آخر کار مرگ باشد وانگہ ⁂ خوابے باشد و دیدہ باشی ہمہ عمر

(اگر تم نے تمام عمر ناز کے ساتھ زندگی بسر کی ہو، اور دنیا کی لذتوں کو زندگی بھر چکھا ہو)
(تو آخر کار موت تو آئے گی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ دنیا تو ایک خواب تھی جسے تم نے عمر بھر دیکھا ہوگا)

لیکن افسوس! اس خبیث دنیا کے مال وجاہ اور دیگر طاغوت کی محبت نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے اس لیے دولت وثروت کی تمام برائیوں کو خوبی سمجھتے ہیں۔ اور درویشی کی تمام خوبیوں کو جو انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام اور اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم کا شعار رہا ہے، برا سمجھتے ہیں۔ فرعون ونمرود کا مذہب بھی تو یہی تھا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو افلاس کی وجہ سے سرزنش کی تھی۔ اور نمرود نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو درویشی کا طعنہ دیا تھا۔ لہٰذا آج جو لوگ فرعون ونمرود کے طریقہ پر چل رہے ہیں۔ تو کل قیامت کے دن اگر ان ہی کے ساتھ ایسے لوگوں کا حشر کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیوں کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ ان ہی میں سے ہے) یہ شریعت کا فتویٰ ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود ⁂ تا ابد راہِ وصالت آں بود

(دنیا میں جو کچھ تیرے خیال میں رہتا ہوگا۔ ابد تک تیرے وصال کا راستہ وہی ہوگا)

کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس عقل ہے وہ دنیا کو کھاتے ہیں۔ اور جن بیچاروں کے پاس عقل نہیں ہے انھیں دنیا کھا جاتی ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے جو رنگ برنگ کے لباس پہنے ہوئے ہے اور سولھو سنگار کر کے چادر کے اندر سے اپنے آپ کو جوان ظاہر کر رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا اے بے وفا تو نے اپنے شوہروں کو کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جن لوگوں نے مجھے پہچان لیا انھوں نے مجھے طلاق دے دی اور مجھے کھا گئے۔ اور جن لوگوں نے مجھے نہیں پہچانا انھیں میں نے کھا لیا۔ اس مثنوی میں یہی بات کہی گئی ہے

مثنوی

عشقِ ایں دنیا پرستار پست نام ⁂ نہ زر و سیم و کنیزک نے غلام

(اس دنیا پرستی سے عشق کا نام دنیا ہے۔ سونا، چاندی، لونڈی باندی اور نوکر چاکر کا نام دنیا نہیں ہے)

چرب و شیریں را چو لقمہ کردہ اند ؛ مست غافل گشتہ باز آوردہ اند

(چونکہ لوگوں نے مجرب اور شیریں لقمہ بنایا ہے۔ اس لیے اسے کھاکر مست اور غافل ہو گئے ہیں)

آں موافق نیست با عشق خدا ؛ زیں سبب ایں ترک کردند انبیا

(وہ عشق جو خدا کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے اسے ترک کر دیا)

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ؛ ایں خیال ست و محال است و جنوں

(تو خدا کو بھی چاہتا ہے اور اس کمینی دنیا کو بھی۔ یہ خیال تو محال ہے بلکہ دیوانگی ہے)

بعض کتابوں میں منقول ہے کہ جب ابلیس کو بہشت سے نکال دیا گیا۔ تو ابلیس غمگین ہوا۔ مگر جب دنیا اس کی جاگیر میں دے دی گئی تو بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ خدایا! تو مجھے دانہ اور دام بھی عطا کرتا کہ جو شخص میرے جال میں پھنسے اس کو میں تیرے راستہ سے ہٹا دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جب دانہ اور دام دے دیا تو وہ مارے خوشی کے تالی بجانے اور ناچنے لگا۔ پھر کہا فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (تیری عزت کی قسم میں ان سبھوں کو بہکاؤں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو مخلصین میں سے ہوں گے۔) اسی سبب سے کسی نے کہا ہے۔ ؎

آں گندہ پیر دنیا چشمک زند و لیکن ؛ سر چشم عارفاں زو ہر دم ملال گیرد

(وہ گندی بوڑھی دنیا آنکھ مارتی ہے۔ لیکن عارفوں کی آنکھ سے وہ ملول ہوتی ہے)

شویانِ اولینش بنگر کہ در چہ حال اند ؛ چوں ایں دلیل داند کے آں دلال گیرد

(اس کے تمام سابق شوہروں کو دیکھو کہ وہ کس حال میں ہیں۔ جس نے اس دلیل کو جان لیا وہ اس دلالہ کے دام میں کب آئے گا۔

والسلام

۵ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ جمعہ

۲۲ فروری ۱۹۸۰ء ۱۲ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۲)

اللہ کی طلب اور ماسوا کا ترک

مثنوی

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد ٭ ہم چو خورشید از بلندی فرد شد
(جو شخص ہمت والا ہوا وہی مرد ہو گیا۔ اور آفتاب کی طرح بلندی میں یکتا ہو گیا)
ہشت جنت گر دہندت سربسر ٭ تو مشو راضی از آں ہا در گذر
(اگر آٹھوں جنت تیرے حوالے کر دیں تو ہرگز راضی نہ ہو۔ اور ان سبھوں سے گذر جا)
ذوقِ جنت ہر چہ آید در نظر ٭ ہمتے بر بند از آں ہم در گذر
(جنت کی رعنائیاں جو کچھ بھی نظر آئیں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ۔ ہمت سے کام لے اور ان سے بھی گذر جا)

شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا۔

اے بھائی! شریعت کے حکم کی بنا پر دنیا راستہ ہے اور مطلوب و مقصود بہشت ہے لیکن حقیقت کے فتوی کے مطابق بہشت راستہ ہے اور مطلوب و مقصود حق تعالی ہے۔ توریت میں ہے کہ یَا دَاؤدُ اِذَا رَاَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَّہٗ خَادِمًا (اے داؤد جب تو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اس کا خادم ہو جا)

مثنوی

ہر کجا مردم خدا بینی ز جاں ٭ سرمہ ساز از خاک پایش در زماں
(جہاں تم خدا والوں کو دیکھو تو فوراً اس کے پاؤں کی خاک کا سرمہ بناؤ)
خاک شو تو رہ رواں راز یر پا ٭ تا بیابی قرب پیشِ کبریا
(اس راہ پر چلنے والوں کے پاؤں کے نیچے کی خاک بن جا، تاکہ تو خدا کا قرب حاصل کر سکے)

صاحبانِ ہمت کہتے ہیں کہ اگر تقدیر سے کسی کو ملک سلیمانؑ مل جائے اور وہ اس کی طرف گوشۂ چشم سے بھی دیکھے تو ایسے شخص کا شمار اہل ہمت میں نہیں ہوگا۔ اسی لیے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ خداوند بزرگ و برتر نے بشر کے ہاتھ میں ایک ایسی کمان رکھ دی ہے جسے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام بھی جھکا نہیں سکتے۔

حقاکہ بزہ نیاوردی کرد ☆ چرخے فلک بسر کمانم

(خدا کی قسم آسمان ہماری کمان کو نہیں جھکا سکتا ہے)

جانتے ہو ان خاکیوں کو یہ دولت کیوں ملی ہے؟ صرف اس لیے کہ اٹھارہ ہزار عالم میں کوئی گروہ ایسا پیدا نہیں کیا گیا ہے، جو آدمی سے زیادہ بلند ہمت ہو۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

عالی ہمت باش دل باحق بہ بند ☆ تو ہمائی قاف قربی زو بلند

(ہمت بلند رکھو اور دل کو حق کے ساتھ لگائے رہو۔ تم تو ہما ہو اللہ تعالیٰ کی قربت کے کوہِ قاف کی طرف بلند پرواز کرو)

فرشتوں کے عرض و معروض کرنے کے موقع پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اَكُوْنُ عَبْدًا اَشْبَعُ يَوْمًا وَّ اَجُوْعُ يَوْمًا (میں ایسا بندہ بنوں کہ ایک دن آسودہ رہوں تو دوسرے دن بھوکا) چنانچہ اس بیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

منزلِ ہمتت بہ عالم قدس ☆ کے قدم گاہِ جبرئیل بود

(عالم قدس میں تیری ہمت کی منزل تک جبرئیل علیہ السلام کے قدم کب پہنچ سکتے ہیں)

ملک و ملکوت میں جو کچھ ہے سب کا سب شب معراج میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا گیا۔ مگر آپ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کی وجہ یہی ہمت کی بلندی تھی اسی لیے کسی نے کہا ہے۔ ؎

ہر کہ از ہمت دریں رہ آمدہ است ☆ گر گدائی می کند شاہ آمدہ است

(جس شخص نے ہمت کے ساتھ اس راستہ میں قدم رکھا ہے۔ اگرچہ وہ گدائی کرتا ہے مگر درحقیقت وہ بادشاہ ہے)

آدم علیہ السلام کا آٹھوں بہشت کو ایک دانہ گندم کے عوض بیچنا بھی اسی ہمت کی بنا پر تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

جانِ آدم چوں بہ سرّ فقر سوخت ☆ ہشت جنت را بہ یک گندم فروخت

(آدم علیہ السلام کی جان جب فقر کے راز سے منور ہوئی تو آٹھوں جنت کو گندم کے ایک دانہ کے عوض بیچ ڈالا)

اے بھائی! جو کچھ کُن کے تحت ظاہر ہوا ہے۔ اور مخلوقیت کا داغ لگائے ہوئے ہے اس کا پیچھے اتر نامردوں کی ہمت سے باہر ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے

باحق جمع وز خود پریشاں ؛ لایعرفہم شعار ایشاں

(اپنے سے جدا اور خدا سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کی روش ایسی ہے کہ ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا)

نے درغم دوزخ و بہشت اند ؛ ایں طائفہ را چنیں سرشتند

(اسی گروہ کی خمیر کچھ اسی طرح تیار کی گئی ہے کہ وہ دوزخ اور بہشت کے غم سے آزاد ہیں)

اے بھائی! بشر کی حقیقت مظہر ربوبیت ہے۔ اور وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اپنی روح سے اس میں پھونکا) اس کی دولت ہے۔ اور يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں) اس کی کرامت اور خلعت ہے۔ یہ مجموعۂ آب و خاک، آب و خاک سے مقدس اور مطہر ہے۔ جیسا کہ اس مثنوی میں کہا گیا ہے۔

نیست مردم نطفۂ از آب و خاک ؛ ہست مردم سر و قدے جان پاک

(آدمی آب و خاک کے نطفہ سے نہیں ہے۔ بلکہ آدمی تو سر سے پاؤں تک پاک جان رکھتا ہے)

صد جہان پُر فرشتہ در وجود ؛ نطفہ را کے کنند آخر سجود

(فرشتوں سے بھری ہوئی سینکڑوں دنیا نطفہ کو آخر کس طرح سجدہ کر سکتی ہے)

اس سے زیادہ ظاہر بات اور کیا ہوگی کہ مقدس اور مطہر فرشتوں سے بھرا ہوا ایک عالم خاک کو سجدہ کرے۔ اور خاک کا پتلا خلیفہ بنے۔ بھائی! یہ ایک عظیم راز ہے جس کا کھولنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ یہ مثنوی سنو۔

دانی کہ چرا اہل صفا خاموشند ؛ در نکتۂ دل بہ محو خود کوشند

(تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش ہیں؟ وہ دل کے نکتہ میں اپنے کو محو کرنے کی کوشش کرتے ہیں)

مے از کف دوست ہر نفس می نوشند ؛ سر می بازند و سر حق می پوشند

(دوست کے ہاتھ سے ہر لمحہ شراب پیتے ہیں۔ سر دیتے ہیں اور حق کا راز چھپاتے ہیں)

اس لطیفہ کے متعلق قرآن مجید میں یہ پتا بتایا گیا ہے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے) اور روز محشر کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس سربستہ راز کو صرف اس قدر کھولا گیا کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (بیشک اللہ تعالیٰ

نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی صفت پر پیدا کیا۔ اور حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے۔

نیست بالائے تو مخلوقے دگر ❊ نیست بیرونِ تو معشوقے دگر

(تیرے اوپر کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے۔ اور تجھ سے باہر کوئی اور معشوق نہیں ہے)

چوں برونی تو ز عقل و معرفت ❊ نے تو در شرح آئی و نے در صفت

(چونکہ تو عقل و معرفت سے باہر ہے اس لیے نہ تو تیری شرح ہو سکتی ہے اور نہ تیری صفت بیان کی جا سکتی ہے)

ہر چہ در توحید مطلق آمدست ❊ آں ہمہ در تو محقق آمدست

(جو کچھ توحید مطلق میں آیا ہے وہ سب تجھ میں محقق آیا ہے۔)

اے بھائی! آخر تم نے یہ تو سُنا ہی ہے کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی (مومن کا قلب عرش الٰہی ہے) جب مومن کا قلب عرش الٰہی ہے تو یقیناً اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (رحمٰن عرش پر غالب ہوا) کی حقیقت اس کے لیے نقد ہو گی۔ اس مثنوی میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مثنوی

تا نیامد جانِ آدم آشکار ❊ رہ نہ دانستند سوے کردگار

(جب تک آدم علیہ السلام کی جان ظاہر نہیں ہوئی۔ لوگوں نے خدا کی طرف جانے کا راستہ نہیں جانا)

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ❊ زو کلید ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے تو راستہ ظاہر ہوا۔ ان سے دونوں عالم کی کنجی مل گئی)

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں) یہی آدم علیہ السلام کا آئینہ ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا تو اس نے خدا کو بھی پہچان لیا) اسی معنی کی یہ حقیقت ہے۔ ؎

فرستادیم آدم را بہ بیروں ❊ جمال خویش در صحرا نہادیم

(میں نے آدم علیہ السلام کو باہر بھیجا۔ اپنے جمال کو صحرا کے باہر ہم نے رکھا)

سننے میں آیا ہے کہ آں برادر کی قابلیت اور استعداد بہت زیادہ ہے اور ہمت بھی بلند ہے انشاء اللہ اس مکتوب کے مطالعہ سے معانی دل پر کھل جائیں گے۔ اور ایک دن یہ مکتوب اپنا کام کر

جائے گا۔ یہ کون سے تعجب کی بات ہے کہ شاہ شجاع کرمانی کلاہ وقبا پہن کر گھومتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ جس مقام کمال میں ہزاروں سالک آئے اور جاتے ہیں، اِن میں سے ایک بھی اس کمال تک پہنچتا ہے کہ نہیں۔ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ ایک قبا پوش بزرگ تھے۔ ان کے بارے میں ایک عزیز کہتے ہیں کہ کل قیامت کے دن صدیقوں کو اس کی تمنا ہوگی کہ کاش دنیا میں ہم خاک ہوتے تاکہ محمد معشوق اس خاک پر قدم رکھتے۔

اے بھائی! چوں کہ وہاں کام فضل سے ہوتا ہے۔ اس لیے منزل دور نہیں ہے۔

آں راکہ دہد بارش در عالم خود بارش ❊ بے واسطۂ کارش کردار چہ کار آید

(جس شخص کو خود اس کا محبوب اپنے دربار میں باریابی بخشے۔ اس کا کام تو بلا واسطہ ہوگا اس کو کردار کے واسطہ کی کیا ضرورت)

لیکن ان سب کے باوجود بندہ کی طرف سے کوشش ہونی چاہیئے تاکہ عبودیت متحقق ہو۔

گرچہ دولت داد نش بے علت است ❊ طاعت حق، کارِ صاحب دولت است

(اگرچہ دولت وہ بغیر کسی سبب اور علت کے دیتا ہے۔ لیکن حق کی بندگی کرنا بھی صاحبِ دولت کا کام ہے)

عاقبت اور انجام بخیر ہو۔ آمین

والسلام

۶، ربیع الآخر۔ ۱۴۰۰ھ؁ ہجری شنبہ

۲۳، فروری ۱۹۸۰ء؁ ۱۱ بجے شب

لطیف آباد، حیدر آباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۳)

علمائے آخرت کی صحبت کو غنیمت سمجھنا

ہر کہ از ہمت دریں رہ آمدست ؎ گر گدائی می کند شہ آمدست

(جس شخص نے ہمت کے ساتھ اس راہ میں قدم رکھا ہے۔ اگرچہ گدائی کرتا ہے مگر درحقیقت وہ بادشاہ ہے)

سگِ دوں ہمت استخواں جوید ؎ پنجۂ شیر مغزِ جاں جوید

(پست ہمت کتا ہڈی کی تلاش میں رہتا ہے۔ شیر کا پنجہ مغز جاں ڈھونڈتا ہے)

شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا

قاضی زین الدین آئے۔ انھوں نے آں عزیز کی ساری کیفیت بیان کی۔ بھائی! اس طرف تو قبولیت ہی قبولیت ہے۔ البتہ دوسری طرف راستہ پر چلنا دشوار ہے۔ اس لیے مشائخ قدس اللہ ارواحہم کی طرح پوشیدہ رسم کو توڑنا چاہیے۔ عادت کے زنار کو کاٹنا، پھر راہ طریقت میں قدم صدق دل کے ساتھ رکھنا، اور حقیقت کی طلب میں ہمت کو بلند رکھنا چاہیئے۔ کیوں کہ بے ہمت مرید منزل تک پہنچ نہیں سکتا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد ؎ ہم چو خورشید از بلندی فرد شد

(جو شخص صاحب ہمت بن کر آیا وہ مرد بنا۔ اور آفتاب کی طرح بلندی میں یکتا ہوا)

عالی ہمت باش دل در حق بہ بند ؎ تو ہمائی، قاف قربی رو بلند

(ہمت کو بلند رکھو اور دل کو حق میں لگائے رہو۔ تم تو ہما ہو اللہ تعالیٰ کی قربت کے کوہِ قاف کی طرف بلند پرواز کرو)

اے بھائی! یہ علم اہل طریقت کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے جاننے والوں کو علمائے آخرت کہتے ہیں۔ اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ (علماء انبیاء کے وارث ہیں) ان کی خلافت ہے۔ یہ خلافت، ان کی دوستی اور نیک صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

بوے ایشاں زر کند مِس ترا ؎ راہ بیں گرداند ایں حسِ ترا

(ان کی خوشبو تیرے تانبے کو سونا بنا دیتی ہے۔ اس نے تیرے حس کو راہ کا دیکھنے والا بنا دیا)

گرچہ خارستان ای گلشن شوی ✤ چوں بہ صاحب دل رسی روشن شوی

(اگرچہ تو خارستان ہے، گلشن بن جائے گا۔ جب تو کسی صاحب دل کے پاس پہنچے گا تو روشن ہو جائے گا)

لیکن علمائے دنیا کی صحبت سے یہ بات کبھی حاصل نہ ہو گی۔ وہاں رسم و عادت کے سوا دھرا کیا ہے۔ جو بت پرستی ہے۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

این ہمہ علم جسم مختصر است ✤ علم رفتن براہِ حق دگر است

(یہ سب تو مختصر جسم کا علم ہے۔ راہ حق پر چلنے کا علم ہی کچھ اور ہے)

حرف کو کاغذے سیاہ کند ✤ دل کہ تیر است کے چو ماہ کند

(حرف جو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے وہ تاریک دل کو چاند کی طرح کیوں کر بنا سکتا ہے)

مثنوی

واسطہ این قوم را برخاست است ✤ قول ایشاں لاجرم راست است

(اس قوم کے لیے واسطہ اٹھ گیا ہے۔ ان کا یہ قول یقیناً صحیح ہے)

چوں نہ می بینند غیرے جز مجاز ✤ جملہ زو شنوند از و گویند باز

(چوں کہ وہ لوگ غیر کو مجاز کے سوا نہیں سمجھتے۔ اس لیے وہ سب جو کچھ سنتے ہیں اسی سے سنتے ہیں اور جو کہتے ہیں اسی سے کہتے ہیں)

اے بھائی! جس شخص کی ہمت اتنی ہو کہ وہ خواہشات نفسانی کی پرستش کو ترک کر کے خدا پرستی اختیار کر سکے اور دین کا درد بھی اس کو دامنگیر ہو تو اسے چاہیئے کہ علمائے آخرت کی صحبت اختیار کرے۔ اس لیے کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور ان کی صحبت و خدمت میں رہ کر ان کی خدمت کرے۔ اور روزانہ اپنے مذموم صفات کو محمود صفات سے تبدیل کرے تاکہ نفس کافر کے ہاتھ سے رہائی پائے۔ اسلام کا جمال دیکھے، توحید مطلق تک پہنچے۔ اور وحدہٗ لاشریک لہٗ کے دربار میں باریابی حاصل کرے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

اوصافِ ذمیمہ چوں بدل شد ✤ ہر عقد کہ در تو بود حل شد

(جب برے اوصاف بدل گئے تو جو گرہیں تجھ میں تھیں کھل گئیں)

چوں نیستیِ تو شد محقق ٭ خیزد ہمہ نعرۂ انا الحق
(جب تیری نیستی ثابت ہو گئی۔ تو پھر نعرۂ انا الحق بھی بلند ہو گا)

ایں جاست نہایت طریقت ٭ ایں ست خلاصۂ حقیقت
(یہاں طریقت کی انتہا ہے۔ حقیقت کا خلاصہ یہی ہے)

اے بھائی! ہر وہ خواہش جو اس کے علاوہ ہو، وہ رسم و عادت ہے دین نہیں ہے۔ اگرچہ یہ سعادت و دولت اللہ تعالیٰ (جلّ شانہٗ) کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ لیکن بندہ کے لیے اس سے چارہ نہیں ہے کہ بندگی کے حکم پر قائم رہے۔ اور اپنے کو دنیا کی آفت اور نفس کافر کی لذتوں اور شہوتوں سے باہر نکالے۔ تاکہ اس دولت و سعادت کے لائق ہو جائے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

مثنوی

گر ترا ہست آرزو اندر وصال ٭ تا بہ بینی حسن و انوارِ جمال
(اگر تجھ کو اس کے وصال کی آرزو ہے تاکہ اس کے جمال کے حسن اور انوار کو دیکھ سکے)

کم خور و کم خسپ تن را می گداز ٭ زآتش کن آں آرزو واں ناز
(کم کھا اور کم سو، اور بدن کو گھلا ڈال۔ اور اپنی تمام آرزوؤں اور ناز داد اکو آگ میں ڈال دے)

بر تو تا آں تیر گیِ آب و گِل ٭ تا رسی در روشنیِ جان و دل
(جب تک آب و گل کی تاریکی تجھ میں ہے۔ تو جان و دل کی روشنی میں نہیں پہنچ سکتا)

والسلام

۷، ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ یکشنبہ

۲۴، فروری ۱۹۸۰ء ۹ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد ۔ سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۴)

مسلمانوں کے اوصاف اور نفسِ شیطان کو مغلوب سمجھنا

مثنوی

گر مسلمانی تو بیدادی چراست ❊ چوں کہ بیدادی مسلمانی کجاست

(اگر تو مسلمان ہے تو پھر ظالم کیوں ہے۔ اور جب ظالم ہے تو مسلمانی کہاں ہے؟)

خلق آزاری تو با دست و زباں ❊ سودِ خود بینی زیانِ دیگراں

(تو ہاتھ اور زبان سے خلق کو ستاتا ہے۔ دوسروں کے نقصان میں اپنا نفع دیکھتا ہے)

اے بھائی! مسلمانی یہ ہے جس پر شرع کا فتویٰ ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَدِہٖ وَلِسَانِہٖ (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں) یعنی حقیقت میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں اور آزردہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ مخلص مومن کا دل محبت خداوندی کا گھر ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ ھَدَمَ قَلْبَ مُؤْمِنٍ فَقَدْ ھَدَمَ بَیْتَ اللّٰہِ (جس نے مومن کے قلب کو منہدم کیا تو اس نے بیت اللہ کو منہدم کیا) لہٰذا جو شخص خلق کے لیے تکلیف دہ ہو اس کے متعلق اس مثنوی میں کہا گیا ہے۔

مثنوی

ہر کہ آزارست حق بے زار ازو ❊ نامِ او مومن مخواں مومن مگو

(جو شخص دوسروں کو تکلیف دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے زار ہے۔ اس کا نام مومن نہ رکھ اور نہ اس کو مومن کہہ)

نامبارک باشد آزار کساں ❊ موذیِ را تو مسلمانے مداں

(لوگوں کو تکلیف پہنچانا نامبارک بات ہے۔ موذی آدمی کو تو مسلمان مت سمجھ)

اے بھائی! مسلمانی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ویسے تو مسلمان دنیا میں بہت ہیں۔ لیکن حقیقی مسلمان کمیاب

ہیں۔ جیسا کہ اس مثنوی میں ذکر کیا ہے۔

مثنوی

سالکا! اسلام گر آساں بُدے ٭ ہر کسے چوں شبلیؒ و ادہمؒ شدے

(اے سالک! اگر اسلام اتنا آسان ہوتا تو ہر شخص شبلیؒ اور ابراہیم ادھمؒ کی طرح ہوتا)

تا نہ گردی تو مسلماں از دروں ٭ کے توانی شد مسلماں از بروں

(جب تک تو اندر سے مسلمان نہیں ہوتا ہے تو باہر سے کس طرح مسلمان ہو سکتا ہے)

انسان کی سرشت میں ایک نفس کافر بھی ہے۔ جس کا قبلہ متاع دنیا ہے۔ لذت وشہوات دنیا اس کا محبوب ہے۔ لہٰذا جو شخص اس کافر کا مطیع و فرماں بردار ہے وہ معناً مردہ ہے اگرچہ بظاہر زندہ ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

نفس اگرچہ زیرک است و خردہ داں ٭ قبلہ اش دنیاست او را مردہ داں

(نفس اگرچہ عقلمند اور باریک بیں ہے۔ مگر اس کا قبلہ دنیا ہے اس لیے اس کو مردہ جان)

نفس کی ساری ہمت مال وجاہ کا حاصل کرنا ہے۔ اس لیے لامحالہ انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ جس طرح نمرود وفرعون کو گمراہ کیا۔

مثنوی

ترا تا نفس کافر در کمین است ٭ کجا تو رہ روی آں جا کہ دین است

(جب تک تیرا نفس کافر تیرے گھات میں ہوا ہے۔ اس وقت تک وہاں کیسے جائے گا جہاں دین ہے)

ازیں کافر کہ ما را در نہاد ست ٭ مسلماں در جہاں کم تر فتاد ست

(اس کافر کی وجہ سے جو ہماری سرشت میں ہے۔ دنیا میں مسلمان بہت کم رہ گئے ہیں)

اے بھائی! جس وقت تم مجاہدہ کی تلوار سے اس نفس کافر کی گردن اڑا دو گے۔ اور اس کی تمام خواہش اور مراد سے بے زار ہو جاؤ گے اور کسی حالت میں بھی اس کی موافقت نہیں کرو گے تو پھر اس وقت مسلمانی کا منور چہرہ دیکھ سکو گے۔ اور موحدوں کی توحید تمہیں نصیب ہوگی۔ ؎

کافرِ نفس چوں زبونِ تو شد ٭ گر ہمہ کفری ہمہ ایماں شوی

(نفس کافر جب تیرے ہاتھوں بدحال ہو گیا تو اگرچہ تو مجسم کفر ہی کیوں نہ ہو مجسم ایمان ہو گیا)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جواں مردی یہ نہیں ہے کہ تم لوگوں سے جنگ کرو اور ان پر غالب آؤ۔ یا کافروں سے لڑائی کرو اور فتح پاؤ۔ بلکہ جواں مردی تو یہ ہے کہ اپنے نفس کافر کی گردن مارو۔

اَلنَّفْسُ هِيَ الصَّنَمُ الْاَکْبَرُ۔ (نفس ہی سب سے بڑا بت ہے) لہٰذا جو شخص خدا کی محبت کے راستہ میں قدم رکھے اور خدا کی محبت کا دعویٰ کرے تو اس پر فرض عین ہے کہ پہلے اس بت کو توڑے ۔ اور اس کے ساتھ ایسی جنگ کرے جس کے بعد صلح نہ ہو۔ اسی معنی کو اس بیت میں بیان کیا ہے۔ ؎

سہل شیری داں کہ صفہا بشکند ❊ شیر آں باشد کہ خود را بشکند

(وہ شیر جو صف شکنی کرتا ہے، ہونا آسان ہے۔ درحقیقت شیر تو وہ ہے جو اپنے آپ کو پچھاڑ دے)

عاقبت اور انجام بخیر ہو۔

والسلام
۷ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ یکشنبہ
۲۴ فروری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۵)

گردش وروش

مثنوی

اے خواندۂ خدائے را بہ عادت ؛ دوری ز حقیقت شہادت

(اے خدا کو عبادت کے ذریعہ حاصل کرنے والے، تو شہادت کی حقیقت سے بہت دور ہے)

تا کے بہ زباں خدا پرستی ؛ ایں نیست مگر ہوا پرستی

(تو کب تک زبان سے خدا کو پوجتا رہے گا۔ یہ نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے)

کاتب حروف شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا۔

آں برادر کی تحریر نظر سے گذری۔ حالات معلوم ہوئے۔ اے بھائی! ہوشیار رہو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تک گردش نہیں ہے، روش بھی نہیں ہے۔ اور جب تک روش درست نہ ہو گی، کشش حاصل نہ ہو گی۔ جس کو جذبہ کہتے ہیں۔ لہذا سنت الٰہی پر عمل کئے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا محال ہے۔ اس کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نماز چاشت اور اشراق کی ضرورت نہیں ہے۔ یقیناً تم پوچھو گے کہ پھر کام کیا ہے؟ کام یہ ہے جو کسی نے اس مثنوی میں بیان کیا ہے۔

مثنوی

خود را بہ رکاب رہ برے بند ؛ تا باز رہاندت ازیں بند

(اپنے کو کسی رہبر کے رکاب سے باندھ لے تاکہ وہ تجھے اس قید سے چھڑا لے۔)

تا رہ بر تست عادت خویش ؛ شیطان و منافقی نہ درویش

(جب تک عادت تیری رہبر ہے۔ تو شیطان و منافق ہے۔ درویش نہیں ہے)

خواہی کہ شود مراد حاصل ؛ پیرے طلب، اے جوانِ غافل

(اے غافل جوان! اگر تو چاہتا ہے کہ تیری مراد حاصل ہو، تو کوئی پیر تلاش کر۔)

پیرِ رہ کبریت احمر آمدہ است ٭ سینۂ او بحر اخضر آمدہ است

(اس لیے کہ اس راہ کا پیر کبریتِ احمر ہے (یعنی کم یاب ہے) اس کا سینہ نیلگوں سمندر ہے)
لہذا جس شخص میں اتنی ہمت ہو کہ وہ عادت پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کے لیے اس گروہ کی رات دن خدمت فرض ہے۔ تاکہ ان کی صحبت و خدمت کی بدولت اس کی تمام مذموم صفات محمود صفات میں تبدیل ہو جائیں۔ اور نفس کافر کے حجاب سے وہ باہر نکل آئے۔ توحید کا جمال دیکھے اور موحد حقیقی بن جائے۔

مثنوی

اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد ٭ ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد
(جب برے اوصاف بدل گئے تو ہر وہ گرہ جو تجھ میں تھی کھل گئی۔)
چوں نیستی تو شد محقق ٭ خیزد ز ہمہ نعرۂ انا الحق
(جب تیری نیستی محقق ہوگئی۔ تو نعرۂ انا الحق بھی سرزد ہوگا)
آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ٭ رسم و عادت بود نہ دیں باشد
(وہ خواہش جو اس سے زیادہ ہو، رسم و عادت ہے، دین نہیں ہے)

والسلام
۸ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ در شنبہ
۲۵ فروری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے دن
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۱۴۶)

فضول باتوں کو چھوڑ کر دینِ اسلام پر چلنا

مثنوی

ذرۂ دردِ خدا دردل ترا ⁂ بہتر از ہر دو جہاں حاصل ترا

(تیرے دل میں خدا کے درد کا ایک ذرہ تیرے لیے دونوں جہان سے بہتر سرمایہ ہے)

برادر اعز محمد دیوانہ! شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا

اے بھائی! گفتگو کی یہ کیفیت کب تک رہے گی؟ ایک بزرگ سے سنو، اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔

اے غرہ شدہ بگو چہ سوداست ⁂ کارے بہ سرِ زباں نہ شد راست

(اے مغرور! بنا یہ کیا خبط ہے۔ آج تک کوئی کام زبان کے ذریعہ درست نہیں ہوا ہے)

تا کے بہ زباں خدا پرستی ⁂ ایں نیست مگر ہوا پرستی

(کب تک زبان سے خدا پرستی کرتا رہے گا۔ یہ خدا پرستی نہیں، صرف نفس پرستی ہے)

اے بھائی! اگر صرف زبانی ایمان کسی کے کام آتا تو آج دنیا میں کوئی منافق اور کافر نہ ہوتا۔ ہوشیار رہو، حقیقت کے متلاشی رہو اور مجاز کو چھوڑ دو۔

گر مردِ رہی مجاز بگذار ⁂ تحقیق طلب، خیال بگذار

(اگر تو اس راستے کا مرد ہے تو مجاز کو چھوڑ دے۔ حقیقت طلب کر اور خیال کو چھوڑ دے)

توحید نہ کارِ آب و خاک است ⁂ کاندر دلِ صاف جان پاک است

(توحید آب و خاک کا کام نہیں ہے۔ وہ تو صاف دل اور پاک جان میں ہے)

تا کے نفس از گماں بر آری ⁂ ایماں بہ دل است و دل نہ داری

(کب تک سانس گمان کے سہارے لیتا رہے گا۔ ایمان تو دل سے ہے اور تو دل نہیں رکھتا ہے)

اے بھائی! اگرچہ یہ کام اس کے فضل پر موقوف ہے نہ کہ ہمارے تمہارے عمل پر۔ لیکن بہ تقاضائے بندگی بہ قدرِ امکان کوشش کرنا چاہیئے تاکہ عبودیت کا حق ادا ہو اور عبودیت متحقق ہو۔

مثنوی

از کوشش و دانش و عمل نیست ❊ ایں جز بہ عنایت ازل نیست

(یہ کام کوشش و دانش اور عمل سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف عنایت ازلی پر موقوف ہے)

با ایں ہمہ جہد خویش بنمائے ❊ توفیق چو ہست کار فرمائے

(اس کے باوجود اپنی کوشش جاری رکھ۔ جب کہ توفیق الٰہی بھی تیرے ساتھ ہے)

رسم و عادت میں پڑے رہنا بت پرستی ہے نہ کہ اسلام۔ کیوں کہ مسلمانی کوئی اور چیز ہے اور رسم و عادت کوئی اور چیز۔ اسی کو کسی نے کہا ہے۔

مثنوی

از کوشش و دانش و عمل نیست ❊ ایں جز بہ عنایت ازل نیست

(یہ کام کوشش و دانش اور عمل سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف عنایت ازلی پر موقوف ہے)

اے گشتہ مریدِ رسم و عادت ❊ دوری ز حقیقتِ ارادت

(اے رسم و عادت کا مرید! تو ارادت کی حقیقت سے ابھی بہت دور ہے)

تا رہ برِ تست عادت خویش ❊ شیطان و منافقی نہ درویش

(جب تک تیرا رہبر تیری عادت ہے۔ تو شیطان و منافق ہے، درویش نہیں ہے۔)

اے بھائی! بیہودہ کاموں میں ساری عمر گذر گئی۔ اور اب جو کچھ باقی رہ گئی ہے وہ بہت سرعت سے گذر رہی ہے۔ مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک اس قدر دوڑ دھوپ کرنے کا حاصل کیا ہے؟ اور اِس کا اُس کا غم کھانا کیا فائدہ پہنچائے گا؟

مثنوی

چندیں چہ طلب کنی چپ و راست ❊ سرمایہ زیاں شد ایں چہ سود است

(دائیں بائیں تو اس قدر کیا ڈھونڈتا ہے؟ ساری پونجی ضائع ہوئی۔ یہ کیسا نفع ہے؟)

اے گم شدہ پیش و پس چہ گردی ❊ اینک رہِ تو برو بہ مردی

(اے دیوانے! تو آگے پیچھے کیا ہوتا ہے۔ تیری راہ تو یہ ہے، اس پر جواں مردی کے ساتھ چل)

جانے بکُن اے پسر کہ بے رنج ❊ ممکن نہ شود کشادن ایں گنج

(اے لڑکے! جان جوکھوں میں ڈال۔ اس لیے کہ رنج و مشقت کے بغیر اس خزانے کا کھولنا ممکن نہیں)

والسلام

۸، ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ ہجری دوشنبہ

۲۵، فروری ۱۹۸۰ء بارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ــــــ ۱۴۷

تواضع کا بیان اور دل کی صفت

درزہد بود منبر و محراب بہ تحقیق ؛ در عشق بجز بادہ و خمار نہ باشد

(زہد میں تو محراب و منبر ہیں۔ لیکن عشق میں شراب اور شراب فروش کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا)

برادر مولانا محمود! شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا۔

آں برادر نے جس شخص کی صفت اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (بتاؤ، جس شخص نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا) ہے، اس کو مقبولین اور مقربین بارگاہ کی صفت کے ساتھ متصف کیا ہے اور اپنے خط میں اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اور بہت زیادہ زحمت گوارہ کی ہے، یہ سب کچھ غالباً حسن ظن کی بنا پر کیا ہے۔ آں برادر کو اپنے اس حسن ظن کا اجر اور ثواب ملے گا۔ لیکن اے بھائی! لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَةِ (آگاہی مشاہدہ کی طرح نہیں ہے) یہ درویش اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن چوں کہ مومن کا گمان غلط نہیں ہوتا ہے اس لیے بہت زیادہ امید رکھتا ہے۔ اور اس کو اپنے حق میں ایک مبارک فال تصور کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ (میں ان لوگوں کے قریب ہوں جن کے دل میری خاطر شکستہ ہیں)، یہ ایک عطا ہے جو حضرت کی طرف سے ملی ہے۔ کیوں کہ محب جب محبوب میں گم ہوجاتا ہے تو اس کے صفات کے ساتھ قائم ہوجاتا ہے۔ اور اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ کُنْتُ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ وَلِسَانَهٗ وَیَدَهٗ (میں اس کی آنکھ، اس کے کان، اس کی زبان اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں)، تو وہ جو کچھ کہتا ہے محبوب کی زبان سے کہتا ہے اور اس کا کیا ہوا کام محبوب کا کیا ہوا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں۔

کارے کہ کنی تو درمیانہ ؛ آں کردۂ حق بود یقیں داں

(جو کام بھی تو درمیان میں کرتا ہے۔ یقین جان کہ وہ حق کا کیا ہوا ہوتا ہے)

اے بھائی! جو دل خودی سے گذرا ہوا ہو، دوست سے ملا ہوا ہو اور محبوب کی صفات سے مالامال ہو وہ دل قابل مبارکباد ہے۔ لیلیٰ مجنوں کا قصہ بھی اس پر شاہد ہے۔

مثنوی

چوں کہ مجنوں درگذشت از خشک وتر ؛ آں گہے شد مسِّ قلبش ہم چو زر
(جب مجنوں تمام خشک وتر سے گذر گیا تو اس وقت اس کے قلب کا تانبا سونا کی طرح ہو گیا)

مونسِ لیلیٰ شد و لیلیٰ گزید ؛ ہم چو وحشی انس از خلقاں برید
(لیلیٰ کا مونس بن گیا اور لیلیٰ کو اختیار کر لیا۔ پھر وحشی کی طرح لوگوں سے انس کو منقطع کر دیا)

پر شد از لیلیٰ ز پایاں تا بہ سر ؛ ہم چو لعلے از صفاتِ ماہ و خور
(سر سے پاؤں تک لیلیٰ کی صفات سے متصف ہو گیا جس طرح لعل آفتاب و ماہتاب کی صفات سے پر ہوتا ہے)

اس لحاظ سے آں برادر کو اب تک جو حصہ ملا ہے وہ مبارک ہو۔ اور جو اب تک راہ میں ہے اس سے بھی جلد مالا مال ہوں۔ نبیؐ اور آپؐ کی آل امجاد کے طفیل۔

اے بھائی! قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ (مومن کا قلب عرش الٰہی ہے) جو کچھ طلب کریں اسی راہ سے طلب کریں۔ اس راز کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

محراب جہاں جمال رخسارۂ ماست ؛ سلطانِ جہاں در دل بیچارہ ماست
(جہاں کا محراب ہمارے رخسار کا جمال ہے۔ سارے جہاں کا بادشاہ ہمارے بیچارے دل میں ہے)

حلول و اتحاد ایں جا محال است ؛ کہ در وحدت دوئی عیب و ضلال است
(یہاں حلول و اتحاد محال ہے۔ اس لیے کہ وحدت میں دوئی عیب اور گمراہی ہے)

حلول و اتحاد کے خیال کے بغیر صرف معنی کے لحاظ سے۔ جیسا کہ اس بیت میں کہا ہے۔

ؔ در جانِ منی ز راہ معنی ؛ چوں یافتہ ام چرا تت جویم
(معنی کے لحاظ سے تو میری جان میں ہے۔ جب میں نے تجھ کو پا لیا ہے تو پھر تجھے کیوں ڈھونڈوں)

ایک عزیز نے بھی اسی معنی میں کہا ہے۔

آخر بہ کجا رسی نکوئی ؛ چوں گم شدہ است آنچہ جوئی
(آخر تم نکوئی کہاں حاصل کر سکو گے، وہ گم ہو چکی ہے جسے تم ڈھونڈتے ہو)

بگذار کہ جملہ سرگذشت[1] است ؛ بنشیں نفسے کہ جائے گشت است
(اب چھوڑو کہ سب کچھ چلا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ کہ شاید وہ نکوئی واپس آ جائے)

---

[1] سرگذشت یعنی از سر گذشت

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) کا قصہ عاشقوں کے لیے نقد ہے چنانچہ کہا ہے۔ ؎

وعدۂ وصل دیگراں فرداست ٭ وعدۂ عاشقاں اکنون است

(دوسروں کے لیے وصل کا وعدہ کل کا ہے۔ مگر عاشقوں کے لیے وصل کا وعدہ آج ہی کا ہے)

اسی طرح ایک اور عزیز نے بھی اسی معنی میں کہا ہے۔

مثنوی

رہ بر چہ کند چوں عشق دل دار ٭ اورا سوے خویش رہنموں شد

(رہبر کیا کرے گا۔ جب کہ دل دار کی محبت اپنی طرف خود اس کی رہ نما ہو گئی)

از عقل گر تحت جان مسکیں ٭ در روضۂ خود دم جنوں شد

(عقل سے جانِ مسکیں بھاگ کھڑی ہوئی لیکن اپنے روضے میں جنون کی جان بن گئی)

اے بھائی! عقل کے توشہ اور پونجی کے ساتھ تم اس راہ میں نہیں چل سکتے۔ اس راہ کا توشہ اور سواری عشق ہے۔ جسے دیوانگی کہتے ہیں۔ اَلْعِشْقُ جُنُوْنٌ اِلٰہِیٌ (عشق جنونِ الٰہی ہے) یہی معشوق سے عاشق تک پیغام پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے بارے میں کہا ہے۔

مثنوی

تا توانی با خرد بے گانہ باش ٭ عقل را غارت کن و دیوانہ باش

(جب تک تجھ سے ہو سکے عقل سے بے گانہ رہ۔ عقل کو غارت کر اور دیوانہ بن جا)

زاں کہ گر تو عاقل آئی سوئے من ٭ زخم بسیار ہم خوری در کوے من

(اس لیے کہ اگر تو میری طرف عقلمند بن کر آئے گا۔ تو میری گلی میں زخم بھی بہت کھائے گا)

لیک گر دیوانہ آئی در شمار ٭ ہیچ کس را با تو نہ بود ہیچ کار

(لیکن اگر تیرا شمار دیوانوں میں ہو گا تو پھر کسی شخص کو تجھ سے کوئی سروکار نہیں ہو گا)

بحمد اللہ یہ پیغام آں برادر کے حق میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ امید ہے اور زیادہ ہو گا۔ انشاء اللہ۔ خاتمہ اور انجام بخیر ہو۔ عشق کا بحر و بر ہو۔ عشق کا مقتول ہو۔

٭

مثنوی

عقل فرماں کشیدنی باشد ٭ عشق ایماں چشیدنی باشد

(عقل کا کام فرمان بجالانا ہے۔ اور عشق ایمان کا چکھنا ہے)

عاشقاں جام قدح آنگہ کشند ٭ کہ بہ دست خویش خوباں شاں کشند

(عاشق لوگ اس وقت جام نوش کرتے ہیں۔ جب محبوب خود اپنے ہاتھ سے ان کو پلاتا ہے)

ہر کہ در راہِ خدا مقتول شد ٭ کشتۂ حق است او مقبول شد

(جو شخص کہ راہ خدا میں مقتول ہوا۔ وہ حق کا مقتول ہے اس لیے مقبول ہوا۔)

نیم جاں بستان و صد جانے دہد ٭ آں چہ در وہم نہ آید آں دہد

(آدھی جان لے کر سینکڑوں جانیں عطا کرتا ہے۔ جو وہم وگمان میں نہیں آتا ہے وہ دیتا ہے)

والسلام

۹ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ ہجری سہ شنبہ

۲۶ فروری ۱۹۸۰ء بارہ بجے شب

لطیف آباد حیدرآباد۔ سندھ

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ——— (۱۴۸)

بندگی کرنے اور صبر و شکر کے متعلق (بالفاظ دگر)

مثنوی

بندہ آں بہتر کہ بر فرماں رود ؛ کز خداوند آں چہ خواہد آں رود

(بندہ وہی بہتر ہے جو فرمان کے مطابق چلے۔ پھر جس طرح مالک کے لیے یہ ہے کہ جو وہ چاہے وہی ہوا

عمر روزِ پنج وشش می بگذرد ؛ خواہ ناخوش خواہ خوش می بگذرد

(یہ چند روزہ زندگی خوش و ناخوش کسی نہ کسی طرح سے گذر ہی جاتی ہے)

شرف منیری کی جانب سے سلام و دعا،

حاجی سمرقندی آئے۔ ان کی زبانی حالات معلوم ہوئے۔ اور اس کیفیت کا بھی علم ہوا جو تم پر گذری۔ اے بھائی! یہ بندگی ہے۔ اس میں صبر و شکر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ رنج و غم کے جس مقدار کو ہمارے اور تمہارے لیے کافی سمجھا ہے، یہ خود ایک لطف و کرم ہے۔ ؎

ناکساں را بہ لطف خود کس کرد ؛ شکر و صبرے ز بندگی بس کرد

(ناکسوں کو اپنے لطف و کرم سے اہل بنا دیا۔ بندوں سے صبر و شکر پر اکتفا کیا)

اے بھائی! جس طرح زخم پہنچتا ہے اسی طرح راحت بھی پہنچتی ہے، اور جس طرح نیش مارتے ہیں اسی طرح مرہم بھی رکھتے ہیں۔ اسی مفہوم کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

گر ترا ضربِ جراحت نبودت ؛ تا ابد امید راحت نہ بودت

(اگر تجھ کو زخم کا ضرب نہ ہوتا تو ابد تک تجھ کو راحت بھی نصیب نہ ہوتی)

یاد رکھو کہ بندگی اور مراد دونوں کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ اس خیال کو دل سے بالکل نکال دینا چاہیئے۔ انبیاءؑ اولیاء اور سلاطین و امراء کتنی ہی ایسی چیزیں چاہتے رہے کہ ہو جائے۔ لیکن نہیں ہوئیں۔ اور کتنی ہی ایسی چیزیں تھیں جن کے بارے میں تمنا کرتے رہے کہ یہ نہ ہوں مگر وہ ہو گئیں۔ کسی نے کہا ہے۔

می نیابم آں چہ می جویم ہمے ❊ زیں سبب ساکن نہ می گردم دمے
(جو کچھ میں ڈھونڈتا ہوں وہ نہیں پاتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں ایک لمحہ بھی ساکن نہیں رہتا ہوں)

درمیانِ این وآں درماندہ ام ❊ تاکہ جاں دارم بہ جاں درماندہ ام
(میں اِس کے اور اُس کے درمیان بھاگتے دوڑتے تھک گیا ہوں۔ میں اس جان کو کب تک ڈھونڈتا رہوں گا۔ میں تو اس سے عاجز آگیا ہوں)

ایک قصہ سنو! ایک بزرگ نے ایک غلام خریدا۔ اس سے پوچھا بتا میں تیرا نام کیا رکھوں؟ جواب دیا۔ جو آقا کی مرضی۔ پھر پوچھا تیری خوراک کیا مقرر کروں؟ اس نے جواب دیا جو آقا کی خواہش پوچھا تجھ کو کس کام کا حکم دوں۔ اس نے کہا جو آقا چاہیں۔ پھر پوچھا تیرا لباس کیسا بناؤں؟ جواب دیا جیسا آقا کی مرضی۔ یہ سن کر بزرگ نے کہا کہ میں نے یہ غلام نہیں خریدا ہے بلکہ یہ تو میرا اُستاد ہے جسے میرے پاس بھیجا گیا ہے۔ تاکہ مجھے بندگی سکھائے۔ اسی کو کسی نے بیان کیا ہے۔

مثنوی

چند پرسی کہ بندگی چہ بود ❊ بندگی جز فگندگی نہ بود
(کب تک پوچھو گے کہ بندگی کیا ہے؟ بندگی فگندگی کے سوا کچھ نہیں ہے)

بے رضائے حق ارچہ راحت تست ❊ آں نہ راحت کہ آں جراحتِ تست
(رضائے حق کے بغیر اگرچہ راحت ہو مگر وہ راحت نہیں ہے بلکہ تیرے لیے وہ جراحت ہے)

اے بھائی! اس کی کوشش نہ کرو کہ تمہاری مرادیں برآئیں بلکہ اس کی کوشش کرو کہ تمہیں اس کی رضا حاصل ہوگئی تو مَنْ لَهُ الْمَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ (جس کا مولیٰ اس کا سب کچھ) تمہاری دولت ہوگی۔ اسی کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

دربہشتِ فلک ہمہ خاماں ❊ دربہشت تو دوزخ آشاماں
(آسمان کے بہشت میں سب ناپختہ کار لوگ ہیں۔ اور تیری بہشت میں دوزخ کو پی جانے والے لوگ ہیں)

بر درت خوب وزشت راچہ کنم ❊ چوں تو ہستی بہشت راچہ کنم
(تیرے در پر اچھائی اور برائی کو لے کر کیا کروں گا۔ جب تو ہے تو پھر بہشت کو لے کر کیا کروں گا)

اے بھائی! اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ تم سے راضی ہے کہ نہیں؟ تو اس کا طریقہ اہل معرفت حضرات نے یہ بتایا ہے کہ اپنے تمام کاموں کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اگر تمہارے سارے کام

طاعت ہی طاعت ہوں تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہے۔ اس لیے کہ رضامندی کی علامت طاعت ہے۔ اور اگر تمام کام معصیت ہی معصیت ہیں تو سمجھو کہ وہ ناراض ہے۔ کیوں کہ اس کی علامت معصیت ہے۔ اور اگر تمہارے اعمال ملے جلے ہیں تو حکم غالب پر صادر ہوگا۔ پس مجھ کو اور تم کو اور ہم جیسے دوسروں کو یہ دولت کہاں نصیب کہ سارے اعمال طاعت ہوں۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہو کہ غالب اعمال طاعت کے ہوں۔ اگر نعوذ باللہ مغلوب ہوں تو اس کی عقوبت اور عذاب کے سزاوار ہوں گے۔ اور جو شخص اس کی عقوبت اور عذاب کا مستحق ہو گیا تو اس کے لیے نجات کی صرف ایک ہی صورت باقی رہتی ہے۔ وہ یہ کہ توبہ اور استغفار کے دروازے کو کھٹکھٹائے۔ اس لیے کہ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

اے پیرِ گنہگار درِ توبہ کشاد است ٭ انواعِ نعم بہر تو آمادہ نہاد است

(اے پر گنہگار توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور طرح طرح کی نعمتیں تیرے لیے وہاں تیار رکھی ہیں)

بشتاب سوے توبہ کہ از مادرِ گیتی ٭ کز کردنِ تاخیر بسے واقعہ زاد است

(توبہ کی طرف جلدی کر۔ دنیا نے تاخیر کی وجہ سے بہت سے واقعات کو جنم دیا ہے)

تقصیر مکن ہیچ تو از کردن طاعت ٭ کانہا کہ بیایست ترا جملہ بداد است

(طاعت کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کر۔ اس لیے کہ جو کچھ ہے وہ سب تجھ کو دے دیا ہے)

اے بھائی! ظاہر ہے کہ یکبارگی دنیاوی مشغلوں سے باہر آنا بہت دشوار کام ہے۔ اس لیے بقدر امکان و استطاعت غم و اندوہ اور حسرت و ندامت سے کسی وقت خالی نہ رہو۔ گذشتہ کا عذر کرتے رہنا چاہیئے۔ اس لیے کہ عمر کے ساٹھ ستر سال گذر چکے ہیں۔ جب تک ایک سانس بھی باقی ہے، فرصت باقی ہے اس کو غنیمت جانو اور خود کو دریافت کرو۔

مثنوی

کارِ خود در زندگانی کن بہ برگ ٭ زاں کہ نہ تواں کرد کارے روزِ مرگ

(اپنا کام اسی زندگی میں کرے تاکہ برگ و بار لاسکے۔ اس لیے کہ موت کے دن تو کوئی کام نہ کر سکے گا)

ایں زماں دریاب کا ساں باشدت ٭ ورنہ دشواری فراواں باشدت

(جو کچھ کرنا ہے اسی وقت کرلے کہ تیرے لیے آسان ہے۔ ورنہ پھر تجھے بہت زیادہ دشواری ہوگی)

چونکہ عمر کی آخری منزل قریب ہے اس لیے استغفار کا ورد پانچوں وقت ضرور کریں۔ خصوصاً

رات کے وقت بہت زیادہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص بہت زیادہ استغفار کرتا ہے تو اللہ اس کو غم سے نجات بخشتا ہے اور تنگی زر سے فراخی عطا کرتا ہے۔ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی مہیا کرتا ہے جہاں کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب تم میں سے کسی کا گناہ بہت زیادہ ہو جائے تو اس سے کہو کہ وہ بہت زیادہ استغفار کرے۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، استغفار ان گناہوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے۔ اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ تاج نبوت کے باوجود وہ روزانہ ستر بار استغفار فرمایا کرتے تھے۔ اور آخر میں سو بار تک پہنچا دیا تھا۔ تفسیر امام زاہد میں منقول ہے کہ اس امت کے لیے پناہ کی جگہیں دو تھیں۔ ایک وہ جو اٹھ گئی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔ اور دوسری جو باقی ہے وہ استغفار ہے۔

مثنوی

ترا تا نفس کافر در کمین است ❊ کجا تو رہ بری آں جا کہ دین است

(جب تک تیرا نفس کافر گھات میں ہے تو اس جگہ کا راستہ کہاں پائے گا جہاں دین ہے)

نفس گرچہ زیرک است و خردہ داں ❊ قبلہ اش دنیا است اورا مردہ داں

(نفس اگرچہ ہوشیار اور باریک بیں ہے۔ مگر اس کا قبلہ دنیا ہے اس لیے اسے مردہ تصور کر)

از ریاضت می شود ایں نفس رام ❊ چارۂ دیگر نہ دارد والسلام

(یہ نفس ریاضت سے رام ہوتا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ والسلام)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ اگر کوئی شخص ان کی خدمت میں آتا اور کسی مہم یا کسی حاجت میں ان سے مدد چاہتا تو فرماتے کہ کثرت سے استغفار کیا کرو۔ اگر کوئی شخص تنگیٔ معاش کی شکایت کرتا تو اس سے بھی یہی کہتے کہ استغفار بہت زیادہ کیا کرو۔ ایک شخص نے اپنی مناجات میں کہا۔

مثنوی

بود دین عفو تو عاصی طلب ❊ عرصۂ عصیاں گرفتم زیں سبب

(تیرا عفو عاصی طلب ہے اس لیے میں نے عصیاں کا میدان اختیار کیا)

چوں سیاہ آمد مرا رنگ گلیم ٭ تو سپیدش کن چو مویم اے کریم
(جب میرا نامۂ اعمال کمبل کی طرح سیاہ ہو جائے۔ تو اے کریم اسے میرے بالوں کی طرح سفید کر دے)

از درِ خویشم مگر داں ناامید ٭ از سرِ لطفے سیاہم کن سفید
(اپنے در سے مجھے ناامید نہ لوٹا۔ مہربانی کر کے میرے سیاہ کو سفید کر دے)

والسلام

۱۰ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ چہار شنبہ
۲۷ فروری ۱۹۸۰ء دس بجے شب
لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ سندھ
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ___ (۱۴۹)

صبر کا بیان ــ بالفاظِ دیگر

مثنوی

آدمی بہر بے غمی را نیست ؞ پارے در گل جز آدمی را نیست
(آدمی بے غمی کے لیے نہیں ہے۔ آدمی کے سوا کوئی مکلف نہیں ہے)
شادی از اہلِ عصر بے گانہ است ؞ آدمی را خود اندوہ از خانہ است
(خوشی اہلِ زمانہ کے لیے اجنبی ہو گئی ہے۔ آدمی کو غم خود اپنے گھر کی وجہ سے ہے)

شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا

حادثات کی کیفیت اور دوسرے حالات حاجی سمرقندی کی زبانی معلوم ہوئے۔ واضح ہو کہ آدمی ایک ایسا جانور ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں خون پیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ وہاں سے باہر نکلے گا اور خانۂ بلا میں پھنسے گا تو کیا پئے گا۔

مثنوی

کاشکے ہرگز نہ زادے مادرم ؞ تا نہ کردے کشتہ نفسِ کافرم
(کاش میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی تاکہ یہ کافر نفس مجھے قتل نہ کرتا)
کاشکے ہرگز نہ بودے نامِ من ؞ تا نہ بودے جنبش و آرامِ من
(کاش اس دنیا میں کبھی میرا نام نہ ہوتا۔ تاکہ میری حرکت اور نہ میرا سکون ہوتا)
ہر کرا در پیش ایں مشکل بود ؞ چوں تواند کرد اگر صد دل بود
(جس شخص کو اتنی مشکلات در پیش ہوں۔ اگر اس کے پاس سینکڑوں دل ہوں تو بھی وہ کیسے انجام دے سکتا ہے)

لیکن جب زندگی گذارنا ہے تو پھر کیا آسان اور کیا مشکل؟ کیا خوش اور کیا ناخوش سب برابر ہیں اس لیے سب کو سہنا اور برداشت کرنا ہے۔

مثنوی

عمر روز پنج وششش می بگذرد ٭ خواہ ناخوش خواہ خوش می بگذرد

(عمر کے یہ چند دن کسی طرح گذر ہی جائیں گے۔ خواہ خوش، خواہ ناخوش گذر ہی جائیں گے)

چوں چنیں می بگذرد عمرے کہ ہست ٭ چیست جز باد از چنیں عمرے بدست

(عمر جب اس طرح بسر ہو جاتی ہے۔ تو اس طرح کی عمر سے ہوا کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے)

لہٰذا اس درمیان میں جب تک فرصت ہے۔ موت اور قبر کی تیاری کرنا چاہیئے۔ اور سفرِ آخرت کے توشہ کی تیاری میں لگ جانا چاہیئے۔ اور تمام دوسرے فضول کاموں کو پس پشت ڈال دینا چاہیئے۔

مثنوی

ترک دنیا گیر و کار مرگ ساز ٭ راہ بس دور است رہ را برگ ساز

(دنیا کو ترک کر اور موت کے دھندے میں لگ جا۔ راستہ بہت دُور ہے اس کے لیے سامان تیار کر)

مرگ را برخلق عمرے لازم است ٭ جملہ را در خاک خفتن لازم است

(موت کے لیے تیاری کرنا خلق پر لازم ہے۔ اس لیے کہ سب کے لیے خاک میں سونا ضروری ہے)

اب تھوڑی بہت جو عمر باقی بچ گئی ہے اس کو شب و روز توبہ و استغفار میں صرف کریں، اپنے ایمان کا غم کھائیں، گذشتہ کوتاہیوں کی معافی چاہیں اور راتوں کو بے حد گریہ وزاری کے ساتھ نالہ و فریاد کریں۔ اور یہ مناجات پڑھیں۔

چوں سیاہ آمد مرا رنگ گلیم ٭ تو سپیدش کن چو مویم اے کریم

(جب میرا نامہ اعمال کمبل کی طرح سیاہ ہو جائے۔ تو اے کریم میرے بالوں کی طرح اس کو سفید کر دے)

خالقا کز اہل عادت بودہ ام ٭ بارے آخر در شہادت بودہ ام

(اے خالق میں اہل عادت میں سے رہا ہوں۔ اور آخر ایک بار شہادت میں رہا ہوں۔)

از در خویشم مگرداں ناامید ٭ از سرِ لطفت سیاہم کن سفید

(اپنے در سے مجھ کو نا امید نہ لوٹا۔ اپنے لطف و کرم سے میرے سیاہ کو سفید کر دے)

قطرۂ چند از گنہ گر شد پدید
در چناں دریا کجا آید پدید

(اگر گناہ کے چند قطرے ظاہر ہو گئے تو رحمت کے اس بحر ناپیدا کنار میں اس کی کیا حیثیت ہوگی)

والسلام

۱۰ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ چہار شنبہ
۲۷ فروری ۱۹۸۰ء گیارہ بجے شب
لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ
سیّد محمد نعیم ندوی

مکتوب ______ (۱۵۰)

دِل کی صفائی اور خلوصِ نیّت

مثنوی

نیست کن ہر چہ راہ ورائے بود ❊ تادلت خانۂ خدائے بود

(راہ ورائے میں سے جو کچھ بھی سامنے آئے اسے مٹادو۔ تاکہ تمہارا دل خدا کا گھر بن جائے)

ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن ❊ ہر چہ جز دیں از و طہارت کن

(حق کے سوا جو کچھ ہے اسے غارت کردو۔ اور دین کے سوا جو کچھ ہے اس سے طہارت حاصل کرو)

اے بھائی! اگر اضطراری طور پر بظاہر دنیاوی اشغال ہیں تو ان کا اعتبار ہی کیا ہے۔ ہاں دل کو دنیا کی آلودگیوں سے پاک ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر دل کی طرف ہے نہ کہ مٹی کی طرف اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ۔ (بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے) ایک عزیز نے بھی اس کے بارے میں یہ کہا ہے۔

بیت

ما زباں را نہ نگریم وقال را ❊ ما دروں را بنگریم وحال را

(ہم زبان اور گفتگو کو نہیں دیکھتے ہیں۔ ہم تو باطن کو اور حال کو دیکھتے ہیں)

آخر تم نے سُنا تو ہے کہ اَلْقَلْبُ بَیْتُ اللّٰهِ تَعَالٰی (دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے) اسی امر کی طرف اشارہ ہے جو اس بیت میں ہے۔

تشنہ از دریا جدائی می کند ❊ بر سرِ گنجے گدائی می کند

(پیاسا رہ کر دریا سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ خزانے کے سر پر بیٹھ کر بھی گدائی کرتا ہے)

اے بھائی! مطلوب دنیا والوں پر بالکل ظاہر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بدبختی کی وجہ سے اسے

حجاب میں سمجھے تو یہ اس کی محرومی ہے۔

آں چہ تو گم کردۂ کژ کردۂ ؛ ہست اندر تو، تو خود را پردۂ

(جو کچھ تو نے کھویا، برا کیا۔ وہ تو تیرے اندر موجود ہے۔ تو خود ہی اپنا آپ پردہ ہے)

سبحان اللہ! اس سے زیادہ ظاہر اور نزدیک کیا ہوگا۔ فرمایا نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (اور ہم تو رگِ گلو سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)

عقل جو کچھ اس کے متعلق خیال میں لاتی ہے، یا تصور کرتی ہے اور وہم و فہم جس طرح بھی اس کو سمجھتے ہیں۔ اس رب العزت کی ذات اور صفات ان سب سے منزہ اور پاک ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ رگِ گلو سے بھی زیادہ قریب ہے۔ جیساکہ اس رباعی میں ہے۔

اے در طلبِ گرہ کشائے مردہ ؛ با وصل بزادہ واز جدائی مردہ

(اے وہ شخص جو گرہ کشائی طلب میں مرا ہوا، وصل کی حالت میں زندہ اور جدائی کی حالت میں مرا ہوا ہے)

اے بر لبِ بحر تشنہ در خاک شدہ ؛ وے بر سرِ گنج در گدائی مردہ

(اے کہ دریا کے کنارے رہ کر پیاسا خاک میں ملا۔ اور خزانے کے منہ پر بیٹھ کر گدائی کی حالت میں مرا)

اے بھائی! حضرت آدم علیہ السلام کی ذات اسرارِ غیب کی امانت گاہ تھی۔ ورنہ ایک مشتِ خاک کو یہ بات کہاں سے حاصل ہو سکتی تھی کہ وہ خلیفہ بنے۔ یہ ایک عظیم راز ہے۔

خواجۂ دو عالم علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے اس رازِ سربستہ کا نشان صرف اتنا دیا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا) امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی صفت پر پیدا کیا۔ ؎

تا نیامد جانِ آدم آشکار ؛ رہ نہ دانستند سوئے کردگار

(جب تک حضرت آدم علیہ السلام کی جان ظاہر نہیں ہوئی کسی نے پروردگار کی طرف جانے کا راستہ نہیں جانا)

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید ؛ زو کلیدِ ہر دو عالم شد پدید

(جب آدم علیہ السلام ظاہر ہوئے تو راستہ بھی ظاہر ہوا۔ دونوں عالم کی کنجی ان ہی کے ذریعہ ظاہر ہوئی)

اے بھائی! کانوں کو اس سے زیادہ سننے کی طاقت نہیں ہے۔ اور مزید بیان کرنے یا تحریر کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ اس کو یہیں چھوڑنا کہ آگے بڑھیں۔ آخر تم نے سنا تو ہے جو کسی نے کہا ہے۔

زمستی گر بگوید رمزِ عشقش ؛ جزا ایش در طریقت دار باشد

(مستی کے عالم میں اگر کوئی شخص اس کے عشق کے راز کو بیان کر دے تو طریقت میں اس کی سزا دار ہے)

ایسی صورت میں استتار اور خاموشی واجب ہے۔ ہاں! رمز و اشارہ میں یا اجمالاً کچھ کہا جا سکتا ہے

دانی کہ چرا اہل صفا خاموشند ✤ در نکتۂ دل بہ محوِ خود می کوشند

(تم جانتے ہو کہ اہل صفا کیوں خاموش ہیں۔ نکتۂ دل میں اپنے کو محو کرنے کی کوشش کرتے ہیں)

مے از کفِ دوست ہر نفس می نوشند ✤ سر می بازند و سرِ حق می پوشند

(دوست کے ہاتھوں سے ہر لمحہ شراب پیتے ہیں۔ سر دے دیتے ہیں اور حق کے راز کو چھپاتے ہیں)

اے بھائی! اگر یوسف علیہ السلام کو بازار میں بیچتے ہیں اور ہمارے پاس سرمایہ نہیں ہے کہ ان کو خرید سکیں۔ پیدائشی مفلس ہیں۔ تو کیا ہوا۔ تماشا دیکھنا تو جائز ہے۔ کم سے کم یہی سہی۔

گر تنگ شکر خرید می نہ توانم ✤ بارے مگس از تنگ شکر می رانم

(اگر شکر کی بوری ہم نہیں خرید سکتے تو کم سے کم شکر کی بوری سے مکھی تو اڑا سکتے ہیں)

جب یوسف علیہ السلام کے لیے مصر کے بازار میں اعلان ہوا کہ کون زیادہ قیمت دیتا ہے۔ چنانچہ بولی اتنی بڑھی کہ بادشاہوں کے خزانوں سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اس وقت ایک بڑھیا سوت کے چند دھاگے لے کر بازار میں آئی۔ اور کہا کہ اس غلام کو میں خریدنا چاہتی ہوں۔ لوگوں نے کہا بڑھیا! کیا تو دیوانی ہوئی ہے اس غلام کی قیمت تو بادشاہ کے خزانوں سے بھی بڑھ گئی ہے۔ سوت کے ان چند دھاگوں سے تو کیوں کر خرید سکتی ہے؟ بڑھیا نے کہا ہاں میں جانتی ہوں اس کے باوجود میں اس لیے آئی ہوں کہ مجھے بھی اس غلام کے خریداروں میں شمار کریں۔ اسی راز کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

فرد

ہر کہ درو نیست ازیں عشق رنگ ✤ نزد خدا نیست بجز چوب و سنگ

(جس شخص میں عشق کا یہ رنگ نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک وہ لکڑی اور پتھر سے زیادہ نہیں ہے)

والسلام

۶ رجمادی الاول ۱۴۰۰ھ۔ دوشنبہ

۲۴ مارچ ۱۹۸۰ء وقت ۱۲ بجے شب

لطیف آباد، حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۱۵۱)

معوّذتین کا قرآن میں سے ہونا

تمہارا مکتوب لطیف اس درویش کو ملا ، مطالعہ کیا۔ تم نے اپنے خط میں معوذتین کا ذکر کیا ہے ۔ اور پوچھا ہے کہ یہ قرآن میں سے ہے یا نہیں ۔ تو سنو! کہ بعضوں کا خیال یہ ہے کہ یہ قرآن میں شامل نہیں ہے اس لیے کہ یہ دونوں سورتیں جھاڑ پھونک کے طور پر اتری ہیں ۔ جب کہ ایک یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا ۔ لہذا یہ قرآن میں سے نہیں ہے ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے اسی وجہ سے ان دونوں سورتوں کو اپنے مصحف میں نقل نہیں کیا تھا۔

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے ۔ بلکہ مردود ہے ۔ صحیح قول یہ ہے کہ معوذتین قرآن مجید میں شامل ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس مصحف کو جمع اور مرتب کیا تھا۔ اس میں یہ دونوں سورتیں موجود ہیں ۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت سے ہمارے زمانہ تک وہی مصحف ہمارا امام رہا ہے ۔ اور مشرق و مغرب کے تمام مصاحف میں اسی طرح لکھا گیا ہے ۔ جس طرح دوسری تمام سورتوں کے متعلق بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ جزوِ قرآن ہیں اسی طرح معوذتین کے متعلق بھی صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ بھی جزوِ قرآن ہے ۔ چنانچہ مجموعہ پر اتفاق اس کے اجزا پر اتفاق کا سبب ہے ۔ کیونکہ مجموعہ کا جز و مجموعہ میں داخل ہے ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ۔ انھوں نے کہا کہ قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے ۔ یہی قول عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی ہے ۔ اور اسی طرح امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں بھی سورتوں کی مجموعی تعداد ۱۱۴ ہے ۔ جن میں معوذتین بھی شامل ہیں ۔ لہذا ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن میں سے ہے ۔ چنانچہ جس طرح حالت جنابت میں دوسری سورتوں کا پڑھنا ممنوع ہے اسی طرح معوذتین کا پڑھنا بھی بالاتفاق ممنوع ہے ۔ نماز میں جس طرح دوسری سورتوں کا پڑھنا جائز ہے اسی طرح معوذتین کا پڑھنا بھی بالاتفاق جائز ہے ۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ براءت کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں

لکھا تو لوگوں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ جب سورہ براءت نازل ہوئی تو میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت نہ کرسکا کہ سورۂ برأت کوئی علیحدہ سورت ہے یا سورۂ انفال کا آخری حصہ یا تتمہ ہے۔ اسی اثنا میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ اللہ! اللہ!! جہاں حزم واحتیاط کا یہ عالم ہے کہ سورہ براءت کی ابتدا میں بسم اللہ صرف اس وجہ سے نہیں لکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت نہیں کیا تھا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ معوذتین کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر انھوں نے اپنے مصحف میں اسے لکھ لیا ہو؟ یہی وہ مصحف ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک ہمارا امام ہے۔ پس یہ بات معلوم ہوئی کہ انھوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کے بعد دوسری سورتوں کے ساتھ قرآن کریم میں لکھا ہوگا۔ لہذا ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن کریم میں سے ہے۔ ورنہ وہ دوسری سورتوں کے ساتھ معوذتین کو اپنے مصحف میں ہرگز شامل نہ کرتے۔ لہذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ معوذتین قرآن میں سے نہیں ہے۔ اس سے کہدو کہ وہ امیر المومنین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالی عنہ پر افترا کرتا ہے اور بہتان لگاتا ہے کہ انھوں نے جو قرآن نہیں ہے اس کو نعوذ باللہ قرآن میں داخل کر دیا ہے اور اپنے مصحف میں لکھ دیا ہے۔

اس زمانہ میں دین میں لوگوں نے فتور ڈال دیا ہے۔ عام طور پر دین سے کوتاہی اور غفلت برتی جاتی ہے اور احکام کتاب وسنت کی طلب میں خلل پڑ گیا ہے۔ اس زمانہ کے خواص اور عوام حصول دین میں وہ اہتمام نہیں کرتے جو کرنا چاہیئے۔

بلاشبہ یہ عجائب روزگار میں سے ہے کہ آں عزیز کی جانب سے تحقیق کے باب میں احکام دین میں سے ایک حکم وجود میں آیا ہے۔ اگرچہ مسافت کی دوری ہے۔ لیکن یہ مسافت تحقیق کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔ مبارک ہو۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ (علم طلب کرو خواہ وہ چین میں ہو) آں عزیز کے حق میں یہ محقق ہوا ہے۔

خاتمہ اور انجام بخیر ہو۔

والسلام

۷ جمادی الاول سنہ ۱۴۰۰ھ سہ شنبہ
۲۵ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء تین بجے شام
لطیف آباد۔ حیدرآباد سندھ پاکستان
سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــــ (۱۵۲)

خاتمہ کا خوف اور اس کا پسند کرنا

از صومعہ براند و بیگانہ خواندش ❊ وزبت کدہ بیارد و گوید کہ آشناست
(عبادت خانہ سے بیگانہ کہہ کر نکال دیتا ہے۔ اور بت خانہ سے یہ کہہ کر ساتھ لے آتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے)

برادر اعز مولانا قطب! کاتب حروف شرف منیری کی طرف سے سلام و دعا،

تم نے لکھا ہے کہ خاتمہ کا خوف مجھ پر اس طرح غالب ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں ساکت و صامت ہو جاتے ہیں، بالکل حرکت نہیں کرتے۔ اور باطن میں یہ دیکھتا ہوں کہ دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اے بھائی! خاتمہ کے خوف سے تو مردوں کے جگر پارہ پارہ ہو جاتے ہیں، دل کباب ہوتے ہیں۔ وہ لوگ شب و روز اس حیرت میں رہتے ہیں کہ دیکھیں پردۂ مشیت سے کیا ظاہر ہوتا ہے، رد یا قبولیت، مسجد میں جاتے ہیں یا بتخانہ میں۔

قطعہ

زدردِ دیں ہمہ پیرانِ رہ را ❊ محاسنہا بخونِ دل خضاب است
(دین کے درد کی وجہ سے تمام پیران راہ کے محاسن خونِ دل سے رنگین ہیں)

ہمہ مردانِ دیں رازیں مصیبت ❊ جگر ہا تشنہ و دلہا کباب است
(اس مصیبت کی وجہ سے تمام مردانِ دین کے جگر تشنہ اور دل کباب ہیں)

مثنوی

ہر کرا در پیش ایں مشکل بود ❊ چوں تواند کرد اگر صد دل بود
(جس شخص کو اس قدر مشکل کام درپیش ہو۔ اس کے پاس اگر سینکڑوں دل ہوں تب بھی کس طرح انجام دے سکتا ہے)

ہیبتِ ایں راہ کارے مشکل است ❊ صد جہاں زیں سہم پر خون دل است
(اس راہ کی ہیبت کو برداشت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ سینکڑوں جہان اس تیر کی وجہ سے دل کے خون سے بھرے ہوئے ہیں)

اے بھائی! تم کو خوش خبری ہو کہ خاتمہ کا خوف تم پر غالب آگیا ہے۔ جو شخص آج خاتمہ سے خائف ہے امید ہے کہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا۔ اور مولیٰ کے فراق اور انقطاع سے خاتمہ کے وقت محفوظ رہے گا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں ستّر زاہد تھے۔ اس زمانہ میں زہد میں ان کے برابر کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے پیغمبر علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ وہ ستّر زاہد دنیا سے بے ایمان جائیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس خبر سے پیغمبر علیہ السلام کو تعجب ہوا۔ چنانچہ انھوں نے مناجات کی۔ الہام ہوا کہ یہ لوگ خاتمہ کے خوف سے غافل اور بے خوف ہیں۔ اسی کو کسی نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

مست پر خسپی کہ کمیں کردہ اند ؛ کارشناساں نہ چنیں کردہ اند

(مست و غافل ہو کر کیا سوتا ہے۔ یہ کام تو کمینوں کا ہے۔ واقف کار لوگوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔)

آں کس کہ بود بہ عشق در کارِ تو اے دوست ؛ ناچار کشد بر دل و جاں بارِ تو اے دوست

(اے دوست جو شخص تیرے کام سے عشق میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ مجبوراً اپنے دل و جان پر تیرے عشق کے بار کو کھینچتا ہے)

یک شہر زعشاق تو دل سوختگان اند ؛ عاجز شدہ در قاعدۂ کارِ تو اے دوست

(تیرے دل جلے عشاق سے ایک شہر آباد ہے۔ مگر اے دوست! تیرے کام کے قاعدے میں وہ عاجز ہیں)

والسلام

۷ رجمادی الاول ۱۴۰۰ھ دوشنبہ

۲۵ مارچ ۱۹۸۰ء۔ وقت دس بجے شب

لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ سندھ (پاکستان)

سید محمد نعیم ندوی

مکتوب ـــــ ۱۵۳

خدمتِ درویشاں

امام تاج الدین!   جو دُعا کے ساتھ مخصوص ہیں

آں عزیز کا مکتوب پہنچا۔ مطالعہ کیا۔ اے بھائی! جب کوئی شخص درویشوں کی خدمت سے مشرف ہوتا ہے، اور ان کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ حسب استطاعت ان کی پیروی کرے۔ اس لیے کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ ان کے پاک وقت کی برکتیں اسے حاصل ہو جائیں گی۔ اور ہوا پرستی سے خدا پرستی تک اسے پہنچا دیں گی۔

قطعہ

آں ہوائے کہ بیش ازیں باشد ؛ رسم و عادت بود نہ دیں باشد

(وہ خواہش جو اس سے زیادہ ہو وہ رسم و عادت ہے دینداری نہیں ہے)

ار سرِ دیں، داری اے بے پا و سر ؛ راہ، ایں رہ نیست زیں رہ درگذر

(اے بے سر و پا آدمی اگر تجھے حصول دین کا خیال ہے۔ تو اس کا راستہ یہ نہیں ہے۔ اس راستہ کو چھوڑ دے)

نیست کن ہر چہ رہ ورائے بود ؛ تا دلت خانۂ خدائے بود

(راہ ورائے سے جو کچھ سامنے آئے سب کو فنا کر دے۔ تاکہ تیرا دل خدا کا گھر بن جائے)

اے عزیز! اگرچہ بندہ کا کاروبار خدائے بزرگ و برتر کے فضل پر موقوف ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنی عبودیت ثابت کرنے کے لیے بندہ کی جانب سے بندگی کا اظہار ضروری ہے۔ تاکہ خزانے کا دروازہ اس پر کھل جائے۔

مثنوی

لیک جد و جہد می باید ترا ؛ تا درِ ایں گنج بکشاید ترا

(لیکن تجھ کو کوشش میں لگا رہنا چاہیے۔ تاکہ اس خزانے کا دروازہ تیرے لیے کھل جائے)

ترک دنیا گیر و کارِ مرگ ساز ٭ راہِ دیں دور است رہ را برگ ساز

(دنیا کو ترک کر دے اور موت کے کام کی تیاری میں لگ جا۔ دین کا راستہ دور ہے لہٰذا زادِ راہ تیار کر)

والسلام

تمّت

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَتَوْفِیْقِہٖ

۷۔ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ روز سہ شنبہ

۲۵۔ مارچ ۱۹۸۰ء وقت گیارہ بجے شب

لطیف آباد۔ حیدر آباد سندھ (پاکستان)

مناجات

حضرت مخدوم جہاں شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ

اِلٰهِیْ اَنْتَ رَبِّیْ وَ قَوِیٌ وَ اَنَا عَاجِزٌ اِلٰهِیْ اَنْتَ مَالِکِیْ وَاَنَا مَمْلُوْکٌ

الٰہی عاجز ترین عاجزانم، الٰہی جاہل ترین جاہلانم۔ الٰہی نہ می دانم تا چگونہ رضائے تو جویم۔ الٰہی نہ می دانم تا چہ گویم۔ الٰہی عجز و درماندگی من تو می بینی۔ الٰہی حاجت من تو می دانی۔ الٰہی من بے چارہ جز دعا، ہیچ حیلہ و قوت و وسیلہ نہ دارم وانچہ جز تست ازاں بیزارم۔ الٰہی من ضعیف و درماندہ را و من نحیف در ہائے زندہ را و منِ مدہوش سیاہ کار گناہ گار را و منِ بدکردار را و منِ انقیادِ فرمانِ شیطان را و منِ استادِ مکتبِ عاصیاں را و من مدہوش سرگشتہ را و منِ عاجز در بدر گشتہ را و منِ گنہ گار بدافعال را و منِ خاکسار بداعمال را و منِ ثابتِ ناتمام را و منِ عہد شکنِ خودکام را و من گندم نمائے جوفروش را و منِ زنار دار خرقہ پوش را و منِ سیاہ رونامۂ سیاہ را و من منافق تبہ کار را بہ فضلِ عمیم و لطفِ قدیم خود از بندِ نفسِ امارہ خلاصی دہ و توبۂ نصوحہ عطا کن کہ طاقتِ حضرتِ عدل تو نہ دارم۔ الٰہی مرا توفیق دہ کہ ترا بہ پرستم کہ بے توفیقِ تو ترا نہ تواں پرست۔ الٰہی مرا تعریف دہ کہ ترا بشناسم کہ بے تعریفِ تو ترا نہ تواں شناخت۔ الٰہی ضائع کردم عمرِ خویش برآں چیز کہ رضائے تو نہ بود۔ و من نہ دانستم۔ ازاں توبہ کردم و بیزار گشتم۔ اے دستگیرِ ہر شکستہ وائے دلیلِ ہر درماندہ وائے فریادرسِ ہر دشوارہ وائے چارہ سازِ بے چارگاں وائے قبول کنندۂ توبہ عاصیاں وائے پذیرندۂ گریختگاں۔ وائے حلیمے کہ حلمِ تو مارا گستاخ کرد۔ وائے رحیمے کہ رحمِ تو مرا بے باک گردانید۔ ایں گستاخی و بے باکی از ما عفو کن واز خلعتِ معرفت ہمہ اعضائے مارا بپوشاں۔ الٰہی بحق تہلیل و تسبیح و تحمید و تمجید جملہ روحانیاں و کروبیاں۔ الٰہی بحرمتِ عابداں و زاہداں، الٰہی بحرمتِ خواصگانِ درگاہِ تو، الٰہی بہ حرمتِ لواحقانِ حضرتِ تو، الٰہی بہ حرمتِ غریباں و شہادت جواناں، الٰہی بہ حرمتِ آب دیدۂ عاصیاں، الٰہی بہ حرمتِ عفوِ تو کہ بر عاصیانِ درگاہِ تست الٰہی بہ حرمتِ عز و جلال تو، الٰہی بہ حرمتِ عظمت و کمال تو کہ حاجاتِ من و جملہ مسلمانان روا کنی و ایمانِ مارا در دنیا و آخرت بر ما ارزانی داری۔ الٰہی چوں در آں حجرۂ تنگ و تاریک بے شمع

مارا مبتلا کنی ایمان مارا چراغ لحد گردانی۔ بحق لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

۸۔ جمادی الاول سنہ ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ

۲۶۔ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء وقت چار بجے شام

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ (پاکستان)

سیّد محمد نعیم ندوی

مناجات

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تو قوی اور میں عاجز ہوں۔ اے اللہ! تو ہی میرا مالک ہے اور میں تیرا مملوک۔ اے اللہ! میں عاجزوں میں سب سے زیادہ عاجز ہوں۔ اے اللہ! میں جاہلوں میں سب سے زیادہ جاہل ہوں۔ اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ کس طرح تیری رضا حاصل کروں۔ اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ الٰہی! میرے عجز و بیچارگی کو تو دیکھتا ہے۔ الٰہی! میری حاجتوں سے تو واقف ہے۔ اے اللہ! میں بیچارہ و عاجز ہوں اور کوئی حیلہ، قوت اور وسیلہ نہیں رکھتا ہوں۔ تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے میں بیزار ہوں۔

الٰہی! مجھ ضعیف و درماندہ کو، مجھ کمزور اور دربدر ٹھکرائے ہوئے کو، مجھ سیاہ کار گنہ گار اور مدہوش کو، مجھ بدکردار کو، مجھ کو جو شیطان کا مطیع و فرماں بردار ہے، مجھ کو جو گنہ گاروں کے مکتب کا استاد ہے۔ مجھ کو جو مدہوش و سرگشتہ ہے، مجھ عاجز کو جو در در کا ٹھکرایا ہوا ہے اور مجھ گنہ گار بدافعال کو، مجھ خاکسار بداعمال کو، مجھ ثابت ناتمام کو، مجھ عہد شکن مطلب پرست کو، مجھ گندم نما جو فروش کو، مجھ زنار دار خرقہ پوش کو، مجھ سیاہ رو سیاہ کار کو، مجھ منافق تباہ کار کو اپنے فضل عمیم اور لطف قدیم سے نفس امارہ کی قید سے نجات دے اور توبہ نصوحا عطا فرما۔ اس لیے کہ میں تیرے دربارِ عدل کی قوت نہیں رکھتا۔ اے اللہ! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری پرستش کروں، اس لیے کہ تیری توفیق کے بغیر تیری پرستش ممکن نہیں۔ اے اللہ! مجھے معرفت عطا کر تا کہ تجھے پہچانوں اس لیے کہ معرفت حاصل کئے بغیر تجھے نہیں پہچانا جا سکتا۔ اے اللہ! میں نے اپنی تمام عمر اس چیز کے حصول میں ضائع کر دی جس میں تیری رضا نہ تھی۔ اور اسے میں نہیں جانتا تھا میں نے اس سے توبہ کی اور بیزار ہوا۔

اے دستگیر ہر شکستہ، اے دلیلِ ہر درماندہ، اے مشکلات میں فریاد سننے والے، اے بیچاروں کے چارہ ساز، اے گنہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والے، اے منکروں کو قبول کرنے والے، اے حلیم کہ تیرے حلم نے مجھے گستاخ بنا دیا۔ اے رحیم کہ تیرے رحم نے مجھے بے باک کر دیا۔ ہماری اس گستاخی اور بے باکی کو معاف کر دے۔ اور معرفت کی خلعت ہمارے تمام اعضا کو پہنا دے۔ اے اللہ! تمام

روحانیوں اور فرشتوں کی تمجید و تحمید اور تسبیح و تہلیل کے صدقے میں، اے اللہ! تمام عابدوں اور زاہدوں کی حرمت کے صدقے میں، اے اللہ! اپنی درگاہ کے خواص کے طفیل میں، اے اللہ! اپنے لواحقینِ دربار کے واسطے سے، اے اللہ! جو ان شہیدوں کی شہادت کے واسطے سے، اے اللہ! گناہ گار بندوں کے آنسوؤں کی حرمت کے طفیل، اے اللہ! ان گنہگاروں کے طفیل جنہوں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی؛ اے اللہ! اپنی عزت و جلال کی حرمت کے واسطے سے، اے اللہ! اپنی عظمت و کمال کے صدقے میں میری اور تمام مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کر، ہمارے ایمان کو دنیا اور آخرت میں ہم پر زیادہ کر دے۔ اے اللہ! جب تو اس حجرۂ تنگ و تاریک میں بے شمع ہمیں مبتلا کرے تو اس وقت ہمارے ایمان کو چراغِ لحد بنا دے۔

نہیں ہے کوئی اِلٰہ مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی محبوب مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی مطلوب مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی مقصود مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی موجود مگر اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے ارحم الرّاحمین اپنی رحمت کاملہ سے رحمتیں نازل فرما اُن پر جو بہترین مخلوق ہیں۔ یعنی ہمارے سردار حضرت محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ان کی آل پر اور ان کے تمام اصحاب پر۔

عاصی

سید محمد نعیم ندوی فردوسی القادری

لطیف آباد۔ حیدر آباد۔ سندھ

پاکستان

۸۔ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ روز چہار شنبہ

۲۶۔ مارچ ۱۹۸۰ء دس بجے شب